سایہ
ایم اے راحت

آغازیہ

''کالا جادو'' کے نام سے ''اخبارِ جہاں'' میں میرا ایک تاریخ ساز ناول شائع ہوا تھا جو ستر (70) اقساط پر مشتمل تھا۔ ان ستر اقساط نے سولہ سال سے آج تک جس طرح سحر قائم کر رکھا ہے وہ بے مثال ہے۔ ادارہ ''اخبار جہاں'' نے ہی اسے ناول کی شکل میں شائع کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اس کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''اخبارِ جہاں'' میں خوب صورت کہانیوں کے منتظم جناب انوار علیگی نے کہا کہ راحت صاحب ''کالا جادو'' جیسی کوئی تخلیق منظر عام پر لائیں تو جانیں ان کے حکم سے ''سایہ'' تخلیق ہوئی اور قارئین نے اسے ''کالا جادو'' کا نعم البدل قرار دیا۔ یہ پر اسرار داستان آج تک اپنا سحر قائم کیے ہوئے ہے۔ اسے میرے بھائی اور بڑے خوش ذوق پبلشر جناب محمد علی قریشی صاحب نے ناول کی شکل دی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ایم اے راحت

انتساب

میرے خاندان میں نئی شمولیت اختیار کرنے والے
عثمان طلعت کے نام........!
جو خوش خلق، خوش مزاج اور خوش بدن شخصیت کے مالک ہیں،
جن کے لئے میں اپنے پرستاروں سے درخواست کرتا ہوں،
کہ ان کی زندگی، کامیابی اور خوشیوں کے لئے میری دعاؤں میں ساتھ دیں۔

ایم اے راحت

نومبر اپنی آخری تاریخوں سے گزر رہا تھا، سردی تھی تو سہی لیکن زیادہ نہیں تھی۔ بس ایک بارش کا انتظار تھا، بارش ہو جائے تو صحیح معنوں میں سردی پڑے اور پھر سردی کی یہ خشکی ختم ہو جائے جس کی وجہ سے گلے اور ناک، کان کی بیماریاں پھیلی ہوئی تھیں۔

اس شام آخر کار بادل اُمڈ آئے۔ عشاء کے بعد بوندا باندی شروع ہو گئی جو ابھی تک جاری تھی، حالانکہ بادل بہت گہرے چھائے ہوئے تھے لیکن بارش بوندا باندی تک ہی محدود تھی۔

گلاب خان نے کھیس پوری طرح بدن کے گرد لپیٹ لیا اور چائے کی پیالی لرزتے ہاتھوں سے اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لی۔ پھر بیوی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''تو بھی کچھ اوڑھ لے جیراں، سردی لگ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے، بڑی جوان بنی پھرتی ہے۔'' پاس بیٹھی ہوئی بیوی جس کا نام ظہیرہ تھا، لیکن گلاب خان اسے جیراں ہی کہتا تھا، ہنس پڑی اور بولی۔ ''جا رے! کون سی جوانی کی بات کر رہا ہے، جو بیت گیا سو کل، اب کاہے کی جوانی، بس گزارے والی بات ہے۔''

''مولا نے بڑی عزت رکھی ہے، اس کا کرم ہے، چل چائے پی ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

جیراں نے اپنی چائے کی پیالی اٹھا لی، اسی وقت زور سے بادل گرجے اور بجلی چمکی تو گلاب خاں کے پورے بدن میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔ چائے کی پیالی ہاتھ میں لرز گئی اور تھوڑی سی چائے چھلک گئی۔ بچپن ہی سے وہ بجلی سے ڈرتا تھا، بوڑھا ہو گیا تھا لیکن گرج چمک کا خوف اب بھی اسی طرح دل میں تھا۔

جیراں نے اسے دیکھا اور مسکرا دی۔ ''واہ رے بہادر شاہ، بجلی چمکتی ہے تو لگے ہے جیسے تیرے سر پر گری ہے۔''

''پاگل ہے تو، اب کیا کروں۔ لگتا ہے ڈر بجلی سے، بچپن ہی سے۔ جب اماں کے پاس بستر پر لیٹا ہوتا تھا اور بجلی چمکتی تھی تو اماں سے لپٹ جاتا تھا۔''

"میں تو چلوں ہوں، تو بھی اٹھ کر اندر آ جا، بلاوجہ ٹھنڈک لگ گئی تو بخار آ جائے گا۔"

"تو جا جیراں! میں بیٹھوں گا ابھی، تجھے معلوم ہے کہ بارش کا میرے دل سے گہرا تعلق ہے، جب بھی آسمان سے بوندیں گرتی ہیں میرا دل چاہتا ہے کہ...... کہ......" گلاب خاں کو کوئی اچھا جملہ نہ مل سکا۔

جیراں اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ گلاب خاں نے اپنی چائے کا آخری گھونٹ بھرا اور پیالی ایک طرف سرکا دی۔ پھر بیڑی تلاش کرنے لگا۔ وہ بجلی سے اپنے خوف پر خود ہنسنے لگا تھا۔ بھلا یہ بھی کوئی ڈرنے کی چیز ہے۔ پوری عمر بجلی کی چمک اور بادل کی گرج دیکھی تھی، پر نجانے اس عمر میں بھی یہ خوف ابھی تک دل سے کیوں نہیں نکلا تھا۔ بیڑی مل گئی اور اس نے اسے سلگا کر ہونٹوں میں دبا لیا۔ پھر دو تین گہرے گہرے کش لیے، یہ بیڑی بھی کیا چیز ہے، بس اس کا سرا سلگا نہیں کہ وہ منہ سے بولنے لگتی ہے۔ باتیں کرتی ہے، دل بہلاتی ہے احساس دلاتی ہے کہ میں ہوں۔ خود کو تنہا کیوں سمجھ رہے ہو۔

وہ خاموشی سے بیٹھا سناٹے میں دور دور تک نگاہیں دوڑانے لگا۔ تاحد نظر سونے والے منوں مٹی کے نیچے سو رہے تھے۔ قبریں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اونچی نیچی، پتھریلے کتبوں سے مزین، کچھ سنگ مرمر سے آراستہ اور کچھ ایسی جن کا کوئی پرسان حال ہی نہیں تھا...... لیکن وہ ان سب کا پرسان حال تھا۔ یہ سب اس کے عزیز و اقارب ہی تھے۔ یہ سب اس کے اپنے تھے، ساری زندگی کا رشتہ تھا ان سے۔ گلاب خاں کا باپ بھی گورکن تھا، دادا بھی گورکن تھا اور مزے کی بات یہ کہ اس کا سارا خاندان خود اسی قبرستان میں دفن تھا۔ باپ، دادا، دادی اور دوسرے رشتے داروں کی قبریں بھی یہیں تھیں۔ وہ ان سب کو پہچانتا تھا، چاچا جی، دادا ابو اور دوسرے لوگ، جب اس کا دل چاہتا ان میں سے کسی کی قبر پر جا کر بیٹھ جاتا اور گھنٹوں بیٹھ کر ان سے باتیں کرتا رہتا، اس کے پاس خوشی کا کوئی گزر نہیں تھا۔ رشتے ناتے داروں میں سے کبھی کسی کی شادی ہو جاتی تو گھر کے لوگ چلے جاتے۔ خاندان والے آس پاس کی بستیوں میں آباد تھے۔ خود بھی کبھی کبھی ان سے مل لیتا۔ سبھی کہتے تھے کہ گلاب خاں تُو تو ہنسنا ہی نہیں جانتا تو وہ کہتا۔ "کیا کروں۔ ساری زندگی قبرستان میں گزاری اور قبرستان میں صرف رونے والے آتے ہیں۔ کبھی کسی کو ہنستے ہوئے دیکھا ہی نہیں جو ہنسی جانتا، مجھے ہنسنا نہیں آتا۔"

"تو پاگل ہو گیا ہے گلاب خاں، اب یہ قبرستان چھوڑ دے، قبرستان کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے، چل تو ہنسنا بھول چکا ہے مگر اپنے بچوں کے ہونٹوں سے ہنسی کیوں چھین رہا

ہے۔" "ارے چھوڑ تو دیا ہے اس بیل کو، ڈاکٹر بن رہا ہے سسرا ڈاکٹر، میں کہتا ہوں جس کی موت آئی ہے اسے کون بچا سکتا ہے۔ ڈاکٹر مرنے والوں کو بچا لے گا کیا؟ روز دیکھتا ہوں کہ قبرستان میں کیسے کیسے جنازے آتے ہیں۔ مرنے والے تو بھیا مرتے ہی ہیں اور جب مرنے والوں کو مرنا ہے تو تم ڈاکٹر بن کر کیا کرو گے؟ ہیں بولو، بچا لو گے انہیں۔"

"جاہل ہے تو نرا جاہل گلاب خاں!"

"ٹھیک ہے بھیا ٹھیک ہے۔ وہ بن لے سسرا ڈاکٹر۔ ہمیں کیا، اپنی مرضی کا مالک ہے؟ ہم نے بھی چھوڑ دیا ہے اب ہم کیا کریں۔ ویسے غلطی ہماری تھی، دس جماعتیں پڑھا دیں اسے یہ غلطی کی...... اگر پہلے ہی بیلچہ پھاوڑا ہاتھ میں دیتے تو ڈھنگ کا آدمی بن جاتا۔"

یہ باتیں وہ اپنے بیٹے شہباز خاں کے لیے کہتا تھا۔ شہباز خاں کو بچپن ہی سے پڑھائی کا شوق تھا اور اس شوق کو سامنے والی بیگم صاحب نے اور ہوا دی۔ سچی بات ہے کہ اگر بیگم صاحبہ توجہ نہ دیتیں تو شہباز آج اپنے باپ کے ساتھ ہی ہوتا، مگر کیا کیا جا سکتا تھا۔ اپنے پیروں پر چلنے کے قابل ہوا تو سامنے والے بنگلے کے صاحب کے بیٹے سے دوستی ہو گئی۔ ساتھ ہی کھیل کود بھی شروع ہو گیا۔ بیگم صاحب بہت اچھی خاتون تھیں اور انہوں نے شہباز خاں کو پڑھنے لکھنے کی راہ پر ڈال دیا۔ شکل وصورت کا وہ بہت پیارا تھا، خود بیگم صاحبہ کے بیٹے اقبال شاہ سے بھی اچھا، دونوں گہرے دوست تھے۔ پھر بیگم صاحبہ ایک دن خود چل کر قبرستان میں آئیں اور اس سے بولیں۔ "گلاب خاں مجھے جانتے ہو نا؟"

"ارے بیگم صاحب! آپ کو کیوں نہیں جانیں گے، مائی باپ ہیں آپ ہماری، سامنے والے بنگلے میں رہتی ہیں نا آپ۔"

"ہاں اور یہ بھی جانتے ہو کہ تمہارا بیٹا میرے بیٹے کے ساتھ کھیلتا ہے۔"

"لاکھ منع کرتا ہوں بیگم صاحبہ کہ راجہ اور پرجا کا کبھی میل نہیں...... اسے آپ کے بیٹے کے ساتھ کھیلنا نہیں چاہیے، کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی۔"

"تم کے پاگل ہو گلاب خاں، میرا مطلب یہ نہیں تھا، میں کچھ اور ہی کہنا چاہتی ہوں تم سے۔"

"معافی چاہتے ہیں بیگم صاحب! ہم سمجھے آپ شکایت کر رہی ہیں کہ یہ گنگو تیلی راجہ بھوج کے ساتھ کیوں لگا پھرتا ہے۔"

جی نہیں بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ گنگو تیلی، راجہ بھوج کا دوست ہے اور راجاؤں کے دوست راجہ ہی ہوتے ہیں، کوئی گنگو شنگو نہیں ہوتا، میں تم سے ایک درخواست کرنے آئی

ہوں۔"

"ارے بیگم صاحب، ہاتھ جوڑتے ہیں، آپ کے سامنے، آپ مائی باپ ہیں ہماری، جیراں بتاتی ہے کہ آپ بڑا خیال رکھتی ہیں ہمارا۔ آپ کا نوکر نجانے کیا کیا چیزیں دے جاتا ہے۔"

"چھوڑو ان باتوں کو میں تم سے کچھ اور کہنا چاہتی ہوں۔"

"حکم کریں بیگم صاحب!"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ تم شہباز خاں کو پڑھنے دو۔"

"شہباز کو اور پڑھنے دوں۔"

"ہاں یہی کہہ رہی ہوں میں۔"

"بیگم صاحب! وہ کہاں سے لکھے پڑھے گا، جتنا اس نے پڑھ لیا وہی ہمارے لیے شرم کی بات ہے، گورکن کا بیٹا قبریں کھودے گا اور کچھ نہیں کر سکتا وہ۔"

"گلاب خاں چونکہ تم خود پڑھے لکھے نہیں ہو، تم نے کبھی اس پر توجہ ہی نہیں دی۔ وہ اچھا خاصا لکھنا پڑھنا جانتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ جب بھی کوئی تدفین کے لیے آتا ہے تو تم رجسٹر اس کے سامنے کر دیتے ہو کہ اپنا نام پتہ لکھ دو، اب اگر تم وہ رجسٹر شہباز کو دو تو ذرا دیکھو وہ کیسا لکھتا ہے اس پر۔"

"ایں......" گلاب خاں کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں گلاب خاں، میٹرک کر لیا ہے اس نے سمجھے، میٹرک کر لیا ہے، دسویں کلاس پاس کر لی ہے۔"

"اللہ جانتا ہے جی، ہمیں یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"مگر جو کچھ میں تم سے کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو، میں اسے اقبال شاہ کے ساتھ آگے پڑھانا چاہتی ہوں۔ کیا سمجھے، میں تمہیں بہت جلد بتاؤں گی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکتی کہ میٹرک کیا چیز ہوتی ہے اور اس کے بعد کی زندگی کیا ہے؟ لو یہ کچھ پیسے رکھ لو تمہارے کام آئیں گے۔" بیگم صاحبہ نے 2000 روپے نکال کر گلاب خاں کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ 2000 روپے کے نوٹ گلاب خاں کے منہ پر کیا پورے بدن پر تالے لگانے کے لیے کافی تھے۔ پھر اس کے بعد وہ کچھ نہ بول سکا، البتہ بیگم صاحبہ یہ کہہ کر گئی تھیں کہ وہ دوبارہ اس کے پاس آئیں گی اور تین چار دن کے بعد دوبارہ اس کے پاس پہنچ گئیں۔

"کہو گلاب خاں تم نے اپنے بیٹے سے کچھ لکھوا کر دیکھا۔"

"ارے بیگم صاحب، وہ کاغذ پر ایسے قلم چلاتا ہے کہ اس طرح پھاؤڑا بھی نہیں چلا سکتا، بیلچہ بھی نہیں چلا سکتا، میں تو حیران رہ گیا جیسا دوسرے لکھتے ہیں، ویسا ہی وہ بھی لکھتا ہے۔"

"دیکھو اب جو کچھ میں کہہ رہی ہوں تم اسے غور سے سنو۔"

"جی بیگم صاحبہ جی! بتایئے۔"

"تم نے دیکھ لیا کہ وہ کتنا اچھا لکھنا پڑھنا جنتا ہے۔"

"ہاں بیگم صاحب، میں حیران رہ گیا۔ اصل میں اب ذرا میونسپلٹی کا کام بھی بدل گیا ہے۔ لکھت پڑھت کے رجسٹر ہو گئے ہیں، آپ کو پتہ ہے جی، ہمارے باپ دادا کے زمانے میں یہ قبرستان ہوا کرتے تھے۔ محلہ کمیٹی ہوتی تھی وہی ان کا حساب کتاب چلاتی تھی، لیکن اب تو سب کچھ سرکاری ہو گیا ہے۔ مرو بھی تو سرکار کی اجازت سے اور دفن بھی ہو تو اس کا پورا حساب کتاب رکھو۔ وہ دینا پڑتا ہے، وہ جو کاغذ ہوتا ہے نا فارم والا۔"

"ہاں ڈیتھ سرٹیفکیٹ کی بات کر رہے ہو۔"

"وہی وہی۔" گلاب خاں نے کہا اور ہنس پڑا پھر بولا۔ "سرکار اگر موت کا فارم نہ دے تو بندہ مر بھی تو نہیں سکتا۔"

"اچھا اچھا فلاسفر بننے کی کوشش مت کرو، میں تم سے جو کچھ کہہ رہی ہوں اسے غور سے سنو۔"

"حکم بیگم صاحب!"

"اقبال شاہ کو میں میڈیکل کی تعلیم کے لیے دوسرے شہر بھیج رہی ہوں اور شہباز خاں بھی اس کے ساتھ ہی میڈیکل کی تعلیم حاصل کرے گا۔ میں تمہارے بیٹے کو اپنے بیٹے ہی کی طرح سمجھتی ہوں۔"

"یہ جی میڈا، میڈی، میڈو، یہ کیا ہوتا ہے؟"

"ڈاکٹری پڑھیں گے دونوں سمجھے، ڈاکٹر بنیں گے۔"

"میرا بیٹا بھی۔" گلاب خاں ہنس پڑا۔

"ہاں اسی کی بات کرنے آئی ہوں تم سے۔"

"بیگم صاحب الٹا کام نہیں کر سکتا وہ، وہ تو لوگوں کو قبر میں دفن کرے گا، آپ کہتی ہیں وہ ڈاکٹر بن کر ان کا علاج کرے گا۔"

"پھر وہی فضول باتیں کیں تم نے، تمام اخراجات میں اٹھاؤں گی۔ لو تم یہ دس ہزار روپے رکھو، بیٹا شہر جائے گا تو تمہیں ضرورت پڑے گی اور یہ پیسے تمہارے کام آئیں گے۔"

دس ہزار روپے دیکھ کر گلاب خاں کا سر پھر چکرا گیا تھا۔ زندگی میں اتنی بڑی رقم کبھی ہاتھ نہیں آئی تھی۔ دس ہزار کے نوٹ اپنی ہتھیلی پر رکھے دیکھ کر اس کی تو سانس ہی بند ہوگئی۔

پھر بھلا شہباز خاں کو شہر جانے سے کون روک سکتا تھا۔ البتہ جیراں نے بڑی واویلا کی تھی۔

"ارے بھاڑ میں جائیں یہ بیگم صاحب، دیکھو تو سہی ہمارے بچے پر ہی قبضہ جما رکھا ہے۔ پہلے اسے سکول بھیجتی رہیں، یہ کرو، وہ کرو، کپڑے پہناؤ بال سنوارو، بستہ دو، کتابیں دو، نا جی نا۔ ہم یہ نہیں کر سکتے، وہ بڑی بیگم ہوں گی اپنے گھر کی ہوں گی، واہ واہ بھئی واہ واہ، میں اپنے بچے کو کہیں نہیں بھیجوں گی۔"

"جیراں، یہ دیکھ یہ کیا ہے۔" گلاب خاں نے کہا اور نوٹ اس کے سامنے رکھ دیئے۔

بڑی کمزوری ہوتی ہے انسان کے اندر بڑا کچا ہوتا ہے۔ جیراں کے سامنے بیٹی منیزہ تھی جو بیل کی طرح بڑھ رہی تھی اور جیراں اکثر سوچتی تھی کہ اگر کہیں سے اس کا رشتہ آ گیا تو وہ کیا کرے گی اور یہ دس ہزار کے نوٹ، یہ دس ہزار کے نوٹ بہت کچھ کر سکتے تھے۔ اس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ "تو وہ اب شہر چلا جائے گا۔"

"آتا جاتا رہے گا۔"

"مگر شہر......"

"بیگم صاحبہ نے اس کے لیے سارے انتظامات کر دیئے ہیں۔"

"یہ تو زیادتی ہے، زیادتی پر......" جیراں کے لہجے میں ابھی تک احتجاج تھا۔

"اس کا مطلب ہے ابا جی کہ اب شہباز گھر سے باہر رہا کرے گا، پہلے وہ سکول میں پڑھتا تھا تو گھر تو آ جاتا تھا، اب وہ گھر بھی نہیں آیا کرے گا۔" منیزہ دکھ سے بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے منیزہ، بیگم صاحب کہہ رہی تھیں کہ ہر دوسرے تیسرے مہینے وہ یہاں آیا کرے گا، ہم سے ملنے کے لیے۔ اب تو سوچ لے جیراں، یہ پیسے واپس بھی کیے جا سکتے ہیں۔ مگر وہ بات جو ہم لوگ اکیلے میں بیٹھ کر کرتے ہیں، یعنی منیزہ کی شادی تو دیکھ لے اب تو کوئی ڈھنگ کا رشتہ مل ہی جائے گا۔"

جیراں خاموش ہوگئی تھی۔

"تیاریاں ہوگئیں، سب کچھ بیگم صاحبہ نے ہی کیا تھا، نیک دل بھی تھیں اور صاحب حیثیت بھی۔ شہباز اور اقبال بچپن کے دوست تھے، زیادہ کچھ وہ اپنے بیٹے کے لیے ہی کر

رہی تھیں۔ آخر کار دونوں نے اپنے جگر گوشوں کو روانہ کر دیا۔ بیگم صاحبہ کو اقبال کے جانے سے کیا تکلیف ہوئی اس کا تو کچھ پتہ نہیں تھا، لیکن گلاب خاں کافی مشکل میں پڑ گیا۔

سکول کی تعلیم اور کھیل کے ساتھ ساتھ شہباز خاں گورکنی میں اس کا پورا ساتھ دیتا تھا۔ ہر چند کہ اقبال کے ساتھ پڑھتے ہوئے اس کے اندر بھی تمکنت پیدا ہوگئی تھی لیکن وہ باپ کا پوری طرح ہاتھ بٹاتا تھا اور اس سے بھی گردن نہیں موڑتا تھا۔ قبروں کی کھدائی، سلیپس لگوانا، مٹی کا گارا بنانا، سارے کام خوشی سے کر لیا کرتا تھا، لیکن...... اس کے جانے کے بعد گلاب خاں بالکل اکیلا پڑ گیا تھا۔

کچھ دن کے بعد پڑوس میں اسے ایک لڑکا مل گیا جو اس کی مدد کر دیا کرتا تھا اور گلاب خاں اسے دس بیس روپے دے دیتا تھا، لیکن وہ من موجی تھا۔ دل چاہا تو آ گیا ورنہ نہیں۔ شہباز خاں کی بات ہی کچھ اور تھی۔

اکثر گلاب خاں سوچتا تھا کہ اس کا دادا بھی اسی قبرستان کا گورکن تھا، باپ نے بھی ساری زندگی یہیں قبریں بنائیں اور اب وہ بھی یہی کچھ کر رہا تھا، لیکن ہڈیاں کمزور ہوگئی تھیں۔ بیٹا بہت بڑا سہارا ہوتا ہے۔ جوان ہوگا اور اس قبرستان کا شہنشاہ کہلائے گا لیکن اس کے شہر جانے کے بعد گلاب خاں کافی مرجھا گیا تھا۔ دل کا ایک گوشہ ویران ہو گیا تھا اور بہت سی سوچوں نے اسے گھیر لیا تھا۔ پتہ نہیں بیگم صاحبہ کی بات مان کر اس نے اچھا کیا تھا یا برا...... اس کے بعد ان قبروں کا رکھوالا کون ہوگا...... کون؟

کبھی کبھی رات کی تاریکیوں میں دل گھبراتا تھا تو وہ باہر آ کر بیٹھ جاتا اور پھر یہ تمام احساسات اس کا پیچھا کرنے لگتے تھے۔

آج بھی ایسی ہی رات تھی، بارش اور کالے آسمان پر چمکتی بجلی اسے بہت پسند تھی، لیکن ساتھ ہی ساتھ بیٹے کی یاد بھی دل کے کسی گوشے میں دکھن بن جاتی تھی۔ اس وقت بھی شہباز اسے بہت یاد آ رہا تھا۔ اس یاد میں محبت بھی تھی، غصہ بھی تھا اور جھلاہٹ بھی۔

سردی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی، بجلی چمک رہی تھی، بادل گرج رہے تھے لیکن بارش بوندا باندی کی حد تک ہی محدود تھی، ایسی صورت میں اگر شہباز ساتھ ہوتا تو کم از کم قبرستان کے احاطے کی دوسری سمت کا گیٹ ہی بند کر دیتا۔ اب اس سردی میں اسے اٹھ کر وہاں تک جانا پڑے گا۔ بجلی چمک رہی ہے، کسی سے کہنے کی بات بھی نہیں ہے کہ اس بجلی سے اسے بہت ڈر لگتا ہے۔

گلاب خاں نے بیڑی کا آخری کش لیا اور پھر اسے ایک طرف اچھال دیا۔ ننھی سی

چنگاڑی لکیر بناتی ہوئی دور تک چلی گئی تھی۔ پھر پانی کی ایک بوند نے اسے تاکا اور اس کے سرے کو چھولیا۔ چنگاری بجھ گئی۔ گلاب خان اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس کے حلق سے ایک ہلکی سی کراہ نکل گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بڑبڑا اٹھا تھا۔

''دھت تیرے کی۔ انسان ساری زندگی اپنی مرضی کا مالک ہوتا ہے۔ بادشاہ ہوتا ہے اپنے گھر کا، مگر جب اولاد جوان ہوتی ہے تو سب سے پہلے بادشاہت وہی اولاد چھین لیتی ہے۔ پھر اس کی صورت دیکھنی پڑتی ہے کہ شہزادے کیا کہنا چاہتے ہیں، شہباز ڈاکٹر بن رہا ہے اور وہ کر رہا ہے وہ، وہ کیا ہوتا ہے، اب مجھے تو انگریزی آتی بھی نہیں ہے، بیگم صاحبہ ہی بتا رہی تھیں کہ دونوں بچوں کو انہوں نے کسی ہسپتال میں پریکٹس کے لیے رکھوا دیا ہے۔ کیا نام بتا رہی تھیں وہ ہاؤس ہاؤس، ہاؤس جاب، ہاؤس جاب۔''

بجلی کی چمک اور مدھم بوندا باندی میں اسے پچھلی طرف کے گیٹ کو بند کرنا تھا، اپنے ذہن کو بٹانے کے لیے وہ ''ہاؤس جاب، ہاؤس جاب'' کی گردان کرتا ہوا آگے بڑھا اور قبروں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ ان میں سے بہت سی قبریں اس نے اپنے ہاتھ سے بنائی تھیں، باقی جو پرانی قبریں تھیں ان کی دیکھ بھال بھی کرتا رہتا تھا۔ بالکل اس طرح جیسے مرنے والوں کا قرض ادا کر رہا ہو، جینے والے تو کسی نہ کسی طرح اپنا کام نکلوا لیتے ہیں۔ کبھی پیسے خرچ کر کے، کبھی سختی کر کے، کبھی برا بھلا کہہ کر لیکن وہ جو بے بسی کی نیند سو رہے ہوتے ہیں ان کا خیال تو خود ہی کرنا پڑتا ہے۔

گلاب خاں نے اپنے ذہن میں تصور کی ایک دنیا آباد کر لی تھی۔ ان قبروں میں لیٹے ہوئے لوگوں کے چہرے تراش لیے تھے۔ حالانکہ ان چہروں کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان سے اکثر باتیں کرتا رہتا تھا۔ بالکل ڈر نہیں لگتا تھا اسے ان سے۔ بھلا ان سے کیا خوف کھاتا یہ تو اپنے دن رات کے ساتھی ہیں۔ بچپن سے لے کر اب تک ان کا ساتھ رہا ہے، لوگ ڈرتے ہوں تو ڈرتے ہوں، بھلا میرے دل میں ان کے لیے کیا ڈر ہوگا۔ ہاں بادل کی گرج اور بجلی کی چمک الگ چیز ہے۔

ان سوچوں نے اس کے دل سے تھوڑی دیر کے لیے گرج چمک کا خوف نکال دیا تھا۔ وہ گیٹ تک پہنچ گیا۔ گیٹ کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا، شاید ہوا سے کھل گیا تھا، حالانکہ کافی وزنی تھا اور اسے کھولتے ہوئے کافی زوردار آواز بھی پیدا ہوتی تھی۔ گلاب خاں تھوڑے تھوڑے عرصے کے بعد اس کی چولوں میں تیل بھی ڈالتا رہتا تھا، لیکن مٹی اور گرد سے یہ تیل سوکھ جاتا تھا، پھر دھوپ بھی تو کوئی کم نہیں پڑتی۔ ابھی ذرا سی بارش ہوئی ہے اس کے بعد دیکھو تماشا،

آندھیاں چلیں گی اور مٹی جم جائے گی ان چولوں پر۔

اس نے گیٹ کو پکڑا اور ابھی بند ہی کر رہا تھا کہ ٹارچ کی روشنی اس پر پڑی اور پھر تھوڑے فاصلے سے کچھ لوگ آتے ہوئے نظر آئے۔ گلاب خاں نے منہ پھاڑ کر ادھر دیکھا۔ کوئی جنازہ آ رہا تھا، لیکن بہت کم لوگ اس میں شریک تھے۔ گلاب خاں حیران رہ گیا۔ اس نے گیٹ بند کر دیا اور کنڈی لگا دی، بارہ بجے کے بعد کسی میت کو دفنانے کی اجازت نہیں تھی، لیکن لوگ بھی کمال کے ہوتے ہیں، منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں، باتیں بناتے ہیں اپنا دکھ درد بیان کرتے ہیں۔ اب بھلا سوچو، نہ پہلے سے کوئی قبر کا آرڈر دیا گیا تھا، نہ کسی نے اس سے ملاقات کی تھی۔ اب کوئی دماغ تھوڑی خراب ہے میرا کہ آدھی رات کو کدال پھاوڑا لے کر ان لوگوں کی خواہشیں پوری کروں گا۔ وہ رک کر انہیں دیکھتا رہا، اس نے سوچا کہ انہیں سمجھا دے گا کہ اب میت صبح ہی کو لائی جائے، اس وقت تدفین کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ وہ لوگ تیز قدموں سے چلتے ہوئے گیٹ تک پہنچ گئے۔

پھر ان میں سے ایک نے کہا۔ ''سنو بھائی سنو، میری ایک بات سنو۔''

گلاب خاں نے سامنے کے بنگلے کے باہر روشنی دیکھی یہ انہی بیگم صاحبہ کا بنگلہ تھا جنہوں نے شہباز کو ان سے دور کر دیا تھا۔ بنگلے کے سامنے چوکیدار ہوتا تھا لیکن اس وقت بوندوں اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ کی وجہ سے وہ بھی غائب تھا۔ گلاب خاں گیٹ کے پاس رک گیا، ان میں سے ایک آدمی آگے آیا اور بولا۔ ''میری بات سنو، تم اس قبرستان کے گورکن ہو نا۔''

''ہاں جی، ہیں۔''

''دیکھو بھائی، ہمیں اس بات کا پتہ ہے کہ بارہ بجے کے بعد کسی میت کی تدفین نہیں کی جاتی، لیکن میرے بھائی، اس وقت ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''اور میرے بھی بھائی! میت کو دیوار سے باہر رکھو اور انتظار کرتے رہو، صبح چھ بجے کے بعد اسے اندر لے آنا اور کوئی گیارہ بارہ بجے تک میں اسے دفن کر دوں گا، ٹھیک ہے۔''

''ارے بات تو سنو۔'' اس شخص نے کہا۔ اس نے گلاب خاں کو گیٹ میں تالا لگاتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ آگے بڑھا اور بولا۔ ''تالا مت لگاؤ میری بات سنو۔''

''بھائی صاحب سرکاری قانون ہے، ہمارا قانون نہیں ہے، اگر اس وقت کوئی ایسا کام کریں گے اور پتہ چل گیا تو آپ کو پتہ ہے کیا ہوگا، ہماری شامت آ جائے گی۔ پھر جو موت کا رجسٹر ہوتا ہے نا اس میں ہم کون سا دن لکھیں گے۔ بھائی جی اس وقت تو ہم معافی

چاہتے ہیں۔"

"دیکھو گورکن میری بات سنو، ضدمت کرو، قانون تمہارے ساتھ ہے، مجھے دیکھو اور پہچانو، میں پولیس آفیسر ہوں، میرا نام انسپکٹر فرزند ہے اور ہمارے ساتھ یہ مجسٹریٹ صاحب بھی موجود ہیں۔ اب تم سوچ لو اگر تم نے علاقے کے پولیس آفیسر اور مجسٹریٹ کی بات نہ مانی تو تمہیں پتہ ہے تمہارے ساتھ کیا ہوگا، میں تمہیں یہاں سے گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا، رات بھر تھانے میں رکھ کر ماروں گا۔"

"ارے صاحب جی! آپ بلاوجہ ہمیں دھمکی دے رہے ہو، آپ بے شک پولیس والے ہوں گے اور یہ جج صاحب ہوں گے لیکن قانون تو آپ ہی کا بنایا ہوا ہے نا۔"

"دیکھو گورکن، کیا نام ہے تمہارا؟"

"گلاب خاں۔"

"دیکھو گلاب خاں! کبھی کبھی قانون میں لچک بھی پیدا کرنی پڑتی ہے، تم یہ نہیں سوچ رہے کہ بارش ہو رہی ہے، بادل گرج رہے ہیں، ہوسکتا ہے صبح تک بارش تیز ہو جائے، کتنی پریشانی ہوگی، ہمیں یہ تدفین ابھی کرنی ہے اور سنو تم بالکل بے فکر رہو۔ تمہاری مزدوری تمہیں چار گنا ملے گی، چلو دروازہ کھولو ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔"

گلاب خاں نے بے بسی کی نگاہوں سے انہیں دیکھا، وہ لڑنے بھڑنے والا آدمی کہاں تھا۔ پولیس اور جج سے کون لڑسکتا ہے، اس نے ایک گہری سانس لی اور گیٹ کھول دیا، ان کی تعداد چھ تھی، چار جنازہ اٹھائے ہوئے تھے اور پانچواں وہ تھا جس نے سامان اٹھایا ہوا تھا۔ ایک ان سب سے پیچھے تھا۔ گویا مجسٹریٹ صاحب بھی جنازہ اٹھائے ہوئے ہیں، خیر یہ تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ لوگ اپنے اپنے عزیزوں کے جنازے اٹھاتے ہی ہیں، وہ سب اندر داخل ہوگئے۔

گلاب خاں نے گیٹ بند کر دیا پھر بولا۔ "روشنی آگے لے آؤ صاحب، قبروں کے درمیان ٹھوکریں کھاؤ گے، ہمیں تو خیر راستہ پتہ ہے مگر آپ کو تکلیف ہوگی۔"

"تم ایسا کرو گلاب خاں تمہارے پاس روشنی کا کچھ انتظام ہے، کوئی لالٹین وغیرہ وہ بھی لے آؤ اور کدال اور پھاؤڑا بھی لے آؤ، انتظام کرلو، قبر کھودنا ہوگی۔"

"صاحب کیوں ہماری جان کے پیچھے پڑے ہوئے ہو، بڈھے آدمی ہیں، گھر میں اور کوئی مددگار بھی نہیں ہے، ہم قبر کیسے کھودیں گے آپ خود بتاؤ۔"

"بالکل بے فکر رہو گلاب خاں! ہم تمہاری مدد کریں گے۔"

"آپ سے کیا کہیں؟ آپ نے تو پریشان کر دیا ہے۔"

"یار تم سے کہہ دیا ہے ہم نے کہ تمہیں مزدوری ڈبل بلکہ چار گنا دیں گے۔ انسان کو کم از کم تھوڑا سا تعاون تو کرنا چاہیے۔ اب ظاہر ہے ہم اس وقت اس لیے میت دفن کرانا چاہتے ہیں کہ ہمارے اپنے بھی کچھ مسائل ہیں، ایک تو ہم غمزدہ لوگ ہیں، اوپر سے تم یہ نخرے دکھا رہے ہو۔"

"مزدوری کی بات بالکل نہیں ہے صاحب! ہم اتنی ہی مزدوری لیں گے آپ سے جتنی سب سے لیا کرتے ہیں، بس ہم تو قانون کے ہاتھوں مجبور ہیں۔"

"میں نے کہا نا قانون تمہارے ساتھ ہے، تمہارے سامنے ہے، اگر کوئی پریشانی تم تک آتی ہے تو تم ہمارا نام لے دینا، رجسٹر میں ہم اپنے بارے میں تفصیلات لکھیں گے، دستخط بھی کریں گے اور تم اس کے لیے بھی بے فکر رہو کہ تم اکیلے قبر کھودو گے، ہم سب مل کر تمہاری مدد کریں گے۔ پھاوڑے وغیرہ لے آنا۔"

گلاب خاں بالکل بے بس ہو گیا تھا، وہ واپس پلٹا اور اپنی جھونپڑی پر پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کھدائی کا سامان لے کر آ گیا۔ ایک جگہ منتخب کی گئی اور وہ لوگ واقعی اس کی مدد کرنے لگے۔ گلاب خاں نے انہیں منع بھی کیا اور بولا کہ سرکار ہمارا کام ہے ہمیں کرنے دیں۔

ان میں سے ایک نے کہا۔ "نہیں گلاب خاں تم نے ہمارے ساتھ انسانیت کا سلوک کیا ہے تو ہم تمہارے ساتھ برا سلوک نہیں کریں گے۔"

گلاب خاں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس نے دو تین بار انہیں دیکھا۔ بڑے عجیب سے لوگ تھے، حالانکہ فیشن ایبل کپڑوں میں ملبوس تھے، مگر کھدائی کا کام بے فکری سے کر رہے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ نرم ہوتا چلا گیا۔ ان لوگوں کی واقعی مجبوری ہے، رات بھر میت کہاں رکھیں گے۔ یہی شکر ہے کہ بارش ابھی تیز نہیں ہوئی تھی۔

ہلکی بوندا باندی مسلسل جاری تھی اور بادل گرج رہے تھے۔ بجلی کی چمک اس وقت کار آمد ثابت ہو رہی تھی، خاصی دیر لگ گئی اور اس کے بعد میت کو قبر میں اتار دیا گیا، پھر قبر بند کر دی گئی، گلاب خاں اپنے کام سے فارغ ہو گیا۔ بہت دیر ہو گئی تھی۔ بیوی اور بیٹی کو اس کی مصیبت کا پتہ تک نہیں تھا اور وہ اپنی چھوٹی سی کٹیا میں مزے کی نیند سو رہی تھیں۔ گلاب خاں نے سوچا کہ یہ بھی ایک زندگی ہے، اب رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے اب کسے

نیند آئے گی۔

تدفین کے بعد ان لوگوں نے گلاب خاں کا شکریہ ادا کیا اور پھر رجسٹر میں انہوں نے دوسرے ہی دن کا اندراج کیا تا کہ کوئی قانونی گڑ بڑ نہ ہو، اس کے بعد انہوں نے گلاب خاں کو پیسے دیئے، لیکن گلاب خاں نے ان سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں لیا۔ اس نے کہا۔

''نہیں صاحب اگر ایسا کرتے تو یہاں گورکن نہ ہوتے، باپ دادا کے زمانے سے یہاں کام کر رہے ہیں۔ کچھ اور کام کر لیتے، پیسہ بڑی بری چیز ہے، اس کا آنا اور جانا دونوں ہی برا ہوتا ہے، ویسے اس کا حصول کوئی مشکل کام نہیں ہے، تھوڑے سے کپڑے اتارنے پڑتے ہیں بس پھر پیسہ ہی پیسہ اور صاحب ہم نے آج تک کپڑے نہیں اتارے۔''

''تم بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو گلاب خاں، بہرحال تم نے ہماری مدد کی ہے تمہارا بہت شکریہ۔'' اور اس کے بعد وہ سب قبرستان سے باہر نکل گئے۔

گلاب خاں ان کے ساتھ ساتھ ہی گیٹ تک پہنچا تھا۔ اس نے قبرستان کا گیٹ بند کیا۔ واپس آتے ہوئے البتہ ایک بات اس نے ضرور سوچی تھی، وہ یہ کہ یہ لوگ پیدل آئے ہیں، کوئی گاڑی وغیرہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اب پیدل ہی واپس جائیں گے، ہو سکتا ہے کہیں آس پاس ہی رہتے ہوں، ویسے پتہ تو کافی فاصلے کا لکھوایا تھا۔ بہرحال وہ انہی باتوں کو سوچتا ہوا اپنی جھونپڑی میں واپس آ گیا۔

❀ ❁ ❀

چوہدری شاہنواز پشتینی زمیندار تھے۔ باپ دادا کی کہانیاں بھی ان کی اپنی کہانیوں سے مختلف نہیں تھیں، جس طرح بڑے زمینداروں کو شوقین مزاج ہونا چاہیے، اسی طرح وہ بھی شوقین مزاج تھے۔ بالا خانوں کے رسیا تھے۔ لٹانے کے لیے ان کے پاس اتنا تھا کہ کبھی ختم نہ ہوتا۔ بہت سی دل والیوں نے ان پر جال ڈالے تھے اور بظاہر یہ سمجھا تھا کہ چوہدری صاحب مکھی کی طرح پھنس گئے، لیکن پھر یہ مکھی بھن کر کے اڑ جاتی تھی اور منہ دیکھنے والیاں منہ دیکھتی رہ جاتی تھیں لیکن عرشیہ کا معاملہ کچھ اور تھا۔

عرشیہ حالات کی ماری تھی، ماں باپ کے انتقال کے بعد بھری دنیا میں تنہا رہ گئی تھی اور اس دنیا سے ناواقفیت کی بناء آخر کار ایک بالا خانے تک پہنچ گئی تھی، لیکن خوش نصیب تھی کہ لٹنے سے بچ گئی۔ چوہدری شاہنواز نے اسے دیکھ لیا اور کچھ اس طرح بے اختیار ہوئے کہ انہوں نے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ طریقے ہزار تھے۔ چار غنڈے بائی جی کے پاس بھیج دیئے اور ایک بھرپور رقم کے ساتھ پیشکش کر دی کہ بائی جی ان دونوں میں سے

جو چیز چاہیں قبول کر لیں، موت یا یہ رقم، بائی جی سمجھدار تھیں، رقم اٹھا لی اور عرشیہ کو چوہدری شاہنواز کے حوالے کر دیا۔ جنہوں نے اسے فوری طور پر ایک گھر میں منتقل کر دیا۔

عرشیہ جو برے حالات کا شکار تھی اور یہ سمجھ چکی تھی کہ اب نجانے کس کس کے جوتوں میں پڑ کر زندگی گزارنی پڑے گی، چوہدری صاحب کے اس سہارے کو بہت غنیمت جانا۔

چوہدری صاحب زندگی کی رنگ رلیوں میں وقت گزارتے رہے تھے اور اب عمر چالیس سال سے آگے بڑھ چکی تھی۔ خاندانی روایتوں کے مطابق ان کی شادی شاہینہ بیگم سے ہوئی تھی۔ چوہدرائن شاہینہ بھی ایک چھوٹے موٹے زمیندار کی بیٹی تھیں۔ ماں باپ مر چکے تھے، دو بھائی تھے جو اپنے معاملات میں مصروف رہتے تھے، بدقسمتی یہ تھی کہ اتنے سال گزر جانے کے باوجود قدرت نے انہیں اولاد نہیں دی تھی۔

چوہدری صاحب کی بے اعتنائی کی تو عادی ہو چکی تھیں، لیکن اولاد سے محرومی نے انہیں بہت زیادہ دلبرداشتہ کر دیا تھا۔ پہلے اچھے خاصے مزاج کی مالک تھیں، لیکن آہستہ آہستہ مزاج بگڑتا چلا گیا تھا۔ اکثر چوہدری صاحب سے جھگڑا بھی ہوتا رہتا تھا۔ شاہینہ بیگم کو معلوم تھا کہ چوہدری صاحب کے مشاغل کیا ہیں، چوہدریوں کی عیش پرستیوں کا انہیں علم تھا۔ چنانچہ پریشان رہتی تھیں، چوہدری صاحب جو کچھ کر رہے تھے وہ اپنی جگہ تھا لیکن وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ چوہدری صاحب نے لوٹ کر بالآخر انہی کے پاس آنا ہے۔ وہ اس بات سے مطمئن تھیں کہ چوہدری صاحب کو گھر یاد ہے، لیکن رفیق جو ان کا قابل اعتماد ملازم تھا اور جہیز میں ان کے ساتھ آیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے بھی شاہینہ کے گھر میں نوکری کی تھی۔ اس کے بعد شاہینہ کے بھائیوں نے اسے شاہینہ کے ساتھ سسرال بھیج دیا تھا۔ چوہدری شاہنواز کے لیے بھلا کیا مشکل تھا کہ رفیق کو جو تنخواہ وہاں سے ملتی تھی وہ خود دے دیتے تھے۔ بہت سے ملازم تھے ایک یہ بھی سہی، لیکن صحیح معنوں میں رفیق، شاہینہ بیگم کا رفیق تھا۔ ان کے حکم کا غلام اور ان کے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ، زیادہ تر وہی چوہدری صاحب کی کھوج رکھتا تھا اور ان کے مشاغل کے بارے میں شاہینہ بیگم کو بتاتا رہتا تھا۔ ایک دو بار اس نے پیشکش بھی کی تھی کہ شاہینہ بیگم چاہیں تو وہ چوہدری صاحب پر جادو ٹونہ کرائے اور انہیں شاہینہ بیگم کا غلام بنا دے۔ لیکن شاہینہ بیگم نے یہی کہا تھا کہ نہیں رفیق اس طرح کے معاملات میں نقصانات بھی پہنچ جاتے ہیں، چوہدری صاحب جو کچھ بھی ہیں، میرے سائبان ہیں، میں ایسا کوئی کام کر کے انہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔ رفیق خاموش ہو گیا تھا، لیکن پھر رفیق نے ہی انہیں یہ روح فرسا خبر سنائی تھی۔

"چوہدری صاحب دوسری شادی کر رہے ہیں۔" شاہینہ پر پہاڑ گر پڑا تھا۔ دوسری شادی کا تصور ہی بھیانک تھا، لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کس سے؟"

"کوئی بی بی ہے، میں نہیں جانتا لیکن چوہدری صاحب نے لکڑ موڑ والا بنگلہ ان کے لیے خالی کرایا ہے اور وہ وہاں پہنچ بھی گئی ہیں۔"

شاہینہ بیگم پر بہت بری گزری تھی، پھر جب چوہدری شاہنواز گھر آئے تو شاہینہ بیگم کے صبر کا پیمانہ لرز گیا۔

"سنا ہے آپ دوسری شادی کر رہے ہیں؟"

"ہاں تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"میں آپ کی بیوی ہوں۔"

"ہو اور رہو گی۔ تمہیں فکر نہیں ہونا چاہیے اور پھر یہ تو چوہدریوں کا کھیل ہے جیسے میرے باپ دادا کھیلتے آئے ہیں۔ میں بھی وہی کھیل، کھیل رہا ہوں۔ ہمارے پاس اتنی دولت ہے کہ تم جیسی دس بیویوں کو پال سکتے ہیں۔ آرام سے رہو اور سنو، جو لوگ تمہیں اس طرح کی کہانیاں سناتے ہیں ان سے بچو، ایسے ہی لوگ گھر بگاڑ دیتے ہیں، جس طرح رہ رہی ہو آرام سے اسی طرح رہتی رہو۔"

"میں آپ کو دوسری شادی نہیں کرنے دوں گی۔" شاہینہ بپھر کر بولی۔

"مر گئے وہ لوگ شاہینہ! پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گئے جو چوہدری شاہنواز کو کچھ کرنے سے روکنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ ایسی بات مت کرو جو تم کر نہ سکو، کیا سمجھیں اور پھر اگر تم ایسی بات کرتی ہو تو مجھے بتاؤ، میرے بعد میری زمینوں اور جائیدادوں کو کون سنبھالے گا۔ تم، تمہارے بھائی، تمہارے ہاں تو کوئی اولاد بھی نہیں ہوئی، بانجھ ہو تم۔ میں نے آج تک یہ بات زبان سے نہیں نکالی، لیکن شاہینہ انسان کو خود خیال کرنا چاہیے، اتنا بولے جتنا اس کے لیے جائز ہو، ناجائز بات کرو گی تو وہ سنو گی جو کبھی نہ سنا ہو گا۔"

شاہینہ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا اس کی اولاد سے محرومی خود اس کے لیے روح کا زخم بنی ہوئی تھی۔ رونے کے سوا کیا کر سکتی تھی۔ رفیق ہی نے اسے اطلاع دی کہ آخر کار چوہدری صاحب کی شادی ہو گئی۔ بڑی دھوم دھام سے ہوئی، شہر کے ایک شاندار ہوٹل میں ولیمہ بھی ہو گیا۔ نئی بیگم کا نام عرشیہ ہے۔ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

شاہینہ پہلے تو کھولتی رہتی۔ پھر آگ نے پانی کی شکل اختیار کر لی اور آنکھوں سے بہنے

لگی۔ تھوڑی سی تسلی ضرور ہو گئی تھی دل کو، لیکن سارا وجود آتش بن گیا تھا اور یہ آگ بجھائے نہیں بجھتی تھی۔

چوہدری صاحب کے اندر کوئی خاص تبدیلی نہیں رونما ہوئی تھی۔ وہ یہاں بھی آتے تھے اور عرشیہ کے پاس بھی رہتے تھے، اس کے علاوہ کبھی کبھی زمینوں کا جائزہ بھی لے لیا کرتے تھے اور اس سلسلے میں انہیں طویل عرصے تک غائب رہنا ہوتا تھا۔

رفیق واقعی ایک آگ تھا جو شاہینہ بیگم کو جلاتا رہتا تھا، اسی نے یہ بھی اطلاع دی تھی کہ لکڑ موڑ والے بنگلے میں شادیانے بج رہے ہیں، کیونکہ تھوڑے ہی عرصے کے اندر اندر عرشیہ بیگم ماں بننے والی ہیں۔

شاہینہ پر غشی کے دورے پڑنے لگے۔ چوہدری صاحب نے کھل کر کہہ دیا تھا کہ شاہینہ چونکہ انہیں ان کی دولت اور جائداد کا وارث نہیں دے سکی، اس لیے انہوں نے دوسری شادی کی ہے، اس کا مطلب ہے کہ عرشیہ کے ہاں جو اولاد پیدا ہو گی وہ ان عظیم الشان زمینوں اور جائدادوں کی مالک بنے گی۔ پہلے ہی کیا کم دکھ تھا، اب اس میں شدید ترین اضافہ ہو گیا تھا۔

شاہینہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے، شدید وحشت زدہ ہو گئی تھی وہ۔ ویسے تو بہت عرصے سے چوہدری شاہنواز کے ساتھ تھی۔ ہر طرح کے لوگوں سے چوہدری کا تعلق تھا، لیکن رفیق سے زیادہ راز دار اور کون ہو سکتا تھا، یوں بھی رفیق بذات خود بڑی خطرناک شخصیت کا مالک تھا۔ پہلے شاہینہ کے بھائیوں کے ساتھ رہتا تھا اور چوہدریوں نے اپنے کاموں کے لیے ہمیشہ غنڈے پالے ہوئے ہوتے ہیں، رفیق کے پاس بھی غنڈوں کی پوری فوج تھی۔ شاہینہ کے بھائیوں کے پاس سے چلا تو چوہدری شاہنواز کے بھائیوں کے پاس آ گیا۔ سلام دعا سب سے تھی۔ اس کے علاوہ بھی اس کے بہت سے مشاغل تھے۔ شاہینہ کو اس کی وجہ سے ایک بھرپور تحفظ حاصل تھا۔ اس نے رفیق کو اپنی خلوت میں طلب کر لیا۔

"سب کچھ سن رہے ہو رفیق! ہم کس قدر بے بس ہو کر رہ گئے ہیں اس کا تمہیں اندازہ ہے؟"

"شاہینہ بی بی! میں تو صرف وہ کرتا ہوں جس کا حکم آپ مجھے دیتی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ چوہدری صاحب نے اپنی دوسری بیوی کے لیے ہر طرح کے انتظامات کر دیئے ہیں۔ لکڑ موڑ والے بنگلے میں محافظوں کی پوری فوج موجود ہے۔ شاید چوہدری

صاحب کو بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ عرشیہ بیگم کو کس طرف سے کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے انہوں نے پورا پورا بندوبست کر کے رکھا ہے۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ عرشیہ کے ہاں اولاد ہونے والی ہے؟''

''ہاں جی معلوم ہے، پہلی خبر تو میں نے ہی دی تھی آپ کو۔''

''اس کا نتیجہ جانتے ہو رفیق۔'' شاہینہ نے کہا۔

''ہاں جی آپ کے اقتدار کا مکمل خاتمہ۔ پہلے ہی عرشیہ بیگم نے چوہدری صاحب کو مکڑی کی طرح اپنے جالے میں جکڑ رکھا ہے، اب ان کے ہاں اولاد بھی ہو جائے گی تو پھر بھلا چوہدری صاحب آپ کے قابو میں کہاں رہ سکیں گے۔ سب کچھ انہی کا ہو جائے گا اور آپ کو ان کے ٹکڑوں پر پلنا پڑے گا۔''

''رفیق کیا یہ جائز ہو گا؟''

''بالکل نہیں شاہینہ بی بی، کون مردود یہ کہتا ہے؟''

''رفیق تمہارے علاوہ اور میں کس کی طرف دیکھوں۔''

''رفیق کی زندگی حاضر ہے، جس حد تک آپ اجازت دیں گی کروں گا۔ آپ مجھے بتائیے پورے گروہ کو لگا دوں عرشیہ بیگم کے پیچھے، بم سے اڑا دوں لکڑ موڑ والے بنگلے کو آپ حکم تو کریں۔''

''بات کرو گے وہی بے وقوفی کی، چوہدری شاہنواز کے بغیر میں کوئی بھی چیز کیسے پسند کر سکتی ہوں، ہونا تو یہ چاہیے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ عرشیہ بیگم ختم ہو جائیں اور چوہدری کا تصور بھی اس طرف نہ جائے، کوئی ایسا ہی عمل کرو۔''

رفیق ایک دم چونک پڑا، اس کے منہ سے مدھم لہجے میں نکلا۔ ''عمل......'' شاہینہ اسے دیکھنے لگی، تھوڑی دیر کے بعد رفیق بولا۔ ''آپ نے خود ہی مجھے راستہ دکھایا ہے بیگم صاحبہ!''

''کیا راستہ؟''

''بیگم صاحبہ! آپ نے سبحان گلی کا نام تو سنا ہوگا۔''

''ہاں کوئی بستی ہے۔''

''اس بستی میں ایک مسجد ہے اور اس مسجد میں مولوی ادریس علی رہتے ہیں، بڑی دھوم مچی ہوئی ہے ان کی، ایک پیسہ کسی سے نہیں لیتے دیتے، لوگوں کی مشکلات میں کام آتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سبحان گلی چوہدری صاحب کا علاقہ ہے، چوہدری صاحب کا بڑا نام ہے وہاں بھی۔''

''ارے تو پھر......''

''بیگم صاحب جی! مولوی ادریس مسجد کے حجرے میں رہتے ہیں، بال بچے دار ہیں، یہ الگ بات ہے کہ انہیں دنیا کی ہوا نہیں لگی، جمعرات کا کھانا تک واپس کر دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے رزق حلال عین عبادت ہے۔'' رفیق نے کہا اور ہنس پڑا۔ پھر بولا۔ ''لیکن بیگم صاحبہ جی آپ بھی یہ بات جانتی ہو کہ رزق حلال عین عبادت ہے والے نوٹ رشوت میں بھی چلتے ہیں، ان پر ڈاکا بھی ڈالا جاتا ہے، وہ ناچنے گانے والیوں کے قدم بھی چومتے ہیں اور وہ ان نوٹوں پر رقص کرتی ہیں۔ انہیں ہر طرح اچھے اور برے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان سے منشیات بھی خریدی جاتی ہیں، بیگم صاحبہ اصل بات یہ ہے کہ ان کی صحیح شکل کسی کو دکھائی جائے تو مولوی صاحب کیا، اچھے اچھے لوگ قابو میں آ جاتے ہیں اس رزق حلال سے۔''

شاہینہ پر تفکر نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''تو پھر۔''

''بس جی، چکر لگاتے ہیں مولوی صاحب کے پاس، جو خرچ ہو گا وہ دیکھیں گے۔''

''خرچ کی تم بالکل فکر مت کرو اربوں روپے کی جائیداد دوسروں کے قبضے میں جا رہی ہے۔ اسے بچانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔''

''سمجھ لیجیے کام ہو گیا، جیسے بھی بن پڑا میں یہ کام کروں گا۔''

''تمہارے علاوہ مجھے کسی اور پر اعتماد نہیں ہے رفیق۔''

''آپ بے فکر رہیں، باپ دادا سے آپ کے خاندان کا نمک رگوں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے، ہم بھی اس نمک کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔'' رفیق نے جواب دیا۔

شاہینہ سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، آنے والے واقعات کو سوچ سوچ کر ذہن میں آگ لگنے لگتی تھی۔ سب کچھ چھن جائے گا، ظاہر ہے عرشیہ کے ہاں جو اولاد ہو گی وہ سو فیصد چوہدری شاہنواز کی اولاد ہی کہلائے گی اور تمام ورثے اسی کے نام منتقل ہو جائیں گے۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''ہمیں ہر پہلو کو نگاہ میں رکھنا ہو گا رفیق! اگر مولوی ادریس سے کام نہ چلا تو پھر تمہیں ایسے لوگوں کو تلاش کرنا پڑے گا جو کرائے کے قاتل ہوتے ہیں اور رقم لے کر سارے کام کر دیا کرتے ہیں۔''

''میں نے آپ سے کہا نا بیگم صاحبہ! آپ بالکل فکر نہ کریں، رفیق زندہ ہے اور اس کے ہاتھوں کی لمبائی بہت کافی ہے، بس آپ کا سہارا چاہیے۔''

''میرا سہارا تمہیں ہر طرح حاصل ہے رفیق! مولوی ادریس سے بات کر لو، دیکھو وہ تیار بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔''

”آپ بالکل فکر نہ کریں بیگم صاحبہ! گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلا تو انگلیاں ٹیڑھی کر لوں گا، بلکہ ابھی سے اس کی تیاریاں شروع کر دیتا ہوں، کچھ لوگ ہیں جن سے میری دوستی ہے، وہ بھی ایک طرح سے کرائے کے قاتل ہی ہیں، میرے لیے ہر طرح سے کام کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے، بس ذرا سا منہ بھرنا پڑے گا ان کا۔“

”میں نے کہا نا اس کی تم فکر مت کرو، کیا کہو گے مولوی ادریس سے؟“

”ساری صورت حال انہیں بتا دوں گا۔“

”نہیں ایسا مت کرنا۔“ شاہینہ نے کہا۔

رفیق چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ ”میں سمجھا نہیں بیگم صاحبہ!“

”مولوی ادریس کو کسی بہانے یہاں لے آؤ، میں خود ان سے بات کروں گی، ہمیں اپنے دل کی بات اس طرح کسی سے نہیں کہہ دینی چاہیے اور پھر تم جانتے ہو کہ سبحان گلی چوہدری صاحب ہی کی ملکیت ہے اور وہاں کے رہنے والے ان کی رعیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔“

”ٹھیک کہتی ہیں جی! مولوی صاحب کو یہاں لے آئیں گے اور ذرا طریقے سے بات کریں گے۔“

”مناسب۔“ شاہینہ نے کسی قدر مطمئن لہجے میں کہا۔

❀❀❀

کوئی بھی شے کبھی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی، تھوڑے سے مالی یا پھر خود ساختہ خاندانی حالات کسی بھی شخصیت میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں پیدا کر سکتے۔ ہاں اداکاری کی جائے تو بات دوسری ہوتی ہے۔ شہباز ایک گورکن کا بیٹا تھا اور اقبال ایک ایسے بڑے آدمی کا بیٹا جو بہترین قسم کا کاروباری تھا اور زیادہ تر ملک سے باہر ہی رہتا تھا جبکہ بیگم صاحبہ نے اپنے بیٹے کے اعلیٰ مستقبل کے لیے اکلوتی اولاد ہونے کے باوجود دوسرے شہر بھیج دیا تھا، لیکن ان کے دل میں اپنی تنہائی کا شدید احساس رہتا تھا۔

شہباز بچپن ہی سے ان کی نگاہوں کے سامنے رہا تھا، لیکن بنیاد وہی تھی، یعنی اپنا بیٹا جسے وہ ہر حال میں خوش دیکھنا چاہتی تھیں، دولت کی کوئی کمی نہیں تھی، تھوڑی بہت رقم اگر ایک گورکن زادے پر اسے بہتر انسان بنانے کی مد میں خرچ ہو جائے تو ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ البتہ شہر میں شہباز اور اقبال شاہ دونوں ہی مقبول تھے۔ ہاؤس جاب کر رہے تھے لیکن سینئر ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ آنے والے وقت میں یہ دونوں بہترین ڈاکٹر ثابت ہوں گے۔ تمام بڑے ڈاکٹر ان سے خوش رہا کرتے تھے۔ بیگم صاحبہ کا بلاوا پہنچا تھا،

خاندان میں کسی کی شادی تھی جس میں انہوں نے اقبال شاہ کے ساتھ جانا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ دونوں کچھ وقت کے لیے چھٹی لے کر آ جائیں۔ وہ شادی میں شریک ہو جائیں گی اور شہباز اپنے ماں باپ کے پاس کچھ وقت رہ لے گا۔

اقبال سے زیادہ شہباز، بیگم صاحبہ کا حکم مانتا تھا۔ چھٹی کی درخواست دی گئی تیاریاں ہوئیں اور آخر کار وہ اپنے شہر چل پڑے۔ بیگم صاحبہ بہت ہی حقیقت پسند تھیں، شروع میں ایسا ہوا کہ جب اقبال اور شہباز چھٹیوں پر آئے تو دونوں سیدھے بیگم صاحبہ کے پاس پہنچ گئے، لیکن دوسری بار بیگم صاحبہ نے کسی قدر برا مانتے ہوئے کہا۔ ”شہباز ایک فلسفہ ہے میرا، ساری دنیا کے انسان اپنے لیے جیتے ہیں، اپنی پسند سے زندگی گزارتے ہیں، میں نے تمہاری تعلیم کے حصول میں مدد کی ہے اور تم اس کے لیے بے شک میرے احسان مند ہو، لیکن ماں باپ نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ ان کا احسان بہت بڑا ہے تم پر اور میں یہ بھی نہیں چاہوں گی کہ میرا اقبال مجھ سے پہلے کسی اور کے گھر جائے۔ یقیناً یہی حق تمہارے ماں باپ کا تم پر ہے، آئندہ جب بھی یہاں آؤ پہلے اپنے ماں باپ کے پاس جانا، ان کا پورا پورا خیال کرنا اور جب آرام سے ان سے فرصت ملے تو میرے پاس آ جانا، تمہارے اپنے پاس نہ آنے کا میں بالکل برا نہیں مانوں گی۔“

☆

بظاہر کوئی اتنی اہم بات نہیں تھی، بچپن سے قبرستان میں زندگی گزاری تھی، ان قبروں میں سونے والے بے شک چہروں سے آشنا نہیں تھے، لیکن ایک روحانی رابطہ تھا ان سے، یوں لگتا تھا جیسے وہ سب اسے جانتے ہوں اور وہ بھی ان سب کو جانتا ہوں، لیکن نجانے کیوں اس وقت اس ماحول میں خوف کے ایک احساس نے اس کے بدن میں سرد لہریں دوڑا دی تھیں۔ غالباً یہ شہری زندگی کی دین تھی، ہسپتال میں رہ کر طرح طرح کے کیس، طرح طرح کے واقعات علم میں آتے رہتے تھے جو انسان کو بزدل بنا دیتے ہیں، اس نے اپنے آپ پر نظریں کیں اور سوچنے لگا کہ ہوسکتا ہے کچھ لوگ جذباتی ہو کر رات کے اس پہر قبرستان آ گئے ہوں۔

اس نے روشنی پر نگاہیں جما دیں، روشنی کے سائے میں اسے کچھ انسانی وجود متحرک نظر آئے اور اس وقت وہ پھر اچھل پڑا جب ایک تیز روشنی نے اس قبر کا احاطہ کر لیا، یہ روشنی نجانے کہاں سے آئی تھی لیکن شہباز نے ان تین چار افراد کو دیکھ لیا جو روشنی کی زد میں آتے ہی بری طرح اچھلے تھے اور اس کے بعد انہوں نے دوڑیں لگا دی تھیں پھر وہ احاطے کی دیوار کود کر بھاگ گئے تھے۔

شہباز کو ایک بار پھر اپنی سوچ میں تبدیلی کرنا پڑی، یہ وہ لوگ نہیں تھے جو کسی کی یاد میں تڑپتے ہوئے بے قرار ہو کر قبر پر آ گئے تھے بلکہ کوئی اور ہی مسئلہ تھا۔

ایک لفظ اس کے ذہن میں ابھرا کفن چور...... کیا وہ کفن چور تھے لیکن اس سے پہلے کبھی اس قبرستان میں ایسی کوئی بات سنی نہیں گئی تھی، بے شک کفن چوروں کا ایک تصور تھا لیکن اللہ کی رحمت ہی تھی کہ اس قبرستان میں کبھی چرسیوں یا نشہ کرنے والوں کو پایا گیا تھا، نہ کبھی ایسی اور کوئی واردات ہوئی تھی، اس طرح کے واقعات بے شک کئی بار سننے میں آئے تھے لیکن یہ قبرستان ایسی کسی واردات سے محفوظ رہا تھا۔

کیا ایسے کسی کام کا آغاز یہاں بھی ہو گیا ہے؟ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اس نے ہیرو

بننے کی کوشش نہیں کی، تنہا تھا، پتہ نہیں کیا قصہ ہے، اس وقت اس جگہ جا کر تحقیقات کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی، پھر نجانے کیوں خوف کا احساس اتنا شدید ہوا کہ وہ اندر آ گیا، ابا بھی موجود نہیں ہے۔ گلاب خان مکمل طور سے قبرستان کا محافظ تھا، ایک ایک قبر پر نگاہ رکھتا تھا، فرض بھی پورا کرتا تھا اور اپنی ڈیوٹی بھی سرانجام دیتا تھا۔ بہرحال نجانے کب تک وہ اس بارے میں سوچتا رہا اور پھر نیند آ گئی۔

صبح جاگا تو رات کے واقعات یاد آ گئے، اگر وہ ایسے لوگ تھے جو اپنے کسی قریبی عزیز کی قبر پر دیوار سے کود کر آ گئے تھے اور فاتحہ خوانی وغیرہ کر رہے تھے تو پھر اس طرح بھاگے کیوں......؟ وہ تیز روشنی جو انتہائی سفید تھی، کسی ٹارچ وغیرہ کی تو ہو نہیں سکتی کیونکہ ٹارچ اتنے بڑے حصے کا احاطہ تو نہیں کر سکتی۔

بہرحال اس نے ہاتھ، منہ وغیرہ دھویا اور اس کے بعد بہن سے چائے مانگی۔ منیزہ نے اسے چائے دی اور پھر اس نے سر پر کپڑا لپیٹا اور پھاوڑا وغیرہ لے کر باہر چل پڑا۔

منیزہ نے اسے دیکھا تو بولی۔ ''واہ ڈاکٹر صاحب واہ...... تمہارے ہاتھوں میں تو چیر پھاڑ کے اوزار ہونے چاہئیں، وہ جو کہتے ہیں نا کیا ہوتا ہے وہ موا جو پیٹ پھاڑ کر کیا جاتا ہے۔''

شہباز ہنس پڑا، اس نے کہا۔ ''دیکھا اماں...... میری بہن مجھے قصائی کہنے پر تلی ہوئی ہے، چیر پھاڑ کرنے والے تو قصائی ہوتے ہیں۔''

''بس اس بے چاری کو کیا معلوم۔''

''اماں...... وہ کیا ہوتا ہے جو کیا جاتا ہے، کیا کہتے ہیں اسے؟''

''آپریشن۔'' شہباز بولا۔

''ہاں وہی۔'' منیزہ بولی۔

''آپریشن مختلف قسموں کے ہوتے ہیں منیزہ...... میں تو صرف اپنا فرض پورا کرنے جا رہا ہوں، ابا صبح اٹھنے کے بعد قبرستان کا پورا چکر لگاتے ہیں، کوئی قبر خراب ہوتی ہے یا کسی کی مٹی بیٹھی ہوتی ہے تو ابا اسے ٹھیک کرتے ہیں، میں بھی وہی کرنے جا رہا ہوں۔''

''اللہ تجھے خوش رکھے بیٹا...... ڈاکٹر بننے کے بعد بھی دل میں اللہ کا ایسا خوف رہنا چاہیے، اس طرح ڈاکٹر، ڈاکٹر رہتا ہے، قصائی نہیں بننے پاتا۔''

''اماں...... میرے لیے ہمیشہ یہی دعا کرنا کہ میں ڈاکٹر ہی رہوں۔'' شہباز نے کہا اور پھاوڑا کندھے پر رکھ کر باہر نکل آیا۔ حلیہ بھی ایسا ہی بنا لیا تھا یہاں آ کر جبکہ وہ ایک

خوش لباس ڈاکٹر تصور کیا جاتا تھا، لیکن اس وقت قمیض، شلوار اور کندھے پر پھاؤڑا دیکھ
اسے کوئی بھی یہ کہہ سکتا تھا کہ بے شک گورکن ہے مگر خوبصورت آدمی ہے۔

قبروں کی دیکھ بھال کرتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا، اسے دو آدمی کھڑے نظر آئے جو قبر
فاتحہ خوانی کرنے آئے ہوئے تھے، صبح کو پھول بیچنے والا پڑوسی لڑکا گیٹ کھول دیتا تھا،
ذمہ داری اسی کے سپرد تھی کیونکہ اسی سے اس کا روزگار چلتا تھا، اسی کے ساتھ ایک اور
لڑکا رہتا تھا جس سے گلاب خان اکثر کام لے لیا کرتا تھا، اس کا نام رحیم تھا، رحیم نے شہ
کو دیکھا تو جلدی سے دو کنستروں میں پانی بھر کر لے آیا اور ان دونوں افراد کے پاس پہنچ
جو فاتحہ خوانی کر رہے تھے، دونوں آنے والوں نے پھول چڑھائے اور فاتحہ پڑھتے رہے۔

کوئی کام نہیں تھا یہاں اس لیے شہباز آگے بڑھ گیا اور پھر فاصلہ طے کر کے را
والی قبر پر پہنچ گیا لیکن قبر کی حالت دیکھ کر وہ ایک دم ٹھٹھک گیا تھا، قبر باقاعدہ کھودی گئی تھ
اور سلیبس نکال کر ایک طرف ڈال دی گئی تھیں، مٹی دونوں طرف پھیلی ہوئی تھی، شہباز ایک
بار پھر شدید تجسس کا شکار ہو گیا، رات کو اس نے اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا تھا، اس وقت
وہ کچھ اور ہی شکل اختیار کر گیا تھا، اس نے پھاؤڑا ایک طرف رکھ کر جلدی سے کھلی ہوئی ق
میں نگاہیں دوڑائیں، دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر کسی نے کفن چرانے کی کوشش کی تو اس م
کامیاب ہوا یا نہیں...... جب جب قبر میں جھانکا تو اسے ایک عجیب و غریب منظر نظر آیا۔

لاش قبر کے اندر موجود تھی، کفن بھی جسم پر تھا لیکن چہرہ کھلا ہوا تھا، لمبے لمبے سیاہ با
بکھرے ہوئے تھے اور نسوانی وجود کے نقوش نمایاں تھے، بے حد دلکش چہرہ لیکن جو سب
زیادہ حیرت ناک بات تھی وہ یہ کہ اس کے پہلو میں ایک نوزائیدہ بچی نظر آ رہی تھی، بچی اس
کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی اور انتہائی حیرت ناک منظر یہ تھا کہ وہ ہاتھ پاؤں مار رہی تھی۔

ناممکن......؟ قطعی ناممکن؟ ہو ہی نہیں سکتا۔ سارا خوف اور تجسس ذہن سے نکل گیا ا
فرض جاگ اٹھا، قدرت کے کام قدرت ہی جانے، وہ جسے زندگی دینا چاہے، دے سک
ہے۔ بھلا اس کے لیے کیا مشکل ہے، طویل عرصے تک ملبے تلے دبے رہنے والے انسانو
کو اس نے زندگی سے نوازا، شدید ترین زلزلے سے جو متاثر ہوئے، ان میں سے بہت
سوں نے زندگی پائی، اس کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔

وہ سب کچھ بھول کر قبر میں اتر گیا اور پھر اس نے کسی بات کی پرواہ کیے بغیر نوزائیدہ
بچی کو قبر سے نکال کر سینے میں چھپا لیا، اس کے بعد ایک لمحے کے اندر اندر وہ قبر سے باہر تھا
اور تیزی سے دوڑتا ہوا گھر کی طرف بھاگا۔

حیرت نے اسے دیوانہ کر دیا تھا، گھر میں داخل ہوا تو جیراں اور منیزہ اسے حیرت سے
دیکھنے لگیں، پھر انہوں نے اس کے ہاتھوں میں دبی ہوئی شے کو دیکھا اور آگے بڑھ آئیں۔

اس نے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''اماں...... تم اسے سنبھالو، میں ابھی آتا ہوں۔''

اس نے بچی کو ماں کی گود میں دیا اور دوڑ کر اندر سے اسٹیتھو اسکوپ اور ایک آدھ چیز نکالی
اور اس کے بعد باہر نکل گیا، جیراں اور منیزہ حیرت سے اس بچی کو دیکھتی رہیں۔ جیراں نے
کہا۔ ''ہائے ہائے ارے منیزہ تو جلدی سے پانی گرم کر، یہ ابھی پیدا ہوئی بچی لگتی ہے، یہ
کہاں سے مل گئی اسے؟''

''میں پانی گرم کرتی ہوں اماں!''

وہ دونوں بچی کی صفائی ستھرائی میں لگ گئیں۔ شہباز ایک بار پھر قبر کے پاس پہنچ کر قبر
میں اتر گیا۔ فاتحہ خوانی کے لیے آنے والے جا چکے تھے اور اب رحیم کے سوا قبرستان میں اور
کوئی نہیں تھا۔

قبر میں جگہ بے شک تنگ تھی لیکن جس طرح بھی بن پڑا، اس نے آلہ لگا کر عورت
کے تنفس کا جائزہ لیا، تمام تر معائنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ عورت میں زندگی کے کوئی
آثار نہیں ہیں، وہ مکمل طور پر مردہ ہے لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ وہ جسمانی طور پر ابھی
بالکل ٹھیک تھی، جبکہ اس کی تدفین کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا کہ کب ہوئی ہے۔ یہ
سارا جائزہ لینے کے بعد اب عورت میں زندگی کے آثار بالکل نہیں ہیں اور کسی لاش کو قبر سے
نکالنا قانونی اور اخلاقی طور پر جرم ہے، اس نے گہری سانس لے کر رحیم کی طرف دیکھا جو
اس کے بالکل برابر کھڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''آؤ قبر بند کریں۔''

رحیم خاموشی سے اس کے ساتھ قبر بند کروانے لگا اور اس کے بعد مٹی سے پوری قبر
درست کر دی گئی۔

''کیا قصہ ہے صاحب جی......؟'' رحیم نے پوچھا۔

''بس رحیم! کسی جانور وغیرہ نے یہ قبر کھول دی تھی۔''

''جانور نے سلیں بھی ہٹا دیں صاحب جی!''

''پتہ نہیں وہ جانور تھا یا انسان...... ویسے رحیم تم یہ بتاؤ میں تو شہر میں ہوتا ہوں، کبھی
یہاں سے کوئی لاش چوری ہوئی ہے یا کفن وغیرہ چرایا گیا ہے؟''

''نہیں جی ابھی تک تو کوئی ایسی بات نہیں سنی، نہ کفن چرایا گیا ہے، نہ لاش...... کیا
لاشیں بھی چرائی جاتی ہیں صاحب جی......''

"انسان پتہ نہیں کیا کچھ کرتا ہے، جاؤ تم ہاتھ وغیرہ دھولو۔" اس نے رحیم کو ٹالتے ہوئے کہا۔

بچی کے لیے اس کے دل میں شدید تجسس تھا، وہ برق رفتاری سے گھر کی جانب بڑھ گیا، گھر میں بھی خوب ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی، منیزہ نے بچی کو خوب صاف ستھرا کر لیا تھا، وہ بے حد جاذب نگاہ تھی اور منیزہ اس پر قربان ہوئی جا رہی تھی۔

ماں نے اس سے پوچھا۔ "کون ہے یہ شہباز...... تو نے کچھ بتایا نہیں اس کے بارے میں، کہاں سے لے آیا اسے؟"

شہباز نے ایک گہری سانس لی اور بہن سے بولا۔ "اب اس بچی کو تھوڑا سا لٹاؤ اور مجھے چائے بنا کر دو۔"

منیزہ نے بچی کو ماں کی گود میں دیا اور اس کے بعد چائے بنانے چلی گئی۔ جیراں مسلسل تشویش کا شکار تھی۔

"بتا تو سہی گہری گہری سانسیں لے رہا ہے، تیرے کسی مریض کی بیٹی ہے یہ، بھلا قبرستان میں کہاں سے آ گئی؟"

"اماں...... ایسی انہونی ہوئی ہے کہ کسی کو بتاؤں تو وہ مجھ پر خوب ہنسے گا۔"

"بات کیا ہے، مجھے بتا تو سہی۔"

شہباز نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔ "اچھا تو مجھے ایک بات بتا اماں...... فرض کر کہ کوئی لڑکی یا عورت ماں بننے والی ہو اور اس کا انتقال ہو جائے تو کیا اس کی موت کے بعد اس کے ہاں اولاد پیدا ہو سکتی ہے؟"

"ہیں......" جیراں کا منہ حیرت سے کھل گیا پھر وہ بولی۔ "لے مجھے کیا معلوم، تو ڈاکٹر ہے، تجھے اتنی سی بات پتہ نہیں ہے، ماں کے ساتھ اولاد بھی مر جاتی ہے کیونکہ اسے سانس نہیں ملتی مگر تو یہ سوال کیوں کر رہا ہے؟"

"میں تجھے بتاؤں اماں! یہ بچی ایک بند قبر میں تھی، قبر تھوڑی سی کھل گئی تھی، اس میں مجھے وہ مردہ عورت نظر آئی مگر اس کے پہلو میں یہ زندہ بچی لیٹی ہوئی تھی۔"

"قبر بند تھی پہلے؟"

"تو اور کیا اماں...... مجھے تو یہ نہیں معلوم کہ ابا نے کب اس میت کو دفنایا تھا۔"

"کیسی بے عقلی کی باتیں کر رہا ہے، ایک بند قبر میں اور کوئی زندہ بچ جائے، ویسے تو اللہ میاں معجزے دکھاتا رہتا ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے مگر مذاق کر رہا ہے تو مجھ سے

شہباز!......"

"اماں...... بالکل مذاق نہیں کر رہا، ایسا ہی ہوا ہے، بس تو یہ سمجھ لے کہ یہ بچی مجھے ایک قبر سے ملی ہے اور وہ اپنی ماں کے پہلو میں لیٹی ہوئی تھی۔"

"اور ماں مر چکی ہے۔"

"ہاں اماں کتنی بار بتاؤں، میں نے آلے سے پوری طرح اس عورت کو چیک کیا ہے اور اس بات کی گنجائش نہیں چھوڑی کہ اس میں زندگی ہو۔"

"یہ تو بس مولا کا کرم ہے، پتہ نہیں کیا قصہ ہے؟"

اتنی دیر میں منیزہ چائے لے کر آ گئی تھی۔

"ہاں بھیا...... بتایا تم نے اماں کو کون ہے یہ بچی؟"

"جو کچھ یہ بتا رہا ہے منیزہ! تو سنے گی تو حیران رہ جائے گی۔"

ماں نے منیزہ کو تفصیل بتائی تو منیزہ شرارت بھری نگاہوں سے شہباز کو دیکھنے لگی پھر بولی۔ "اور اب تم ان کی بات پر یقین کر لو گی، یہ تو اس طرح کی شرارتیں کرتے رہتے ہیں، کسی دوست وغیرہ کی بیٹی ہو گی۔"

"ارے تو بالکل پاگل ہے، دوست کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی اور اس نے ہمیں اس کی صفائی ستھرائی کے لیے بھیج دیا۔"

"ہیں......" منیزہ کا منہ بھی حیرت سے کھل گیا تھا۔ پھر اس نے محبت بھری نگاہوں سے بچی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تب تو پھر یہی کہا جائے گا کہ یہ اللہ نے ہمیں دی ہے، ہائے کتنی پیاری ہے، شہباز میں لے لوں۔"

منیزہ کے انداز پر شہباز ہنس پڑا پھر بولا۔ "یہ تو ایسے کہہ رہی ہے اماں جیسے میں بازار سے کوئی چیز خرید کر لایا ہوں اور یہ مجھ سے مانگ رہی ہے۔ بڑی الجھن کی بات ہے، اماں! تو یقین کر میڈیکل سائنس اس بات کی نفی کرتی ہے کہ قبر میں کوئی ماں بننے والی عورت دفن ہو جائے اور اس کے بعد قبر میں ہی بچی کو جنم دے دے، کوئی بھی سنے گا تو ہنسے گا اور میں نے بھی اپنی میڈیکل کی تعلیم میں کوئی ایسی بات کبھی نہیں پڑھی، سچی بات تو یہ ہے کہ میں اپنے سینئرز کو بتاؤں گا تو وہ بھی یقین نہیں کریں گے لیکن بہرحال یہ ایک تجربہ ہو گا زندگی کا۔"

سیدھی سادی عورتیں بھلا اس بارے میں کیا بحث کرتیں، پورا دن گزر گیا، بچی خوش و خرم تھی، منیزہ نے کچھ چیزیں شہباز کو لکھوائیں اور وہ بازار چلا گیا، دودھ کے فیڈر، دودھ کے

ڈبے، کپڑے یہ ساری چیزیں لے کر وہ واپس آ گیا۔

شام ہوگئی اور پھر رات...... رات بھی گزر گئی، بچی منیزہ کے پاس ہی سوئی تھی، پھر دوسرے دن غیر متوقع طور پر گلاب خان واپس آ گیا حالانکہ وہ دو تین دن کے لیے کہہ کر گیا تھا لیکن نجانے کیوں اس کی واپسی ہوگئی۔ جیراں نے پوچھا تو بولا۔ ''بس وہ لوگ کسی شادی میں جا رہے تھے، میں نے سوچا کہ میری وجہ سے ان کا شادی کا پروگرام خراب نہ ہو، مل آیا اس سے، بس ملنا ہی تھا اور پھر میرا بیٹا بھی کافی دن کے بعد شہر سے آیا ہے، اس کے ساتھ بھی تو کچھ وقت گزارنا تھا۔'' گلاب خان نے پیار سے بیٹے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔

''تم لوگوں کے چہرے پر ایسی کوئی بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی، کیا ہو گیا؟''

''نہیں ابا...... کوئی بہت بڑی بات نہیں، آپ آرام سے بیٹھو، بتاؤں گا۔''

''اس کا مطلب ہے کوئی بات ہے؟''

''ہاں بڑی حیرت کی بات ہے۔''

''کیوں...... کیا ہوا؟''

''ابا...... وہ جو نیم کے درخت کے پاس ایک قبر بنی ہوئی ہے، کتنی پرانی ہے؟''

''لے...... نیم کے درخت کے پاس تو بہت ساری قبریں بنی ہوئی ہیں، کون سی قبر کی بات کر رہا ہے تو؟''

''میں تمہیں دکھاؤں گا وہ قبر۔''

''کیوں کیا ہوا اس قبر کو، کوئی بات تو بتا؟''

''ابا...... میں رات کو باہر بیٹھا ہوا تھا، کوئی بارہ ساڑھے بارہ بج چکے تھے، بوندا باندی ہو رہی تھی، میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ اس قبر کے پاس موجود ہیں اور وہاں تھوڑی سی روشنی ہو رہی ہے، میں انتظار کرتا رہا، پھر کسی طرف سے قبر پر ایک تیز روشنی پڑی اور وہ لوگ دیواریں کود کر بھاگ گئے تب مجھے حیرت ہوئی، رات کو تو میری ہمت نہیں پڑی لیکن صبح کو میں نے اس قبر کے پاس جا کر دیکھا تو قبر کھلی ہوئی تھی، سلیں ہٹی ہوئی تھیں، قبر میں ایک کفن پوش عورت کی لاش نظر آ رہی تھی جس کا چہرہ کھلا ہوا تھا لیکن جو حیرانی کی بات تھی وہ یہ تھی کہ اس کے برابر ہی ایک نوزائیدہ بچی لیٹی ہوئی تھی جو زندہ تھی۔''

''کیا بک رہا ہے، جیراں کیا کہہ رہا ہے یہ......؟''

''سچ کہہ رہا ہے، ہم تو خود حیران ہیں۔''

''پھر کیا ہوا؟'' گلاب خان نے پوچھا۔

''ابا...... عورت تو مردہ تھی، میں نے اس کا اچھی طرح جائزہ لے لیا مگر بچی زندہ تھی، میں اسے نکال لایا۔''

''کہاں گئی وہ؟''

''اندر موجود ہے۔''

''ایں......'' گلاب خاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں ابا اندر موجود ہے، تندرست ہے، اس کے لیے منیزہ نے چیزیں منگوا لی ہیں اور وہ آرام سے ہے۔''

''مگر کون سی قبر کی بات کر رہا ہے تو، چل ذرا مجھے دکھا۔''

''آپ آرام سے بیٹھو، کچھ چائے پانی پیو۔''

''پاگل ہوا ہے تو، اتنا حیران کر دیا ہے تو نے مجھے کہ اب بھلا چائے، پانی کی گنجائش ہے، چلو میرے ساتھ۔''

اور شہباز، باپ کو اس قبر کے پاس لے گیا جو اب اس نے مٹی ڈال کر برابر کر دی تھی۔

''ارے باپ رے باپ...... یہ قبر؟''

''کیوں کوئی خاص بات ہے؟''

''مگر یہ کب کی بات ہے، تو نے کب اس بچی کو نکالا؟''

''ابا...... کل ہی کی بات ہے۔''

''اس کو تو سات آٹھ دن ہو گئے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سات آٹھ دن ایک بچی بند قبر میں رہی ہو؟''

''مجھے تو یہ معلوم نہیں تھا بس جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہ سچ ہے۔''

''بچی گھر میں ہے؟''

''ہاں......''

''بس یہ ہوا تھا کہ اس رات بھی بارش ہو رہی تھی اور میں گھر کے باہر بیٹھا ہوا، قبرستان میں سوتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے کہ دور سے ایک جنازہ آتا ہوا نظر آیا، بارہ بج چکے تھے، بارہ بجے کے بعد تدفین کی اجازت نہیں ہے، میں نے ان سے کہا کہ بھائی صبح کو میت لے آنا مگر نہیں مانے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اس علاقے کا انسپکٹر ہوں، دوسرے کے بارے میں اس نے بتایا کہ یہ مجسٹریٹ ہے، میں نے کہا کہ بھائی قانون تو آپ نے خود ہی بنایا ہے تو انہوں نے کہا کہ بھائی یہ مجبوری

ہے، ہم رات بھر میت کو رکھ نہیں سکتے، مجبوراً مجھے تدفین کرنا پڑی۔"

"ابا...... رجسٹر میں ان کا نام پتہ تو لکھوایا ہوگا آپ نے؟"

"ہاں...... ہاں بالکل ہے۔"

"مجھے دکھایئے کون لوگ ہیں ذرا تھوڑی سی معلومات تو کی جائے، قصہ کیا ہے، بڑی حیرت کی بات ہے۔"

وہ لوگ واپس آ گئے، گھر آ کر گلاب خان نے رجسٹر نکالا اور اس میں ان لوگوں کا لکھا ہوا پتہ وغیرہ تلاش کرنے لگا، اس نے رجسٹر میں وہ پتہ تلاش کر کے اسے شہباز کے سامنے پیش کر دیا اور شہباز نے اس کا لکھا ہوا پتہ پڑھا پھر بولا۔"ابا...... چلو گے ذرا میرے ساتھ؟"

"ہاں، کیوں نہیں چلوں گا، ذرا معلوم کرتے ہیں کہ کیا قصہ تھا۔" اور اس کے بعد گلاب خان نے بمشکل تمام تھوڑا بہت ناشتہ کیا، شہباز نے بھی اپنا لباس تبدیل کیا اور پھر وہ پتہ تلاش کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ جس محلے کا پتہ لکھوایا گیا تھا، اس میں اس نام کے کسی فرد کا کوئی نشان نہیں تھا، تھانے پہنچے تو انسپکٹر سے ملاقات ہوئی لیکن ان لوگوں نے اصلیت نہیں بتائی تھی بلکہ ایسے ہی گورکن کی حیثیت سے تذکرہ کر دیا تھا کہ یہاں کسی کی تلاش میں آئے ہیں، یہ انسپکٹر وہ نہیں تھا جو اس رات کو تدفین کے سلسلے میں ان کے پاس آیا تھا، سارا نام، پتہ سب کچھ غلط تھا، دونوں ناکام واپس آ گئے۔

"کچھ سمجھ نہیں آتا کیا بات ہے؟"

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" گلاب خان نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

❀ ❀ ❀

کچھ لمحوں کے لیے رفیق خود بھی متاثر ہو گیا تھا۔ مولوی ادریس علی بہت ہی نرم خو اور محبت سے گفتگو کرنے والے آدمی تھے۔ رفیق ان سے ملا، وہاں چند افراد مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر تھے اور ان سے اپنے مسائل بیان کر رہے تھے، ادریس علی کسی پر دم کر رہے تھے، کسی کو تعویذ دے رہے تھے اور کسی کو تسلیاں کہ اس کی مشکل دور ہو جائے گی۔ رفیق کی باری آئی تو اس نے دست بستہ سر جھکا کر کہا۔"حضور والا...... میں ایک اہم سلسلے میں چوہدری شاہنواز کی حویلی سے آیا ہوں۔"

"اچھا...... چوہدری صاحب کیسے ہیں وہ، وہ تو بہت ہی اچھے آدمی ہیں، اکثر میرے پاس آتے رہتے ہیں۔"

"حضور والا...... کچھ ایسی مشکلات پیش آ گئی ہیں کہ آپ کو حویلی میں بلایا گیا ہے۔"

"اوہ...... اچھا بلایا گیا ہے؟" ادریس علی کسی قدر الجھے ہوئے لہجے میں بولے پھر کہنے لگے۔"کب چلنا ہے؟"

"موٹر لے کر آیا ہوں، بس حضور کے حکم کا انتظار ہے۔"

"ٹھیک ہے، ہم ابھی کچھ دیر کے بعد تمہیں بتاتے ہیں۔" ادریس علی نے کہا اور اندر حجرے میں چلے گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس آ کر بولے۔"اصل میں یہاں کے کچھ انتظامات کرنا ہوتے ہیں مگر ٹھیک ہے، ہمیں زیادہ وقت تو وہاں نہیں رکنا ہوگا؟"

"نہیں حضور! موٹر حاضر ہے، بستی سے حویلی تک کا سفر بہت زیادہ نہیں ہے، سبحان گلی کا ہماری آبادی سے فاصلہ ہی کتنا ہے اور پھر آپ کو واپس چھوڑ دیا جائے گا۔"

"ہم انتظام کر آئے ہیں، چلیے ہم تیار ہیں۔" ادریس علی، رفیق کے ساتھ موٹر میں بیٹھ گئے اور موٹر چل پڑی۔ راستے میں وہ صرف پڑھتے چلے آئے تھے، انہوں نے مزید کچھ نہیں پوچھا تھا۔ البتہ حویلی میں رفیق انہیں لے کر چور دروازے سے اندر داخل ہوا تھا، ایک لمحے کے لیے ادریس علی ٹھٹکے تھے مگر اپنی نرم روی کے باعث انہوں نے رفیق سے کوئی سوال نہیں کیا تھا اور خاموشی سے اندر داخل ہو گئے تھے۔ رفیق انہیں کئی غلام گردشوں سے گزارتا ہوا آخر کار ایک بڑے کمرے میں لے گیا جو چوہدرائن کی خصوصی نشست گاہ تھی۔ شاہینہ بیگم نے بڑے خلوص کے ساتھ ادریس علی کا استقبال کیا تھا۔

"تشریف رکھیے بابا صاحب!...... آپ کے آنے سے مجھے دلی خوشی ہوئی ہے۔"

"اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے، چوہدری صاحب کہاں ہیں؟" ادریس علی نے سوال کیا۔

"وہ اس وقت باہر گئے ہوئے ہیں، اصل میں مجھے آپ سے کام تھا۔"

ادریس علی کے چہرے پر تھوڑے سے تردد کے آثار نظر آئے۔ انہوں نے نگاہ اٹھا کر شاہینہ بیگم کو دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔"جی فرمایئے؟"

"بابا صاحب...... پہلے تو میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ آپ میرے لیے جو کچھ کریں گے، اس کے صلے میں آپ کو اتنا کچھ دوں گی کہ آپ اپنی زندگی کا بقیہ حصہ سکون سے کاٹیں گے۔"

"نہیں بی بی...... اللہ کے کام اللہ ہی کے پاس رہنے دو۔ رزق دینے والا وہی ہے اور انسانی حاجات بھی وہی پوری کرتا ہے، اگر علم نہیں ہے تو اپنی اصلاح کر لو کہ دینے والی ذات صرف ذات باری کی ہے، ہمارے کام دوسرے ہیں، کبھی کسی کو کچھ دینے کا دعویٰ مت کرنا کیونکہ دلوانے والا کوئی اور ہی ہے، خیر اپنا کام بتاؤ، کیا چاہتی ہو۔"

"سخت مشکل میں ہوں بابا صاحب...... آپ کو میری مدد کرنا ہوگی، اس کمبخت چڑیل نے مجھ سے میرا سکون چھین لیا ہے، وہ میرے لیے عذاب جان ہے، میں اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہوں۔"

ایک بار پھر ادریس علی نے نگاہیں اٹھا کر شاہینہ کو دیکھا پھر کچھ بولے نہیں۔

"عرشیہ بیگم ہے اس کا نام، میرے شوہر نے اس سے دوسری شادی کر لی ہے، میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی لیکن میرے شوہر کو اولاد کی زیادہ پروا نہیں، عرشیہ سے انہوں نے اس لیے شادی کی کیونکہ وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے، اس نے میرے شوہر کے دل پر قبضہ جما لیا اور اب وہ صاحب اولاد بھی ہونے والی ہے، اس کے ہاں پیدا ہونے والی اولاد ہماری تمام جائیدادوں کی تنہا وارث بنے گی، گویا میرے حقوق پر ایک نہیں بہت سے ڈاکے ڈالے جانے والے ہیں، ظاہر ہے میں بھی انسان ہوں، اول تو ایک عورت دوسری عورت کو ویسے ہی برداشت نہیں کر سکتی، دوم یہ ستم در ستم میری جو حق تلفی ہو رہی ہے، میں اسے برداشت نہیں کر سکتی، آپ کو میرا یہ کام کرنا ہی ہوگا۔"

"ہمیں بتائیے چوہدرائن...... ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"عرشیہ کو اس دنیا میں نہیں رہنا چاہیے، اس کے ہاں اولاد نہیں پیدا ہونی چاہیے، آپ کوئی ایسا عمل کیجیے کہ وہ میرے شوہر کو چھوڑ کر پاگل ہو جائے اور اس کے ہاں اولاد پیدا نہ ہونے پائے یا پھر وہ زندگی سے ہی محروم ہو جائے، کوئی ایسا تعویذ دیجیے جس سے......؟"

"ایک منٹ بی بی ایک منٹ...... آپ اگر تعویذ کی بات کرتی ہیں تو جانتی ہیں تعویذوں میں کیا ہوتا ہے، اللہ کا نام اور اس کی برکت سے انسان فلاح پاتا ہے، کوئی ایسا تعویذ تو ہو ہی نہیں سکتا جس کے ذریعے انسان کو ہلاکت میں ڈالا جائے کیونکہ اللہ کے کلام میں ہلاکت نہیں ہے، اس میں تو برکت ہی برکت ہے اور پھر بی بی! یہ کام ہمارا نہیں، ہم کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ حرام ہے، آپ نے غلط ہمیں بلایا، وہ احمق آدمی کہاں ہے جس نے ہمیں دھوکا دے کر یہاں تک آنے کے لیے مجبور کیا۔ اس نے ہمیں آپ کے نام پر نہیں چوہدری شاہنواز کے نام سے یہاں بلایا تھا اور چوہدری شاہنواز سے ہماری بڑی اچھی یاد اللہ ہے، کیا سمجھیں آپ...... اس احمق کو بلائیے، ہم یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن بابا صاحب!...... میں آپ سے پھر یہ بات کہتی ہوں کہ آپ جتنی رقم چاہتے ہیں میں آپ کو ادا کروں گی، آپ میرا یہ کام کر دیجیے۔"

"تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے بی بی!...... تمہاری حالت درست نہیں ہے، ہم سے

احمقانہ باتیں نہ کرو۔ ہم چوہدری صاحب کا بہت احترام کرتے ہیں اور تمہارا بھی، کیا احمقانہ کام لینا چاہتی ہو تم ہم سے، بے وقوف ہو، اجازت دو۔"

مولوی ادریس علی اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

شاہینہ آگے بڑھ کر ان کے سامنے آ گئی۔ "دیکھیے آپ اچھا نہیں کر رہے۔"

"بی بی!...... ہم تو اچھا کر رہے ہیں، آپ کو بھی آخری بار سمجھا رہے ہیں کہ اللہ کے حکم پر قناعت کیجیے، ہمیں ایک بات کا جواب دیجیے آپ، کیا چوہدری شاہنواز نے آپ کو گھر سے نکالنے کی بات کی ہے؟"

"نہیں......"

"دوسری شادی کرنے کے بعد انہوں نے آپ کو تکلیف دی ہے کوئی؟"

"تکلیف اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ میرا شوہر دوسری عورت کے قبضے میں ہے۔"

"نہیں، میرا مطلب ہے آپ کی ضروریات میں کوئی کمی ہوئی ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، میرے پاس خود بے پناہ دولت ہے، میں بھی کسی گرے پڑے گھر کی نہیں ہوں۔"

"جب یہ سب کچھ نہیں ہوا ہے تو آپ آرام سے زندگی گزاریئے، بلاوجہ غلط راستے کی جانب سفر کر رہی ہیں، اجازت دیجیے ہمیں۔" اور اس کے بعد ادریس علی تیزی سے دروازے سے باہر نکل گئے۔

شاہینہ منہ کھول کر رہ گئی تھی، چند لمحوں تک وہ شدید غصے کے عالم میں وہیں کھڑی رہی، اس کے بعد اس نے زور زور سے آوازیں لگائیں۔

"رفیق، رفیق......" رفیق آس پاس موجود نہیں تھا، ایک ملازمہ دوڑی ہوئی اندر آ گئی۔ "جی بیگم صاحبہ......"

"رفیق کہاں مر گیا؟"

"پتہ نہیں بیگم جی! تلاش کر کے لاؤں؟"

"بلاؤ اسے بلاؤ۔" شاہینہ بیگم نے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی ایک مسہری پر آ بیٹھی۔

ملازمہ باہر دوڑ گئی تھی، رفیق شاید فاصلے پر تھا، خاصی دیر لگی اسے آنے میں، اس دوران شاہینہ غصے سے بل کھاتی رہی تھی، جیسے ہی رفیق اندر آیا، وہ اس پر برس پڑی۔

"کہاں مر گیا تھا تو، کیا تجھے دور جانا چاہیے تھا؟ اگر وہ بڈھا مجھے کوئی نقصان پہنچا دیتا تو؟"

رفیق کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''بابا صاحب چلے گئے؟''

''میں تجھ سے کیا کہہ رہی ہوں؟''

''وہ بیگم صاحب میں تو آپ کا احترام ہی کرتا ہوں، بھلا میری کیا مجال تھی کہ میں بابا صاحب اور آپ کے درمیان کوئی مداخلت کرتا، میں اتنی دور چلا گیا تھا یہاں سے کہ آپ آرام سے ان سے بات کر لیں اور یہ نہ سوچیں کہ میں آپ کی بات سننے کی کوشش کر رہا ہوں، یہ تو صرف آپ کا احترام تھا بیگم جی! مگر ہوا کیا اور بھلا وہ بزرگ آدمی آپ کو کیا نقصان پہنچا سکتا تھا۔''

''تو نے تو بڑے اہتمام سے مجھے بتایا تھا کہ سبحان گلی میں ایک بابا جی رہتے ہیں، بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اور سارے کام چٹکیاں بجا کر حل کر دیتے ہیں۔ تو نے یہ بھی کہا تھا کہ دولت ہر مرض کی دوا ہوتی ہے، یہ کس بے وقوف کو پکڑ لایا تھا تو......؟ جانتا ہے وہ کیا کہہ رہا تھا؟''

''آپ بتا دیجیے بیگم صاحبہ......''

''کہہ رہا تھا کہ چوہدری شاہنواز سے اس کی بڑی یاد اللہ ہے اور وہ ان کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، ایسے آدمی کو تو میرے پاس لے کر آیا تھا، اب اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ چوہدری صاحب کو ساری بات نہیں بتا دے گا؟''

رفیق تھوڑی دیر کے لیے ہکا بکا رہ گیا تھا، کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ''وہ تیار نہیں ہوئے؟''

''اپنی بک بک کیے جا رہا ہے، میں کہتی ہوں تو نے میرے لیے یہ کیا مصیبت کھڑی کر دی، میرا تو سونا حرام ہو جائے گا، یہ سوچ سوچ کر کہ کہیں چوہدری صاحب کے کانوں تک یہ بات نہ پہنچ جائے۔ رفیق، اگر ایسا ہوا تو میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی، زندہ دفن کر دوں گی تجھے۔ اس طرح تو نے میری نہیں بلکہ عرشیہ کی مدد کی ہے، اس کے لیے راہ ہموار کی ہے۔''

''بیگم صاحبہ...... رفیق آپ کا غلام ہے، چوہدری صاحب کا نہیں، ہر کام آپ کے لیے کرتا ہے، آپ مطمئن رہیں بس دو لفظ میں مجھے بتا دیں کہ ہوا کیا ہے؟''

''بے غیرت آدمی! اب بھی اتنے اطمینان سے سوالات کر رہا ہے، ہوا یہ ہے کہ میں نے تیرے کہنے پر دل کی بات انہیں بتا دی، وہ مجھے نصیحتیں کرنے لگے کہ جیسے گزر رہی ہے،

گزاروں، کوئی ایسا عمل نہ کروں جو......''

''ہوں...... یہ بات ہے لیکن بہرحال آپ پریشان کیوں ہیں، میں جو ہوں، میرا خیال ہے وہ سامنے والے دروازے ہی سے نکل کر گئے ہیں مگر کوئی فکر نہ کریں۔''

''رفیق...... اطمینان مجھے اسی وقت ہوگا جب میرے سامنے اس شخص کی لاش آ جائے گی، سمجھ رہا ہے تو میری بات کو؟''

رفیق کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔ ''یہ برا کام بھی مجھے ہی کرنا تھا، چلیں ٹھیک ہے، اس کی لاش آپ کے سامنے آ جائے گی تب تو آپ کو اطمینان ہو جائے گا۔''

''اس وقت نہیں جب سارا کچا چٹھا کھل جائے، میں اس سے پہلے اس کی لاش کو دیکھنا چاہتی ہوں۔''

''بس جی آپ فکر نہ کریں، میں بندوبست کرتا ہوں، جاؤں؟''

''غرق ہو اور لاش اس طرح لا کہ کسی کو اندازہ نہ ہو، توبہ ہے ایک جرم چھپانے کے لیے کتنے جرم کرنا پڑتے ہیں، توبہ توبہ......''

رفیق خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

ادریس علی کسی قدر طیش میں آ گئے تھے ورنہ ان کی نرم خو فطرت کبھی کسی کے ساتھ سخت کلامی کی متحمل نہیں ہوتی تھی۔ رفیق انہیں پچھلے دروازے سے لے کر اندر آیا تھا لیکن وہ سامنے کے دروازے سے باہر نکلے تھے، کسی نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، چنانچہ وہ باہر نکلنے کے بعد سیدھے چل پڑے، تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس جگہ پہنچ گئے جہاں چند تانگے کھڑے ہوئے تھے۔ ایک تانگے والے کے پاس پہنچ کر انہوں نے کہا۔ ''میاں تانگے والے...... سبحان گلی چلو گے؟''

''کیوں نہیں چلیں گے بزرگو! کھڑے ہی اس لیے ہوئے ہیں۔''

تانگے والے سے کرایہ طے کر کے ادریس علی تانگے میں سوار ہو گئے اور تانگہ چل پڑا۔

ان کے ذہن میں تھوڑا سا تردد پیدا ہو گیا تھا، اگر چوہدری شاہنواز کو اس بارے میں نہ بتاتے تو اس بات کا امکان تھا کہ ان کی دوسری بیوی عرشیہ بیگم کو کوئی نقصان پہنچ جاتا اور اگر بتا دیتے تو اس بات کی پریشانی تھی کہ چوہدری صاحب کہیں شاہینہ بیگم کو کوئی سخت سزا نہ دے ڈالیں، اس کشمکش کا فیصلہ ذرا مشکل نظر آ رہا تھا۔

تانگہ سبحان گلی کا سفر کر رہا تھا، راستہ کچا اور ناہموار تھا، دونوں اطراف میں کھیت پھیلے

ہوئے تھے، تانگے والا خاموشی سے تانگہ چلا رہا تھا، کافی فاصلہ طے ہو گیا، اب دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا، کھیت بھی پیچھے رہ گئے تھے، خال خال خودرو درخت کچے راستے کے دونوں طرف نظر آ رہے تھے، کہیں کہیں گہرے گڑھے تھے، یہ گڑھے مٹی نکالنے سے بنے تھے، یہاں سے ٹرک مٹی لے جایا کرتے تھے جو برتن بنانے والے کارخانوں میں استعمال ہوتی تھی یا پھر ان چھوٹے موٹے کمہاروں کے لیے جو اس مٹی سے برتن بنا کر انہیں بھٹی میں پکاتے تھے اور بازاروں میں فروخت کر دیتے تھے۔

ابھی تانگہ سفر کر ہی رہا تھا اور سبحان گلی خاصے فاصلے پر تھی کہ اچانک ہی عقب سے ایک بڑی جیپ نمودار ہوئی جس میں آٹھ دس افراد سوار تھے، جیپ تیزی سے دھول اڑاتی ہوئی چلی آ رہی تھی، تانگے والے نے اس کی رفتار دیکھ کر جلدی سے گھوڑے کو بائیں سمت کاٹ لیا، بس اتنی جگہ تھی کہ جیپ اپنے دو پہیے تھوڑے سے نیچے اتار کر آگے نکل سکتی تھی اور جیپ والوں نے ایسا ہی کیا، وہ جیپ کو آگے لے گئے لیکن کوئی پندرہ گز کے فاصلے پر انہوں نے جیپ راستے پر روک دی اور تانگے والے کو فوری طور پر لگام کھینچ کر گھوڑا روک لینا پڑا، وہ کسی قدر غصیلی نگاہوں سے جیپ کو دیکھ رہا تھا لیکن پھر اس وقت اس کے دل میں خوف کا بسیرا ہو گیا جب اس نے جیپ سے ان تمام افراد کو کود کود کر نیچے آتے ہوئے دیکھا۔

ایک نگاہ میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ سب جرائم پیشہ قسم کے لوگ ہیں، شاید ڈاکو...... تانگے والے کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اکثر ان علاقوں میں ڈاکے پڑتے رہتے تھے لیکن کسی تانگے والے کے پاس سے کیا برآمد ہو سکتا تھا، زیادہ سے زیادہ وہ لوگ اس کا گھوڑا تانگہ لے جا سکتے تھے، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھتا رہا۔

ادریس علی نے کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں گردن نکال کر انہیں دیکھا تھا اور پھر کہا تھا۔ ''یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟''

تانگے والا ابھی کوئی جواب نہیں دینے پایا تھا کہ وہ لوگ تانگے کے چاروں طرف بکھر گئے، ان میں سے ایک نے ادریس علی کو آستین پکڑ کر نیچے کھینچا۔

''نیچے آ جاؤ بابا جی......'' اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ذرا سی طاقت لگا کر انہیں نیچے اتار لیا۔

''ہوں...... تانگے والے تانگہ موڑو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔'' ان میں سے ایک نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ادریس علی کو ایک طرف گھسیٹ لیا گیا تھا بہرحال وہ کمزور سے آدمی تھے، گھسیٹنے سے

گرتے گرتے بچے، انہی میں سے دو افراد نے انہیں سنبھال لیا۔ جس شخص نے تانگے والے کو تانگہ موڑنے کا حکم دیا تھا، اس نے پستول سامنے کر کے دو تین ہوائی فائر کیے اور تانگے والے کے اوسان خطا ہو گئے۔

وہ گھوڑے کو چابک مار کر موڑنے کی کوشش کرنے لگا تو وہ شخص غرا کر بولا۔ ''اور اگر واپس جا کر تم نے کوئی بات منہ سے نکالی تو یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہیں تلاش نہیں کر سکیں گے، خاموشی سے اپنی جگہ جا کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی سے کچھ مت کہنا۔'' اس نے پھر دو فائر کیے۔

گھوڑا مڑ چکا تھا، تانگے والے نے اس کو بے دردی سے مارنا شروع کیا اور کچے راستے پر گھوڑا سرپٹ دوڑتا ہوا دور نکل گیا۔

اس دوران ادریس علی اپنے آپ کو سنبھال چکے تھے، انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

''مجھ سے جو کچھ چاہتے ہو، اس کی تعمیل کے لیے میں حاضر ہوں مگر یہ سب کچھ نہ کرو، بتاؤ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''خدمت تو ہم کریں گے تمہاری بابا جی...... فکر مند کیوں ہو، آ جاؤ۔'' ان میں سے ایک نے کسی قدر مذاق اڑانے والے انداز میں کہا اور پھر وہ ادریس علی کو کھینچتے ہوئے آگے لے گئے اور انہیں اٹھا کر جیپ میں پھینک دیا۔

تمام افراد جیپ پر چڑھ گئے اور ڈرائیور نے جیپ آگے بڑھا دی، تھوڑا سا آگے جانے کے بعد ایک اور کچا راستہ بائیں سمت جاتا تھا اور تھوڑے فاصلے پر جا کر ختم ہو جاتا تھا، لیکن یہ جگہ اس عام راستے سے ہٹ کر تھی جس سے گزر کر سبحان گلی پہنچا جا سکتا تھا۔ یہاں ایک گڑھا بنا ہوا تھا جہاں سے مٹی نکالی گئی تھی، لیکن یہ گڑھا کافی وسیع تھا اور اس کی زمین بھی ہموار تھی، وہ لوگ ادریس علی کو لے کر اس گڑھے میں اتر گئے جو زیادہ گہرا نہیں تھا، ادریس علی صبر و سکون کے ساتھ ان کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔

نیچے پہنچنے کے بعد پستول بردار نے کہا۔ ''بابا جی...... کلمہ پڑھ لو اور دیکھو قدرت نے تمہارے لیے قبر کا انتظام کیسی اچھی جگہ کیا ہے، کیسی جگہ ہے؟''

ادریس علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔ ''دو گز زمین جہاں بھی مل جائے، اس مالک کا کرم ہے، ہم بھلا اس کی مصلحت میں کیسے دخل دے سکتے ہیں، بہت اچھی جگہ ہے اور ہم تم سے یہ سوال نہیں کریں گے کہ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو؟''

''بس جانے دو کیا کرو گے ان باتوں کو پوچھ کر، ایسے کام ہمیں اچھے بے شک نہیں لگتے لیکن ہم تو حکم کے بندے ہیں۔''

"تمہاری مرضی ہے پھر بھی بتا دیتے تو اچھا تھا۔"

"بتا دے بھئی، مرنے والے کی آخری خواہش تو پوری کرنی ہی چاہیے...... رفیق کو جانتے ہو؟" ایک اور شخص نے کہا۔

"ہاں رفیق ہی تو ہمیں چوہدری شاہنواز کی حویلی لے گیا تھا۔"

"بس یہ سمجھ لو کہ ہم رفیق کے آدمی ہیں، تم نے شاید رفیق کو کوئی نقصان پہنچایا ہے، اس نے ہمیں تمہارے قتل کا حکم دیا ہے، اب یہ بتاؤ کیسے مرنا پسند کرو گے۔ گولی مار دیں، گردن دبا دیں یا......؟" اس شخص نے لباس سے ایک چھرا نکال لیا۔

ادریس علی ہنسنے لگے پھر بولے۔ "نہیں عزیزم...... موت کا تعین انسان خود کبھی نہیں کر سکتا، سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔"

"تو پھر تمہیں ذبح کر دینا زیادہ اچھا ہوگا، کیا سمجھے؟" اس نے کہا اور چھرا لے کر آگے بڑھا لیکن اسی وقت ایسا لگا جیسے اس کے گال پر کسی نے زوردار تھپڑ مارا ہو۔

تھپڑ بھی ایسا کہ وہ اپنا توازن نہ سنبھال سکا اور کئی فٹ اونچا اچھل کر داہنی سمت گر گیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں، دوسرے لوگ بھی چونک کر ادریس علی کو دیکھنے لگے تھے۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اس بوڑھے شخص میں اتنی طاقت کہاں سے آگئی کہ اس نے اتنے طاقتور آدمی کو زمین چٹا دی۔

یہ اندازہ وہ بھی نہیں لگا پائے تھے کہ تھپڑ خود ادریس علی نے نہیں مارا ہے بلکہ کسی نادیدہ وجود نے یہ عمل کیا ہے۔ البتہ انہیں تھوڑی ہی دیر کے بعد صحیح صورت حال کا اندازہ ہو گیا کیونکہ ایک خوفناک گھونسا ان میں سے ایک کے جبڑے پر پڑا تھا اور اس کے دانت ہل کر رہ گئے تھے پھر ان سب کی بری طرح پٹائی ہونے لگی۔ ادریس علی تھوڑے سے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

اتنے سارے افراد گدھوں کی طرح پٹ رہے تھے اور پیٹنے والا وجود نظر نہیں آ رہا تھا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے، تین افراد پھرتی سے بھاگ کر گڑھے سے اوپر پہنچ گئے باقی پانچ افراد اب بھی بری طرح مار کھا رہے تھے، ان میں سے کئی کے منہ سے خون بہہ رہا تھا، دو چار کی آنکھوں پر نشان پڑ چکے تھے اور وہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے کراہ رہے تھے۔

اوپر جیپ اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی تو وہ پانچوں بھی چونکے اور پھر اسی طرح گالیاں بکتے ہوئے گڑھے سے اوپر جانے کے لیے آگے بڑھے کہ دیکھنے والے کو ہنسی آ

جائے، ان میں سے کئی تو ایسے تھے جن کی آنکھیں زخمی ہو گئی تھیں، وہ اوپر چڑھ رہے تھے اور نیچے گر رہے تھے۔

ادریس علی ایک طرف کھڑے مسکرا رہے تھے، جب وہ سب اوپر پہنچ گئے تو جیپ کے آگے بڑھنے کی آواز سنائی دی، وہ بری طرح وہاں سے بھاگے تھے، ادریس علی خاموشی کے ساتھ کھڑے صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے اور کچھ ہی لمحوں کے بعد انہیں ایک آواز سنائی دی۔

"سب فرار ہو گئے حضور......!"

"تم بھی بڑے ستم ظریف ہو عالی جاہ...... اتنا زخمی نہیں کرنا چاہیے تھا انہیں۔"

"حضور...... وہ آپ کی توہین کر رہے تھے، آپ کا غلام بھلا کیسے برداشت کرتا۔"

"ذرا دھمکا کر بھگا دیتے، اچھے خاصے زخمی ہو گئے سارے کے سارے۔"

"وہ اسی قابل تھے محترم بزرگ...... اسی قابل تھے وہ۔"

"انہوں نے ہمیں یہ تو بتا دیا کہ انہیں رفیق نے بھیجا تھا اور ہم جانتے ہیں کہ اس شخص نے یہ عمل کیوں کیا؟" بزرگ بڑے اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

آواز سنائی دی۔ "آئیے میں آپ کو سبحان گلی پہنچا دوں۔"

"چلتے ہیں میاں چلتے ہیں، آرام آرام سے چلتے ہیں، پریشانی تو تم نے رفع کر دی، چلو ہمیں سہارا دے کر اس گڑھے سے باہر نکالو۔" ادریس علی نے اپنا ہاتھ اوپر کر کے کہا اور پھر ان کا ہاتھ اس طرح فضا میں معلق ہو گیا جیسے کسی نے تھام لیا ہو، کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ گڑھے سے باہر تھے۔

آواز پھر سنائی دی۔ "حضور...... وہاں تک پہنچتے ہوئے تھک جائیں گے، آئیے میں......"

"چلو، چلو اب ایسی بھی کیا تھکن، چلتے ہیں، ویسے تمہیں صورت حال کا اندازہ تو نہیں ہوگا عالی جاہ......؟"

"جی...... میں تو صرف ان کی آپ کے ساتھ بدتمیزی دیکھ کر آ گیا۔"

"ایک عجیب مسئلہ ہے، وہ بے چاری شدید ذہنی بحران کا شکار ہے...... چوہدری شاہنواز کی بیوی کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔" ادریس علی نے مختصر الفاظ میں وہ ساری روداد دہرائی جو ان کے علم میں تھی۔ پھر وہ بولے۔ "ہم تو چلے جائیں گے ٹہلتے ہوئے، تمہاری ایک ڈیوٹی لگا رہے ہیں عالی جاہ...... وہ یہ کہ ہمیں چوہدری شاہنواز کی دوسری

بیوی عرشیہ بیگم کے کوائف درکار ہیں، وہ کس طرح کی خاتون ہیں، ان کی ذہنی کیفیت کیا ہے اور پھر وہ ماں بھی بننے والی ہیں، ذرا ان کے بارے میں مکمل تفصیل ہمیں بتاؤ تاکہ داستان ہمارے علم میں آ چکی ہے تو ہمیں بھی اپنا یہ فرض نبھانا ہے۔''

''جو حکم...... میں یہ چاہ رہا تھا کہ آپ کو گھر تک پہنچا دوں، وہ کمبخت کہیں دوبارہ واپس آنے کی کوشش نہ کریں۔''

ادریس علی ہنسنے لگے پھر بولے۔ ''بخدا ہمیں اس کا ذرہ برابر خوف نہیں ہے، ہر کام اللہ کی مرضی سے ہوتا ہے، ویسے ایک دلچسپ داستان کا آغاز ہوا ہے، تم جاؤ، کیا سمجھے......؟''

''جو حکم حضور......!'' اتنی دیر میں ادریس علی اس راستے پر پہنچ چکے تھے جو سبحان گلی کی جانب جاتا تھا پھر انہیں کوئی آواز نہیں سنائی دی اور وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔

❀ ✿ ❀

رفیق اپنے آدمیوں کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا، کام ایسا مشکل نہیں تھا، بابا ادریس علی ایک بوڑھے اور کمزور آدمی تھے اور رفیق نے جن لوگوں کو بھیجا تھا، وہ چھٹے ہوئے بدمعاش تھے، آخر کار وہ پہنچ گئے لیکن رفیق ان کے حلیے دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔

☆

رفیق پریشان نگاہوں سے شاہینہ بیگم کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔ ''شاہینہ بی بی!...... آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ میں نے ہی نہیں میرے پرکھوں نے بھی آپ کے خاندان کا نمک کھایا ہے، میں آپ سے جھوٹ بول سکتا تھا کہ میں نے ادریس علی کو ختم کر دیا اور اب آپ کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے مگر شاہینہ بی بی! میں آپ سے کوئی جھوٹ نہیں بولوں گا، کبھی نہیں بولوں گا، میں نمک حرام نہیں ہوں، آپ سے جھوٹ بول کر میں خاموشی سے ادریس علی کے خلاف کام کر سکتا تھا، کم از کم آپ تو مطمئن ہوتیں، لیکن میں نے اس لیے یہ بات کہہ دی کہ آپ لاعلمی میں نہ رہیں، ہم برے لوگوں کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں، بیگم صاحبہ! میرے پاس اور بھی بہت سے کارڈ ہیں، ایسا نہیں ہے کہ میں ایک ہی جال میں پھنس کر رہ جاؤں۔''

''جانتی ہوں، باتیں بنانے میں مہارت تیرے پاس سب سے بڑا کارڈ ہے، برباد کر دیا تو نے مجھے، اب میں سولی پر وقت گزاروں گی اور یہ سوچتی رہوں گی کہ کب ادریس علی کی چوہدری صاحب سے ملاقات ہوتی ہے اور کب اس کے بعد میرے اوپر آفت آتی ہے؟''

''ایک بات میں آپ کو بتا دوں، ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ادریس علی کم ظرف آدمی نہیں ہے، اندازہ ہے میرا کہ وہ آپ کی بات کسی کو بتائے گا نہیں۔''

''ارے چھوڑ رفیق! میرا منہ مت کھلوا، میں یہ سوچتی ہوں کہ اس دنیا میں کبھی کسی پر بھروسہ کرنا ہی نہیں چاہیے، انسان کو اگر موت کے منہ میں جانا ہے تو وہ اپنا راز کسی دوسرے کو دے دے، چھوڑ رفیق، چھوڑ...... کوئی اور نئی کہانی سنا دے مجھے اب......''

''ٹھیک ہے بیگم صاحبہ...... رفیق سے آپ کا اعتماد اٹھ گیا ہے تو الگ بات ہے مگر میں ایک اجازت لینا چاہتا ہوں آپ سے۔''

''کیسی اجازت؟'' شاہینہ بیگم نے نگاہیں اٹھا کر رفیق کو دیکھا۔

''شاہ پور بستی میں ایک جوگی ہے راج گندل، سفلی کا ماہر۔ اس کے بارے میں نجانے

کیسی کیسی داستانیں مشہور ہیں، وہ اگر کچھ کرنے پر آ جائے تو اس کی کاٹ ممکن نہیں ہو
بہت سے واقعات سنے ہیں میں نے اس کے بارے میں، لوگ اس سے نفرت کرتے ہ
بستی سے باہر اس نے اپنا مٹھ بنا رکھا ہے اور وہیں اس کے گرو کی سادھی بھی ہے، بڑ
بڑے رئیس لوگ جنہیں کوئی بہت بڑی مشکل پیش آ جاتی ہے، اس کے پاس جاتے ہیں
لیتا ہے، کیا ہے کچھ نہیں معلوم لیکن اگر آپ اجازت دیں تو میں اس سے مل کر کوشش کر
کہ وہ آپ کے لیے کام کرے؟"

"ہاں، ہاں کیوں نہیں، سارے زمانے میں پھیلا دے میری بات، ابھی ایک آدمی
دار بنا ہے ایک اور بنا دے، پھر سارے کے سارے مل کر مجھ پر یلغار کریں گے اور اس
بعد میں مصیبتوں میں پھنس جاؤں گی۔ ارے بابا در بدر ہونا ہی لکھا ہے تو پھر یونہی سہی، ج
کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، اسے دنیا میں اسی طرح شرمندگیاں اٹھانی پڑتی ہیں۔"

"آپ ایسی باتیں نہ کریں بیگم صاحبہ! ...... جب تک آپ کا رفیق زندہ ہے، آپ
بے سہارا نہیں ہونے دے گا، ایک وعدہ کرتا ہوں آپ سے وہ وعدہ یہ ہے کہ اگر چوہد
صاحب، عرشیہ بیگم کو نہیں چھوڑتے ہیں تو میں خود عرشیہ بیگم کو قتل کر دوں گا اور اس کے
پھانسی چڑھ جاؤں گا، میں جو کرتا ہوں، مجھے کرنے دیں۔"

شاہینہ بیگم کچھ نرم ہوتی نظر آئیں۔ تھوڑی دیر تک سوچتی رہیں پھر بولیں۔ "کیا
بتایا تو نے اس جوگی کا؟"

"راج گندل ہے اس کا نام، بڑے قصے سنے ہیں میں نے اس کے، سنا ہے اس
مٹھ یا پھر جو مندر اس نے بنا رکھا ہے، بڑا پراسرار ہے۔"

"سنا ہی ہے تو نے یا کبھی دیکھا بھی ہے؟"

"نہیں دیکھنے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔"

"ٹھیک ہے، وہ جو کہتے ہیں نا کہ اوکھلی میں سر ڈالا ہے تو موصلوں کا کیا ڈر...... با
ہمارے دل سے نکل کر کسی کے کانوں تک جا پہنچی ہے تو اب کس کس سے چھپاتے پھر
گے، جو ہوگا، دیکھا جائے گا، لینا دینا کیا پڑے گا ان کو؟"

"جا کر ہی معلوم ہوگا کہ کیا لینا دینا پڑے گا۔"

"اس کی تو فکر مت کرنا، چلا جا، اب جو کچھ بھی ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

رفیق تیار ہو گیا اور پھر شاہینہ بیگم سے اجازت لے کر شاہ پور چل پڑا۔ ریل کا سفر
پڑا تھا اور اس کے بعد وہ شاہ پور پہنچ گیا تھا، کوئی مسلمان تانگے والا مٹھ تک جانے پر را

نہیں ہوا، سب کے سب کانوں کو ہاتھ لگا دیا کرتے تھے۔

"وہ بھی کوئی جانے کی جگہ ہے جی...... کسی کو اپنی موت بلانی ہو تو وہ راج گندل کے
مندر کی طرف کا رخ کرے اور اسے مندر کہنا تو بالکل ہی غلط ہے، مندر تو ایک عبادت گاہ
ہوتا ہے، دین دھرم چاہے کچھ بھی ہو لیکن مندروں میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ ان کی عبادت
ہوتی ہے، راج گندل کے مندر میں تو شیطان کی پوجا ہوتی ہے اور شیطانی قوتوں کی طرف
رخ کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں ہے، وہ سامنے رام کمار تانگے والا موجود ہے، وہ خوشی سے
آپ کو وہاں لے جائے گا۔"

رام کمار تانگے والے نے رفیق کی صورت دیکھی اور بولا۔ "جے بھگونتی...... آپ ہندو
ہو؟"

"تم یہ بتاؤ تم مجھے راج گندل کے مٹھ لے جا سکتے ہو یا نہیں؟"

"کیوں نہیں مہاراج...... کیوں نہیں، آؤ بیٹھو۔" تانگے والا خوشی سے تیار ہو گیا اور
اس کے بعد تقریباً بیس منٹ تک کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔

پھر جب فضا میں ہلکی ہلکی بدبو ابھری تو پتہ چلا کہ راج گندل کا مٹھ آ گیا ہے، دور سے
کالے رنگ کی ایک عمارت نظر آ رہی تھی جسے مندر کی شکل دی گئی تھی، اس کے برابر ہی ایک
سادھی بنی ہوئی تھی، سامنے چھوٹا سا باغیچہ تھا لیکن اجاڑ درختوں پر مشتمل...... دور سے ہی یہ
اندازہ ہو جاتا تھا کہ اس بھیانک جگہ پر شیطان کی پوجا ہوتی ہے اور اس پر نحوست برستی
ہے۔ رفیق نے راج گندل کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، وہ سچ تھا۔

تانگے والے نے ایک مخصوص جگہ تانگہ روک دیا، رفیق نے کرایہ ادا کیا اور اس کے
بعد سہما سہما سا آگے بڑھ گیا۔

کالے رنگ کے لباس میں راج گندل کے پجاری اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے، تقریباً
سبھی کے سر گھٹے ہوئے تھے اور ان کے درمیان چھوٹی چھوٹی چوٹیاں کھڑی ہوئی یا لٹکی ہوئی
نظر آ رہی تھیں، وہ سب کے سب خاموشی سے اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد ان میں سے ایک نے رفیق کو دیکھا اور دونوں ہاتھ جوڑ
دیئے۔ "جے کشکندی، جے کشکندی...... سواگتم مہاراج۔"

رفیق نے اپنے آپ پر قابو پایا اور مدھم لہجے میں بولا۔ "وہ میں مہاراج راج گندل
سے ملنے آیا ہوں۔"

"کون ہو بھگوان، کیا کام ہے ان سے؟ ہندو دھرم سے ہو؟"

"نہیں......مم......مم......مسلمان ہوں۔" رفیق ہکلاتا ہوا بولا۔

پجاری ایک دم چونک پڑا تھا۔ کچھ لمحے وہ رفیق کو غور سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ "شاہ پور ہی کے رہنے والے ہو یا کہیں باہر سے آئے ہو؟"

"نہیں پجاری جی...... باہر سے آیا ہوں۔"

"کام بتاؤ گے ہمیں؟"

"ساری باتیں آپ ہی پوچھ لیں گے تو میں مہاراج سے مل کر کیا کروں گا؟"

"تم ہمارے معزز مہمان ہو، میں مہاراج کو جا کر خبر دیتا ہوں۔" پجاری اندر چلا گیا۔

نجانے کیوں رفیق کو یہاں ایک گھٹن کا احساس ہو رہا تھا، بدبو یہاں بھی پھیلی ہوئی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ کالے علم کے ماہر جہاں ہوتے ہیں، وہاں غلاظتوں ہی کا بسیرا ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد وہی پجاری واپس آیا اور بولا۔ "آیئے مہاشے جی......"

رفیق اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا، پرانی طرز کا بنا ہوا مندر اندر سے بھی بھیانک تھا، خوفناک مورتیاں جگہ جگہ نظر آ رہی تھیں، لیکن یہ دیوی، دیوتاؤں کی مورتیاں نہیں تھیں بلکہ عجیب عجیب بھیانک شکل میں انسانی جسم تراشے ہوئے تھے، ان کے رنگ بھی سیاہ تھے اور ان کے چہرے عجیب و غریب رنگوں سے پوتے گئے تھے۔ اتنا ہولناک ماحول تھا کہ دیکھنے والے پر دہشت طاری ہو جائے۔

ایک دروازے سے اندر داخل ہونے کے بعد پجاری نے دیوار میں لگی ہوئی ایک مشعل روشن کی اور رفیق کی طرف مڑ کر بولا۔ "آگے چل کر سیڑھیاں ہیں، سنبھل کر میرے ساتھ ساتھ آ جاؤ۔"

وہ گہرائیوں میں اترنے لگا۔ رفیق بڑی احتیاط سے ایک ایک قدم آگے بڑھاتا ہوا نیچے جا رہا تھا، سیڑھیاں ختم ہوئیں تو ایک بڑا سا ہال نظر آیا جس میں جگہ جگہ دیواروں پر مشعلیں روشن تھیں، ایک مرگ چھالہ پر آسن جمائے راج گندل بیٹھا ہوا تھا، بھاری بدن کا ہیبت ناک سی شکل کا آدمی تھا، یہاں کا ماحول بھی کم ہیبت ناک نہیں تھا، اس کی شکل صورت نے رفیق پر اور خوف طاری کر دیا۔

راج گندل نے اسے دیکھ کر کہا۔ "آؤ مجھے معلوم تھا تم آنے والے ہو، سامنے بیٹھ جاؤ۔" رفیق شدید حیران ہو گیا لیکن منہ سے کچھ نہ بولا اور راج گندل کے سامنے بیٹھ گیا۔

"تو جا یہ مسلمان ہمارے ہاں کا تو کچھ کھائے پیے گا نہیں، اس لیے ہم اس کی کوئی سیوا نہیں کر سکیں گے، جا تو جا۔" اس نے پجاری کو اشارہ کیا اور پجاری الٹے قدموں واپس

لوٹ گیا۔

"ہاں بول کیا نام ہے تیرا؟"

"رفیق ہے میرا نام مہاراج......"

"کیا کام ہے ہم سے؟"

"مہاراج...... میں اپنی مالکن کی طرف سے آیا ہوں، میں نے آپ کی بڑی تعریفیں سنی ہیں۔ میری مالکن مشکل کا شکار ہے۔"

"مشکل بتا، جلدی کر۔" راج گندل کی آواز ابھری اور رفیق نے ساری کہانی جلدی جلدی راج گندل کے سامنے دہرا دی۔

اس دوران وہ آنکھیں بند کیے بیٹھا رہا تھا، تھوڑی دیر کے بعد اس نے نگاہیں اٹھائیں اور بولا۔ "تجھے انتظار کرنا پڑے گا، چوبیس گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا، چوبیس گھنٹے کے بعد ہمارے پاس آ جانا، بس اب جا۔" عجیب سے انداز میں اس نے یہ الفاظ کہے تھے۔

رفیق جلدی سے اٹھ گیا۔

چند قدم پیچھے ہٹا تو وہی پجاری اسے کھڑا ہوا نظر آیا، اس نے رفیق کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور واپسی کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اس ماحول میں رفیق کے ذہن کو سحر نے جکڑ لیا تھا۔ راج گندل کی ہیبت ناک شخصیت نے رفیق کو دہشت زدہ کر دیا تھا، بہرحال وہ پجاری کے ساتھ باہر آ گیا۔ پجاری نے اسے ایک طرف بیٹھ جانے کے لیے کہا اور بولا۔

"تم بھاگیہ شالی ہو مہاشے کہ مہاراج کو تمہاری آمد کا پہلے ہی پتہ چل گیا تھا، ویسے تو مہاراج کا گیان اپرم پار ہے، پر وہ بہت کم لوگوں کا انتظار کرتے ہیں، کیا تمہاری مشکل دور ہو گئی؟"

"نہیں......انہوں نے مجھے چوبیس گھنٹے کے بعد بلایا ہے۔"

"سمجھ لو تمہارا کام ہو گیا، یہاں مندر میں تو نہیں ٹھہرو گے تم...... شاہ پور میں بڑی آبادی مسلمانوں ہی کی ہے، تمہیں چوبیس گھنٹے وہاں گزارنا ہوں گے، ٹھیک چوبیس گھنٹے کے بعد تم واپس آ کر مہاراج سے ملو، وہ ضرور تمہاری مشکل کا اپائے سوچ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" رفیق نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا۔

❀ ❀ ❀

راج گندل، رفیق کے جانے کے بعد فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی خوشی رقص کر رہی تھی۔ وہ تہہ خانے کی ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ دیوار میں اس نے کوئی کل دبائی، تہہ خانے کے اندر ایک اور دروازہ کھل گیا اور وہ اس دروازے

سے اندر داخل ہو کر سیڑھیاں اترنے لگا، کوئی تہہ خانہ در تہہ خانہ تھا۔ تھوڑی سی سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ رکا، یہ ایک خوفناک سی گپھا تھی اور گپھا میں تین مشعلیں روشن تھیں جو اس کے اندھیرے کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ پوری گپھا میں صرف ایک مجسمے کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ بھورے رنگ کے کسی پتھر سے بنایا گیا یہ ہیبت ناک مجسمہ گپھا کے بیچوں بیچ ایستادہ تھا، راج گندل اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اور اس کے منہ سے کچھ اشلوک نکلنے لگے، وہ گردن جھکا کر تھوڑی دیر تک یہ اشلوک پڑھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”وہ آ گیا ہے مہاراج...... وہ آ گیا ہے اور میں اپنی شکتی کی طرف بڑھ رہا ہوں مہاراج! مجھے آشیر واد دیجیے کہ میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جاؤں۔“

اچانک ہی گپھا میں تیز روشنی کا ایک جھماکا ہوا اور راج گندل سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، اس کے منہ سے نکلا۔ ”جے ہو مہاراج کی، جے ہو مہاراج کی۔“

پھر وہ اٹھا اور الٹے قدموں چلتا ہوا اپنی جگہ پہنچ گیا، وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا، اس نے پجاری کو بلا کر رفیق کے بارے میں پوچھا تو پجاری نے اسے بتایا کہ وہ بستی شاہ پور کی طرف چلا گیا ہے۔

چوبیس گھنٹے کے بعد رفیق پھر مندر پہنچ گیا تھا، راج گندل نے اپنے اسی تہہ خانے میں اس کا استقبال کیا اور بولا۔ ”ہم نے چوبیس گھنٹے تک تمہارے لیے کام کیا ہے اور تمہاری مشکل کا حل تلاش کیا ہے، اب تم بے فکر ہو کر واپس جاؤ، ہم وہاں آ رہے ہیں، پر جب ہم کہیں تم ہمیں شاہینہ بیگم سے ملانا، یہی نام بتایا ہے نا تم نے ہمیں؟“

”جی مہاراج......“ رفیق نے کہا۔

”بس تم جاؤ اور اپنی مالکن سے کہہ دو کہ اس کا کام آسانی سے ہو جائے گا، وہ بے فکر رہے۔“

”مہاراج...... مجھے کچھ دچھنا دینا ہو گی۔“

”نہیں ابھی نہیں، جب تمہارا کام ہو جائے گا تو ہم خود تمہاری مالکن سے دچھنا مانگ لیں گے۔“

”آپ ادھر آئیں گے مہاراج؟“

”یہ ساری باتیں تم ہم سے مت پوچھو، آئے بغیر بھلا کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں جو ضرورت ہو گی ہم تمہیں بتا دیں گے۔“

”بہت بہت شکریہ مہاراج...... بہت بہت شکریہ۔“ رفیق نے کہا۔

اس کے بعد وہ خوشی خوشی وہاں سے واپس چل پڑا تھا اور واپس بستی پہنچ کر شاہینہ بیگم کو یہ خوشخبری سنائی تھی۔

”بس یوں سمجھ لیجیے جان کی بازی لگائی ہے آپ کے لیے، اتنی خطرناک جگہ ہے کہ بتا نہیں سکتا آپ کو۔“

”کام ہو جائے تب کی بات ہے، میرے سینے پر جو سانپ لوٹ رہے ہیں، وہ آہستہ آہستہ میرے اندر زہر اتار رہے ہیں، تو نہیں سمجھتا رفیق میرے سینے میں کیسی آگ لگی ہوئی ہے۔“

”بس تھوڑا سا انتظار اور کر لیجیے۔“ رفیق نے کہا۔

❀ ❀ ❀

لکڑ موڑ نامی علاقے میں چوہدری شاہنواز کی پشتینی زمینیں تھیں، ان کے خاندان کے کچھ بزرگوں نے یہاں یہ خوشنما بنگلہ بنایا تھا، بڑی پرفضا جگہ تھی اور جس وقت یہ بنگلہ بنوایا گیا تھا، اس وقت اس کے قرب و جوار میں زیادہ آبادی نہیں تھی، پھر اسی خاندان کے کسی اور فرد نے ایک اور خوبصورت حویلی میں سکونت اختیار کر لی اور اس وقت سے یہ بنگلہ خالی پڑا ہوا تھا لیکن عرشیہ بیگم کے لیے یہی جگہ منتخب کی گئی تھی اور یہاں صحیح معنوں میں نئے سرے سے رونقوں کا آغاز ہو گیا تھا۔

عرشیہ بیگم کو ایک غیر متوقع زندگی ملی تھی کیونکہ جو کچھ ان کے سامنے آیا تھا، اس نے انہیں لرزا دیا تھا، البتہ کسی بڑی مشکل میں پڑنے سے پہلے ہی اللہ نے ان کے لیے ایک باعزت جگہ منتخب کر لی اور چوہدری شاہنواز کی محبت نے انہیں سرشار کر دیا پھر قدرت نے انہیں انعام سے نوازا اور ان کی خوشیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ولادت تھوڑے ہی دنوں میں متوقع تھی اور عرشیہ بیگم خوش آئند تصورات میں وقت گزار رہی تھیں، بنگلے پر ان کا مکمل راج تھا، پیروں فقیروں کے لیے دل میں بڑی عقیدت تھی، کسی بھی حاجت مند کو خالی ہاتھ واپس نہیں جانے دیتی تھیں۔ وہ فقیر جس نے بنگلے کے دروازے پر آ کر صدا لگائی تھی، بڑا عجیب و غریب تھا، کالے رنگ کی کفنی پہنے ہوئے، سر پر رومال لپیٹے ہوئے تھا، اس کے چہرے پر ایک عجیب سا ہیبت ناک تاثر تھا۔

ملازموں نے اس سے پوچھا کہ کیا چاہتا ہے تو اس نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا کہ وہ یہاں صرف بیگم صاحبہ کے لیے آیا ہے، بیگم صاحبہ کو اس کے سامنے لایا جائے۔ پھر فقیر نے کچھ ایسی باتیں کہیں کہ چوکیدار بھی متاثر ہو گئے اور ان میں سے ایک نے جا کر عرشیہ بیگم کو

ساری صورت حال بتائی۔

''کیا کہہ رہا ہے؟'' عرشیہ بیگم نے سوال کیا۔

''آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، اسے بٹھاؤ میں آ رہی ہوں۔'' عرشیہ بیگم نے اپنے آپ کو اچھی طرح اوڑھا لپیٹا۔ کسی اور کے سامنے تو شاید نہ جاتیں لیکن فقیروں اور بزرگوں کا بڑا احترام کرتی تھیں، سر سے پاؤں تک خود کو چھپا کر وہ اس جگہ پہنچ گئیں جہاں ملازموں نے فقیر کو بٹھایا ہوا تھا اور اس کی نگرانی کر رہے تھے۔

جب عرشیہ بیگم اس کے سامنے آ گئیں اور انہوں نے اسے سلام کیا تو فقیر نے ملازموں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''یہ پہرے دار کیا ہمارے سر پر ہی رہیں گے، جاؤ تم باہر جاؤ، جو بات مجھے کرنی ہے، وہ تنہائی میں کروں گا۔''

عرشیہ بیگم نے آنکھ سے اشارہ کیا اور ملازم باہر نکل گئے۔

''جی بابا صاحب...... حکم فرمائیے، کیا خدمت کر سکتی ہوں آپ کی؟''

''لڑکی...... میری آنکھوں میں دیکھو، میں تمہیں کچھ سمجھانا چاہتا ہوں۔'' فقیر نے کہا۔

عرشیہ بیگم کی آنکھیں اٹھ گئیں، اچانک ہی انہیں یوں لگا جیسے فقیر کی آنکھوں سے ایک تیز چمک نکل کر ان کی پیشانی سے ٹکرائی ہو، ان کے سر کو ہلکا سا جھٹکا لگا لیکن پھر وہ پلکیں نہ جھپکا سکیں، فقیر کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعوں نے ان کی نگاہ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور رفتہ رفتہ انہیں اپنے ذہن میں ایک شدید سنسناہٹ محسوس ہونے لگی تھی پھر وہ بالکل ساکت ہو گئی تھیں۔

''جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سن...... رات کو ٹھیک بارہ بجے تجھے اپنی اس رہائش گاہ سے نکل کر اس جگہ پہنچنا ہے جو میں تجھے ابھی دکھائے دیتا ہوں، تیرا ذہن ان راستوں پر تیری رہنمائی کرے گا اور جب تو وہاں پہنچے گی تو میں تیرا وہاں منتظر ہوں گا، کیا سمجھی؟''

''میں وہاں آؤں گی، ٹھیک بارہ بجے۔''

''اور اب تو مجھے اپنے ملازموں کے سامنے کچھ تھوڑے سے پیسے دے کر مجھے اجازت دے گی، باقی ساری باتیں میں تجھے اسی جگہ بتاؤں گا جہاں میں نے تجھ سے کہا ہے۔''

''ٹھیک ہے، آپ کا جو حکم ہوگا، میں اس کی تعمیل کروں گی۔'' عرشیہ بیگم کے منہ سے نکلا اور فقیر نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ عرشیہ بیگم کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اور انہیں یوں

محسوس ہوا جیسے وہ سوتے سوتے جاگ گئی ہوں، انہوں نے حیرت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا فقیر آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوا تھا۔

''آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہیں بابا صاحب......؟'' عرشیہ بیگم نے پوچھا۔

''مجھے ایک چاندی کا زیور دے اور تھوڑے سے پیسے، تیرے ہاں اولاد ہونے والی ہے، میں اس کے لیے دعا کروں گا۔''

''میں ابھی یہ چیزیں بھجوائے دیتی ہوں اور کوئی حکم ہے میرے لیے؟''

''نہیں۔'' فقیر نے جواب دیا۔

''تو پھر میں جاؤں؟''

''ہاں جا۔'' عرشیہ بیگم نے اسے سلام کیا لیکن پہلے سلام کا فقیر نے کوئی جواب نہیں دیا تھا نہ اس وقت اس نے کوئی جواب دیا۔

عرشیہ بیگم عجیب سا احساس لیے ہوئے اندر چلی گئیں۔ چاندی کا ایک خوبصورت زیور اور کچھ رقم انہوں نے ملازموں کے ہاتھ بھجوائی اور فقیر نے ان کی دی ہوئی رقم ملازموں ہی میں بانٹ دی۔

''ہمیں دولت کی ضرورت نہیں ہے، ہم تو شاہنواز کی ہونے والی اولاد کے لیے دعا کرنے آئے ہیں۔'' چاندی کا زیور اس نے البتہ اپنے پاس رکھ لیا تھا اور اس کے بعد وہ باہر نکل آیا۔

اندر عرشیہ بیگم عجیب سے احساس کا شکار تھیں، فقیر کا خوفناک چہرہ ان کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ پتہ نہیں کیسا آدمی تھا، ایک ہلکی سی الجھن ان کے دماغ میں پیدا ہو گئی تھی، اس الجھن کا کوئی حل ان کے پاس نہیں تھا لیکن وہ برابر سوچے جا رہی تھیں۔

❀ ❀ ❀

شیطان زادہ راج گندل یہاں اپنا چکر چلانے کے بعد سیدھا شاہنواز کی نئی حویلی کی جانب چل پڑا، راستے میں ایک جگہ اس نے زمین پر بیٹھ کر پتھر کے ایک نوکیلے ٹکڑے سے زمین پر ایک چوکور نشان بنایا اور پھر کچھ پڑھنے لگا، چوکور نشان کے اندرونی حصے میں کچھ ہی لمحات کے بعد مدھم مدھم دھواں نکلنے لگا اور پھر وہاں کی زمین سرخ ہو گئی، تھوڑی دیر تک اس سے آگ جیسی تپش اٹھتی رہی اور اس کے بعد اس میں ایک منظر سا نمایاں ہونے لگا۔

یہ شاہنواز کی حویلی کا نقشہ تھا، تمام راستے، تمام دروازے نظر آ رہے تھے اور راج گندل اس میں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ حویلی کا اندرونی منظر بالکل نمایاں تھا، اس نے منہ سے

کچھ اشلوک نکالے اور پھر ایک جگہ انگلی رکھ دی۔
انگلی رکھتے ہی وہ ایک دم فضا میں تحلیل ہو گیا اور زمین کا چوکور نشان آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا۔

راج گندل حویلی میں اس جگہ ظاہر ہوا جہاں اس نے انگلی رکھی تھی، یہ اسی چور دروازے کا راستہ تھا جہاں سے بابا ادریس علی، رفیق کے ساتھ اندر داخل ہوا تھا۔

راج گندل نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اس کے بعد بڑے اعتماد سے چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں رفیق بیٹھا ہوا تھا۔ اپنے سامنے کوئی سایہ محسوس کر کے رفیق نے گردن اٹھائی تو اس کے حلق سے ایک زوردار آواز نکل گئی، راج گندل فقیر کے بھیس میں اس کے سامنے کھڑا ہوا تھا، رفیق نے ایک لمحے میں راج گندل کو پہچان لیا، وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

”آپ...... آپ مہاراج!“

”ہاں...... حیران ہوا، ہمیں دیکھ کر، ہم ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں پگلے...... ہمارے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔“

”آپ کک...... کون سے دروازے سے اندر آئے ہیں؟“

جواب میں راج گندل کا قہقہہ گونج اٹھا۔ اس نے کہا۔ ”ہم دروازوں سے گزرنے والوں میں سے نہیں ہیں، سمجھ لو آکاش سے ٹپکتے ہیں، کہاں ہے تمہاری مالکن...... ہم اس سے ملنے آئے ہیں۔“

”آپ...... آپ یہاں رکیں مہاراج...... میں جا کر انہیں خبر کرتا ہوں۔“ رفیق نے کہا۔

”اسے ہمارے سواگت کے لیے یہیں بلا کر لاؤ۔“

”آپ یہاں رکیں مہاراج میں ابھی آتا ہوں۔“ رفیق نے کہا اور دوڑتا ہوا اس طرف چل پڑا جہاں شاہینہ اس وقت موجود تھی۔

شاہینہ نے بدحواس رفیق کو دیکھا اور بولی۔ ”کیا ہوا تجھ پر تو ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذاب ہی نازل رہتا ہے۔“

”سادھو مہاراج...... وہ وہ...... جوگی اچانک ہی حویلی آ پہنچا ہے، آپ سے ملنا چاہتا ہے۔“

”تو مرا کیوں جا رہا ہے، میں چلتی ہوں، میں تو بے چینی سے انتظار کر رہی ہوں کہ میری مشکل کا کوئی حل نکلے، میں اس حل کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، ویسے بھی میں جانتی ہوں کہ اگر عرشیہ کے ہاں اولاد پیدا ہو گئی تو پھر میری کوئی حیثیت نہیں رہے گی، ایسا

زندگی سے تو مر جانا بہتر ہو گا، یہ سب کچھ میری زندگی اور موت کا معاملہ ہے۔“

”آیئے وہ میرے کمرے میں ہے مم...... میرا مطلب ہے سادھو جی مہاراج...... انہوں نے وہیں آپ کو بلایا ہے۔“

شاہینہ فوراً تیار ہو گئی تھی، حالانکہ وہ بے حد مغرور تھی، ملازموں کو تو اپنی پاؤں کی جوتیوں سے زیادہ کا درجہ نہیں دیتی تھی، لیکن اس وقت دل کو لگی ہوئی تھی چنانچہ اپنا سارا غرور بھول گئی تھی۔

رفیق کے ساتھ چلتی ہوئی وہ اس کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس نے دیکھا ایک خوفناک سادھو پاؤں لٹکائے پلنگ پر بیٹھا ہے۔

رفیق نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا تھا، شاہینہ پر اس سادھو کو دیکھ کر عجیب سی ہیبت طاری ہو گئی تھی اور اس کے بدن میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

تبھی سادھو کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔ ”سندری...... کبھی کبھی منش کو اس طرح کے کشٹ بھوگنا ہوتے ہیں، تیرا کشٹ دور ہو جائے گا، پرنتو ایک بات کا جواب تجھے دینا ہو گا، گردن اٹھا۔“

شاہینہ نے ڈرتے ڈرتے گردن اٹھائی، سادھو کی طرف دیکھا، سادھو کی آنکھوں کی چمک سے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی شخص اندھیرے سے نکل کر ہزاروں واٹ کے بلب کے سامنے آ جائے، یہ چمک ایک لمحے تک اس کی آنکھوں کو تاریک کیے رہی، بند آنکھوں میں بھی سادھو کا چہرہ ایک ہیولے کی شکل میں نظر آ رہا تھا اور اس کے بعد اس کی آنکھوں کی کیفیت بحال ہو گئی، لیکن اسے یوں لگا جیسے اس کے دماغ میں ایک چادر سی تن گئی ہو پھر آہستہ آہستہ اس کا ذہن صاف ہو گیا۔

”سندری...... تو نے اس آدمی کو ہمارے پاس بھیجا تھا، ہم نے چوبیس گھنٹے تک تیرے اس کشٹ کا اپائے تلاش کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ تیرے اوپر بڑا خطرناک جادو کیا گیا ہے، وہ عورت جس سے تیرے پتی نے شادی کی ہے، کوئی معمولی عورت نہیں ہے، اس نے جنتر منتر کر کے اسے باندھ لیا ہے، ذرا غور کر کبھی تیرا پتی تجھ سے اچھی طرح پریم کرتا ہو گا، پر اس کے اندر بڑی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہوں گی، اس سمے جب سے وہ دوسری عورت اس کے جیون میں آئی۔ سندری! تو یہ مت سمجھنا کہ بات اس سے شادی ہونے پر ختم ہو گئی۔ وہ عورت مسلسل ان کوششوں میں مصروف ہے کہ تجھے بالکل ہی راستے سے ہٹا دیا جائے۔ میری بات سن تیرے بھاگ نے تیرا ساتھ دیا کہ تیری بات مجھ تک پہنچ گئی، پر تو مجھے یہ بتا

کہ کیا تو سچے من سے مجھے اپنا ہمدرد مانتی ہے؟''

''کیوں نہیں جوگی مہاراج!...... پہلے مجھے آپ کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن اب میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ ہی کے پاس میری مشکلات کا حل ہے۔''

''ہاں پر اس کے لیے تجھے ہمیں گرو بنانا ہوگا، ہماری چیلی بننا ہوگا تجھے۔''

''میں تیار ہوں سادھو جی...... میرے دل میں جو آگ روشن ہے، اس نے مجھے پاگل کر رکھا ہے، میں اس آگ سے نکلنا چاہتی ہوں۔''

''اوش نکلے گی، اوش نکلے گی، پر ہمیں گرو بنا کر۔''

''آج سے آپ میرے گرو ہیں۔''

''منہ سے کہہ دینے سے کچھ نہیں ہو جاتا، بات سچے من سے کرنا ہوتی ہے۔''

''میں تیار ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے، سن بھئی پانی لا ایک گلاس میں۔'' سادھو نے رفیق کو مخاطب کر کے کہا اور رفیق پھرتی سے باہر نکل گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ ایک گلاس میں پانی لے کر آیا اور اس نے گلاس سادھو کو دیا تو سادھو بولا۔ ''ایک چادر ہمارے اوپر ڈال دو۔''

سادھو کے اوپر چادر ڈال دی گئی، اس نے کچھ منتر پڑھ کر گلاس میں پھونکے اور پانی میں تھوڑا سا تھوک ڈال دیا پھر کچھ لمحوں کے بعد اس نے چادر ہٹائی اور شاہینہ کو سامنے آنے کے لیے کہا۔ بدبخت عورت حسد کی آگ میں جلتی ہوئی اپنا ایمان کھونے کے لیے آگے آ گئی۔

سادھو نے گلاس اس کے ہاتھ میں دیا اور بولا۔ ''دونوں ہاتھوں سے پکڑ اسے اور پورا پانی پی جا، خبردار اس کا ایک قطرہ بھی نہ بچنے پائے۔''

شاہینہ نے سادھو کے کہنے پر عمل کیا لیکن جب اس نے گلاس کے پیندے سے آخری قطرہ کو حلق میں اتارا تو اس کی نگاہ پیندے پر پڑ گئی، اس میں ننھے ننھے کیڑے کلبلا رہے تھے۔

شاہینہ کا دل دھک سے ہو گیا، اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے گلاس کے پیندے میں جھانکا لیکن اس میں جو کچھ تھا، وہ اس کے معدے میں اتر چکا تھا، ایک لمحے کے لیے اس کی طبیعت بگڑی لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا، ہو سکتا ہے یہ صرف اس کا وہم ہو۔ اس نے دل میں سوچا۔

پھر سادھو کی آواز نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ ''یہ بازو بند، بازو پر باندھ لے، اس کے ذریعے تیرا ہم سے مسلسل رابطہ رہے گا۔'' یہ کہہ کر سادھو نے اپنے لباس سے ایک خوبصورت سا بازو بند نکالا جو سانپ کی شکل کا تھا۔ بازو بند اتنا خوبصورت تھا کہ شاہینہ نے

خوشی خوشی اسے اپنے بازو پر باندھ لیا۔ سادھو بولا۔ ''اس میں کوئی ایسی بات پائے جو تیری سمجھ میں نہ آئے تو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، سمجھ لینا یہ ہمارا نشان ہے تیرے پاس۔''

شاہینہ نے بازو بند بازو پر باندھ کر پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے ذہن سے ان کلبلاتے کیڑوں کا احساس نکل گیا تھا۔ راج گندل نے شاہینہ کی دونوں کنپٹیوں پر ہاتھ رکھا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبداتا رہا پھر اس نے ایک پھونک ماری اور پیچھے ہٹ گیا اور بولا۔ ''اب تو مکمل طور پر ہماری بن گئی ہے۔ تو ادھر آ لڑکے تو ادھر آ۔'' اس نے رفیق کو اشارہ کیا اور رفیق قریب آ گیا۔ راج گندل بولا۔ ''چونکہ تو ہمارے پاس پہنچا تھا اس لیے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ تو چوہدرائن کا راز دار ہے۔''

''ہاں مہاراج!...... میرے پرکھوں کا چوہدرائن جی کے خاندان سے تعلق ہے اور میں ان کے میکے ہی سے یہاں تک آیا ہوں۔''

''تو پھر سن ہم جو کہہ رہے ہیں، اسے غور سے سن، تجھے کچھ لوگوں کا بندوبست کرنا ہے، رات کو بارہ بجے سے تھوڑی دیر پہلے، ہم جو علاقہ تجھے بتا رہے ہیں، وہاں پہنچ جانا، اس بستی کے مشرقی حصے میں ایک پرانا کھنڈر ہے، اس کے ساتھ پیپل کا ایک بڑا سا درخت موجود ہے، ہم اس جگہ کا نام نہیں جانتے، کیا تیرے دماغ میں وہ جگہ آتی ہے؟''

''ہاں میں جانتا ہوں، وہ کالا کھنڈر کہلاتا ہے۔''

''بالکل ٹھیک، رات کو بارہ بجے سے تھوڑی دیر پہلے کالا کھنڈر کے علاقے میں پہنچ جانا، کچھ لوگ تیرے ساتھ ہونے چاہئیں وہاں چوہدری شاہنواز کی دوسری بیوی بارہ بجے تک پہنچ جائے گی، میں اس پر منتر پڑھوں گا اور وہ موت کی نیند سو جائے گی، کوئی بھی اسے دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ زندہ ہے اور کالے علم کے تحت سو گئی ہے، اسے مردہ ہی جانے گا، جب تو وہاں آئے تو اپنے ساتھ مسلمانوں کے کریا کرم کا سامان لے کر آنا، وہ چیز جو گہوارہ کہلاتی ہے اور وہ سفید کپڑا جو کفن کہلاتا ہے، وہ عورت جب ہمارے منتر کے تحت سو جائے گی تو تُو اسے کفن پہنا کر قبرستان لے جائے گا اور قبرستان میں لے جا کر اسے دفن کرا دے گا، پھر آٹھ دن کے بعد رات کو خاموشی سے جانا اور قبر کھول کر اس عورت اور اس کی اولاد کو لے آنا، چونکو مت...... قبر ہی میں اس کے ہاں اولاد پیدا ہو جائے گی، ایسا میرے منتر کے زیر اثر ہوگا پھر اس اولاد کو لے کر تم میرے پاس اسی کھنڈر میں آ جانا، عورت کو کھنڈر میں چھوڑ دینا، وہ وہاں سے واپس اپنے گھر پہنچ جائے گی، یعنی وہاں جہاں وہ اب رہتی ہے، پر اس کا دماغ الٹ چکا ہوگا، اسے نہ بچی یاد ہوگی نہ اپنا پتی یاد ہوگا، کوئی یہ بات نہیں جان

سکے گا کہ وہ آٹھ دن کہاں رہ کر آئی ہے اور اس کے بعد چوہدری شاہنواز سے اس کے تا
اثرات ختم ہو جائیں گے، کیا سمجھے لڑکے...... بولو، یہ سارا کام کر لو گے تم؟"

"میں کر لوں گا گرو مہاراج!" رفیق نے کہا۔

"اور تم سمجھیں شاہینہ...... وہ بے شک مرے گی نہیں پر چوہدری کے من سے اتر جا
گی اور چوہدری کبھی اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں اور کچھ دن کے بعد وہ اسے خود چھ
دے گا، میں تمہارے لیے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے گرو مہاراج...... اب میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔" شاہینہ نے
مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، چلتے ہیں ہم؟"

"گروہ مہاراج...... میں گرو دچھنا چاہتی ہوں۔"

"ابھی نہیں، جو کچھ تجھے دینا ہے، اس آدمی کے ساتھ اس سے ہمیں بھیجنا جب ہ
سارے کام ہو جائیں، ہم بھکاریوں کی طرح مانگنے نہیں آتے۔"

"ٹھیک ہے، مہاراج جیسا آپ کا حکم۔" شاہینہ نے جواب دیا۔

تب راج گندل نے رفیق کی طرف دیکھا اور بولا۔ "اب ہمیں اسی پیچھے کے راستے
سے باہر تک چھوڑ آ جس سے ہم یہاں تک آئے تھے، کوئی سوال مت کرنا۔" رفیق نے
گردن خم کر دی تھی۔ نجانے شاہینہ کے دل میں کیا آئی کہ اس نے آگے بڑھ کر راج گندل
کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

پہلی بار راج گندل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اس نے اپنا ہاتھ شاہینہ کے سر
رکھتے ہوئے کہا۔ "تو ہماری چیلی بن چکی ہے سندری...... جیتی رہ، ناگ دیوتا کے سائے م
جیتی رہ۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔ رفیق اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور شاہینہ مسکرا
نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ عورت اسی لیے ناقص العقل کہلاتی ہے، اپنے حسد، اپنی جلن
میں کبھی کبھی وہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے۔

❀ ❀ ❀

تاحد نگاہ خوفناک اندھیرا پھیلا ہوا تھا، آسمان پر ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے
جن کی وجہ سے ستارے بھی روپوش تھے، کالا کھنڈر رات کی اس تاریکی میں بے حد بھیانک
لگ رہا تھا، یہ کوئی عام گزرگاہ نہیں تھی، نہ ہی اس کے آس پاس کوئی سڑک تھی۔ چنانچہ انسانی
زندگی کا یہ نام ونشان کبھی نہیں تھا، لیکن اس وقت کالے کھنڈر کے اندرونی حصے میں کچھ چہل

پہل نظر آ رہی تھی، یہ جگہ تھوڑی سی محفوظ تھی اور کچھ دیواروں پر ایک چھت سالم نظر آتی تھی،
چہل پہل اسی چھت کے نیچے تھی جہاں جوگی راج گندل آسن جمائے بیٹھا تھا۔

اس کے سامنے چھ چراغ روشن تھے اور ہر چراغ کے عقبی حصے میں ایک چھوٹے قد کا
بونے جیسا آدمی بیٹھا تھا، اس طرح چھ ہم شکل بونے یہاں موجود تھے، وہ پتھرائے ہوئے
بیٹھے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے سنگ موسیٰ سے بنائے ہوئے چھ بدہیئت اور بدنما نقوش کے
مالک بت ایستادہ ہوں، اگر ان کی آنکھوں کی پتلیاں متحرک نہ ہوتیں تو انہیں صحیح معنوں میں
مجسمے ہی سمجھا جاتا۔ راج گندل ان سے باتیں کر رہا تھا، اس کی سانپ جیسی پھنکارتی ہوئی
آواز ابھری۔ "ہاں میرے بیرو...... مہا شکتی حاصل کرنے کے لیے میں بڑی جدوجہد کر رہا
ہوں، اب تک میں تیرہ دھرماتماؤں سے ان کا دھرم چھین چکا ہوں، جس سے اکیس دھرماتما
میرے ہاتھوں اپنا دھرم کھو بیٹھیں گے، اس سے میں مہان شکتی مان بن جاؤں گا، سنسار میری
مٹھی میں ہو گا، جو چاہوں گا کر سکوں گا۔ مہا کالی کا داس، مہا کالی کی شکتی حاصل کر لے گا،
یہ عورت جس کا نام شاہینہ ہے اور جو مسلمان ہے، میرا تیرہواں شکار ہے، میں اسے سوم رس
پلا چکا ہوں، آہستہ آہستہ اس کا من کالا ہو جائے گا اور یہ کالے دھرم والی بن جائے گی، اس
بار مجھے بڑا فائدہ ہوا ہے اور میرے بیرو...... مہا شکتی مان کالی دیوی نے مجھے پہلے ہی بتا دیا
تھا کہ وہ آنے والا ہے جو کالی دیوی کے لیے میری آخری بھینٹ ہو گی، سارا کام ہو چکا
ہے، میں اس پیدا ہونے والے بچے کو کالا دھرم دوں گا سمجھے، ہمیں ایسا ہی تو بالک چاہیے
تھا، چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی...... جو سنسار کی ہواؤں سے بچ کر پیدا ہو، میرے بیرو...... وہ
بچہ قبر میں پیدا ہو گا اور آخرکار مجھ تک پہنچ جائے گا، میں اسے اپنے ہاتھوں سے پروان
چڑھاؤں گا اور جب وہ پہلی بار بھگوان کا نام لے گا تو میں اس کی بلی دے کر مہا کالی کا چہیتا
داس بن جاؤں گا اور مجھے مہا شکتی مل جائے گی، سارا جیون میرا یہی کام ہو گا کہ دھرم کے
داسوں سے ان کا دھرم چھینوں اور انہیں کالی کا داس بناؤں، میں اپنی مہا شکتی سے کام لے
کر بڑے بڑے دھرم داسوں کو چاہے وہ کسی بھی دھرم سے تعلق رکھتے ہوں، مصیبتوں میں
مبتلا کروں گا اور پھر ان کی مصیبتوں کا حل کالے دھرم میں دکھاؤں گا، میں انہیں اسی شرط پر
مشکلوں سے نکالوں گا کہ وہ کالا دھرم اختیار کر لیں۔ میرے بیرو...... بہت بڑا کام ہو گا یہ،
مہا سابلی کے دھرم کو پھیلانے کا، مہا سابلی ہمارا دیوتا، مہان شکتی والا مہا سابلی، جس نے
بھگوان سے ٹکر لی ہے، ہم اسی کے داس ہیں، دیکھو...... آہٹیں ہو رہی ہیں، کوئی آ رہا ہے،
بس اب تم جاؤ۔"

چھوٹے قد کے آدمی جو بھیانک شکل والے تھے، اپنی جگہ سے اٹھے اور اس طرح کا
کھنڈر کے کونوں کھدروں میں جا چھپے کہ ان کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

آنے والے رفیق اور اس کے ساتھی تھے جو چراغوں کی روشنی دیکھ کر یہاں تک چڑھ
آئے تھے۔ رفیق خود بھی تھر تھر کانپ رہا تھا اور اس کے ساتھیوں کی بھی بری حالت تھی۔
سب کے سب لڑکھڑاتے قدموں سے اندر داخل ہوئے اور پھر رفیق نے جوگی کو دیکھا اور
اس کی ہمت بڑھ گئی، وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا چراغوں کے عقب میں بیٹھے ہوئے راج گندل
کے پاس پہنچ گیا اور اس نے کہا۔ ''میں آ گیا ہوں جوگی مہاراج......''

''چھپ جاؤ، سمے ہو رہا ہے، وہ بھی آنے والی ہوگی۔''

''جو حکم جوگی مہاراج......'' رفیق نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر وہ کالا کھنڈر
کی ایک ٹوٹی دیوار کے عقب میں پہنچ گیا۔ اس کے اندر اب بھی خوف پل رہا تھا، اس کے
ایک ساتھی نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''کہاں پھنسا دیا رفیق بھائی...... ہماری جان ہی نکلی
جا رہی ہے۔''

''ابے تم کیسے ہو، بڑے بڑے خطرناک کام کر ڈالے اور یہاں تمہاری جان نکلی جا
رہی ہے، کچھ شرم کرو، ابھی تو آگے بھی کافی کام کرنا ہے، بیس بیس ہزار روپے ملیں گے
تمہیں، اتنی رقم تو تم......''

''یار وہ تو سب کچھ ٹھیک ہے مگر یہ جگہ ہے، اللہ کی پناہ، اللہ کی پناہ۔''

''ہاں دنیا بھر کی برائیاں کر لو اور پھر اللہ سے پناہ مانگ لو، چپ چاپ کھڑے ہو جاؤ
آواز بھی نہیں نکلنی چاہیے ورنہ سارا کام بگڑ جائے گا۔'' رفیق نے کہا اور وہ خاموش ہو گئے۔

زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا، کوئی دس ہی منٹ کے بعد عرشیہ بیگم ایک نیلے رنگ کے
لباس میں آتی ہوئی نظر آئیں۔ خود راج گندل کی نگاہیں اس راستے پر جمی ہوئی تھیں۔ عرشیہ
بیگم، رفیق وغیرہ کی طرح خوف زدہ نہیں تھیں، وہ پُراعتماد انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی آ رہی
تھیں اور کچھ لمحوں کے بعد وہ چراغوں کے پاس پہنچ گئیں۔ راج گندل انہیں دیکھنے لگا، اور
چراغوں کے پیچھے اس جگہ جہاں تھوڑی دیر پہلے بیر بیٹھے ہوئے تھے، گھٹنوں کے بل بیٹھ گئیں۔

''کسی نے تیرا پیچھا تو نہیں کیا؟''

''نہیں۔''

''اچھی طرح دیکھ لیا تھا تو نے؟''

''ہاں میں چھپ کر آئی ہوں۔'' عرشیہ بیگم نے جواب دیا۔

''جس جگہ تو بیٹھی ہے وہیں لیٹ جا۔'' عرشیہ بیگم نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔

راج گندل نے آہستہ آہستہ سامنے رکھے ہوئے چراغوں کو پھونک ماری اور ان میں
سے پانچ چراغ بجھا دیے، چھٹے چراغ کو اس نے اپنی جگہ سے ہٹا کر ایک قریب پڑی ہوئی
اینٹ پر رکھ دیا۔ چراغ بھی عجیب وغریب تھے، کھلا علاقہ تھا، مدھم مدھم ہوا چل رہی تھی لیکن
چراغ کی لو بالکل سیدھی لکڑی کی مانند اوپر اٹھی ہوئی تھی، ہوا سے اس میں جنبش بھی نہیں پیدا
ہو رہی تھی۔

مدھم سی روشنی میں راج گندل نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور کالا کھنڈر میں اس
کی آواز گونج اٹھی، وہ منتر پڑھ رہا تھا۔ رفیق اور اس کے ساتھیوں کی جان نکلی جا رہی تھی،
کبھی وہ دیکھتے کہ بے آواز بجلی سی کڑک رہی ہے، کبھی انہیں یوں لگتا جیسے تیز ہواؤں کی
آوازیں ابھر رہی ہیں، کبھی چراغ کی لو ایک ایک فٹ اونچی ہو جاتی اور پھر واپس اپنی جگہ آ
جاتی۔ راج گندل کالے اشلوک پڑھ رہا تھا اور زمین پر لیٹی عرشیہ بیگم کی آنکھیں بند ہوتی جا
رہی تھیں، کوئی دو منٹ تک یہ عمل جاری رہا اور اس کے بعد راج گندل خاموش ہو گیا، پھر
مزید دو منٹ تک گردن جھکائے بیٹھا رہا اور اس کے بعد اس نے کہا۔ ''آ جاؤ تم لوگ، کام
ہو گیا ہے۔'' یہ الفاظ رفیق اور اس کے ساتھیوں کے لیے کہے گئے تھے۔ وہ آ گئے اور آنے
کے بعد انہوں نے راج گندل کے اشارے پر عرشیہ بیگم کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور دور
کھڑی ہوئی گاڑی کی جانب لے چلے، جہاں عرشیہ بیگم کے کفن دفن کا انتظام تھا۔ راج
گندل نے کہا۔ آٹھ دن کے بعد میں پھر تمہیں اسی کالے کھنڈر میں ملوں گا، آٹھ دن کے
بعد تم وہ قبر کھولو گے جس میں تمہیں اسے جا کر دفن کرنا ہے اور پھر بچہ میرے حوالے کر دو گے،
یہ اپنے گھر پہنچ جائے گی اور تمہارا کام ختم ہو جائے گا لیکن تمہیں جو کچھ کرنا ہے، اس میں کوئی
خرابی نہ پیدا ہونے پائے، باقی کام تم جانتے ہو کہ تمہیں کس طرح سرانجام دینے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جوگی مہاراج......'' رفیق نے کہا اور وہ لوگ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس
کار تک پہنچ گئے جو انہوں نے کالے کھنڈر سے کافی فاصلے پر ایک نشیب میں کھڑی کر دی تھی
تاکہ کہیں سے بھی اسے دیکھنے کے امکانات باقی نہ رہیں۔ رفیق کے دل میں اس وقت
عرشیہ بیگم کے لیے کسی بھی طرح رحم کے جذبات نہیں تھے، وہ صحیح معنوں میں شاہینہ کا غلام
تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد عرشیہ بیگم کو کفن وغیرہ پہنا دیا گیا، باقی کام کی بھی تیاریاں کر لی گئی تھیں۔

وہ لوگ عرشیہ بیگم کو لے کر چل پڑے، پھر اس گھر تک پہنچ گئے جہاں انہوں نے
گہوارے وغیرہ کا بندوبست کر رکھا تھا، یہاں آنے کے بعد رفیق اور اس کے ساتھیوں کی

سانس میں سانس آئی تھی۔

اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ ''استاد رفیق...... بارہ بج چکے ہیں، قبرستانوں میں بارہ بجے تک تدفین کی اجازت ہوتی ہے۔''

''دیکھا جائے گا یار...... گورکن کو کچھ دے دلا کر کام نکالیں گے، بوندا باندی ہو رہی ہے، مشکل تو ہوگی مگر مشکل میں ہی کام کرنے میں مزہ آتا ہے۔ چلو۔'' ان کا خیال بالکل درست تھا۔ بارہ بجے کے بعد قانونی طور پر تدفین کی اجازت نہیں تھی، بڑی مشکل سے انہوں نے گورکن کو تدفین پر آمادہ کیا تھا اور جھوٹ سچ بول کر اسے اس کے لیے مجبور کر دیا تھا، اس کے بعد وہ کام مکمل ہونے کے بعد ہی واپس آئے تھے، رفیق کی ہدایت کے مطابق انہیں آٹھ دن تک انتظار کرنا تھا۔

❀ ❀ ❀

بابا ادریس علی اپنی قیام گاہ میں سادگی سے زندگی گزارتے تھے۔ بس یاد الٰہی تھی اور کر کا کوئی چھوٹا موٹا کام نکل آیا تو کبھی اس سے گریز نہ کرتے، کسی سے کچھ طلب نہ کرتے محنت مزدوری کر کے جو کچھ حاصل ہو جاتا، وہی زندگی گزارنے کا ذریعہ رہتا، بہت سے ایسے معاملات ان کے علم میں آتے رہتے تھے جن میں لوگوں کی الجھنیں چھپی ہوا کرتی تھیں، اگر بات ان کے بس کی ہوتی تو وہ حاجت مندوں کی مدد کر دیا کرتے تھے بہرحال اس وقت بھی وہ اپنے حجرے میں بیٹھے کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے کہ انہیں مخصوص آہٹوں کا احساس ہوا اور ایک مدھم آواز سنائی دی۔

''السلام علیکم......''

''وعلیکم السلام عالی جاہ...... آؤ سب خیریت ہے نا۔''

''خیریت نہیں ہے محترم بزرگ...... کچھ مشکلات پیش آ گئی ہیں۔''

''اوہو بتاؤ، بتاؤ بیٹھ جاؤ۔'' بزرگ نے کہا پھر بولے۔ ''کیا مشکلات ہیں۔''

''کوتاہی کا مرتکب ہوا ہوں، کچھ ذمہ داریاں آپ نے میرے سپرد کی تھیں، انہیں انداز میں پورا نہیں کر سکا۔''

''تفصیل بتاؤ۔''

''وہ مظلوم خاتون جو بے گناہ تھیں، انہیں تو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا ایک بھی نہیں ملا بس تقدیر کے ہاتھوں گردش میں رہیں، میں عرشیہ بیگم کی بات کر رہا ہوں۔''

''ہاں میں سمجھ رہا ہوں، آگے بتاؤ؟''

''آپ سے مایوس ہو کر اس مکار خاتون نے ایک ہندو جوگی کا سہارا لیا، یہ ہندو جوگی شاہ پور نامی ایک قصبے کی آبادی سے کچھ دور اپنا مٹھ بنائے ہوئے ہے اور وہاں شیطانی کاموں کو فروغ دے رہا ہے، اس کا سفلی علم انسانوں کے لیے مشکلات کا باعث ہے۔ اس عورت نے اپنے خادم خاص کے ذریعے راج گندل کو طلب کیا اور راج گندل کسی مالی لالچ کے لیے نہیں بلکہ اپنی شیطانی طاقت میں...........

☆

انہوں نے اپنی گاڑی قبرستان سے کافی دور کھڑی کی تھی۔ گرتے پڑتے وہ گاڑی تک
پہنچے تھے اور پھر سخاوت خان بڑی ہمت کر کے گاڑی چلاتا ہوا کالا کھنڈر کے علاقے میں پہنچ
گیا۔ گاڑی اسی طرح نشیب میں کھڑی کر کے وہ نیچے اترے اور کھنڈر کی طرف چل پڑے
جہاں راج گندل اور رفیق چراغ روشن کیے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سخاوت خان اور ا
کے ساتھیوں کو دور سے دیکھ لیا گیا۔ راج گندل چونک کر بولا۔ ”یہ کیا، یہ تو خالی ہاتھ ہیں؟“
”ممکن ہے لاش گاڑی میں چھوڑ دی ہو۔“ سخاوت خان ان کے قریب پہنچ گیا
رفیق نے بے چینی سے کہا۔ ”کیا ہوا۔ کہاں ہے وہ۔ اور...... اور......“
”رفیق بھائی ہم اپنا کام نہیں کر سکے۔“
”کیا؟“ یکایک رفیق اور راج گندل کی دھاڑتی ہوئی آوازیں ابھری تھیں۔
”ہاں جی، وہ قبرستان ہے وہاں کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آنے والی۔ ہم نے ق
بھی کھود لی، سلیں بھی ہٹا لیں، قبر میں عورت بھی موجود تھی اور اس کے برابر ایک بچی بھی
لوگ ابھی انہیں باہر نکالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اچانک وہاں سانپ پھنکارنے لگے
اور جی ہم روشنی میں اس طرح نہا گئے جیسے سرچ لائٹ کے دائرے میں آ گئے ہوں
سانپوں کی پھنکاریں اس قدر خوفناک تھیں رفیق بھائی کہ ہماری جان نکل گئی اور اس کے بعد
ہم وہاں نہیں رک سکے، صاف ظاہر ہے جی کہ پر اسرار روحیں ہمیں وہ کام نہیں کرنے د
چاہتی تھیں، جو ہم کر رہے تھے، ہم نہیں رکے رفیق بھائی۔“
”کیا بکواس کر رہے ہو، یہ کن بزدلوں کو بھیجا تھا تو نے اس کام کے لیے؟ تو جانتا
کہ یہ میرے جیون کا سب سے بڑا کام تھا، اگر یہ کام نہ ہوا تو میں کبھی مہا شکتی حاصل نہیں
کر سکوں گا، میں نے بڑی سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا تھا مگر تم نے کام بگاڑ دیا، میں جان سے
مار دوں گا تجھے، کوڑھی کر دوں گا، پاگل کر دوں گا۔ اب تو خود جا اور یہ کام کر کے آ اور یہ
لے کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو میں تیرا جیون نشٹ کر دوں گا۔ تو خارش زدہ کتوں کی طرح سڑکوں

پر مارا مارا پھرے گا۔ فنا کر دوں گا تم سب کو، سمجھے۔“
”یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں جوگی مہاراج اسے بھول جائیں۔ آپ ایک کام کریں
میرے ساتھ قبرستان چلیں۔“
”تو پاگل کا بچہ ہے، میں تجھ سے کہہ چکا ہوں کہ میرا دھرم اور ہے۔ کالے دھرم
والے مسلمانوں کے قبرستانوں میں نہیں جا سکتے۔ روحیں ان کا راستہ روکتی ہیں، انہیں بھسم کر
دیتی ہیں اور ان کا سارا علم چھین لیتی ہیں۔ ایسے پوتر قبرستانوں میں ہم نہیں جا سکتے جہاں
پاک روحیں رہتی ہوں۔ ہم ہیں مہا کالی کے پجاری، اگر وہاں جا سکتے تو نجانے اب تک کتنی
بار اپنا کام پورا کر چکے ہوتے۔ سن رفیق ہے تیرا نام اچھی طرح سن لے، تجھے یہ کام کر کے
ہمارے استھان پہنچنا ہے۔ عورت ملے نہ ملے وہ بچی ہمیں مل جانی چاہیے سمجھا اور اگر وہ بچی
ہمیں نہ ملی تو یہ سمجھ لے کہ تیرے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی، میں تجھے جیتا نہیں چھوڑوں
گا۔“ سادھو شدید غصے میں نظر آ رہا تھا۔ اس نے وہاں جلتے ہوئے چراغ بجھا کر اپنی جھولی
میں ڈالے۔ کہیں سے ایک ڈنڈا اس کے ہاتھ میں آ گیا تھا، اس نے ڈنڈا زور سے زمین پر
مارا اور آخری بار رفیق کو گھورتا ہوا بولا۔ ”کرنا ہے تجھے، کرنا ہے تجے یہ کام کرنا ہے سمجھا۔“
پھر وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا آگے بڑھ گیا۔ رفیق پتھرائی ہوئی نگاہوں سے اسے
دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ تو الٹی آنتیں گلے پڑ گئیں۔
تھوڑی دیر کے بعد راج گندل نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ رفیق اپنے ساتھیوں کے
ساتھ پریشان کھڑا تھا، سخاوت خان نے کہا۔ ”یقین کرو استاد رفیق! یہ سارا معاملہ شروع ہی
سے غلط ہو رہا ہے۔ تم نے ان بابا جی کو ختم کرنے کی ذمہ داری ہمیں سونپی اور نظر نہ آنے
والی طاقتوں نے ہماری دھلائی کر دی۔ ارے باپ رے وہ وقت یاد کرتے ہیں تو رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ استاد رفیق تمہیں خدا کا واسطہ ہم سے ہر کام کرا لو مگر ایسے کام مت
کراؤ۔“
”ابے بکواس کیے جا رہے ہو، تم نے سنا نہیں وہ کیا کہہ کر گیا ہے۔ خود میری زندگی
بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ میں نے تو شاہینہ بیگم کے لیے یہ سب کچھ کیا تھا مگر یہ پتہ نہیں
تھا کہ اس طرح مصیبت میں گرفتار ہو جاؤں گا۔ پیارے بھائیو! میری مدد کرو، ورنہ میری جان
چلی جائے گی۔ وفاداری اچھی چیز ہے مگر جان کی بازی لگانا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا۔“
”رفیق بھائی! ہم نے ہمیشہ تمہارے لیے آگے بڑھ کر کام کیا ہے، پر تم یقین کرو۔“
”مانتا ہوں، کب انکار کیا ہے اس بات سے میں نے، بھائیو! آؤ ایک دفعہ اور کوشش

کر لیتے ہیں، بات بن گئی تو ٹھیک ہے ورنہ پھر سوچیں گے کہ اب کیا کیا جائے۔'' رفیق نے کہا اور اس کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھ کر قبرستان کی جانب چل پڑے۔

فاصلہ بے شک تھا لیکن اتنا زیادہ نہیں تھا کہ قبرستان تک پہنچنے میں بہت زیادہ دقت ہوتی۔ رات کافی بیت چکی تھی۔ انہوں نے گاڑی قبرستان کی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی، رفیق نے محسوس کیا کہ سخاوت اور اس کے ساتھی تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ وہ خود بھی دل میں شدید خوف محسوس کر رہا تھا۔ مگر پھر اسے ہمت کرنی تھی۔

رفیق گاڑی کی چھت پر کھڑے ہو کر دیوار کے دوسری جانب جھانکنے لگا، لیکن فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ اس قبر کے قریب کوئی کالی کالی خوفناک شے گردش کر رہی ہے اور پھر وہ سرخ روشنیاں چمکیں اور ان کا رخ رفیق کی جانب ہو گیا۔ سرخ لکیریں رفیق کے کندھوں سے ٹکرائیں اور اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے زور سے دھکا دے دیا ہو، وہ گاڑی کی چھت پر گرا اور پھر اس کی ہمت بھی جواب دے گئی، وہ پھرتی سے نیچے اتر کر گاڑی میں آ بیٹھا اور اس نے گھٹے گھٹے لہجے میں سخاوت خان سے کہا۔ ''جلدی گاڑی چلاؤ۔''

سخاوت خان نے فوراً ہی گاڑی اسٹارٹ کر کے واپس موڑ دی تھی اور بولا۔ ''کیا ہوا استاد رفیق، تم نیچے کیسے گر پڑے تھے؟''

''پاؤں پھسل گیا تھا، تم ٹھیک کہتے ہو، اس وقت قبرستان میں داخل ہونا مناسب نہیں ہے۔ دن کی روشنی میں ہم دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں؟''

''جی استاد رفیق! جیسا تم پسند کرو۔''

''ایسا کرتے ہیں دو تین دن رک جاتے ہیں، اس کے بعد کچھ کریں گے۔''

بہر حال رفیق اس سلسلے میں مکمل طور پر ناکام رہا تھا۔ اتنا اندازہ اسے ہو گیا تھا کہ کھیل بگڑ گیا ہے اور وفاداری گلے پڑ گئی ہے۔''

❀ ❀ ❀

گلاب خان کے گھر میں تو ان دنوں عید منائی جا رہی تھی۔ ننھا سا حسین وجود سب کے لیے باعث دلچسپی تھا، بچی نمایاں خصوصیات کی حامل تھی، حالانکہ اس کی روشنی چند روز کی تھی، لیکن اس کے چہرے کے نقوش میں بے پناہ خود اعتمادی تھی۔ ہر چیز کی طرف اس طرح متوجہ ہوتی کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔ اپنی ضرورتوں کے بارے میں اظہار کرتی اور یہ اظہار اس کی آنکھوں سے ہوتا تھا۔ گھر والے معصوم صفت تھے، وہ بہت سی باتوں کو سمجھ نہیں پاتے تھے۔ لیکن شہباز چونکہ تعلیم یافتہ تھا اور باہر کی دنیا نے اسے جو ذہانت بخشی تھی وہ

بھی اس کی معاون تھی، وہ بچی کے چہرے کے نقوش کو دیکھتا اور حیرت میں ڈوب جاتا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ بچی کی اس دنیا میں آمد ایک ناقابل یقین حیثیت رکھتی تھی۔

سادہ لوح ماں باپ سے تو وہ بحث نہیں کر سکا تھا، لیکن اپنے طور پر بہت سی باتیں سوچتا رہتا تھا اور خاص طور پر اس لڑکی کا تجزیہ کرتا تھا جس کی عمر چند یوم تھی، لیکن جس کی حرکات عام نہیں تھیں۔ ادھر منیزہ دیوانہ وار اس پر فدا تھی۔ نوجوان اور نوخیز لڑکی کے لیے یہ کھلونا بڑی حیثیت کا حامل تھا، گلاب خان بس ایک ہی بات کہتا تھا۔ ''خدا کی قدرت ہے بابا وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور جب اس کا دیا ہوا تحفہ ہمارے ہاتھوں میں ہے تو پھر بھلا فضول باتوں پر کیا غور کرنا۔ بس اسے دنیا میں آنا تھا تو آ گئی، اللہ نے ایک اور ذمہ داری میرے سپرد کر دی ہے۔''

پھر اس دن ایک بڑا عجیب واقعہ پیش آیا۔ منیزہ اندر کمرے میں گئی بچی بستر پر لیٹی مسکرا رہی تھی۔ وہ اس طرح ایک طرف آنکھیں گھمائے دیکھ رہی تھی جیسے کسی سے مخاطب ہو اور ہاتھ پاؤں مار رہی تھی، لیکن اس سے زیادہ حیرت ناک بات اس بچے کے سرہانے رکھی ہوئی انتہائی خوبصورت اشیاء تھیں جس میں مختلف سائز کے فیڈر، بہت سے کھلونے اور بہت ہی خوبصورت کپڑوں کا ایک بنڈل تھا۔ منیزہ کو زیادہ سینا پرونا نہیں آتا تھا، پھر بھی اس نے بھائی سے کچھ کپڑا منگوا کر بچی کے لیے الٹی سیدھی فراکیں سی دی تھیں، البتہ اس نے شہباز سے فرمائش کی تھی کہ وہ شہر کی بڑی دکانوں سے بچی کے لیے چیزیں خرید کر لائے اور انہیں یہاں پہنچا دے۔

شہباز نے وعدہ کر لیا تھا، لیکن اس وقت منیزہ نے جو یہ تمام چیزیں دیکھیں تو خوشی سے سرشار ہو گئی۔ وہ بھاگی بھاگی جیراں کے پاس پہنچی اور کھلکھلاتی ہوئی بولی۔

''اماں یہ ساری چیزیں بہت اچھی ہیں، بھائی لائے ہوں گے۔''

''کون سی چیزیں؟'' ماں نے کہا۔

''ذرا دیکھو تو سہی، کپڑوں کے ڈھیر اور کھلونے بھی ہیں اور وہ دودھ پلانے والے برتن بھی، میں نے سامنے والی بیگم صاحب کے ہاں دیکھے تھے، ان کی کوئی رشتے دار آئی تھیں۔ اماں دیکھنے کے قابل چیزیں تھیں، ان کے پاس بھی لیکن یہ تو اس سے بھی اچھی ہیں۔''

''پتہ نہیں کیا باتیں کر رہی ہے چل مجھے دکھا ذرا۔'' ماں نے کہا اور پھر وہ بھی ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں۔

"شہباز نے تو مجھے بتایا بھی نہیں پر لے آیا ہوگا۔"

شہباز باپ کے ساتھ باہر قبروں پر کام کر رہا تھا۔ ایک دن کے بعد اس کی واپسی تھی، باپ کی ذمہ داریوں کو کم کرنے کے لیے وہ اس کے ساتھ مصروف تھا۔ جب دوپہر کا کھانا کھانے آیا تو منیزہ نے کہا۔ "بھیا بہت پیسوں کی آئی ہوں گی یہ چیزیں تو۔" شہباز نے کچھ نہ سمجھ کر اسے دیکھا تو منیزہ بولی۔ "وہی جو تم بچی کے لیے لائے ہو۔"

"کیا لایا ہوں میں؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"کیا تم نہیں لائے...... ابا پھر تم لائے تھے یا بیگم صاحب نے دی تھیں۔ یہ سب کہاں سے آیا؟"

"ارے کیا بکے جا رہی ہے کچھ سمجھا تو سہی؟"

"میں لاتی ہوں اٹھا کر۔" اور وہ ساری چیزیں لے کر آ گئی۔ شہباز نے یہ سب کچھ دیکھا اور بولا۔ "یہ کہاں سے آیا۔"

"کیوں ڈرا رہے ہو مجھے بھیا! یہ سب اس کے سرہانے رکھا ہوا تھا۔"

"کیا؟" شہباز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ بہرحال اس بات کی تحقیق نہ ہو سکی کہ یہ چیزیں اس کے پاس کہاں سے آئیں۔

گلاب خان نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"مالک کی دین ہے بیٹا! وہ پتھر میں بھی کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے۔ جو کچھ وہ دے رہا ہے اسے وہی جانتا ہے، پر ایک بات ہم کہے دیتے ہیں، یہ ہے کوئی اللہ والی۔ بڑا کام کرنا ہوگا اسے اس دنیا میں۔ جو کچھ بھی ہوا اس کی ماں کے ساتھ پر اللہ میاں اسے زندہ رکھنا چاہتا تھا۔" گلاب خان کا ایمان اپنی جگہ پختہ تھا، لیکن پڑھا لکھا بیٹا بڑے عجیب سے انداز میں سوچ رہا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی سوچ کا کوئی حل نہیں نکلا تھا۔

سب نے اس انوکھے واقعے کو نظر انداز کر دیا، لیکن شہباز ایک بے چینی دل میں لیے ہوئے تھا۔ رات بھر کی سوچ کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

اقبال رات کے کسی حصے میں واپس پہنچ گیا تھا۔ دوسری صبح انہیں شہر جانا تھا۔ صبح ہی اس نے شہباز سے ملاقات کی۔ "معاف کرنا دوست، وہاں کچھ زیادہ ہی وقت لگ گیا، اس بار یہاں تمہارے ساتھ تو کچھ موقع ہی نہیں ملا۔ چل رہے ہو نا آج؟"

"ہاں، ہمیں رات کو اپنی ڈیوٹی پر چلے جانا ہے، ڈاکٹر الیاس چھٹی پر جائیں گے، چنانچہ ہماری وہاں موجودگی بہت ضروری ہے۔"

"کہو کیسا وقت گزرا یہاں؟"

"ایسا کہ تم سنو گے تو ششدر رہ جاؤ گے۔"

"اچھا کیا تمہارے ابا نے بھی تمہارے لیے کوئی لڑکی تلاش کر لی، یقیناً کسی اللہ بخش یا خیر خاں کی بیٹی ہوگی۔"

"نہیں خدا کا شکر ہے میں ابھی خیریت سے ہوں، تم سناؤ؟"

"یار لڑکی تو اچھی ہے، پڑھی لکھی بھی ہے، پر وہ لوگ ذرا جلدی شادی کے موڈ میں ہیں۔ ماں باپ ملک سے باہر رہتے ہیں۔ لڑکی یہاں اپنے بہن بہنوئی کے پاس ہے۔ بہرحال میں ابھی فیصلہ نہیں کر پایا۔ ہم تو ابھی اپنی مشکلوں کا شکار ہیں۔ شادی وغیرہ کے چکر میں پڑنے کے بعد یوں سمجھو تعلیمی عمل کا خاتمہ ہی ہو جائے گا۔ تم کون سی ہنگامہ خیزی کا اظہار کر رہے تھے۔"

"بتاؤں گا، تمہیں تفصیل سے بتاؤں گا، معمولی بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے یہ بتاؤ کس وقت نکلنا ہے؟"

"بارہ بجے۔"

"ٹھیک ہے وہاں جا کر بھی معاملات سنبھالنے ہیں۔" اقبال شاہ نے کہا اور اس کے بعد اپنے گھر واپس چلا گیا۔

❀ ❀ ❀

رفیق خود بھی بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا، بس دوسروں کے سامنے اپنا بھرم قائم رکھے ہوئے تھا۔ دوسری طرف اسے شاہینہ کو بھی اطمینان دلانا ضروری تھا۔ اتنے دن وہ شاہینہ سے دور رہا تھا، اس نے نوکرانی کے ذریعے خبر بھجوا دی کہ اسی سلسلے میں کام کر رہا ہے۔

اس کا قیام سخاوت خان کے گھر پر تھا، جو اس کا دوست بھی تھا اور اس کے لیے کام بھی کرتا تھا۔ اس بات کے بعد اس نے قبرستان کا رخ نہیں کیا تھا اور دن رات سوچ میں ڈوبا رہتا تھا کہ کیا کرے۔ اس وقت بھی وہ سخاوت کے پاس بیٹھا چائے پی رہا تھا اور اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار پھیلے ہوئے تھے۔ سخاوت خان نے کہا۔ "میری مانو رفیق بھائی تم اس چکر سے نکل لو۔"

"یار میں نے بھی کئی بار یہ بات سوچی ہے۔ پر ایک بات مارے ڈالتی ہے۔"

"کیا؟"

"یار دادا اور دادی اور اس کے بعد اماں ابا بھی شاہینہ بیگم کے میکے میں نوکری کرتے

رہے ہیں۔ اماں نے دودھ اس شرط پر بخشا تھا کہ رفیق اس خاندان کے نمک خوار رہنا اور نمک حلالی کرنا۔ اس خاندان کے مفاد کے لیے ہزار زندگیاں بھی قربان ہو جائیں تو کبھی اس سے گریز مت کرنا۔ میں نے اماں کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی کہ اماں! جان کی پرواہ نہیں کروں گا ان لوگوں کے لیے، اماں بڑی پیاری تھی مجھے، جب بھی سوچتا ہوں کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ نکلوں تو اماں کی تصویر سامنے آجاتی ہے اور میری ہمت جواب دے جاتی ہے۔ اماں کے سوا میں نے شاید آج تک کسی کی پروا نہیں کی ہے۔ شاہینہ بیگم کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ سوکن کے جلاپے میں جل رہی تھی، مجھے زیادہ تجربہ نہیں ہے پر ایک بات جانتا ہوں کہ عورتیں ہر تکلیف برداشت کر لیتی ہیں، سوکن برداشت کرنا ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔ میں نے تو یہاں تک سوچا تھا کہ اگر کسی طرف سے کوئی کام نہ بنا تو چاہے پھانسی پر چڑھنا پڑے عرشیہ بیگم کو خود قتل کر دوں گا۔"

سخاوت خان بے بسی سے اسے دیکھنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔ "رفیق بھائی دیکھو اللہ کی طاقت سے ٹکر لینا تو مشکل کام ہے۔ بھئی سچی بات یہ ہے کہ ہماری تو جان نکل گئی ہے، باقی لوگ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ سخاوت خان تم جو کہو گے ہم کرنے کو تیار ہیں، پر یہ تو بہت بڑا ٹنٹا ہے اس سے نکل لو۔"

"اب تو مصیبت گلے پڑ ہی گئی ہے، تمہیں یاد نہیں جوگی بابا کیا کہہ کر گیا ہے اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ بڑا خطرناک آدمی ہے، اس سے پنگا لینا بڑا مشکل کام ہے۔ جان بھی جا سکتی ہے، میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ کس طرح ایک بار پھر وہ قبر کھود کر اس میں سے بچی نکال لی جائے، ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں کہ وہ قبر میں ہے اور جیتی جاگتی ہے، پتہ نہیں ہمارے وہاں سے بھاگنے کے بعد قبر کا کیا حال ہوا ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" سخاوت خان متفکر لہجے میں بولا۔

رفیق نے کہا۔ "پر اس کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے، بچی زندہ ملے یا مردہ، یہ ہمارا کام تو نہیں ہے، ہم تو اسی بات پر حیران ہیں کہ آخر قبر میں بچی پیدا کیسے ہوئی اور چلو پیدا بھی ہو گئی تو بند قبر میں اسے سانس کہاں سے ملی ہو گی۔"

"انہی ساری باتوں کو سوچ کر کہتا ہوں رفیق بھائی کہ یہ سب شیطانی چکر ہے اور تم دیکھنا کہ ہم سب کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے۔"

"پھنس جائیں گے نہیں سخاوت خان پھنس چکے ہیں اور اب اس وقت تک گلو خلاصی مشکل ہے جب تک کہ اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھ جائے۔ یار! ایک بات میرے دماغ میں آ

رہی ہے۔"

"کیا؟"

"ایسا کرتے ہیں قبرستان میں فاتحہ پڑھنے چلتے ہیں، اس سے تو کوئی روک نہیں سکتا، ہم دو بندے چلتے ہیں بس، تھوڑے سے ہار پھول لے لیں گے اس قبر کے آس پاس کسی قبر پر ڈال دیں گے اور ہاتھ اٹھا کر کھڑے ہو جائیں گے۔ اس طرح ہمیں قبر کا جائزہ لینے کا موقع مل جائے گا۔ پھر سوچیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" سخاوت خان نے گردن ہلا کر کہا۔

اسی دوپہر وہ قبرستان کی طرف چل پڑے۔ اتفاق سے جب وہ گیٹ سے داخل ہو رہے تھے تو ایک جنازہ بھی تدفین کے لیے آیا ہوا تھا، وہ اس کے ساتھ ساتھ ہی چل پڑے۔ دونوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ٹوپیاں لگائی ہوئی تھیں، ساتھ ہی پھول بھی ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھے۔

گورکن اس وقت اس جنازے کی تدفین کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ قبروں پر تھوڑے تھوڑے پھول ڈالتے ہوئے اس قبر تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر نجانے کیوں ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ شاید یہ گزری راتوں کا تصور تھا یا پھر قبر کے آس پاس کوئی ایسی غیر مرئی قوت ہزار آنکھوں سے ان کی نگرانی کر رہی تھی۔

انہوں نے آس پاس کی قبروں پر پھول ڈالنے کے بعد اس قبر پر بھی پھول ڈالے اور اس کا جائزہ لینے لگے۔ قبر بالکل صحیح حالت میں تھی۔ گورکن نے اس کھلی ہوئی قبر کو ٹھیک کر دیا تھا۔ وہ قرب و جوار کے ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ اس وقت کوئی بھی ان کی جانب متوجہ نہیں تھا، کافی فاصلے پر انہوں نے گورکن کی رہائش گاہ دیکھی۔ اس کی رہائش گاہ قبر سے کافی دور تھی۔

تمام تر جائزہ لینے کے بعد رفیق نے گردن ہلائی اور بولا۔ "بات سمجھ میں آ گئی ہے، میرا خیال ہے اب میں کام کر لوں گا مگر ٹائم لگے گا، آؤ چلیں۔"

وہ قبرستان سے باہر نکل آئے، سخاوت خان نے کہا۔ "ویسے تو کوئی بات نہیں ہے مگر رات کو کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو جاتی ہے۔ ادھر رات ہی کو تو روحیں بھٹکتی ہیں۔ کام کرو تو دن میں کرو۔" رفیق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سخاوت خان کے گھر پہنچ کر اس نے کہا۔

"شاہینہ بیگم سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے۔ نجانے وہ کیا سوچ رہی ہوں گی میرے بارے میں۔ میرا خیال ہے آج ذرا ادھر بھی جھانک لوں۔"

سخاوت خان کو مختلف ہدایات دینے کے بعد رفیق شاہینہ بیگم کی حویلی چل پڑا۔ شاہینہ بیگم اسے دیکھ کر غصے سے آگ بگولہ ہو گئیں۔ ”میں تو سمجھی کہ تو کہیں غرق ہو گیا۔ ڈوب مرا کہیں جا کر۔ تو نے اپنے مرنے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟“

رفیق ہنسنے لگا، پھر بولا۔ ”بیگم جی مرتا تو اطلاع دیتا نہ، آپ کی وفاداری تو مجھے مرنے بھی نہیں دے گی۔“

”دیکھو رفیق میرا جی مت جلا، ایسی باتیں مت کیا کر۔“

”بیگم صاحب آپ یقین کریں، قسم لے لیں ایک منٹ بھی آپ کی طرف سے غافل رہ کر گزرا ہو، آپ کی مشکل کے حل کے لیے مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ جوگی بابا کے لیے کام کر رہا ہوں اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ عرشیہ بیگم کا اب کوئی پتہ نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ کو ادھر کی کوئی خبر نہیں ملی۔“

”ارے سارے کے سارے نمک حرام ہیں، کسے پڑی ہے کہ لکڑ موڑ بنگلے کے حالات مجھ تک پہنچائے۔ تیرے سوا اور کوئی وہاں جاتا بھی تو نہیں ہے۔ بس میرے سینے پر سانپ لوٹتے رہتے ہیں۔“

”میں ادھر کے حالات معلوم کر کے آتا ہوں۔ ویسے میں آپ کو یہ خوشخبری سنا دوں کہ عرشیہ بیگم مر چکی ہے اور میں نے خود انہیں قبرستان میں دفن کیا ہے۔“

”کیا...... جو سادھو بابا نے کہا تھا وہ سچ ہو گیا؟“

”ہاں جی آپ نے تو مجھے برا بھلا کہہ دیا، پر میں باہر نکل کر یہی سب کچھ کرتا رہا ہوں۔“

”تجھے میری قسم سچ بتا، عرشیہ مر گئی؟“

”ہاں جی بالکل مر گئیں اور ہم لوگ جوگی بابا کے حکم پر جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ آپ کو پتہ نہیں چکر کیا چلا ہوا ہے؟“

”تو بتائے گا تو پتہ چلے گا نا۔“

تب رفیق نے ساری کہانی شاہینہ بیگم کو سنا دی، شاہینہ کا منہ حیرت سے پھٹے کا پھٹا رہ گیا تھا۔ وہ بہت دیر تک منہ پھاڑے رفیق کو دیکھتی رہی، پھر بولی۔ ”یہ تو بڑا لمبا جادو کا چکر چل رہا ہے۔“

”آپ کے لیے سب کچھ کرنا پڑا ہے بیگم صاحبہ۔“

”پچھلے کچھ دنوں سے میری طبیعت میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے، رات کو بڑے بڑے بھیانک خواب دیکھتی رہتی ہوں اور بڑی عجیب و غریب چیزیں دیکھتی ہوں، کبھی دیکھتی ہوں کہ میں ایک سنسان صحرا میں چلی جا رہی ہوں۔ کافی فاصلے پر جانے کے بعد مجھے ایک مندر نظر آتا ہے۔ میرا لباس بدل جاتا ہے اور میں ہندو عورتوں جیسا لباس پہن کر اس مندر میں داخل ہوتی ہوں۔ وہاں ایک تہہ خانے میں اترتی ہوں جہاں کالے رنگ کی ایک بھیانک مورتی نظر آتی ہے۔ بس میں اس مورتی کے سامنے دو زانو بیٹھ جاتی ہوں اور سر جھکا لیتی ہوں، یہ خواب مجھے چار پانچ دفعہ نظر آ چکا ہے۔“

”بیگم صاحب سفلی علم کے چکر میں پڑ کر ایمان تو کھونا ہی پڑتا ہے، میں نے جو کچھ کیا ہے بیگم صاحب آپ کی وفاداری میں کیا ہے، جوگی بابا بہت خطرناک آدمی ہے، دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔“

”تو جا ذرا لکڑ موڑ کے حالات معلوم کر۔“

”ٹھیک ہے جی، آج ہی چلا جاتا ہوں۔“

لکڑ موڑ کے حالات یہ تھے کہ دو دن پہلے چوہدری شاہنواز واپس آئے تھے اور سیدھے لکڑ موڑ والے بنگلے پہنچے تھے۔ لکڑ موڑ بنگلے پر ایک افراتفری طاری تھی، سب وحشت زدہ نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے اس بنگلے کے نگراں حمید خاں سے صورت حال معلوم کی تو اس نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ ”آج گیارہ دن ہو گئے ہیں صاحب جی عرشیہ بیگم گھر سے غائب ہیں۔“

چوہدری شاہنواز پر جیسے بجلی سی گر پڑی تھی۔ ”کیا...... کیا بکواس کر رہے ہو؟“

”صاحب جی! آپ ایک بات کا یقین کر لیں جو ذمہ داری آپ نے ہمارے سپرد کی تھی اس میں مجال ہے کہ ہم نے ایک لمحے کی غفلت برتی ہو۔ صاحب جی ہم پوری طرح بنگلے کی نگرانی کرتے تھے، جس دن چھوٹی بیگم غائب ہوئی ہیں، اس دن بھی ہم سب مستعد تھے۔ ہمارے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلا کہ وہ کس طرف سے باہر نکلی ہیں اور کہاں گئیں، صاحب جی ایک اور بات ہمیں پریشان کر رہی ہے، وہ یہ کہ جس رات وہ غائب ہوئی ہیں اس دن صبح کو ایک فقیر آیا تھا جو بڑی بھیانک شکل و صورت کا مالک تھا اور عجیب و غریب سا لباس پہنے ہوئے تھا۔ دروازے پر آ کر اس نے صدا لگائی تو چھوٹی بیگم صاحبہ کی ہدایت کے مطابق ہم نے اس سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اسے چھوٹی بیگم صاحب سے ملنا ہے۔ صاحب جی ہم نے اسے بیگم صاحب کے سامنے پہنچا دیا۔ بیگم صاحب نے

اس سے تھوڑی دیر باتیں کیں۔ پھر اسے پیسے وغیرہ دیئے لیکن صاحب جی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس فقیر نے پیسے نوکروں میں بانٹ دیئے اور کہنے لگا کہ وہ صرف چوہدری صاحب کی دنیا میں آنے والی اولاد کے لیے دعا کرنے آیا ہے اسے کچھ نہیں چاہیے۔ بس صاحب جی اسی رات وہ میرا مطلب ہے چھوٹی بیگم صاحب گھر سے غائب ہو گئیں اور ہم نے زمین کا کونہ کونہ چھان مارا ہے پر ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"خدا تمہیں غارت کرے، تم نے میری دنیا برباد کر دی۔ ارے بدبختو! نکلو، جاؤ تلاش کرو، عرشیہ کو ڈھونڈ کر لاؤ، تم نے میری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ میں صاحب اولاد ہونے والا تھا۔ تم نے مجھ سے میرا وارث چھین لیا۔" چوہدری شاہنواز زار و قطار رونے لگا۔ حمید خان سر جھکائے کھڑا ہوا تھا۔ چوہدری شاہنواز نے پھر کہا۔ "میری صورت دیکھ رہے ہو، مرو جا کر تلاش کرو اسے، تلاش کرو حمید خاں! آخر میں نے تمہاری ذمہ داری پر سب چھوڑ دیا تھا۔ مجھے معلوم ہوتا کہ تم اس قدر لاپرواہ ہو تو تمہارا کیا خیال ہے، میں اس طرح چھوڑ دیتا عرشیہ کو۔ ارے بدبختو! ساری عمر گنوانے کے بعد تو مجھے یہ خوشخبری ملی تھی کہ میں باپ بننے والا ہوں۔ تم نے مجھ سے میری وہ خوشی چھین لی، اب بتاؤ میں کیا کروں۔"

"صاحب جی! کوئی جگہ نہیں چھوڑی ہم نے، آپ کے بارے میں معلوم نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ ورنہ آپ کو فوراً ہی اطلاع دی جاتی۔ چپہ چپہ چھان مارا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ برا نہ مانیں صاحب جی! تو ہم نے خفیہ طور پر حویلی میں بھی معلومات حاصل کی ہیں کہ کہیں چھوٹی بیگم صاحب ادھر تو نہیں پہنچیں، مگر کہیں سے کوئی نام و پتہ نہیں ملا، صاحب جی! ہم تو خود پریشان ہیں۔"

"تو کیا صبر کر لوں میں عرشیہ کو، اپنی اولاد کو صبر کر لوں کیا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں۔" ان برے حالات کے باوجود چوہدری شاہنواز نے شاہینہ بیگم کی جانب رخ نہیں کیا تھا۔ لیکن دل میں نجانے کیا کیا خیالات گردش کر رہے تھے۔ وہ اس فقیر کے بارے میں بھی سوچ رہے تھے اور انہوں نے حمید خان کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ صرف عرشیہ بیگم کو ہی نہیں بلکہ گھوم پھر کر اس فقیر کو بھی تلاش کیا جائے۔

❀ ❀ ❀

شہباز نے اقبال کو پوری تفصیل بتائی اور اقبال دنگ رہ گیا اس نے کہا۔ ناممکن بات ہے، طب کی تاریخ میں کہیں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ کوئی وجود آکسیجن کے بغیر کچھ لمحوں کے لیے بھی زندہ رہ سکا ہو اور پھر نمود کا عمل بھی ایک الگ حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مردہ جسم سے

آپریشن کے ذریعے اور وہ بھی کچھ دیر بعد تک ولادت کرائی جا سکتی ہے، اس پر بھی اس کے امکانات کم ہوتے ہیں کہ جنم لینے والی ہستی زندگی پالے۔ اگر اسے تھوڑی ہی دیر کے بعد آکسیجن مل جائے تب تو اس میں زندگی کے آثار دوبارہ پیدا ہو سکتے ہیں، ورنہ عام طور سے ماں کی موت کے ساتھ ہی اس کے شکم میں پرورش پانے والا وجود لمحوں میں دم توڑ دیتا ہے۔ ظاہر ہے آکسیجن کے منتقل ہونے کا عمل ختم ہو جاتا ہے، مگر تم کہتے ہو کہ سات آٹھ دن کے بعد وہ قبر کھودی گئی تھی یار مجھے یہ ایک ناقابل یقین سی کہانی معلوم ہوتی ہے۔"

"اگر تمہاری جگہ میں بھی کسی اور کی زبانی یہ کہانی سنتا تو مجھے یقین نہ آتا مگر اب اس بات کو کیا کہو گے کہ وہ نوزائیدہ بچی میرے گھر میں پرورش پا رہی ہے۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں اقبال! اس میں کچھ پراسرار حقیقتیں پوشیدہ ہیں جو ماورائے عقل ہیں، مثلاً اس رات وہ قبر کھودنے والے کون تھے یا اس عورت کی تدفین کرانے والے کون تھے جنہوں نے اپنے پتے تک غلط لکھوائے تھے اور اس کے بعد دوبارہ قبر کیوں کھودی جا رہی تھی؟ پھر ایک تیز روشنی نے انہیں بھاگنے پر مجبور کیوں کر دیا تھا؟ اس کے علاوہ تمہیں ایک اور بات بتاؤں، اس بچی کے سرہانے بچوں کے استعمال کی بے شمار چیزیں دستیاب ہوئیں۔ جدید ترین لباس، بہت سی عمدہ قسم کے دودھ پلانے والے فیڈر جو مختلف اقسام کے تھے۔ دودھ کے ڈبے، وہ تمام چیزیں جو بچوں کے استعمال کی ہوتی ہیں، یعنی لوشن اور پاؤڈر وغیرہ بھی ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے باقاعدگی کے ساتھ ایک بچے کی ولادت کا انتظار کیا ہو، اس کے بعد وہ اشیاء ہم تک پہنچا دی ہوں، لیکن یقین کرو پہنچانے والے کا نام و نشان نہیں ملا۔"

"یار قبرستان میں رہ کر تمہارے دماغ میں اس طرح کی کہانیاں بے دار ہونے لگی ہیں۔ ان سے بچو شہباز! ہم لوگ پریکٹیکل لوگ ہیں، ہم بھلا ایسی پراسرار کہانیوں پر......"

"یار کمال کرتے ہو، جو مجھ پر بیت چکی ہے وہ سنا رہا ہوں اور تم اسے کہانی قرار دے رہے ہو۔"

"تب پھر اس سلسلے میں ڈاکٹر حارث سے رجوع کرنا ضروری ہے۔"

"خدا کی قسم تم نے میرے منہ کی بات چھین لی، میں تم سے یہی کہنے والا تھا کہ ڈاکٹر حارث سے اس موضوع پر بات کرتے ہیں، وہ انتہائی زیرک انسان ہیں اور ہر طرح کے معاملات سے واقفیت رکھتے ہیں۔ پھر مذہبی آدمی بھی ہیں، اس لیے ان تمام واقعات کی مناسب توجیہہ کر سکیں گے۔"

"لیکن سوچ لو ڈاکٹر حارث کو ساری تفصیلات بتانا ہوں گی اور اس کے پروف دینا

ہوں گے۔"

جو کچھ میں نے تمہیں بتایا ہے وہی میں انہیں بھی بتا دوں گا اور پروف کے طور پر وہ بچی ہمارے پاس موجود ہے، وہ میں دکھا دوں گا۔"

"کیا نام رکھا بچی کا تم لوگوں نے؟"

"نام تو ابھی تک کوئی نہیں رکھا، ویسے میرے باپ نے اس کے کان میں اذان کہہ دی ہے، پتہ نہیں منیزہ اس کا کیا نام رکھے۔"

"ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو۔" اقبال نے کہا اور اس کے بعد وہ ڈاکٹر حارث کی جانب چل پڑے۔ جو ان کے پروفیسر اور ایک دیندار انسان تھے۔ اسی ہسپتال میں بہت بڑے عہدے پر فائز تھے جس میں یہ دونوں ہاؤس جاب کر رہے تھے۔

ڈاکٹر حارث ان لوگوں سے تفصیل سننے کے بعد دنگ رہ گئے تھے۔ انہوں نے ابھی تک اس سلسلے میں اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ عجیب و غریب کہانی سن کر ان کے چہرے پر تذبذب کے آثار تھے اور وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کہیں ان سے غلط بیانی تو نہیں کی جا رہی۔ پھر انہوں نے آنکھیں کھول کر بے اعتبار سی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا اور بولے۔ "دیکھو بچو! تم خود بھی سمجھ دار ہو، ماں اور بچے کے درمیان ویسے تو بہت سے رشتے ہوتے ہیں، لیکن قدرتی طور پر ایک عمل ان کے درمیان رہتا ہے، خاص طور سے ولادت سے پہلے اور اس دوران کسی حادثے یا کسی بنیاد پر خدانخواستہ ماں کا انتقال ہو جائے تو بچہ چند لمحوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ انہی لمحوں میں اگر آپریشن کر لیا جائے تو اس کی زندگی کے امکانات ہو جاتے ہیں۔ اگر تھوڑا سا وقت بھی گزر جائے تو ایسا نہیں ہوتا، تم لوگوں نے کہانی میں رنگ آمیزی کی ہے، یعنی اس کو پر اسراریت کا رنگ دے دیا ہے۔ میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا اور نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں کیونکہ بے شمار ایسے مافوق الفطرت اور مافوق العقل واقعات اس کائنات میں رونما ہوتے رہتے ہیں جن کی انسانی ذہن توجیہہ نہیں کرنے پاتا لیکن بہرحال قدرت کے عمل سے کس کو انکار ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں کوئی طلسمی عمل کارفرما ہو، لیکن طبی طور پر یہ واقعہ انتہائی عجیب غریب نوعیت کا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شہباز کہتے ہیں کہ وہ بچی ان کے گھر میں محفوظ ہے۔ بے شک وہ میرے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث ہے، لیکن پہلے میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی بھی طرح وہ قبر کھول کر میں اس انسانی جسم کا تجزیہ کروں جس کے ساتھ یہ واردات ہوئی ہے، میرے لیے یہ ایک انتہائی انوکھی تحقیق ہوگی۔ شہباز تم اور اقبال دونوں میرے ساتھ اپنے گھر چلو گے، جو

واقعات تم نے مجھے سنائے ہیں، ان کی روشنی میں یہ اندازہ مجھے ہو چکا ہے کہ وہ لاوارث لاش ہے۔ بے شک تم لوگوں کے کہنے کے مطابق کچھ لوگوں نے رات کی تاریکیوں میں وہ قبر کھولنے کی کوشش کی اور کسی کی مدافعت پر وہ ناکام ہو کر بھاگ گئے، لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے والد کے تعاون سے مجھے کچھ دنوں کے لیے وہ انسانی جسم مل جائے، ویسے بھی تم جانتے ہو کہ ہم اپنے تجربات کے لیے اجسام حاصل کرتے ہیں، خیر ہمارے ہسپتال میں اس کا طریقہ کار مختلف ہے لیکن بعض پرائیویٹ ادارے جرائم پیشہ افراد کو رقومات ادا کر کے قبرستان سے ایسے جسم چوری کرواتے ہیں اور وہ چوری کر کے اس طرح کے اجسام لے آتے ہیں۔ میں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے کہ اس قبر کو کھودنے کی وجہ کچھ ایسی ہی تو نہیں ہے لیکن بظاہر ایسا نہیں لگتا۔ یہ تجربہ میری زندگی کا انوکھا ترین تجربہ ہوگا۔ تم لوگ براہ کرم میری مدد کرو۔ کیوں شہباز کیا تم اپنے والد کو اس کے لیے تیار کر سکتے ہو۔"

"میرے والد بہت اصول پرست انسان ہیں، قبرستان میں دفن وجود انہیں بہت عزیز ہیں۔ پھر بھی میں کوشش کر سکتا ہوں۔"

"تمہیں یہ کوشش ضرور کرنا ہوگی۔ تم نے میرے اندر آتش شوق بھڑکا دی ہے۔ میں اس لاش پر تجربہ کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

ڈاکٹر حارث نے خصوصی طور پر انتظامات کیے۔ اقبال اور شہباز کو لے کر وہ شہباز کے شہر پہنچ گئے۔ منصوبے کے مطابق انہوں نے بڑی ایمبولینس قبرستان کے کچھ فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ پھر شہباز قبرستان میں داخل ہو گیا۔ گلاب خان گھر کے باہر ہی تھا، شہباز کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

"خیر تو ہے شہباز...... تو ٹھیک ہے نا۔"

"بالکل ٹھیک ہوں ابا۔"

"آ اندر آ۔"

"ابا ایک ضروری کام سے آیا ہوں۔ تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔"

"بول بیٹا۔ میں تو سمجھ گیا تھا کہ کچھ نہ کچھ ہے جس کی وجہ سے تو اتنی جلدی واپس آیا ہے۔"

"ہاں ابا...... میرے ساتھ پروفیسر حارث اور اقبال بھی آئے ہیں۔ ہمیں فوراً واپس بھی جانا ہے۔"

"تو انہیں بلا لے، کیا تو نے انہیں اپنی اصلیت نہیں بتائی، انہیں اپنے گھر لاتے

ہوئے شرمندہ ہوتا ہے۔"

"بالکل نہیں ابا مجھے اپنی اصلیت پر فخر ہے میں ایک محنت کش کا بیٹا ہوں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"ہمیں ڈر ہے ابا زیادہ دیر نہ ہو جائے، ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

شہباز نے پہلے سے سوچے ہوئے منصوبے کے تحت کہا۔ وہ اپنے سادہ لوح باپ کی عادت کو جانتا تھا، اگر کوئی ایسی جذباتی بات کر کے انہیں آمادہ کیا جا سکا، تب پھر ٹھیک ہے، ورنہ وہ کسی بھی قیمت پر قبر کشائی نہیں کرنے دیں گے۔ باپ سوالیہ نگاہوں سے شہباز کو دیکھ رہا تھا، تب شہباز نے کہا۔ "ابا وہی بچی تو ٹھیک ہے نا؟"

"ہاں منیزہ نے اس کا نام بھی رکھ لیا ہے۔" گلاب خان نے مسرور لہجے میں کہا۔

شہباز نے کہا۔ "کیا نام رکھا ہے اس کا؟"

"منیزہ نے اس کا نام شینا رکھا ہے۔"

"اچھا نام ہے تو ابا میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں شہر واپس جا کر اپنے پروفیسر حارث سے ملا اور انہیں تفصیل بتائی، ان سے پوچھا کہ سات آٹھ دن سے قبر میں دفن کسی خاتون کے ہاں اس طرح ولادت ہو سکتی ہے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ نہیں یہ ممکن نہیں ہے، کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ابا ڈاکٹر صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ عورت کو سکتہ ہو گیا ہو، کبھی کبھی اس طرح سکتہ ہو جاتا ہے، انسان زندہ ہوتا ہے، مگر کوما میں چلا جاتا ہے اور بظاہر ایسا ہی لگتا ہے جیسے وہ مر چکا ہو۔ ایسے کسی انسان کا علاج کر کے اس کی سانسیں بحال کی جا سکتی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ اگر وہ مر گئی ہوتی تو اس کے ہاں اولاد نہ پیدا ہوتی، ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ اس سے پہلے کہ اس کا سکتہ ٹوٹ جائے اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے، اس کی لاش کو قبر سے نکال لینا چاہیے۔ وہ اسے طبی امداد دے کر اس کی زندگی بحال کر سکتے ہیں۔"

بڑا بھرپور وار تھا گلاب خان پر، بھلا کسی زندہ وجود کو قبر میں رہنے کی کیا گنجائش تھی، وہ بدحواسی سے بولا۔ "ارے تو بیٹا جلدی کر، میں کدال پھاوڑا لے کر آتا ہوں اور ان دونوں کو بھی بلا لے۔"

"ابا نہیں رہنے دو، پہلے ہم اپنا کام کر لیتے ہیں، اس کے بعد میں انہیں موبائل پر فون کر کے بلا لوں گا اور ہم لاش لے جائیں گے۔"

"چل بیٹا چل، جلدی چل...... تو قبر کے پاس چل اور یہ کوٹ اور پینٹ اتار لے

اس میں بندہ محنت کا کام نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے ابا! آپ کدال پھاوڑا لے آؤ، اماں اور منیزہ کو میری آمد کے بارے میں نہ بتانا، ورنہ وہ ہمارے کام میں رکاوٹ ڈالیں گی، آپ سمجھ رہے ہو نا، اب جب یہ بات معلوم ہو گئی ہے تو یہ کام بہت جلدی ہو جانا چاہیے۔ ایک لمحہ ہماری غفلت کہیں ہمارے لیے نقصان دہ نہ بن جائے۔"

سادہ لوح گلاب خان دوڑا ہوا اندر چلا گیا اور کسی کو کچھ بتائے بغیر اپنے اوزار اٹھا لایا۔ ادھر شہباز خان نے کوٹ اتار کر ایک طرف ڈالا اور دوبارہ اس قبر کو کھولنے کے لیے تیار ہو گیا۔ باپ بیٹے نے مل کر قبر کھولی، گلاب خان نے اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھ لیا تھا اور شہباز نے چہرے پر ماسک لگا لیا تھا۔

دونوں ہوشیاری سے اپنا کام کرنے لگے، لیکن جب قبر کی سلیں ہٹیں تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ قبر میں ذرہ برابر بدبو نہیں تھی، کفن بالکل صاف شفاف تھا، بس یہی لگتا تھا جیسے کوئی کفن اوڑھے سو رہا ہو، بڑی ہمت اور محنت کے ساتھ شہباز نے باپ کے ساتھ مل کر وہ لاش نکالی اور اسے احترام کے ساتھ قبر کے ساتھ رکھ دیا۔ شہباز کی نگاہ اس دیوار پر پڑی جہاں سے اس رات وہ لوگ کود کر بھاگے تھے۔ یہ جگہ بہت بہتر تھی۔ شہباز نے موبائل فون نکالا اور اقبال اور پروفیسر حارث کو اس دیوار کے پاس آنے کا اشارہ دیا۔

وہ دیوار پر چڑھ گیا اور اس وقت تک وہاں بیٹھا رہا جب تک کہ پروفیسر کی گاڑی یعنی وہ ایمبولینس اس دیوار کے پاس آ کر کھڑی نہ ہو گئی۔ اقبال بھی کود کر آ گیا اور دونوں لاش کے پاس پہنچ گئے۔

اقبال نے گلاب خان کو بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔

"ارے بیٹا جیتے رہو، تم لوگ جلدی سے اپنا کام کرو، میرا تو دل دہل کر رہ گیا ہے، سنو مجھے جلدی سے بتانا اس بارے میں۔"

"تم فکر ہی مت کرو ابا، میں بہت جلد تمہیں ساری صورتحال بتاؤں گا اور ہاں ایک بات سنو اس قبر کو برابر کر دینا، ایسے ہی کر دینا جیسے یہ تھی، اسے کھلی مت چھوڑنا۔"

"نا بیٹا نا۔ یہ تو امانت ہے، جب تک تم لوگ مجھے یہ اطلاع نہیں دو گے کہ وہ بے چاری زندہ ہے یا مر گئی، میں یہ قبر کسی اور کو نہیں دوں گا۔ سلیں رکھ کر اسے برابر کیے دیتا ہوں تاکہ جس کی امانت ہے اس کے لیے محفوظ رہے۔"

"اور ابا، اماں اور منیزہ کو اس بارے میں مت بتانا۔"

"نہیں بتاؤں گا، بگڑیں گی دونوں کی دونوں۔"

لاش کو پوری حفاظت کے ساتھ ایمبولینس میں منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹر حارث نے خود ا
سلسلے میں بھرپور مدد کی تھی اور پھر وہ لوگ برق رفتاری سے اسے لے کر چل پڑے۔

ڈاکٹر حارث نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ابا نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت
نہیں کی؟"

"جناب عالی! میں نے انہیں ایک فرضی کہانی سنا دی تھی۔"

"کیا؟"

"میں نے انہیں بتایا تھا کہ ایک چیز ہوتی ہے سکتہ، کسی حادثے کی بنا پر انسان سک
میں آ جاتا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ عورت سکتے میں بھی ہو سکتی ہے، میرے پروفیس
بھی جائزہ لینے کے لیے اسے لے جانا چاہتے ہیں تاکہ اگر وہ سکتے کے عالم میں ہے تو ا
بحال کیا جا سکے۔"

ڈاکٹر حارث کا چہرہ سرخ ہو گیا، انہوں نے شہباز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہ کہتے
کہ یہ بات تم نے مذاق میں کہہ دی تھی، میرا مطلب ہے یونہی برسبیل تذکرہ۔"

"جی ڈاکٹر صاحب۔"

"شہباز! تمہارے یہ الفاظ ہزار فیصد درست ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں
کہ اگر ایسی کوئی ماں سکتے کے عالم میں چلی جائے تو اس کا جسمانی عمل جاری رہتا ہے
بظاہر وہ مردہ ہی محسوس ہوتی ہے۔ بہت سے ایسے واقعات ہو چکے ہیں کہ کسی کو سکتہ ہوا
لوگوں نے اسے مردہ سمجھ کر دفن تک کر دیا، بس اتنا سا فرق ہے۔ کہ قبر میں داخل ہونے کے
بعد آکسیجن نہ ملنے سے اس میں زندگی باقی نہیں رہتی، کچھ واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں
انسان زندہ قبر سے برآمد ہو گیا ہے۔ لیکن وہ مفروضہ کہانیوں کی شکل میں سامنے آئے ہیں
مگر کوئی ٹھوس ثبوت کبھی نہیں مل سکا، پھر بھی یہ ایک تجزیہ ہے جو ہم ضرور کریں گے، ڈرائیو
رفتار تیز کرو۔"

ڈاکٹر حارث بہت زیادہ بے چین نظر آ رہے تھے، انہوں نے بار بار ڈرائیو
ایمبولینس کی رفتار تیز کرنے کی ہدایت کی اور اس کے بعد وہ ہسپتال پہنچ گئے۔

کسی کو کچھ بتائے بغیر لاش کو اس بڑی تجربہ گاہ میں منتقل کر دیا گیا، جہاں لاتعدا
حیران کن تجربات ہوا کرتے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو اپنے ساتھ مصروف کیا تھا
صرف دو نرسیں طلب کر لی تھیں، جن کے سپرد دوسری ذمہ داریاں کی گئی تھیں اور اس

بعد وہ مصروف ہو گئے۔ ڈاکٹر حارث چونکہ ہسپتال کے بہت بڑے سرجن تھے اس لیے ان
کے معاملات میں کسی نے کوئی مداخلت نہیں کی۔

وہ مختلف طریقوں سے اس انسانی جسم پر عمل کرنے لگے۔ وہ عورت بے پناہ خوبصورت
تھی، اس کی عمر بھی زیادہ نہیں تھی اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کے جسم میں ابھی تک
سرخی موجود تھی اور وہ سفیدی اور نیلاہٹ پیدا نہیں ہوئی تھی جو بے جان جسم میں پیدا ہو
جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسے انجکشن پر انجکشن دیتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اور بھی کچھ
عمل کیا اور پھر اس کے چہرے پر آکسیجن لگا دی، اس کے بعد وہ گھڑی میں وقت دیکھ کر
انتظار کرنے لگے۔

اقبال اور شہباز کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ وہ جو کچھ دیکھ رہے تھے، وہ ان کی زندگی
کا انوکھا ترین تجربہ تھا اور اس وقت اقبال کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی، جب اس
نے اس انسانی جسم میں سانسوں کی جنبش دیکھی۔ آہستہ آہستہ اس کے سینے میں تحریک پیدا
ہوتی جا رہی تھی۔

☆

پراسرار عورت کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسا عمل نہیں ہوا تھا جس سے اس کی شخصیت پر کچھ اور روشنی پڑتی۔ ڈاکٹر حارث بھی پوری طرح اس معاملے میں دلچسپی لے رہے تھے، اقبال نے انہیں بتایا تھا کہ شہباز کے والد بہت ہی سادہ لوح انسان ہیں، لیکن وہ بے چین ہوں گے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ ''سر آپ اس سلسلے میں کوئی ہدایت دیجیے۔''

''دیکھو اقبال! میرے لیے یہ طبی سائنس کا ایک عجوبہ ہے، جو کچھ تم لوگوں نے مجھے بتایا ہے اسے سوچ سوچ کر میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ تھوڑے دن پہلے ہی کی بات ہے، ہمارے وطن میں خوفناک زلزلہ آیا تھا اور زلزلے میں بے شمار شدید جانی نقصانات ہوئے تھے۔ ایک بی بی دو مہینے تک ملبے تلے دبی رہی جب دو مہینے کے بعد ملبہ اٹھایا گیا تو اس میں زندگی موجود تھی، بے شک اس کے اندر لاتعداد تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ لیکن تم خود سوچو دو مہینے تک بھوکا پیاسا رہ کر زندہ نکل آنا ایک معجزہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے، لیکن ہم کمزور ذہن کے لوگ ہیں جدید سائنس سے زیادہ متاثر ہیں۔ میں ابھی تک وہ توجیہہ تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا ہوں جس کے تحت قبر میں ماں نے ایک بچی کو جنم دیا۔ بچی بھی زندہ ہے اور ماں بھی زندہ ہے۔ یہ یقین نہ کرنے والی بات ہے، لیکن آنکھوں کے سامنے کوئی چیز موجود ہو تو انسان اپنے آپ کو دھوکا کس طرح دے سکتا ہے۔ میرا خیال ہے اس مسئلے کو یونہی رہنے دیا جائے، فرض کرو ہم شہباز کے والد کو اس بات کی اطلاع دے بھی دیتے ہیں کہ وہ عورت زندہ ہے تو ان بے چاروں کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ اگر انہوں نے قبر خالی رکھی بھی ہوئی ہے تو یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے، بے شمار قبرستانوں میں لوگ اپنے لیے زمین مخصوص کرا لیتے ہیں اور ان کی قبریں خالی پڑی رہتی ہیں، مجھے ابھی تجزیہ کرنے دو اس کے بعد میں اس بچی کا بھی تجزیہ کروں گا، بس ذرا یہ بی بی ہوش میں آ جائے، اس کے ذہن کے خلیوں میں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، ظاہر ہے پورے جسم کو آکسیجن نہیں ملی، اسی طرح دماغ کے خلیے بھی آکسیجن سے

محروم رہے ہیں، ایسے عالم میں جو نہ ہوتا کم تھا، میں طبی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخر اس کی زندگی قائم رہنے کی وجوہات کیا تھیں اور کس طرح اس میں کسی کو جنم دینے کی گنجائش باقی رہی۔ پھر اس کے بعد جب میں اس چیز کا انکشاف کروں گا تو تم یقین کرو کہ میڈیکل سائنس کی دنیا میں ایک عجیب انقلاب برپا ہو جائے گا اور اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ اس سے بہت سی نئی تحقیقات ہو سکیں، خاموشی اختیار کرو، اگر انہیں تھوڑی سی تکلیف بھی ہوتی ہے تو بحالت مجبوری انہیں یہ تکلیف برداشت کرنا ہو گی۔'' اقبال نے یہ پوری تفصیلات شہباز کو بتائیں اور شہباز ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

❀ ❀ ❀

رفیق درحقیقت لکڑ موڑ نہیں گیا تھا۔ دو الگ الگ خاندان سمجھے جاتے تھے، شاہینہ بیگم کی حویلی والے اور لکڑ موڑ بنگلے والے۔ عرشیہ بیگم وہاں سے غائب ہو گئی تھیں اور ظاہری بات ہے وہ لوگ یقیناً اس کے بارے میں تحقیقات کر رہے ہوں گے لکڑ موڑ پر جس شخص کو اس عمارت کی نگرانی کے لیے مخصوص کیا گیا تھا اس کا نام حمید خاں تھا اور حمید خاں کے بارے میں رفیق اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اگر اس نے رفیق کو وہاں دیکھا تو شبے کا شکار بھی ہو سکتا ہے، لیکن شاہینہ بیگم کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا، چنانچہ اپنے ذرائع سے کام لے کر اس نے یہ بات معلوم کر لی کہ چوہدری شاہنواز واپس آ گئے ہیں اور لکڑ موڑ کے بنگلے میں قیامت برپا ہے۔ بس انہی خبروں کو نمک مرچ لگا کر وہ شاہینہ بیگم کے پاس پہنچ گیا۔ شاہینہ بیگم بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔

رفیق کو اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے اور وہ دہری مصیبت کا شکار ہو گیا تھا، ایک طرف شاہینہ بیگم تھیں تو دوسری طرف راج گندل جو دھمکیاں دے کر گیا تھا اور اس کی دھمکیوں سے رفیق بہت خوفزدہ تھا۔

شاہینہ بیگم نے بے چینی سے اسے دیکھا اور بولی۔ ''ہاں کیا خبر لائے رفیق؟''

''بیگم صاحب! چوہدری صاحب واپس آ گئے ہیں، عرشیہ بیگم مسلسل لاپتہ ہیں اور ظاہر ہے انہیں لاپتہ ہونا ہی چاہیے، ان کی تو قبر کا بھی کوئی پتہ نہیں چلا سکتا، سوائے میرے۔ مگر چوہدری صاحب برا واویلا مچائے ہوئے ہیں، حمید خاں بھاگا بھاگا پھر رہا ہے۔''

''ہوں..... اس کا مطلب ہے راج گندل نے اپنا قول نبھایا۔''

''ہاں جی، پر کچھ مشکلیں درپیش ہیں، میں انہی کے لیے کام کر رہا ہوں۔''

شاہینہ بیگم نے خوشی کے عالم میں اس کے الفاظ پر توجہ بھی نہیں دی اور بولیں۔

"گندل مہاراج کو کچھ رقم پہنچانی ہے، کب جاؤ گے ان کے پاس؟"

"بس جی بہت جلد جانا ہے، ذرا کچھ کام کرلوں، اب اجازت دیجیے۔" رفیق، شاہینہ بیگم کو مطمئن کر کے نکل آیا۔

پھر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر اس نے سخاوت خان سے کہا۔ "سخاوت خان! تم لوگوں کو کیا چاہیے جو مانگو گے میں دلوا دوں گا، شاہینہ بیگم سے، مگر سخاوت خاں تم لوگوں کو میرا کام کرنا ہوگا یہ سمجھ لو کہ میری جان خطرے میں ہے اور تمہاری بھی۔ یہ مت سمجھنا کہ اکیلا میں پھنس جاؤں گا، میں تمہیں صاف صاف بتائے دے رہا ہوں، جب میری گردن پھنسے گی تو میں راج گندل سے کہہ دوں گا کہ مہاراج غلطی میری نہیں ان چاروں کی بھی ہے۔"

"ارے رفیق بھائی کیوں ڈراتے ہو؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں، میں جتنا پریشان ہوں تم لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔ چوہدری صاحب واپس آ گئے ہیں اور سراغ لگاتے پھر رہے ہیں۔ کہیں انہیں بھنک بھی مل گئی کہ ہم لوگ اس معاملے میں ملوث ہیں تو سمجھ لو کہ پھر قیامت آ جائے گی۔"

"چھوڑو رفیق بھائی، دلدل میں پھنسا دیا ہے تم نے، اب کرنا کیا ہے؟"

"میں نے ایک منصوبہ بنایا ہے، اس پر عمل کیے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ دیکھو یہ بات تو طے ہے کہ رات کی تاریکی میں ہم قبرستان میں اپنا کام نہیں کر سکتے جو کچھ ہو چکا ہے وہ بھولنے والی چیز نہیں ہے۔ یہ جو اس قسم کی کارروائیاں ہوتی ہیں روحوں کی طرف سے وہ دن میں نہیں ہوتیں۔ مغرب کے بعد سنا ہے روحوں کو آزادی مل جاتی ہے اور وہ بھٹکتی رہتی ہیں۔ روشنی ہونے سے پہلے وہ واپس چلی جاتی ہیں، ہم دوپہر میں اپنا کام کریں گے۔"

"کام کیا کرو گے؟"

"تم میں سے ایک مٹھائی کا ایک ڈبہ لے کر قبرستان کے گورکن کے گھر جائے گا۔ سامنے بنگلے پھیلے ہوئے ہیں، وہ کہہ دے گا کہ وہ پیچھے والے بنگلے سے آیا ہے۔ مٹھائی لے کر، اس مٹھائی میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوگی، یہ مٹھائی وہاں پہنچا دینا۔ ان بیچاروں کے لیے مٹھائی وغیرہ بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ خوشی سے کھا لیں گے اور بے ہوش ہو جائیں گے۔ ہم اپنے ساتھ کدال پھاوڑا لے کر جائیں گے اور قبر کھود کر وہ لاش نکال لیں گے، گاڑی قبرستان کی دیوار کے ساتھ ہی کھڑی کرنا وہاں سے ہم لوگ اپنا کام کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے استاد رفیق، مگر ایک بات سن لو، کام شروع کرنے سے پہلے تمہیں ہم لوگوں کو دس دس ہزار روپے دینا ہوں گے۔"

"ہاں بھیا جانتا ہوں، یہی تو موقع ہے تمہارے لیے رفیق کی گھٹائی کرنے کا، بیگم صاحبہ سے بات کر کے دوں گا تمہیں۔"

"کام ہونے سے پہلے رفیق بھائی۔"

"ٹھیک ہے۔" رفیق نے کہا۔

پھر وہ شاہینہ بیگم کے پاس پہنچا اور انہیں کہانیاں سنا کر پچاس ہزار روپے کی رقم لے لی۔ شاہینہ بیگم دیوانی ہو رہی تھیں، بہت سی آس امیدیں باندھ رکھی تھیں انہوں نے۔ سوچ رہی تھیں کہ عرشیہ تو جہنم رسید ہوئی، بچے کا مسئلہ بھی ختم ہو گیا۔ بس ایک بار چوہدری شاہنواز یہاں آ جائیں، ایسا مکھن لگاؤں گی کہ بھیگی بلی بن جائیں گے۔ ہر طرح سے کوشش کروں گی کہ میرا سہاگ بحال ہو جائے۔

بہرحال رفیق نے اپنا کام شروع کر دیا اور سخاوت خان کا ایک آدمی مٹھائی لے کر گورکن کی جھونپڑی پر پہنچ گیا، اس وقت گلاب خاں موجود نہیں تھا، وہ کسی کام سے باہر نکلا ہوا تھا۔ سخاوت خان کے آدمی نے اندر داخل ہو کر آواز لگائی تو جیراں باہر آ گئی۔

"سلام مائی، یہ مٹھائی کا ڈبہ بنگلہ نمبر سولہ والوں نے بھیجا ہے، ان کے ہاں پوتا ہوا ہے، پوتے کی خوشی میں انہوں نے مٹھائی بنوائی ہے، یہ آپ کا حصہ ہے۔"

"بنگلہ نمبر سولہ؟ میری طرف سے مبارک باد کہہ دینا۔" جیراں نے خوشدلی سے کہا اور ڈبہ لے کر اندر چلی گئی۔

سخاوت خان کا آدمی واپس آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے گلاب خاں کو بھی اندر جاتے ہوئے دیکھا، رفیق نے وہیں ڈیرہ ڈال دیا تھا، ایک گھنٹے کے بعد اس نے اس آدمی کو دوبارہ وہاں بھیجا اور گلاب خاں کے دروازے پر جا کر اس نے آوازیں لگائیں، بہت دیر تک وہ چیختا رہا، لیکن کوئی باہر نہ نکلا تو وہ مسکراتا ہوا آ گیا اور اس نے رفیق کو آ کر اطلاع دی کہ کام ہو گیا ہے۔

رفیق اٹھ کھڑا ہوا وہ قبرستان میں داخل ہو گئے اور انہوں نے تیزی سے کام شروع کر دیا۔ قبر کھلی اور جب انہوں نے سلیں ہٹائیں تو اندر نگاہ ڈالتے ہی رفیق کے حلق سے زوردار آواز نکل گئی اور اس کے ساتھی خوفزدہ ہو کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"کیا ہوا استاد۔" سخاوت خاں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"غائب۔" رفیق گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"کون؟"

"دونوں غائب، عورت ہے نہ اس کی اولاد۔ قبر میں کچھ نہیں ہے۔"

"واپس چلو رفیق بھائی۔ خدا کے لیے واپس چلو۔"

"ایک تو تم لوگوں نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے تم میں سے کسی کو ہی نہیں ہے۔"

"اتنی جلدی بھی نہیں مرنا رفیق بھائی! تمہیں خدا کا واسطہ ان آسیبی چکروں سے آؤ۔"

"آؤ قبر ٹھیک کرو۔" رفیق نے کہا۔

"بھاڑ میں ڈالو قبر کو گورکن خود ٹھیک کر لے گا، یار رفیق بھائی پتہ نہیں تمہیں کیا ہو ہے، کام تو ہم تمہارے لیے بہت سے کرتے رہے ہیں، مگر تم جن دھندوں میں پڑ گئے ہو قسم اللہ کی ٹھیک نہیں ہیں، کوئی بڑا نقصان اٹھا جاؤ گے۔"

رفیق نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ واپسی کے لیے چل پڑے۔ پھر راستے میں رفیق نے کہا۔ "کہتے تو تم لوگ ٹھیک ہی ہو، مگر اب ایک بات بتاؤ راج گندل کو ہم نے اپنے پیچھے لگا لیا ہے، راج گندل کے لیے کیا کیا جائے، تم جانتے ہو وہ سفلی علوم کا ماہر ہے، پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔"

"ہم تو خود پریشان ہیں رفیق بھائی۔"

"بس ایک بات تم سے کہہ دیتا ہوں دوستو! مجھے چھوڑ کر بھاگ نہ جانا، مجھے تمہاری ضرورت ہے، صرف تم لوگ ہی میرے راز دار ہو، دل کی ہر بات تم سے کہہ سکتا ہوں کیونکہ تم تمام صورت حال سے واقف ہو، جب تک کوئی حل نہ نکل آئے تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے۔"

"ہم لوگوں نے ہمیشہ تمہارا ساتھ دیا ہے رفیق بھائی! اب بھی نہیں بھاگیں گے ہے۔" سخاوت خان نے کہا۔

رفیق پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا، پھر بولا۔ "تم لوگ آرام کرو میں ذرا شاہینہ بیگم کے پاس ہو آؤں، ملازم ہوں ان کا۔ زیادہ دیر ان کے پاس سے غائب رہ بھی نہیں سکتا۔" رفیق اپنے ساتھیوں سے رخصت ہو کر حویلی کی جانب چل پڑا۔

❁ ❁ ❁

شاہینہ نے پھر خواب دیکھا تھا، اب تو ان خوابوں کی کیفیت ایسی ہو گئی تھی کہ رات دن کی کوئی تخصیص نہیں رہی تھی۔ بس بیٹھے بیٹھے آنکھوں میں خواب آ بستے تھے، کبھی کبھی تو

خواب بہت بھیانک ہوتے تھے اور ان کے خاتمے کے بعد شاہینہ شدید وحشت کا شکار ہو جاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ خواب دیکھ رہی تھی، اس کے سامنے دریا بہہ رہا تھا اور وہ دیکھ رہی تھی کہ اس دریا میں انسانی جسم بہہ رہے ہیں، چیختے چلاتے، پانی میں غوطے کھاتے، ان کے ہاتھ مدد کے لیے پانی سے باہر نکلتے اور پھر وہ ڈوب جاتے۔ وہ چیخ بھی رہے تھے لیکن شاہینہ کو ان کی آوازیں نہیں سنائی دے رہی تھیں، پھر اچانک اسے اپنے عقب میں ایک آہٹ سی سنائی دی اس نے پلٹ کر دیکھا تو اس سے چند گز کے فاصلے پر ایک مگرمچھ بہت بڑا منہ کھولے چھپکلی جیسے پیروں کے ساتھ چلتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا ہے۔ شاہینہ کے حلق سے چیخ نکل گئی اور اس چیخ سے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔

دوپہر کا وقت تھا، سورج ڈھلان کی طرف اتر چکا تھا، وہ کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے کے لیے لیٹی تھی اور چند لمحوں کے بعد نیند کی آغوش میں پہنچ گئی تھی۔ اس نیند کے عالم میں اس نے یہ خواب دیکھا تھا، ایسا خوفناک خواب تھا کہ اس کے پورے بدن کے مسامات پسینہ اگل رہے تھے۔ وہ جلدی سے اٹھ کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور ایک بار پھر اس کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا اور اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔

تھوڑے ہی فاصلے پر سادھو راج گندل خاموش بیٹھا ہوا اسے دیکھ رہا تھا، اس کی سرد آنکھوں میں عجیب سی کیفیت تھی، بالکل ویرانی نظر آ رہی تھی، شاہینہ نے اپنے آپ کو یقین دلانے کے لیے زور زور سے آنکھیں ملیں اور سادھو کو دیکھنے لگی۔

"مصیبت میں ڈال دیا ہے تو نے ہمیں، بڑی مصیبت میں ڈال دیا ہے، تیرا ستیاناس، اپنی مشکل تو حل کر لی تو نے اور ہم پڑ گئے مصیبت میں۔"

"جوگی مہاراج، گروجی گروجی۔"

"چولہے میں گئے جوگی مہاراج اور بھاڑ میں گئے گروجی، کیا مصیبت پڑ گئی ہے ہمارے سر؟ اب کیا بتائیں تجھے؟ چھوٹا سا تو تیرا دماغ ہے، تو اگر یہ سمجھتی ہے پاگل عورت کہ ہم نے تھوڑی سی دولت کے لیے تیرا کام کیا ہے تو یہ غلط ہے۔ دولت تو ہمارے پیروں کے نیچے ہے، کالی مائی کے داس ہیں ہم، دولت کی ہمارے لیے کوئی کمی نہیں ہوتی۔ پر ایک مسلمان لڑکی یا لڑکا ہمیں ایسا چاہیے تھا جس کی بلی دے کر ہم مہاشکتی حاصل کر لیں۔ کالے جادو کے کچھ اصول ہوتے ہیں، کچھ سیڑھیاں ہوتی ہیں، پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی اور پانچویں سیڑھی، جو پانچویں سیڑھی تک پہنچ جاتا ہے وہ مہاشکتی مان ہوتا ہے اور کالے سنسار میں دیوتاؤں کی طرح سمجھا جاتا ہے، اس کے لیے ہمیں کچھ کام کرنے تھے، خاص طور سے

وہ بچہ جو مسلمان ہوتا اور سنسار کو نہ دیکھتا۔ ایسے کسی پوتر خون کو شیطان کی بھینٹ دے کر ہم مہاشکتی مان بن سکتے تھے اور اس کے لیے ہم نے جو قدم اٹھایا تھا وہ پہلا اور آخری قدم تھا۔ مہا سابلی بس ایک بار موقع دیتے ہیں، ہمیں وہ بچہ چاہیے جو اس ماں کی آغوش میں جنم لے، جو سنسار کی نگاہوں سے دور ہو، سارا بندوبست کر لیا تھا ہم نے پر......''

ابھی جوگی یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ دروازے پر آہٹ ہوئی پھر رفیق کی آواز سنائی دی۔ ''بیگم جی میں اندر آ سکتا ہوں۔''

شاہینہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا تو پیچھے سے راج گندل بول پڑا۔ ''جاؤ نکمے آ جاؤ، سارے کام خراب کرنے میں تیرا بڑا ہاتھ ہے۔''

رفیق حیران حیران سا اندر داخل ہوا تھا۔ ''آپ جوگی مہاراج!''

''ہاں ہم، کچھ ہوا یا نہیں؟''

''دن رات کوششوں میں لگا ہوا ہوں سادھو مہاراج! مجھ سے قسم لے لیں۔ ایک لمحے کو سکون نہیں ملا ہے، ابھی قبرستان سے آ رہا ہوں، بڑی کوششیں کی ہیں میں نے۔ رات میں تو وہاں روحوں کا بسیرا ہوتا ہے، میں نے سوچا کہ دن کی روشنی میں ذرا وہاں کا جائزہ لوں، جائزہ لینے کے بعد آج میں نے ایک اور کارروائی کی، قبرستان کے گورکنوں کو دھوکے سے نشہ آور مٹھائی کھلائی اور اس کے بعد وہ قبر کھودی۔''

''تو پھر کیا ہوا۔'' راج گندل متجسس انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

''دوسری حیرت انگیز بات ہوئی مہاراج! پہلے جب میرے آدمیوں نے قبر کھولی تھی تو قبر میں عرشیہ بیگم اور ان کے برابر ایک نوزائیدہ بچی بھی موجود تھی۔ مگر ہم اسی وقت روشنی کی زد میں آ گئے تھے اور قبر اسی طرح کھلی چھوڑ کر بھاگ آئے تھے، بعد میں ہمیں اس قبر کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہاں کیا ہوا۔ بہرحال گورکن نے وہ قبر برابر کر دی تھی۔ آج پھر اسے کھول کر دیکھا تو قبر خالی تھی۔ اس میں کوئی نہیں تھا، عرشیہ بیگم اور نہ بچی۔''

''رفیق خدا تجھے غارت کر دے، کبھی کوئی اچھی خبر بھی سنائے گا؟'' شاہینہ بیگم نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''آپ جو بھی کہہ لیں بیگم صاحبہ! میں نے تو نمک کا حق ادا کرنے کی پوری پوری کوشش کی، مگر کیا کروں تقدیر نے ساتھ نہیں دیا۔''

راج گندل بھی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، اچانک ہی اس نے گردن اٹھائی اور بولا۔ ''سن تو نے گورکنوں کو بے ہوش کر دیا تھا؟''

''ہاں جوگی مہاراج۔''

''ایک کام کر، ان سے بھی معلومات حاصل کر، ہو سکتا ہے انہوں نے کسی وجہ سے اس عورت اور اس کی بچی کو باہر نکال لی ہو، معلومات کر، کچھ پتہ چل ہی جائے گا۔ ایک بات بتاؤ تم دونوں مجھے، اس سارے چکر کی کسی اور کو خبر تو نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے تم لوگوں نے کسی اور سے تو عرشیہ کے خلاف کوئی کام کرانے کی کوشش نہیں کی۔ تو بتا مجھے شاہینہ اور دیکھ، ایک بات کان کھول کر سن لینا، تم لوگ اگر مجھ سے کوئی جھوٹ بولو گے تو تمہارا جھوٹ مجھ سے کبھی چھپا نہیں رہ سکتا۔ صرف اپنی ہتھیلی میں دیکھ کر میں بتا سکتا ہوں کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔''

''ہاں مہاراج! آپ سے پہلے ہم نے ایک مسلمان عالم سے بات چیت کی تھی اور اس سے کہا تھا کہ وہ ہمارا کام کر دے، ہم نے دولت کی پیشکش بھی کی تھی اسے، مگر اس نے انکار کر دیا، کہنے لگا کہ وہ ایسا کوئی کام نہیں کر سکتا۔''

''مسلمان عالم، تو نے اسے تفصیل بتا دی تھی، مطلب یہ کہ اس عورت کے بارے میں کہ اس کے ہاں بچے کا جنم ہونے والا ہے اور تو نہیں چاہتی کہ ایسا ہو۔''

''جی گرو مہاراج۔''

''کیا وہ کوئی پہنچا ہوا عالم تھا؟''

''جی گرو مہاراج ان کے بارے میں بڑی بڑی باتیں سننے کو ملتی ہیں۔''

''بیڑہ غرق کرا دیا تو نے۔ ارے کم بختو مجھے پہلے ہی بتا دیتے۔ کون ہے وہ، کہاں رہتا ہے؟''

''ان کا پورا نام ادریس علی ہے اور یہاں سے تھوڑے فاصلے پر سبحان گلی میں رہتے ہیں وہ، وہاں پر ان کے بارے میں کسی سے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔''

''تمہارا ستیاناس، سارے راستے روک دیئے ہیں تم نے میرے، دیکھتا ہوں، ہو سکتا ہے یہ اسی کی کارروائی ہو اور سنو تم، تمہیں گورکن کے گھر والوں سے تفصیل معلوم کرنی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں انہیں زبان کھولنے پر مجبور کر دوں گا اور اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو آپ بے فکر رہیں، کچھ نہ کچھ کر کے ہی دم لوں گا۔'' رفیق نے کہا۔

راج گندل اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور پھر کسی سے کچھ کہے سنے بغیر آگے بڑھا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

❁ ❁ ❁

ادریس علی سچ مچ نیک انسان تھے۔ دین اور دنیا دونوں نبھا رہے تھے۔ قالین بنا
والے ایک کارخانے میں مزدوروں کے کھاتے لکھتے تھے۔ معمولی تنخواہ ملتی تھی دو بیٹیوں، ایک
بیٹے اور بیوی کے ساتھ قناعت سے زندگی گزار رہے تھے۔ وسائل بے پناہ تھے لیکن رزق
حلال کھانے کو فوقیت دیتے تھے، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے علم اور یقین واثق دیا تھا۔ اپنے
معمولات سے فارغ ہو کر اکثر گھر سے کچھ دور ایک برگد کے پرانے درخت کے نیچے بیٹھ
عبادت الٰہی کرتے یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

اس وقت بھی شام کا جھٹ پٹا پھیل رہا تھا اور ادریس علی درخت کے نیچے بیٹھے تس
پڑھ رہے تھے کہ انہوں نے دور سے کسی کو آتے ہوئے دیکھا۔ آنے والے کا رخ ان کی
طرف تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی کسی مشکل کا شکار ہو کر دعا تعویذ کے لیے ان کی طرف آ رہا ہو
اکثر لوگوں کو ان کے اس ٹھکانے کا علم تھا اور ضرورت مند اگر انہیں گھر پر نہ پاتے تو اس
طرف آ جاتے تھے، جب آنے والا کچھ اور قریب آیا تو ادریس علی کو تھوڑی سی حیرت ہوئی۔
یہ شخص گیروا لباس پہنے ہوئے تھا، آدھا بدن ننگا تھا۔ گلے میں جنیو پڑا ہوا تھا، بال
لمبے لمبے اور الجھے ہوئے تھے، ہاتھ میں ترشول تھا اور چہرہ خباثت کا آئینہ دار، بڑی بڑی
آنکھیں کبوتر کے خون کی طرح سرخ، کوئی ہندو سادھو تھا کاندھے سے کمنڈل لٹک رہا تھا۔
ایسی کوئی شخصیت اس سے پہلے ادریس علی کے پاس نہیں آئی تھی، اول تو ان علاقوں میں
اس طرح کے جوگی یا سادھو نظر ہی نہیں آتے تھے، نظر آتے بھی تھے تو کہیں اکا دکا اور محدود۔
آنے والا تھوڑی دیر کے بعد ادریس علی کے سامنے پہنچ گیا اور ان سے کوئی پندرہ فٹ
کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا، وہ خونی نگاہوں سے ادریس علی کو گھور رہا تھا۔ ادریس علی نے کچھ
پھونک کر گلے میں ڈالی اور اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”آؤ جوگی جی، ہم سے کوئی کام ہے؟
کہاں سے آئے ہو اور کیا چاہتے ہو۔ مناسب سمجھو تو بیٹھ جاؤ۔“
”میں بیٹھنے نہیں آیا میاں جی، راج گندل ہے میرا نام، کچھ معلومات کرنے آیا ہوں تم
سے۔“
”تمہاری مرضی ہے، معلومات اگر چاہو تو بیٹھ کر بھی کر سکتے ہو۔“
”بے کار باتوں میں سمے مت ضائع کرو، مجھے یہ بتاؤ کہ تم چوہدری شاہنواز کی دھرم
پتنی شاہینہ کے لیے کیا کر رہے ہو؟“
”میں کیا اور میری اوقات کیا راج گندل! تم مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا چکر چلایا ہوا ہے۔
ایک شادی شدہ عورت جو بچے کی ماں بننے والی تھی تم نے اسے دربدر کر دیا اور اب تم

پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہو۔“
”دیکھو میاں جی! منش اپنے لیے شکتی چاہتا ہے، میرا تمہارا آمنا سامنا آج تک نہیں
ہوا۔ ویسے بھی ہمارے علاقے الگ الگ ہیں۔ کبھی ہمیں ایک دوسرے کے سامنے آنے کی
ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ میں تمہیں ایک پیشکش کرنے آیا ہوں، پیشکش یہ ہے کہ عورت
بھاڑ میں جائے میری طرف سے، اس کے ہاں پیدا ہونے والی بچی مجھے چاہیے، میں مہا کالی
کو اس کی بلی دینا چاہتا ہوں اور ایک ایسی بچی جو ایک مسلمان کے گھر پیدا ہوئی ہو اور ہر
برائی سے پاک ہو، جب پہلی بار اپنے دھرم کے مطابق نام لے گی تو اس کی بلی مجھے مہا شکتی
مان بنا دے گی، تم نے بیچ میں ٹانگ اڑائی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم اپنے علم کے زور سے
اس قبرستان میں بہت کچھ کر رہے ہو۔ میں تمہیں ایک چتاؤنی دینا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے
میرا راستہ کاٹا اور بچی کو مجھ تک نہ پہنچنے دیا تو اس کے بعد میری تمہاری جنگ شروع ہو جائے
گی اور میں تمہیں بتا دوں کہ میں مہا یوگی ہوں، اپنے بال بچے کھو بیٹھو گے اس لڑائی میں اور
کچھ نہ ہوگا۔ میرے راستے سے خاموشی سے ہٹ جاؤ، بچی میرے حوالے کر دو جھگڑا ختم ہو
جائے گا۔“

ادریس علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ان کا چہرہ بے حد پرسکون تھا انہوں
نے کہا۔ ”جوگی جی! تم اپنا عمل پورا کرنے کے لیے مجھ سے بچی کی بھیک مانگنے کیوں آ گئے۔
تم تو شکتی مان ہو، طاقت والے ہو، میں کیا اور میری اوقات کیا۔ بچی کو خود حاصل کر لو۔
دوسری بات تمہیں معلوم ہے ہمارا دھرم کیا ہے۔ مسلمان ہیں ہم لوگ اور ایک مسلمان،
مسلمان کی حفاظت کے لیے اپنی ساری کائنات قربان کر سکتا ہے۔ بیوی بچے کیا حیثیت
رکھتے ہیں، ہمارا ایمان ہے جوگی جی کہ جو کچھ عطاء کرتا ہے، اللہ عطاء کرتا ہے، ہم تو اس کی
امانتوں کو سنبھالنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ ان امانتوں کو رشتوں کا نام ملا ہے، ماں باپ،
شوہر، بیوی بہن، بھائی، بچے، بس ذمہ داریاں پوری کرنا ہوتی ہیں، حکم یہی ہے۔ جہاں تک
مسلمان بچی یا عورت کا تعلق ہے، اگر تم یہ جانتے ہو کہ ہم اس سلسلے میں کچھ کر رہے ہیں تو
جوگی مہاراج یہ ہمارا فرض ہے جو ہم پورا کر رہے ہیں۔ کیا سمجھے؟ چھوڑ دو خیال اس بات کا
کہ بچی تمہیں ملے گی یا تم اس عورت کو نقصان پہنچا سکتے ہو، تم نے اپنے طور پر جو کارروائی
کی اس کا توڑ ہو گیا، اب دوڑ جاؤ اور اچھا یہی ہے کہ اس چکر میں مت پڑو، جہاں تک
چوہدری شاہنواز کی پہلی بیوی کا تعلق ہے، ہم اس کے لیے بھی دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ
اس کے دل میں ایمان ڈالے اور وہ برے راستوں سے واپس لوٹ آئے۔ تم بھی لوٹ جاؤ

جوگی مہاراج! ان تلوں میں تمہیں تیل نہیں ملے گا۔"

"دیکھو! ہمیں تمہارے بارے میں ابھی کچھ نہیں معلوم۔ اگر ضرورت مند ہو تو مانگو، مانگتے ہو اور اگر اس طرح نہیں مانو گے تو پھر تیار ہو جاؤ ہم تمہیں نشٹ بھشٹ کر دیں گے۔"

"اور کچھ؟" ادریس علی نے پوچھا۔

"ہاں یہ تھوڑی سی سوغات لے لو۔" راج گندل نے اپنے کمنڈل کو سامنے کیا اس میں ہاتھ ڈالا۔ مٹھی بھری اور ادریس علی کی طرف اچھال دی۔ یہ چھوٹے چھوٹے ایک بالشت بھر کے سانپ تھے، جن کی تعداد بیس پچیس کے قریب ہوگی۔ راج گندل، کمنڈل میں ہاتھ ڈال ڈال کر سانپ پھینکتا رہا بہت ہی خوفناک اور زہریلے سانپ تھے۔ گو ان کی لمبائی زیادہ نہیں تھی، لیکن وہ ادریس علی کے سامنے پھن کاڑھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

ادریس علی نے مسکراتی نگاہوں سے راج گندل کو دیکھا اور بولے۔ "ارے یہ رک کیوں گئے انہیں تو فوراً مجھ پر حملہ کرنا چاہیے تھا، میرے پورے بدن سے چمٹ جانا چاہیے تھا۔"

"ابھی ہم نے انہیں حکم نہیں دیا ہے ادریس علی! ہمارے ایک اشارے پر یہ سب تمہارے بدن سے چمٹ جائیں گے اور تم پانی بن کر بہہ جاؤ گے، ہم ایسا نہیں چاہتے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہم سے تعاون کرو تمہیں ختم کرنا ہماری خوشی نہیں ہے، یہ محض ایک نمونہ تھا۔"

"یہ نمونہ تو میرے لیے بے کار رہا۔ میں ڈرا ہی نہیں، اب تم دوسرا نمونہ دکھاؤ۔" ادریس علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

راج گندل خونی نگاہوں سے انہیں گھورنے لگا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور سانپ واپس پلٹنے لگے ادریس علی خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد سانپ راج گندل کے پیچھے جا کر غائب ہو گئے تو راج گندل نے کہا۔ "تو تم نہیں مانو گے۔"

"بے وقوف ہے تو، اب چلا جا ہمارے غصے کو آواز نہ دے، ہمیں عام طور سے غصہ نہیں آتا۔"

"ٹھیک ہے دوسری ملاقات دوسرے طریقے سے ہو گی۔" راج گندل بولا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہ سے اوجھل ہو گیا۔

عقب سے آواز سنائی دی۔ "آپ حکم دیجیے بابا صاحب، کچھ کروں اس کے لیے؟"

"نہیں عالی جاہ! ابھی نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارا محافظ ہے، جب تک اس کا حکم ہے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"جی بابا صاحب! وہ عورت قبر سے نکل کر ڈاکٹر حارث کی حویلی میں پہنچ چکی ہے۔

اچھے لوگ ہیں، گورکن کا بیٹا ساری صورت حال سے واقف ہو چکا ہے۔ بچی گورکن ہی کے ہاں پل رہی ہے۔ بابا صاحب! آپ کو حیرت ہو گی کہ وہ مجھ سے بہت پیار کرنے لگی ہے۔ میں اس کے سامنے ظاہر ہو گیا ہوں اور اس کے اندر بڑی محبت پاتا ہوں، مجھے بھی اس سے محبت ہو گئی ہے۔"

"اس کا خیال رکھنا عالی جاہ!"

"بابا صاحب آپ یہ فرمائیے کہ بچی کی ماں کے لیے میں کیا کروں؟"

"اگر تم سمجھتے ہو کہ وہ محفوظ ہاتھوں میں ہے تو اسے وہیں رہنے دو۔ اگر وہ چوہدری شاہنواز کے پاس دوبارہ پہنچ گئی تو شاہینہ اس کے خلاف پھر سازشیں کرے گی اور کہیں اس کی کوئی سازش عرشیہ بیگم کے خلاف کامیاب نہ ہو جائے، جاؤ دونوں کا خیال رکھو۔"

"جو حکم۔" آواز ابھری اور اس کے بعد معدوم ہو گئی، ادریس علی نے گلے سے تسبیح اتار کر دوبارہ ورد شروع کر دیا تھا۔

❀ ❀ ❀

منیزہ کی تو جیسے عید ہو گئی تھی۔ شینا ہوتی تھی اور وہ۔ بچی تھی بھی بہت خوبصورت اور خوش مزاج۔ ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ سادہ لوح لوگ تھے بہت سی باتوں کو اپنی سادگی کی وجہ سے نظر انداز کر دیتے تھے۔ شینا کے قیمتی لباس، بچوں کی ضرورت کی دوسری قیمتی چیزیں جنہیں خریدنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ سب کہاں سے آیا یہ معمہ آج تک حل نہیں ہو سکا تھا۔ لیکن انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا۔ شینا کے لیے مہنگا دودھ جو آج تک استعمال کے باوجود ختم نہیں ہوا تھا۔ منیزہ جب بھی ڈبہ کھولتی حیران رہ جاتی، دن بھر استعمال کے باوجود دودھ ختم ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح کی دوسری باتیں۔ البتہ ایک دو بار جیراں نے تشویش بھری نظروں سے منیزہ کو دیکھا۔

اس وقت بھی منیزہ بڑی محویت سے شینا کا لباس تبدیل کرا رہی تھی۔ باہر سے گلاب خاں کی آواز ابھری۔ "جیراں...... میری بیڑی ماچس تو دے جا۔"

جیراں دونوں چیزیں لے کر باہر آ گئی۔ وہ گلاب خاں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے؟ کچھ چپ چپ ہے۔" گلاب خاں نے ایک بیڑی نکال کر ہونٹوں سے لگا لی۔

"ایک بات پر پریشان ہوں۔"

"کون سی بات۔" گلاب خاں نے ماچس نکال کر بیڑی سلگا لی۔

"گلاب خاں! منیزہ کو دیکھ رہے ہو۔"

"کہاں ہے۔ ابھی تو اندر تھی۔"

"میرا مطلب ہے بچی کو اس نے کس طرح جان سے لگا رکھا ہے۔"

"اللہ اجر دے گا۔ بڑی محنت سے پال رہی ہے اسے۔"

"میں کچھ اور سوچ رہی ہوں گلاب خاں۔"

"کیا؟"

"لوگ اس بچی کے بارے میں پوچھیں گے تو ہم کیا بتائیں گے اور اگر بتائیں گے تو کون یقین کرے گا۔"

"ارے تو بتانے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔"

"اوں ہونہہ۔ عقل سے سوچو گلاب خاں بولتے کی زبان کون پکڑے گا۔ لوگ منیزہ کو شک کی نظروں سے دیکھیں گے۔ ہماری عمریں بھی اب ایسی نہیں ہیں کہ ہم کسی سے یہ کہہ سکیں کہ یہ ہماری اولاد ہے۔ منیزہ جس طرح اس کی خدمت کر رہی ہے اور بچی جس طرح اس سے ہلی ہوئی ہے اسے دیکھ کر لوگ نہ جانے کیا کیا سوچ سکتے ہیں۔ اس پر کوئی الزام لگ گیا تو بیٹھی رہ جائے گی گھر میں۔ دنیا کی زبان ویسے ہی کافی لمبی ہوتی ہے، میری بات سمجھ رہے ہو نا۔"

"جیراں! تو بھی بڑی آفت کی پرکالہ ہے، نہ جانے کہاں کہاں سے سوچ کر لائی ہے۔" گلاب خاں نے بیڑی کے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے کہا۔

"دنیا کو تم بھی جانتے ہو گلاب خاں میں بھی جانتی ہوں، اللہ بچی کو عزت سے گھر سے رخصت کر دے۔ مولا کسی دل والے کو بھیج دے ہمارے گھر تا کہ ہمارا فرض پورا ہو جائے۔ گلاب خاں! دنیا لگتی کہہ رہی ہوں، ایسی باتوں کا خیال تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

گلاب خاں نے جلدی جلدی بیڑی کے کئی کش لیے، اس کے چہرے پر بھی الجھن کے آثار تھے اس نے کہا۔ "بہرحال سوچا تو تو نے ٹھیک ہے، بات میری بھی سمجھ میں آتی ہے مگر کریں کیا؟"

"کچھ بھی کرو گلاب خاں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔"

"بچی کو تھانے پہنچا دوں؟"

"کیا کہہ کر پہنچاؤ گے۔ اصل کہانی سناؤ گے تو بند کر دیں گے تمہیں تھانے میں، تھانے والوں کو جانتے نہیں ہو، وہ کس کی بات سچ کہاں مانتے ہیں۔ تم سے ہی پوچھیں گے کہ

کہاں سے اغوا کر کے لائے ہو۔"

"ہاں یہ تو ہے، پھر ایک کام کرتا ہوں، مسجد کی سیڑھیوں میں رکھ آتا ہوں، کپڑے میں لپیٹ کے، نمازی دیکھیں گے تو خود ہی اٹھا کر لے جائیں گے۔"

جیراں سوچ میں ڈوب گئی، پھر بولی۔ "حالانکہ دل یہ بھی گوارا نہیں کرتا، بچی جن ہاتھوں میں بھی جائے گی شک ہی کا شکار رہے گی۔ لوگ سوچیں گے کہ کسی کا گناہ ہے، ساری زندگی داغدار ہو جائے گی اس کی۔ اب ہم کس سے کہنے جائیں گے کہ بھیا ہم اس کی ماں کو بھی جانتے ہیں اور یہ قبر میں پیدا ہوئی تھی۔"

"تو پھر بتا بابا اور کیا کر سکتا ہوں میں؟"

"وہی میں بھی سوچ رہی ہوں، مگر اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی تو نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ بچی سے اب جدا ہونے کو ذرا بھی دل نہیں چاہتا، پر اپنی اولاد کو بھی دیکھنا ہے ایک تو منیزہ نے اس طرح اسے دل سے لگا لیا ہے کہ دیکھ کر ہی یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ اس سے جدا ہو گئی تو اس کا کیا ہوگا، مگر گلاب خاں میری سوچ غلط نہیں ہے، ہم کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پڑ جائیں گے۔"

"تب پھر یہی کرتا ہوں، تو اسے کپڑوں میں لپیٹ دینا، میں رات کو تین بجے اسے مسجد کی سیڑھیوں پر رکھ آؤں گا۔ اللہ کی مرضی۔"

"ایسا ہی کرنا۔" جیراں نے گلاب خاں سے اتفاق کر لیا۔

منیزہ ان دونوں کی گفتگو سے بے خبر تھی۔

رات کو جب منیزہ گہری نیند سو گئی تو گلاب خاں نے خاموشی سے بچی کو اس کے پاس سے اٹھا لیا۔ جیراں نے پہلے سے تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ بچی کو اس طرح کپڑے میں لپیٹ دیا گیا کہ سردی سے بھی بچاؤ رہے اور اس کی آنکھوں میں دھول مٹی نہ پڑے۔ رات کو تین بجے گلاب خاں اسے لے جا کر تھوڑے فاصلے پر بنی مسجد کی سیڑھیوں پر رکھ آیا۔ بچی خاموش نگاہوں سے گلاب خاں کا جائزہ لے رہی تھی اور گلاب خاں کو جیسے ایک مدھم سی آواز اپنے کانوں میں گونجتی محسوس ہو رہی تھی، نازک معصوم نوخیز آواز۔

"تم نے اپنی قسمت پر بلا وجہ تالا لگا لیا ہے بابا گلاب خاں، تمہاری تقدیر کے ستارے تو کھلنے والے تھے، لیکن شاید تمہاری تقدیر میں یہ سرخ روئی تھی ہی نہیں۔"

❀ ❀ ❀

"تیرا ستیاناس، مردار، مسٹنڈی، ہتھیاڑی، پھول پھول کر کپا ہوئی جا رہی ہے، ابا ہیں

کہ بس تندور میں روٹیاں لگاتے رہتے ہیں، جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے، ہاتھ پاؤں
ہلانے میں جان جاتی ہے ارے میں کہتی ہوں مرے گی کہ نہیں، اینٹھ رہی ہے صبح سے بستر
ابھی سب کی سب جاگیں گی اور میری جان کو ریں ریں پیں پیں لگا دیں گی، اماں
کھانے کو دو، کھانے کو دوں گی زہر، آٹے کی چٹکی بھی نہیں ہے گھر میں۔ ارے پڑی پڑی
سنے جا رہی ہے، میں کتے کی طرح بھونک رہی ہوں اٹھتی ہے یا دوں کمر پر لات۔" رشیدہ
بیگم نے ایک ہی سانس میں دل کی پوری بھڑاس نکال ڈالی اور نوری انگڑائی لیتی ہوئی اٹھ
بیٹھ گئی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنا شروع کر دیں اور بڑے پرسکون لہجے میں
کہا۔ "صبح ہو گئی اماں!"

"صبح ہو گئی اماں، اری موت پڑی سورج آدھا سفر طے کر چکا ہے اور تو صبح کو رو رہی
ہے۔ اٹھ جا، آٹا پیسنا ہے، گیہوں چکی کے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ جلدی کر، میں چولہا
جھونک لوں، گیلی لکڑیاں لا کر مار دی ہیں میرے سر پر۔ ایسے مردوں کو تو اس دنیا میں آنا
نہیں چاہیے تھا اور آ بھی مرے تھے تو میرے ہی سر پر مصیبت آئی تھی، کہیں اور چلے جاتے
سہرا لٹکا کر۔ کالک لگے ان کے منہ پر جو موئے میرے ہی گھر آ کر مرے تھے بر کی تلاش
میں اور ستیاناس جائے ان کا جنہوں نے آنکھیں بند کر کے اس بھٹیارے کو میرے پلو
باندھ دیا۔ یہ کہہ کر کہ لڑکے کا اپنا ہوٹل ہے، خاک پڑے ایسے ہوٹل پر جو دو وقت کی روٹی
نہیں مہیا کر سکتا۔ بیٹیاں ہیں کہ جنگلی بیل کی طرح بڑھی چلی جا رہی ہیں، بڑھی چلی جا رہی
ہیں اور گھر میں ہیں اناج کے وہی چند دانے۔ پیٹ میں ہے تو تن پر نہیں اور تن پر ہے تو
پیٹ کے لالے پڑے ہیں۔" رشیدہ بکتی جھکتی رہی اور اس کے بعد آگے بڑھ کر باورچی
خانے میں گھس گئی۔ لکڑیاں دھواں دے رہی تھیں اس نے انہیں چولہے سے نکال کر باہر
پھینک دیا۔

"خاک پڑے ان بھیگی لکڑیوں پر، کمبخت جل کر ہی نہیں دیتیں۔"

نوری بڑے اطمینان سے باہر جا کر ہاتھ منہ دھونے لگی۔ پھر اٹھ کر بالوں میں کنگھی
کی۔ آئینے میں خود کو دیکھا اور اطمینان سے گردن ہلا کر کونے میں رکھی ہوئی آٹا پیسنے کی چکی
کی طرف بڑھ گئی۔ چکی کے پاس پڑی پیڑھی پر بیٹھ کر اس نے کولے ڈالنے شروع کر دیے
اور چکی کی مدھر آواز گھر میں گونجنے لگی۔

رشیدہ کی ساری چیخ و پکار اس گھر کے تمام لوگوں پر بے اثر تھی، بلکہ اس کی ڈانٹ

ڈپٹ گھر میں موجود لوگوں کو یہ پتہ دیتی کہ صبح ہو گئی ہے اور جس دن یہ تقریر نہ ہوتی اس دن
صبح ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ چکی کے دونوں پاٹ گنگناتے رہے اور نوری کی چوڑیاں
بجتی رہیں۔ سفید سفید آٹا پیتل کی پرات میں جمع ہو رہا تھا۔

باہر سے خیر محمد کی آواز سنائی دی۔ "کیا ہو رہا ہے یہ؟ کیا کر رہے ہو سب کے سب
نوری! حمیدہ! کہاں ہو تم سب؟" باپ کی آواز سن کر لڑکیاں سب کی سب جاگ گئیں، ماں
کی آواز تو جیسے لوری تھی ان کے لیے، آنکھیں اور چپک جاتی تھیں، اس کی آواز سن کر اور
دل چاہتا تھا کہ انہی مدھر لوریوں کے درمیان اور سویا جائے۔

خیر محمد کا رویہ بیٹیوں کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ وہ اپنی بچیوں کے ساتھ بڑی محبت سے
پیش آتا تھا۔ اس نے انہیں کبھی ڈانٹا ڈپٹا نہیں تھا، بیٹیوں کے دل میں باپ کی محبت تو تھی
ہی، لیکن اس کا احترام بھی بہت زیادہ تھا۔

خیر محمد اندر آ گیا۔ ساری بچیاں جلدی جلدی چارپائیوں سے اٹھ گئی تھیں اور صحن میں آ
گئی تھیں۔ خیر محمد کی گود میں آج انہوں نے ایک عجیب سی چیز دیکھی وہ جب بھی کبھی پڑوس
کی بستی جاتا تھا بچیوں کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر آتا تھا اور عام طور سے سامان کی گٹھری اس
کے کندھے پر ہوا کرتی تھی، لیکن آج وہ اس گٹھری کو اس طرح گود میں اٹھائے ہوئے تھا
جیسے کسی معصوم بچے کو اٹھایا جاتا ہے۔

حمیدہ آگے بڑھی اور بولی۔ "لاؤ ابا جی سامان مجھے دے دو۔"

خیر محمد مسکرا دیا پھر بولا۔ "آج کچھ اور ہی سامان لایا ہوں میں تمہارے لیے لو دیکھو۔"

اس نے کپڑوں کی وہ ننھی سی گٹھری آگے بڑھا دی اور ایک سفید کومل خوبصورت سا ننھا
سا ہاتھ گٹھری سے باہر نکل آیا۔ حمیدہ تو ایک دم ڈر کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ لیکن کنیز نے آگے
بڑھ کر جلدی سے وہ گٹھری خیر محمد کے ہاتھ سے لے لی۔ تھوڑا سا کپڑا دور ہٹا تو کنیز کی آواز
سنائی دی۔ "ہائے میں مر جاؤں، ذرا دیکھنا حمیدہ، یہ تو کوئی ننھا سا بچہ ہے۔"

"ہیں۔" لڑکیوں کی آوازیں ابھریں اور سب کی سب کنیز پر جھک گئیں۔

"انتہائی حسین ننھی سی بچی انہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں معصومیت
تھی، محبت تھی، پیار تھا، لیکن جس عمر کی وہ تھی آنکھوں کی کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی۔
یوں لگتا تھا جیسے یہ آنکھیں ان سب سے مخاطب ہوں ان سے کچھ کہہ رہی ہوں، کنیز نے بچی
کو سینے سے لگا لیا۔

"ابا جی یہ بچہ کہاں سے آیا، کس کی اولاد ہے یہ۔"

"کسی کی بیٹی ہے، بس یوں سمجھ لو اللہ نے تم سب کی تعداد میں ایک اور اضافہ کر دیا ہے۔" رشیدہ نے شوہر کی آواز تو سن لی تھی، لیکن لکڑیاں دھواں دے رہی تھیں اور اس کی آنکھوں میں مرچیں لگی ہوئی تھیں، چنانچہ اس نے کان ان کی طرف نہ رکھے اور لکڑیوں کو کوسنے اور ان سے سوکھی لکڑیاں چننے میں مصروف رہی۔ جب لکڑیوں نے آگ پکڑ لی تو اس نے چائے کے لیے پانی چڑھا دیا اور باورچی خانے سے باہر نکل آئی۔

آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا، خیر محمد پر نگاہ پڑی تو بھنا کر بولی۔ "آنکھوں کا کوئی خیراتی ہسپتال ہو تو مجھے وہاں پھینکوا دو، اندھا ہونے میں بس تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔ آرزو پوری ہو جائے گی۔ یہ گیلی لکڑیاں اسی لیے تو لائی جاتی ہیں۔ سب جانتی ہوں بیٹیاں پیدا کرنے کی سزا دی جاتی ہے مجھے۔ لکڑیاں جیسی بھی ہوں جلاؤ۔ دکان میں آٹے کی بوریاں بھری ہوئی ہیں مگر گھر کا آٹا خود پیسو۔ یہ نہ کرو، وہ نہ کرو۔"

"ارے ارے خدا کی بندی۔ دوسری بستی سے آیا ہوں، دعا نہ سلام شروع ہو گئیں۔"

"تو ختم کر دو۔ شروع نہ ہوؤں تو کیا کروں۔"

"اماں دیکھو تو کتنی پیاری ہے۔" کنیز نے ماں کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے خیال سے بچی کو سامنے کر دیا اور تب رشیدہ نے کنیز کی گود میں موجود بچی کو دیکھا۔

"کیا ہے، کوئی کھلونا لائے ہیں ابا تمہارے لیے۔"

"کھلونا تو ہے اماں۔ مگر زندہ کھلونا ہے۔" کنیز کچھ اور قریب آ گئی۔ اور رشیدہ نے غور سے بچی کو دیکھا، پہلے وہ واقعی یہی سمجھی تھی کہ وہ کوئی گڑیا ہے، لیکن اس نے بچی کو پلکیں جھپکتے اور ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔

"کون ہے یہ کہاں سے آ گئی؟"

"میں بتاتا ہوں رشیدہ، بات کرنے کا تو تم نے موقع ہی نہیں دیا۔" خیر محمد نے کہا اور رشیدہ نے نگاہیں گھما کر خیر محمد کو دیکھا۔

"تم لائے ہو اسے؟"

"وہی بتانے جا رہا ہوں، پلی بستی سے آ رہا تھا۔ رات کا وقت تھا، مسجد کے سامنے سے گزرا تو ایک سیڑھی پر اسے کلبلاتے ہوئے دیکھا اور جب اس کی شکل دیکھی تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ تجھے شاید یقین نہ آئے رشیدہ، ایک ننھی سی معصوم سی آواز میرے کانوں میں ابھری جو کہہ رہی تھی کہ ماما جی مجھے لے چلو، یہاں مجھے کتے کھسوٹ ڈالیں گے۔ ابھی تو وہ کونے کھدروں میں سو رہے ہیں۔ جاگیں گے تو میری طرف دوڑ پڑیں گے۔ میں نے

حیرت سے چاروں طرف دیکھا کہ آواز کس کی ہے، بچی میری طرف پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسا دل بے اختیار ہوا کہ میں نے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ آواز کے بارے میں یہی سوچا میں نے کہ ہو سکتا ہے یہ میرے اپنے اندر کا خیال ہو، بس رشیدہ...... دل نے کہا کہ اسے لے چلو اور میں اسے اٹھا لایا۔"

"لو اور سن لو، خود بھی مرے اور ہمیں بھی مروا دیا، اب کیا کرو گے؟"

"معلومات کروں گا اس کے بارے میں، ابھی اسے یہاں رکھو، جمعہ کے دن مسجد میں اعلان کراؤں گا اور کہوں گا کہ بھائی جس کی بچی ہو لے لو اور اگر کوئی نہ ملا تو......"

"ہاں تو......" رشیدہ غصے سے بولی۔

"اری جہاں چھ ہیں وہاں سات ہو جائیں گی، کون سی مصیبت آ جائے گی، اللہ بھلا کرے گا ہمارا۔"

☆

گلاب خاں خود بھی غمزدہ تھا، بچی نے اس تھوڑے سے عرصے میں سب کے دلوں میں جگہ بنا لی تھی۔ وہ ہنستی مسکراتی رہتی تھی۔ کچھ انجانی باتیں بھی ہوتی تھیں لیکن یہ سادہ لوحوں کا گھر تھا۔ ان پر بہت زیادہ غور نہیں کیا گیا۔ منیزہ بہت دلبرداشتہ تھی لیکن گلاب خاں جب بھی غور کرتا اپنے آپ کو مطمئن کر لیتا۔ اس نے بیوی اور بیٹی کو بھی سمجھاتے ہوئے کہا۔

”دیکھو تم لوگ مجھے زیادہ پریشان مت کرو، میں بوڑھا اور کمزور آدمی ہوں۔ یہ سارا معاملہ غیر معمولی تھا۔ رات کو بارہ بجے کے بعد وہ لوگ میت لے کر آئے اور مجھے مجبور کر کے اسے دفن کرا دیا۔ پھر شہباز کی باتیں تم لوگوں نے سن ہی لیں کہ کس طرح کچھ لوگوں نے قبر کھودی، میں جانتا ہوں کہ وہ میت نکالنے ہی آئے تھے، اور پھر بچی بات یہ ہے کہ پرکھوں سے کبھی ایسی کوئی بات نہیں سنی کہ قبر کے اندر کسی بچی کی ولادت ہوئی ہو۔ پھر آگے چل کر تم نے خود دیکھ لیا کیسی چڑھائی ہوئی ہمارے اوپر، دیکھو جیراں اور منیزہ تمہارا بھائی شہر میں پڑھ رہا ہے، کیا ہم میں سے کوئی کسی کی دشمنی مول لینے کے قابل ہے۔ تم خود سوچو اگر وہ لوگ سارا الزام ہم پر لگا دیتے یا بچی ہمارے ہاں سے دستیاب ہو جاتی تو بتاؤ کیا کرتے ہم لوگ۔ شہباز کو بھی جانی نقصان پہنچ سکتا تھا، جو کچھ ہوا ہے ٹھیک ہوا ہے۔ اب تم لوگ مجھے برا بھلا نہ کہو، کوئی لے گیا ہے اس بچی کو۔ دعا دے سکتے ہیں ہم کہ اللہ اسے زندہ سلامت رکھے، وہ جہاں بھی رہے خوش رہے۔ ہم قبر کھودنے والے دو کوڑی کے لوگ بھلا اس کی کیا خدمت کر سکتے تھے۔“

یہ باتیں صرف جیراں اور منیزہ کو سمجھانے کے لیے تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خود گلاب خاں بھی بچی کے لیے افسردہ تھا لیکن پیش آنے والے حالات سے خوفزدہ اور پریشان، جبکہ عورتیں اس کی طرح نہیں سوچ رہی تھیں۔

❀ ❀ ❀

ڈاکٹر حارث بہت ہی اچھی حیثیت کے انسان تھے، بیوی کا انتقال ہو چکا تھا، بچے

تعلیم حاصل کرنے کے بعد خود مختار ہو گئے تھے۔ دو بیٹوں اور ایک بیٹی کی شادی کر دی تھی اور سب کے سب ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ بچوں نے انتہائی کوشش کی تھی کہ باپ بھی ان کے ساتھ زندگی گزارے لیکن ڈاکٹر حارث وطن پرست تھے۔ انہوں نے سب سے کہا کہ دیکھو میں پردیس میں بے کار زندگی نہیں گزار رہا۔ میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میری بھرپور خدمت کر سکتے ہو، لیکن تم لوگ یقین کرو کہ میری کاوشوں سے اگر کچھ لوگوں کو صحت اور زندگی مل گئی تو میں سمجھتا ہوں میری عاقبت سنور جائے گی۔ انسان اپنا فرض ادا کرتا رہے تو زندگی کا قرض ادا ہوتا رہتا ہے، مجھے یہاں رہنے دو تھک جاؤں گا تو تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ چنانچہ ڈاکٹر حارث اپنی خوبصورت کوٹھی میں تنہا زندگی گزار رہے تھے، نوکر چاکر بے شک تھے لیکن نوکر، نوکر ہی ہوتے ہیں۔ البتہ آج کل ایک بہت ہی دلچسپ مشغلہ ان کے ہاتھ آ گیا تھا۔ شہباز اور اقبال نے جس نئی کہانی کا آغاز کر دیا تھا، اب ڈاکٹر حارث اس میں پوری دلچسپی لے رہے تھے۔ اس عورت کو کوئی نام نہیں دیا جا سکا تھا، جسے شہباز اور اقبال قبر سے نکال کر لائے تھے۔ ڈاکٹر حارث نے ہر طرح کے ٹیسٹ کرا لیے تھے، وہ بالکل نارمل تھی سوائے ذہنی عدم توازن کے اور یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی کہ ایک غیر فطری عمل بے شک ہوا تھا، جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی تھی، لیکن وہ عورت بالکل ٹھیک تھی۔ دماغی توازن کے بگڑنے کی وجوہات بھی مختلف ٹیسٹ سے نمایاں ہو گئی تھیں۔ سات آٹھ دن تک بند قبر میں رہ کر آکسیجن کی عدم فراہمی نے اس کے دماغی خلیوں کو منتشر کر دیا تھا، لیکن اس بات کی امید تھی کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد یہ کیفیت دور ہو جائے گی۔ پھر شاید وہ اپنی اصلیت بتا سکے۔

اس موضوع پر اقبال اور شہباز سے کئی بار گفتگو ہو چکی تھی، یہ بات بھی زیر بحث آئی تھی کہ عورت کی تصویر اخبار میں شائع کرا دی جائے یا اس کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے دی جائے لیکن اقبال نے خاص طور سے اس بات کی مخالفت کی تھی، اس نے کہا تھا۔ ”سر! جن حالات کے تحت اسے زندہ قبر میں دفن کیا گیا اور بعد میں جو حالات پیدا ہوئے وہ یقیناً معمولی نہیں ہیں اور ایسے غیر معمولی حالات میں اگر ہم اسے منظر عام پر لے آتے ہیں تو ہو سکتا ہے یہ اس کی زندگی کے لیے بھی خطرناک ہو، کیونکہ وہ لوگ با اثر تھے جنہوں نے اسے زندہ قبر میں اتار دیا تھا۔ سر وہ یہاں بھی یلغار کر سکتے ہیں، میری رائے ہے کہ اس کا دماغی توازن بہتر ہونے کا انتظار کیا جائے۔“

”اچھا تم ایک کام کرو شہباز! ہم لوگ اب اسے گھر منتقل کیے لیتے ہیں۔ یہاں

ہسپتال میں اس کا رہنا اب قطعی غیر ضروری ہے۔ وہ ایک تندرست لیکن کھوئے ہوئے ذہن کی مالک لڑکی ہے۔ ہم اسے گھر لے جاتے ہیں، وہاں اس کی بہتر دیکھ بھال کی جائے گی۔ اب تم اپنی بستی جاؤ اور اس بچی کو لے آؤ۔ ہوسکتا ہے اس بچی کو دیکھ کر اس کے ذہن میں کوئی تحریک پیدا ہو، میں انتظام کیے دیتا ہوں، تم چلے جاؤ اور بچی کو لے آؤ حفاظت اور احتیاط کے ساتھ، بلکہ اقبال! اگر تم چاہو تو تم بھی چلے جاؤ چونکہ معاملات غیر معمولی ہیں۔"

"جی سر! میں بھی یہی درخواست کرنا چاہتا تھا۔"

اقبال اور شہباز جب گھر پہنچے تو انہیں وہ تفصیل سننے کو ملی اور ان کے چہرے مایوسی سے لٹک گئے۔ شہباز نے باپ سے کہا۔ "ابا کم از کم مجھ سے مشورہ ہی کر لیتے آپ۔"

"ارے بابا تم رہتے ہو شہر میں۔ میرے ہاتھ پاؤں میں اب اتنی جان کہاں ہے کہ میں کسی کی دشمنی کا مقابلہ کرسکوں۔ اب اس بات کو دماغ سے نکال دو۔ تم اپنا کام کرو مجھے اپنا کام کرنے دو، میں نے ٹھیک کیا یا غلط کیا۔ ارے واہ تم تو جیسے میری حفاظت کے لیے میرے کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے ہو۔" گلاب خاں نے ناخوشگواری سے بات کی اور شہباز کو واپس جانا پڑا۔

ڈاکٹر حارث نے اس اطلاع پر مایوسی سے ہونٹ سکوڑے تھے، پھر انہوں نے کہا۔

"خیر اللہ مالک ہے، جب انسان کی کاوشیں بے اثر ہو جاتی ہیں تو پھر اس کی نگاہ احکامات الٰہی کی طرف ہی اٹھ جاتی ہے، جو اللہ کا حکم۔"

اور اس کے بعد خاموشی اختیار کر لی گئی۔ البتہ عرشیہ بڑی مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔ بعض اوقات ماضی سے تعلق منقطع ہو جانے سے بھی بڑے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، خاص طور سے اس طرح کے حالات میں۔

❀ ❀ ❀

راج گندل سخت پریشان تھا۔ ہر علم کے کچھ مدارج ہوتے ہیں، وہ کالا علم آخری حد تک سیکھنا چاہتا تھا اور اس کے دل میں مہاشکتی مان بن جانے کی خواہش تھی اور اس کے لیے بھی جو عمل کرنے تھے وہ اپنی مخصوص نوعیت رکھتے تھے۔ یہ بات طے تھی کہ جب وہ اپنے عمل کا آغاز کر دے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اپنی غلاظت بھری زندگی میں اس نے بہت سے لوگوں سے ان کا ایمان چھینا تھا، لیکن اس میں بھی ایک نقطہ تھا، وہ ان لوگوں کو شیطانی شکنجے میں جکڑتا تھا جو خود اپنی ناپاک خواہشوں کی تکمیل کے لیے آگے بڑھ کر سفلی علوم کا سہارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ شاہینہ کے دل میں چونکہ فاسد خیالات تھے اور وہ

کسی بھی طریقے سے اپنی سوکن کو نقصان پہنچانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس نے راج گندل کے سامنے ہر طرح کے عمل کے لیے آمادگی ظاہر کر دی تھی اور نتیجے میں راج گندل نے اپنا تھوکا ہوا پانی اس کے وجود میں اتار دیا تھا اور اس کی روح داغدار ہوگئی تھی، لیکن یہ سب کچھ اس کی خواہش کے مطابق ہوا تھا، اس لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ البتہ راج گندل خود بھی اپنے پھینکے ہوئے جال میں پھنس گیا تھا اور اب بری طرح پریشان تھا کہ کیا کرے۔

اب کچھ نہیں ہوسکتا تھا سوائے اس کے کہ وہ بچی اسے مل جائے اور اسے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ بچی کو ایک بہت بڑے عالم کا تحفظ حاصل ہے، ادریس علی اس کی سفلی قوتوں کا مقابلہ کر سکتے تھے اور وہ اب اپنے مٹھ میں آ کر یہ سوچ رہا تھا کہ کیا کرے۔ اس کا ایک بہت ہی منہ چڑھا پجاری کندن لعل جو اس کے ہر اچھے برے کام میں شریک رہتا تھا، راج گندل کی بے چینی کو محسوس کر رہا تھا پھر اس نے پوچھ ہی ڈالا۔

"مہاراج! میں کیا اور میری اوقات کیا کہ آپ سے کوئی سوال کروں، پر آپ کا سیوک ہوں۔ آپ کی ہر اچھی بری باتوں کا شریک۔ پچھلے دنوں سے آپ کو پریشان دیکھ رہا ہوں اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اتنے مہان یوگی اور پریشان۔ آپ کے پاس تو سنسار کی پریشانیوں کا حل ہے، آپ خود کیوں پریشان ہیں؟"

راج گندل بھی دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا تھا، اس نے ساری تفصیل کندن لعل کو بتا دی اور بولا۔ "اب تو بتا کیا کروں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے مہاراج، وہ یہ کہ آپ اس عالم کو کسی بھی طرح مجبور کر دیں، اس سے ملیں اور اس سے کہیں کہ آپ کی کیا مجبوری ہے۔"

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ دوبارہ اس کے پاس جاؤں۔" اور راج گندل نے تیاریاں مکمل کر لیں۔

بڑے تحفے تحائف، سونے چاندی کے زیورات اور پھل پھول لے کر وہ ایک بار پھر ادریس علی کے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ بیل گاڑی میں اس نے تمام سامان لادا ہوا تھا اور خود یہ چھکڑا چلاتا ہوا ادریس علی کے دروازے پر پہنچا تھا۔ ادریس علی بال بچے دار آدمی تھے اور خود محنت مزدوری کر کے رزق حلال کماتے تھے۔ ان کا ایک بیٹا جس کی عمر نو دس سال تھی دروازہ کھولنے آیا تو راج گندل نے اسے غور سے دیکھا اور پھر ادریس علی کے بارے میں پوچھا۔ "بابا کہاں ہیں؟"

"ابا جی اندر ہیں، میں بھیجتا ہوں آپ کون ہیں۔"

"ان سے کہو کہ ان کا ایک متر ان سے ملنے آیا ہے۔" راج گندل نے کہا اور لڑکا اندر چلا گیا۔

راج گندل کی آنکھوں میں شیطانی چمک لہرا رہی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد ادریس علی باہر آ گئے اور انہوں نے راج گندل کو پہچان لیا۔ "تم؟"

"دیکھو میاں جی! کسی کی نیت پر شک کرنا بری بات ہے، میں دوستی کا ہاتھ بڑھانے آیا ہوں پہلے یہ تحفے تحائف اندر پہنچا دیں۔"

ادریس علی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔ "راج گندل ہے نا تمہارا نام۔ راج گندل ایسا کرو اپنی اس بیل گاڑی کو لے کر اس درخت کے پاس پہنچ جاؤ جہاں ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔"

"سامان تو گھر میں اتروا لو میاں جی!"

"نہیں راج گندل! تم آ جاؤ، اس کا فیصلہ وہیں چل کر کر لیں گے۔"

"تو آؤ گاڑی پر بیٹھ جاؤ۔" راج گندل نے کہا۔

"یہ بھی نہیں ہو سکتا، تم آ جاؤ میں تمہیں وہیں ملوں گا۔" ادریس علی نے کہا اور راج گندل کا انتظار کیے بغیر وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

راج گندل منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑایا تھا اور اس کے بعد بیلوں کو ہانکتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔ اسے وہ جگہ یاد تھی جہاں اس نے پہلی بار ادریس علی سے ملاقات کی تھی، بیل گاڑی دوڑاتا ہوا وہ جب اس جگہ پہنچا تو درخت کے نیچے اس نے ادریس علی کو بیٹھے ہوئے پایا تو اس کی تیوری پر بل پڑ گیا۔

"سو ہمیں پتہ ہے میاں جی! بہت کچھ ہے تمہارے پاس، لیکن راج گندل سے اٹک رہے ہو تم، یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہو گا۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا درخت کے پاس پہنچ گیا۔

ادریس علی سے بات چیت کرنے کے بجائے اس نے چالاکی سے کام لیا۔ بیل گاڑی سے ایک چادر نکال کر زمین پر پھیلائی اور اس پر اپنی لائی ہوئی چیزیں سجانے لگا ادریس علی مسکراتی نگاہوں سے اس کی یہ ساری کارروائیاں دیکھ رہے تھے۔ بلاشبہ راج گندل اتنی چیزیں لایا تھا کہ اگر کسی کو اس کی پیشکش کی جاتی تو اس کا ایمان ڈانواں ڈول ہونے لگتا۔

ادریس علی مسکراتی نگاہوں سے اس کی کارروائی دیکھتے رہے، راج گندل اپنے کام سے فارغ ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔

"یہ چھوٹی سی بھینٹ ہے میاں جی! ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کے لیے ان چیزوں کا حصول مشکل ہو گا، بس ہم دوستی کے طور پر یہ لائے ہیں، آپ انہیں سویکار کر لیں۔"

"کس خوشی میں راج گندل؟" ادریس علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس جی سودا ہے، خوشی کی بات ہے، دیکھو میاں جی ہمیں اس بات کی کوئی چنتا نہیں ہے کہ چوہدری شاہنواز کی بیوی کا کام ہوتا ہے یا نہیں۔ ہم مسلمانوں کی بستی سے ہٹ کر اپنا الگ ہی مٹھ بنائے ہوئے ہیں اور ہم نے کبھی کسی ایسے مسلمان کو نقصان نہیں پہنچایا جو ہمیں نقصان نہ پہنچانا چاہتا ہو۔ لوگوں کے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیا کرتے ہیں ہم اور دیکھ لو مہا کالی کی کرپا سے ہمارے پاس بہت کچھ ہے، پر ہم اپنے کچھ کام کرنا چاہتے ہیں۔ تم اس عورت کی رکھشا ضرور کرو جو چوہدری شاہنواز کی دوسری بیوی ہے، ہمیں بس وہ بچی دے دو، ہمارا کام ہو جائے گا۔ تم جانتے ہو کہ ماں باپ کا اس بچی سے کوئی سمبندھ نہیں ہے، وہ تو اس کی صورت بھی نہیں پہچانتے ہیں اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی کوئی بچی ہے بھی یا نہیں۔ دیکھو میاں جی ہم تم سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتے، تم اپنے کام کیے جاؤ، ہم اپنے کام کریں گے۔ بس اگر وہ بچی ہمیں نہ ملی میاں جی تو ہمارا بہت کام خراب ہو جائے گا، تم بال بچے دار آدمی ہو، اگر تم نے ہمیں مجبور کیا تو ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

"یہی بتانے تو دوبارہ میرے پاس آیا ہے بے وقوف آدمی! پہلے بھی میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے کسی کو نقصان پہنچائے اس وقت تک جب تک کہ خود اسے نقصان نہ پہنچنے والا ہو۔ ایک مسلمان بچی جسے اللہ تعالیٰ نے تیری شیطنت کے باوجود زندگی عطا فرمائی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اسے تیری ناپاک خواہشات کی بھینٹ چڑھا دوں اور پھر تو خود سوچ یہ بات نہ تیرے بس میں ہے نہ میرے بس میں۔ زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہوتی ہے، انسان اسے چھیننے کا گناہ کرتے ہیں، لیکن وہ محافظ اعلیٰ ہے۔ تو یہ اتنا جان لے کہ اسے اللہ تعالیٰ ہی نے بچایا ہے اور تو اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اب تک اسے حاصل نہیں کر سکا۔"

"مجھے لیکچر مت دو، مجھے سبق مت پڑھاؤ میاں جی! تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں اپنا کام کروں۔ جو کچھ میں تمہارے لیے لایا ہوں اسے سویکار کر لو اور مجھے بچی کا پتہ بتا دو۔"

"تو کیسا انسان ہے، پنے آپ کو اتنا بڑا گیانی کہتا ہے اور بچی کا پتہ تک نہیں معلوم کر سکتا؟"

"سوگند مہا کالی کی میں اس کا پتہ چلا سکتا ہوں، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ کام تم ہی کرو تو

زیادہ اچھا ہے۔ لے لو یہ سب کچھ؟ جو میں تمہارے لیے لایا ہوں۔''

''یہ سب کچھ تو اس سب کچھ کی اصلیت جانتا ہے کیا ہے؟'' ادریس علی کے لہجے میں اب جلال آ گیا تھا۔

''یہ وہ کچھ ہے جو تمہاری اور تمہارے بچوں کی تقدیر بدل سکتا ہے، کیا سمجھے؟'' راج گندل نے کہا۔

ادریس علی غصے سے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے چادر پر بکھرے ہوئے سونے کے زیورات اور دوسری چیزوں پر نگاہ ڈالی اور پھر ایک حیرت انگیز منظر نگاہوں کے سامنے نمایاں ہونے لگا۔

سونے کا ایک خوبصورت ہار اپنا رنگ بدل رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک پھنکارتی ہوئی ناگن کا روپ اختیار کر گیا۔ ناگن رینگتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور اس کے بعد چادر پر بکھری ہوئی تمام اشیاء مختلف بدنما شکلیں اختیار کر کے کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتی ہوئی زمین پر آگے بڑھنے لگیں۔

راج گندل کا منہ ایک لمحے کے لیے حیرت سے کھلا اور اس کی آنکھیں ان چیزوں پر جمی کی جمی رہ گئیں، دیکھتے ہی دیکھتے اس کی لائی ہوئی چیزیں سانپ بچھوؤں کی شکل اختیار کرتی ہوئی آگے بڑھ کر فضا میں گم ہو گئی تھیں۔ پھر اس چادر میں شعلے ابھرنے لگے جو زمین پر بچھی ہوئی تھی اور کچھ ہی لمحوں میں سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا۔ زمین پر جلی ہوئی گھاس کے علاوہ اور کوئی نشان باقی نہیں رہ گیا تھا۔

راج گندل پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، پھر اس نے ادریس علی کی طرف دیکھا۔

ادریس علی کی پر جلال آواز ابھری۔ ''ہاں بول، یہ چیزیں لایا تھا تو ہمارے لیے؟ ناپاک چیزیں ہیں۔ جو آخر کار اپنا اصل وجود اختیار کر کے فنا ہو گئیں۔ راج گندل! جا اس کے بعد ہمارے پاس مت آنا، ہم کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تجھے۔ تو جو کچھ کر رہا ہے اس کی جوابدہی تجھے اللہ تعالیٰ کے حضور کرنا ہو گی۔ ہمیں مجبور نہ کر کہ ہم تیرے لیے کوئی قدم اٹھائیں۔''

''جا رہا ہوں میاں جی...... بہت مہان مانتے ہو تم اپنے آپ کو لیکن تم دیکھ لینا، تمہیں میری مہانتا کے سامنے گھٹنے ٹیکنا ہوں گے۔'' راج گندل آگے بڑھ کر بیل گاڑی پر سوار ہو گیا اور اس نے بیلوں کا رخ موڑ دیا۔

ادریس علی غضیلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے کچھ لمحوں کے بعد عقب سے آواز ابھری۔ ''جب تک آپ کا دل چاہے اسے آزادی دیئے رکھیے، بابا صاحب شیطان کو جتنی جلدی انسانوں سے دور کر دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے، کون جانے وہ کتنے لوگوں کو نقصان پہنچائے۔''

''اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے عالی جاہ! اتنا کرو جتنے کی اجازت ہے وہ جو کچھ بھی ہے اس کے اعمالوں کا نگراں باری تعالیٰ ہے ہم نہیں، بس تم اپنا کام جاری رکھو، اس عفیفہ کی زندگی اور سلامتی کی ذمے داری تمہارا فرض ہے۔'' ادریس علی نے کہا اور اس کے بعد مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔

❀ ❀ ❀

خیر محمد بھی مزے دار آدمی تھا۔ اپنی بچیوں پر نہایت مہربان، رشیدہ تند مزاج تھی اور خیر محمد اس کی تند مزاجی کو ہنس کر ٹالتا رہتا تھا۔ بیٹیاں جب کبھی ماں کی شکایت باپ سے کرتیں تو وہ کہتا کہ پاگلو! میں نے اسے دیا ہی کیا ہے۔ ساری زندگی غربت میں میری خدمت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ اماں ابا نے جو اصول بنا دیئے تھے آج تک انہی اصولوں پر عمل ہوتا رہا ہے۔ تم خود دیکھ لو۔ میری نان بائی کی دکان ہے، پر گھر میں آٹا پیس کر ہی روٹی پکائی جاتی ہے صرف اس لیے کہ ابا نے کہا تھا کہ اپنا گھر اور دکان بالکل الگ الگ رکھو، اس بے چاری نے کبھی میرے ماں باپ کی کہی ہوئی باتوں میں ٹانگ نہیں اڑائی۔ اب یہ اللہ کی مرضی ہے کہ اس نے ہمیں اتنا ہی دیا ہے کہ بس جی رہے ہیں۔ وہ تم لوگوں کے لیے بھی پریشان رہتی ہے، بھائی تو کوئی ہے نہیں تمہارا۔''

بیٹیاں سمجھدار تھیں اصل بات کو جانتی تھیں چنانچہ ہنس کر خاموش ہو جاتیں، البتہ رشیدہ کی باتوں پر کبھی کبھی وہ طیش میں آ جاتیں اور الٹے سیدھے جواب دے ڈالتیں۔ بہرحال زندگی گزر رہی تھی، لیکن نجی کا معاملہ بالکل مختلف ہو گیا تھا۔ چند ہی روز میں وہ ساری بہنوں کی آنکھوں کا تارہ بن گئی تھی، لیکن رشیدہ نے ابھی تک اسے قبول نہیں کیا تھا۔ وہ دن رات بکی جھکتی رہتی تھی کہ پہلے کیا کم تھیں کہ ایک کی اور ذمے داری ڈال لی۔ اس وقت بھی وہ یہی باتیں کر رہی تھی۔

''اب اس کے لیے الگ سے دودھ آنے لگا ہے اور ذرا دیکھو، اب ہم کہاں سے اس کے کپڑے بنائیں گے۔ کہاں سے اس کی ہاری بیماری پوری کریں گے۔ چھوٹے بچے کو پالنا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا، اس کے لیے لاکھوں جتن کرنا پڑتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جا کر

مسجد میں اعلان کراؤ کس کی بچی ہے؟ کون ہے؟ آ گئے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہ کسی نے
اپنی بچی تسلیم ہی نہیں کیا۔''

یہ بھی ایک دلچسپ بات تھی، بیوی کے کہنے پر خیر محمد بچی کو لے کر جمعے کے دن
لیکن آدھے راستے سے ہی واپس آ گیا تھا۔ اس کے دل میں یہی خیال آیا تھا کہ
وہاں جا کر کیا ہو، بچی رسوا نہ ہو جائے، گھر آ کر بیوی سے کہہ دیا تھا کہ کسی نے اسے
نہیں کیا۔

اس وقت رشیدہ بیٹھی ہوئی یہی باتیں کر رہی تھی۔ حمیدہ بچی کو نہلا رہی تھی۔ ان
نے اس کا نام سونی رکھا تھا۔ بچی کو نہلانے کے بعد وہ اٹھی تو اس کی نگاہ دروازے
اٹھی۔ دروازے پر دو صندوق رکھے دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ اس نے کہا۔ ''اماں یہ
کون رکھ گیا، کیا ہے ان میں؟''

رشیدہ نے نگاہ اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا تو اسے بھی دو صندوق رکھے ہوئے
نظر آئے۔ وہ حیران سی ان کی طرف بڑھ گئی۔ خوبصورت چوبی صندوق تھے جن میں کنڈیاں
لگی ہوئی تھیں اور ان کنڈیوں میں تالے نہیں تھے، اس نے ایک صندوق کھول کر دیکھا
اس کی آنکھیں چکا چوند ہو کر رہ گئیں۔ صندوق میں زرق برق کپڑے بھرے ہوئے تھے
ایک چھوٹی بچی کے کپڑے، جوتے اور بچی کے استعمال کا سارا سامان۔ اس نے دوسرا
صندوق کھول کر دیکھا اور اسے بھی دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس میں کھلونے، دودھ کے ڈبے
ایسی ہی دوسری اشیاء بھری ہوئی تھیں۔

وہ وہیں سے چیخی۔ ''ارے یہ کون لایا ہے، ارے باپ رے باپ یہ تو ہزاروں
کا سامان ہے ارے ادھر آؤ لڑکیو! جلدی آؤ دیکھو تو سہی ذرا، او کنیز تو دروازہ بند کر دے
لوگوں نے دیکھ لیا تو یہی سمجھیں گے کہ ہم لوگ کہیں سے ڈاکا ڈال کر لائے ہیں۔
دیکھو تو سہی تم لوگ، آخر یہ سامان کہاں سے آیا؟''

لڑکیاں صندوقوں کے گرد جمع ہو گئیں، ایک ایک چیز کو اٹھا کر دیکھا جانے لگا
نے کہا۔ ''اماں، ساری کی ساری فراکیں اور کپڑے سونی کے ناپ کی ہیں اور یہ چیزیں
دیکھو، یہ دودھ کے ڈبے اور یہ کھلونے، اماں ضرور کوئی گڑبڑ ہے، ابا تو لا نہیں سکتے یہ
چیزیں۔''

''ہاں ابا لائیں گے، تمہارے لیے دو جوڑی کپڑے تو بنتے نہیں ہیں سال بھر
اگر کوئی یہ اس بچی کے لیے لایا ہے تو کون ہو سکتا ہے بھیا، ان چیزوں کو دیکھ کر تو مجھے

لگتا ہے جیسے یہ کوئی جنوں کی شہزادی ہے۔''

''چلو کنیز سامان تو اٹھواؤ۔'' نوری نے کہا۔ رشیدہ نے منع نہیں کیا تھا، دونوں وزنی
صندوق، لڑکیاں پکڑ کر اندر لے گئیں اور پھر سارا دن اسی ادھیڑ بن میں لگ گیا۔

شام کو جب خیر محمد واپس آیا تو اس کا چہرہ عجیب سا ہو رہا تھا۔ ''میں جا رہا ہوں، رشیدہ
دکان کے لیے سامان لے کر آنا ہے، آج تو حد ہی ہو گئی۔''

''کیوں خیریت کیا ہوا؟''

''یہ دیکھ یہ کیا ہے۔'' خیر محمد نے کہا اور تھیلا کھول کر سامنے رکھ دیا۔ اس تھیلے میں وہ
دن بھر کی کمائی لے کر آیا کرتا تھا اور عام طور سے یہ کمائی اس تھیلے کے پیندے میں جمع ہوتی
تھی۔ تھوڑی سی ریزگاری تھوڑے سے نوٹ، لیکن آج یہ تھیلا لبالب بھرا ہوا تھا۔

''ہیں اتنے سارے پیسے؟''

''ارے مولا قسم، آج تو ایسا گاہک ٹوٹا ہے ہمارے بھٹیار خانے پر کہ تم سوچ نہیں
سکتیں۔ روٹیاں لگا لگا کر تھک گیا، سالن بھی بس یوں سمجھ لو بک ہی گیا، کیا تم یقین کرو گی کہ
سارے کا سارا آٹا ختم ہو گیا، کل کے لیے باقاعدہ سامان لانا ہے۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ اللہ کریم ہمارے دن پھیر دے، یہاں بھی آج ایک
عجیب بات ہوئی ہے۔''

''کیا......؟'' خیر محمد نے پوچھا۔

''دروازے کے پاس کوئی دو صندوق رکھ گیا۔ اس میں اس بچی کے کپڑے، کھلونے،
دودھ کے ڈبے اور نہ جانے کیا کیا الا بلا بھری ہوئی ہے۔''

''کون رکھ گیا...... تم لوگوں میں سے کسی نے نہیں دیکھا۔''

''کانوں کان کسی کو خبر نہیں ہوئی۔''

''یہ تو عجیب بات ہے، ایسا کون ہو سکتا ہے۔'' خیر محمد پر خیال لہجے میں بولا۔

''میں بتاؤں؟'' رشیدہ نے کہا اور خیر محمد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ رشیدہ بولی۔
''ضرور وہ کوئی بلا ہے، کوئی خطرناک بلا اور تم دیکھ لینا ایک دن ہمیں کوئی بڑا نقصان پہنچ
جائے گا۔''

''ایک بات میں بھی بتاؤں۔ اس گھر میں تجھ سے بڑی بلا اور کوئی نہیں آ سکتی۔ بلاوجہ
معصوم بچی کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ اب تو تیرا وہ رونا پیٹنا بھی ختم ہو جانا چاہیے کہ اسے
کہاں سے کھلاؤ گے پلاؤ گے مولا نے خود اس کا بندوبست کر دیا۔ فالتو باتیں مت کر، میں

کہتا ہوں کہ آج میرے بھٹیار خانے میں بکری بھی اسی کی برکت سے ہوئی ہے۔"

"ہاں...... وہ لڑکی نہیں جادو کی چھڑی ہے مگر دیکھ لینا خیر محمد ایک دن یہ جادو کی چھ
ہم سب پر ایسی الٹی گھومے گی کہ تارے نظر آجائیں گے، تم جانو تمہارا کام۔"

"رشیدہ، میرا دماغ مت خراب کرو، مجھے بستی جا کر مال خریدنا ہے اسے رات ہ
لے کر آنا ہے تاکہ صبح کے گاہک نہ ٹوٹیں، میں چلتا ہوں۔" خیر محمد تیاری کر کے چل پڑ
رشیدہ دیر تک کھڑی سوچتی رہی تھی۔

❀ ❀ ❀

خیر محمد کا بھٹیار خانہ واقعی خوب چل پڑا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اچانک کیا ہو گیا۔ ر
دن گاہک بھرے رہتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں خیر محمد نے دو مددگار بھی رکھ لیے۔ م
بھی خوب ہو رہا تھا اور اب امید تھی کہ کچھ رقم اور جمع ہو جائے تو وہ گھر بھی بنوا لے ا
بیٹیوں کے شادی بیاہ کا بندوبست بھی ہو جائے لیکن رشیدہ کا مزاج نہیں بدلا تھا۔

"میرا دل کہتا ہے خیر محمد کہ کچھ ضرور ہو گا۔"

"اللہ سے ڈر رشیدہ، اس کی ناشکری نہ کر۔ جس نے دیا ہے وہ چھین بھی سکتا ہے
اب تو میں پورے دعوے سے کہتا ہوں کہ سونی کے قدموں کی برکت ہے۔"

رشیدہ منہ بنا کر خاموش ہو جاتی۔ پھر ایک دن ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ رشیدہ کسی
سے کمرے میں گئی وہاں بستر پر بچی سو رہی تھی۔ رشیدہ کی نگاہ اس کے چہرے پر پڑی
اچانک بچی نے آنکھیں کھول دیں۔

اس کی آنکھوں کے کھلنے کا انداز بڑا عجیب تھا جیسے کوئی چابی کی گڑیا اچانک آنکھ
کھول دے۔ رشیدہ کی نگاہ یونہی اس کے چہرے پر جم گئی تھی۔ اچانک رشیدہ نے اس
آنکھوں کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔ یہ آنکھیں بالکل سنہری ہو گئی تھیں، پتلیاں غائب ہو
تھیں اور آنکھوں کے ڈھیلے سونے کے رنگ میں چمکنے لگے تھے۔

رشیدہ کا اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔ اس کی نگاہیں کچھ اس طرح بچی
نگاہوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں کہ وہ کوشش کے باوجود اپنی آنکھیں اس کی آنکھوں سے
سکی۔ بچی کی آنکھوں کے سنہرے ڈھیلے پھر رنگ بدلنے لگے اور ان سے مختلف رنگ گزر
رہے۔ رشیدہ کا پورا بدن تھرتھرانے لگا تھا۔

اچانک ہی بچی کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔ "ہیلو آنٹی کیسی ہیں آپ، آنٹی
قریب آجائیں۔" اور رشیدہ کو یوں لگا جیسے کوئی اسے پیچھے سے دھکیل رہا ہو، بچی نے

کر ہونٹوں سے سیٹی بجائی تھی اور پھر اس کی آواز ابھری۔ "آپ بلاوجہ مجھ سے ڈرتی ہیں
آنٹی، میں نے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑا۔"

دفعتاً ہی رشیدہ کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی اور وہ الٹے قدموں باہر بھاگی۔
دروازے سے ٹکرائی تو سر میں چوٹ لگی اور دروازہ خودبخود کھل گیا۔ وہ باہر گری تھی۔ سامنے
ہی نعیمہ اور فرزانہ کھڑی تھیں۔ وہ جلدی سے ماں کی جانب دوڑ پڑیں۔

"ارے اماں اللہ خیر کرے کیا ہو گیا۔ کیا کوٹھری میں سانپ نکل آیا، ارے اٹھاؤ۔"

نعیمہ اور فرزانہ نے جلدی سے رشیدہ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔ رشیدہ کا پورا بدن پسینے میں
شرابور ہو رہا تھا، سانس تیز تیز چل رہی تھی۔

"کیا ہوا، کیا سانپ ہے، واقعی سانپ ہے کیا؟" چند ہی لمحوں میں تمام لڑکیاں اس
کے گرد جمع ہو گئیں۔

رشیدہ ہانپتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ "بول رہی ہے، اللہ قسم بول رہی ہے، اللہ
قسم۔ اس کی آنکھیں...... ہے میرے مولا، ہے میرے مولا......" رشیدہ پر غشی سی طاری
ہونے لگی۔ وہ آنکھیں بند کرنے لگی، لڑکیاں اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگانے لگیں۔ پھر کسی نے
اسے پانی پلایا اور پلنگ پر لٹا دیا۔ رشیدہ کا بدن پسینے میں بھیگ رہا تھا، لڑکیاں اسے پنکھا
جھلنے لگیں۔ بمشکل تمام رشیدہ کی کیفیت کسی حد تک بحال ہو سکی تھی۔

"اماں ہوا کیا؟"

"مروا دے گا تمہارا باوا، ستیا ناس جائے اس مسٹنڈے کا۔ ارے میری زندگی برباد
کرنے کے علاوہ اس نے اور کیا کیا ہے ابھی تک۔ ارے دیکھو گھر میں بھتنی پکڑ لایا۔ وہ بچی
نہیں ہے میں تم سے کہے دیتی ہوں، وہ بچی نہیں ہے لڑکیو! کسی وقت ایسا عذاب پڑے گا تم
پر کہ دیکھتی رہ جاؤ گی۔ سر سے کھیلو گی۔ حشر بگڑ جائے گا۔ ارے خیر محمد اللہ تیری خیر کرے،
ارے جا جاتا کیا ہے تو، ہائے دیکھو ذرا اندر جا کر کیا تماشے کر رہی ہے وہ۔ ارے اس کی عمر
دیکھو اور اس کا بولنا دیکھو، مجھے دیکھ کر سیٹی بجا رہی تھی۔" رشیدہ نے کہا اور لڑکیاں بے اختیار
ہنس پڑیں۔

"ہنسو ہنسو، رونے کی تیاریاں کر لو بٹیا، رونے کی تیاریاں کر لو۔ ارے نوری اللہ تجھے
سمجھے، تم لوگوں نے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا، کوئی عزت کوئی حیثیت نہیں ہے میری اس
گھر میں۔"

"اماں تمہیں وہ باتیں کرتی بھی نظر آ رہی ہے، مسکراتی بھی نظر آ رہی ہے، آنکھ بھی مار

رہی ہے تمہیں، ہمیں آج تک کچھ ایسا نہیں کیا۔ اماں! خدا سے ڈرو، ننھی سی معصوم سی پیاری سی بچی ہے۔ کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہے، کہاں پھینکو گی اسے یہ بتا دو، کیوں اس سے دشمنی باندھ رکھی ہے تم نے؟''

''چلی جاؤ میرے پاس سے چلی جاؤ مردارو! سب کی سب غدار ہو، جاؤ چلی جاؤ! میں کہتی ہوں چلی جاؤ ورنہ میں اپنا سر پھوڑ لوں گی۔'' رشیدہ نے کہا۔

''سنو تو سہی، سنو تو سہی اماں۔''

''میں کہتی ہوں میں اپنا سر پھوڑ لوں گی پٹی سے۔'' رشیدہ نے چارپائی کی پٹی پر سر مارنے کی کوشش کی۔ لڑکیوں نے اس کے سر کے نیچے ہاتھ رکھ لیے تھے۔

''چلے جاتے ہیں اماں چلے جاتے ہیں، خواہ مخواہ تم تو بات کا بتنگڑ بنا لیتی ہو۔''

''ہاں ہاں سب کچھ میں ہی کر لیتی ہوں، ارے تم جاتی ہو کہ نہیں۔'' رشیدہ نے پھر سر اٹھایا اور لڑکیاں ایک ایک کر کے باہر نکل گئی تھیں۔ بہرحال یہ کوئی تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ البتہ باتیں وہ بھی کیا کرتی تھیں۔

''کچھ بھی ہے ایک بات میں بتا دوں وہ ہمارے لیے بری نہیں ثابت ہو گی، بلاوجہ اماں اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔''

لیکن بے چاری رشیدہ پیچھے کیا پڑتی، پتہ نہیں کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ۔ اول تو وہ بچتی تھی کہ بچی کے سامنے اکیلی نہ آئے۔ ایک عجیب سا خوف ایک عجیب سا ڈر اس کے دل میں طاری رہتا تھا، لیکن اگر کبھی اتفاق سے تنہائی میں بچی اسے نظر بھی آ جاتی تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ لیتی تھی، مگر ایسا لگتا تھا جیسے وقت بھی اس کے ساتھ مذاق ہی کرنے پر تلا ہوا ہو۔

اس رات بھی حالات پرسکون تھے، موسم بہت خوشگوار تھا، باہر پورا چاند کھلا ہوا تھا۔ برآمدے میں رشیدہ سو رہی تھی۔ تھوڑے فاصلے پر ایک چارپائی پر خیر محمد بھی گھوڑے بیچ کر سویا ہوا تھا۔ باہر صحن میں چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ نجانے کیسی آہٹ تھی وہ جس سے رشیدہ کی آنکھ کھل گئی۔ آہٹ ایسی تھی کہ اسے جاگنا پڑا تھا۔ گھر کی ذمے داری تھی، بچیاں اندر کمرے میں سوئی ہوئی تھیں۔ ہمیشہ ہی اس بات کا خیال رہتا تھا کہ جوان بچیاں گھر میں ہیں اور پھر ان دنوں تو سبھی کی زبان پر ایک بات تھی کہ خیر محمد کے بھٹیار خانے کو چار چاند لگ گئے ہیں، روپیہ بٹورے نہیں بٹورا جا رہا، ہر وقت گاہک بھرے رہتے ہیں۔ کام کرنے والے نوکروں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے، چنانچہ ایسے حالات میں چوروں کی نظر بھی لگ

جاتی ہے۔

رشیدہ پلنگ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے صحن میں دیکھا۔ دروازے کی زنجیر لگی ہوئی تھی، مگر صحن کے مشرقی گوشے میں نیبو کے جھنڈ کے پاس ایک سایہ نظر آ رہا تھا اور یہ سایہ سو فیصد انسانی تھا۔

اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات جو اس نے دیکھی وہ یہ کہ نیبو ہی کے جھنڈ کے پاس سونی پاؤں پسارے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز کسی بڑی بچی کا سا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ ایک معصوم ہنسی کی آواز ابھر رہی تھی اور اس کی آنکھیں اس طرح گردش کر رہی تھیں جیسے کوئی اس کے سامنے ہو۔

رشیدہ نے دونوں ہاتھوں سے کلیجہ پکڑ لیا۔ یہ منظر چاندنی میں اس قدر نمایاں تھا کہ یقین نہ آئے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ ننھی سی بچی اکیلی نیبو کے پیڑ تک کیسے پہنچی۔ پھر اس کے بیٹھنے کا انداز اور اس کے بعد اس کی ہنسی کی آوازیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اس سے کھیل رہا ہو۔

ایک اور خیال اس کے دل میں گزرا کہ ہو سکتا ہے لڑکیوں میں سے کوئی اسے چاندنی میں کھلانے نکل آیا ہو اور سایہ اسی کے جسم کا ہو، مگر اتنی ہمت نہیں پڑی کہ آگے بڑھ کر وہاں جاتی اور دیکھتی لیکن اس واقعے کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے خیر محمد کی طرف دیکھا اور ناک سکوڑ کر دانت پیسنے لگی۔ حلق سے ہلکی ہلکی غراہٹیں نکلیں۔ ''سوتا رہ خیر محمد سوتا رہ، تو دیکھ لینا ایک دن کچھ ہو جائے گا۔ میں کہتی ہوں ضرور کچھ ہو جائے گا۔'' اس کی بڑبڑاہٹ اچھی خاصی تیز تھی۔

وہ خیر محمد کو آواز دینا چاہتی تھی مگر حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ ایک مدھم سی گھٹی گھٹی آواز اس کے منہ سے نکلی تو اچانک ہی بچی کی نگاہیں اس طرف گھوم گئیں۔

رشیدہ کو یوں لگا جیسے روشنی کی دو تیز لکیریں بچی کی آنکھوں سے نکلی ہوں اور اس تک پہنچ گئی ہوں، پھر دفعتاً ہی اس نے بچی کو اٹھتے ہوئے دیکھا۔ وہ اپنے ننھے ننھے پیروں سے چلتی ہوئی اسی طرف آ رہی تھی۔

رشیدہ کے حلق سے ایک بے اختیار چیخ نکلی اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑی۔

خیر محمد ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اندر سے لڑکیاں بھی آ گئی تھیں۔ کنیز وغیرہ باہر نکل آئیں۔ ''ارے ارے کیا ہوا، کیا ہوا؟'' مگر رشیدہ کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے تھے۔ منہ عجیب سے انداز میں پھیل گیا تھا۔ ان لوگوں نے اسے اٹھا کر پلنگ پر

لٹایا اور سب کے سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"کیا ہوا اماں، کیا ہوا رشیدہ؟" خیر محمد اور لڑکیاں اس سے پوچھنے لگیں لیکن رشیدہ کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ ہونٹ بھینچے ہوئے تھے، اس پر عجیب سا دورہ پڑ گیا تھا۔

"پانی پلاؤ پانی۔" بمشکل تمام اس کے منہ میں پانی ڈالا گیا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی کیفیت بحال ہوتی چلی گئی۔

"خدا خدا خدا...... تمہیں سمجھے، خدا تمہیں سمجھے، مروا دو مجھے۔ ارے میں کہتی ہوں سب نے سازش کر لی ہے۔ ایکا کر لیا ہے۔ ارے اسے دیکھو وہ کہاں ہے؟ بھاگ گئی نا گھر سے، دیکھو اسے۔"

"کسے اماں، کچھ منہ سے تو بولو، کوئی خواب دیکھا ہے کیا؟"

"ہاں میں نے خواب ہی دیکھا ہے، انہی خوابوں میں، میں مر جاؤں گی ایک دن۔ ارے خیر محمد تجھے خدا کا واسطہ میری مان لے، میری جان نہ لے۔"

"کیا ہوا رشیدہ کچھ بولو تو سہی؟"

"وہ باہر نیبو کے پیڑ کے پاس۔"

"میں دیکھتا ہوں۔" خیر محمد اپنی جگہ سے اٹھ کر نیبو کے پاس پہنچ گیا۔ چاروں طرف گھومنے کے بعد اس نے وہیں سے کہا۔ "یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"وہ تھی، ارے وہ تھی، تم لوگوں میں سے کوئی مجھے بتاؤ، کیا کوئی اس کے پاس وہاں موجود تھا، اسے روشنی میں لے کر گیا تھا۔"

"کسے اماں کسے؟" نوری نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اسے ہی تیری اماں کو، ارے جسے تم لوگوں نے اپنی اماں بنا رکھا ہے اسے۔ میں سونی کی بات کر رہی ہوں۔ پیڑ کے پاس بیٹھی ہوئی کھیل رہی تھی کسی کے ساتھ، مجھے گھور کر دیکھا اور پھر اٹھ کر اندر بھاگ گئی۔"

"بھاگ گئی......" حمیدہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"ہنس لے، مرے گی کتے کی موت۔ ارے حمیدہ تجھے ہیضہ ہو۔ مذاق اڑا رہی ہے میرا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اسے، اپنے پیروں سے چل کر گئی تھی۔ ارے زمین پر پیروں کے نشان تلاش کرو تم لوگ۔ چھوٹے چھوٹے پیروں کے نشان مل جائیں گے تمہیں کچی زمین پر ارے میری بات پر یقین کر لو خدا کا واسطہ۔"

لڑکیاں ماں کے کہنے پر نشان تلاش کرنے لگیں، مگر وہاں کوئی نشان نہیں تھا۔ نوری اندر

گئی اور چند لمحات کے بعد باہر آ کر بولی۔ "وہ آرام سے سو رہی ہے، گہری اور پرسکون نیند۔"

"ٹھیک ہے، تو ایسا کرو تم لوگ، مجھے پاگل خانے میں داخل کرا دو۔ تمہیں خدا کا واسطہ خیر محمد ایسا کرو، اگر مجھ سے جی اکتا گیا ہے تو مجھے کہیں بھجوا دو۔ میرے میکے پہنچوا دو، لڑکیوں کو رکھو اپنے پاس۔ اسے بھی رکھو اور جب اس گھر کا تیہ پانچہ ہو جائے تو تم مجھے بلا لینا۔ ارے اب میں یہاں رہوں گی نہیں، بس میں نے کہہ دیا ہے تم سے۔"

خیر محمد پریشانی سے سر کھجا رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ "اچھا اب سونے دے، صبح کو دکان جانا ہے، مجھے تو پورے پورے کام کرنے ہوتے ہیں تجھے تو فرصت ہی فرصت ہے، جو مرضی آئے ڈرامہ کر، تیری مرضی، تو جانے اور تیرا کام۔"

"ہاں آخری وقت ہے، برداشت کر لو مجھے خیر محمد! میرے لیے تم زہر کی پڑیا لے آئے ہو، خدا تمہارا بھلا کرے اور کیا کہوں، ارے اسی طرح مارنا تھا مجھے۔ میں سمجھتی ہوں سب کچھ جانتی ہوں۔"

خیر محمد غصیلے انداز میں کھڑا ہو گیا۔ "تو مجھے سونے دے گی یا نہیں، جا رہا ہوں جا کر دکان پر سوؤں گا لعنت ہے تجھ پر اور ان حرکتوں پر۔" خیر محمد واقعی اپنا بستر سمیٹ کر چل پڑا تھا۔ لڑکیوں نے اسے روکنے کی کوشش بھی کی، مگر وہ سخت بپھر گیا تھا۔

"ناک میں دم کر دیا ہے اس عورت نے میرا۔ بچی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ دیکھ لو تم سوچ لو جیسا تم کہو گے ویسا کر لوں گا بابا، میری زندگی ختم مت کرو۔ یہ ساری حرکتیں سمجھتا ہوں میں اچھی طرح۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔

لڑکیاں سب ماں سے ناراض ہو گئی تھیں۔ "اماں ٹھیک تو کہتے ہیں ابا، تم نے واقعی جس دن سے سونی ہمارے گھر میں آئی ہے ایک واویلا مچا رکھا ہے۔ اچھی خاصی بچی ہے، تمہاری مرضی ہے اماں، گھر تمہارا ہے جو تمہارا دل چاہے کرو۔"

"ارے بابا اور کیا کہوں میں تم سے، اور کیا کہوں۔" رشیدہ نے کہا اور چادر سر پر لے کر لیٹ گئی۔

لڑکیاں تھوڑی ہی دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہیں پھر اندر جانے لگیں تو رشیدہ جلدی سے اٹھ گئی۔ "م...... میں کہاں جاؤں...... میں کہاں جاؤں...... ارے خیر محمد کہاں سوئے گا؟ اب میں کیا کروں، تم لوگ یقین کر لو، جھوٹ نہیں بول رہی میں۔ کوئی ہے۔ کوئی سایہ ہے، ارے میں تو یہی کہتی تھی کہ کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے، یہ بھتنی ہے سو فیصد بھتنی۔"

"ٹھیک ہے اماں! اگر بھتنی ہے تو کسی دن تمہارا گلا دبا دے گی، ابھی تک اس نے

کسی کو نقصان تو نہیں پہنچایا، تم اس کی جان کے پیچھے لگی ہوئی ہو، تمہارا ہی کریا کرم کر دے گی وہ۔"

"یہی تو چاہتی ہو تم۔ یہی تو چاہتی ہو ٹھیک ہے باپ بیٹیاں مل کر میرے خلاف جو سازش چاہے کر لو۔" رشیدہ نے یہ کہہ کر پھر چادر اوڑھ لی تھی۔

❀ ❀ ❀

راج گندل بھیروں جگا رہا تھا۔ کالے علم کا ایک خطرناک بیر جسے ڈوبتے چاند کی رات جگایا جاتا ہے۔ یہ عمل کسی خاص کام کے لیے کیا جاتا ہے اور اسے کرنا آسان نہیں ہوتا۔ چاند ڈوبتا ہے تو رات کے گھور اندھیرے جاگ اٹھتے ہیں اور ہنگامہ مچاتی ہوئی ناپاک روحیں جشن منانے نکل پڑتی ہیں۔ سنگین حادثے ہوتے ہیں اور شیطان کو خوب رنگ رلیاں منانے کا موقع مل جاتا ہے۔ پھر جب چاند طلوع ہوتا ہے تو یہ روحیں اندھی ہو جاتی ہیں اور ان کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

اماوس کی اس رات میں راج گندل اپنے مٹھ سے کافی فاصلے پر ایک ویران جگہ بیٹھا منتر پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک مردہ عورت سجی سجائی پڑی تھی۔ اس کے بدن پر پھولوں کے گہنے تھے، چہرے پر سیندور اور چندن کے نقش بنے ہوئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کے خاص ساتھی کندن لال نے اس مردہ عورت کو راج گندل کے سامنے لا کر رکھا تھا۔

"یہ اپنی بستی کی نہیں ہے مہاراج۔ ہم ایک دوسری بستی سے اسے لائے ہیں۔ دس گھنٹے پہلے مری ہے، اس کے ہاں سنتان ہوئی تھی، جس سے یہ مر گئی۔ اس کے سسرال والے اس کی ارتھی بنا کر شمشان لائے تو ہم تیار تھے۔ اسے لکڑیوں پر لٹایا گیا تو آپ کا بیر اس کے نیچے لیٹ گیا اور پھر اس نے اسے اٹھا کر بٹھا دیا۔ ایسے بھاگے اسے لانے والے کہ مڑ کر پلٹ کر نہ دیکھا۔ بس ہمارا کام بن گیا اور اب مہاراج پوری بستی میں ہاہا کار مچی ہوئی ہے کہ گنگول رام کی بہو ارتھی سے اٹھ کر بھاگ گئی۔ بستی کے لوگ لٹھ لے کر بستی کی سرحد پر پہرہ دے رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

سب چلے گئے تھے اور اب راج گندل بھیانک ویرانے میں زور زور سے منتر پڑھ رہا تھا۔ اس کی بھیانک آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ اور ماحول پر ایک لرزہ خیز کیفیت طاری تھی۔

ایسے منظر کو بڑے سے بڑا دل جگر والا اگر دیکھ لیتا تو اس کے دل کی حرکت بند ہو سکتی

تھی، راج گندل نے اپنا منتر ختم کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر عورت کے چہرے پر پھونک ماری۔ پھر دوبارہ اپنی جگہ آ بیٹھا اور زور زور سے وہی منتر پڑھنے لگا۔

سات بار اس نے اسی طرح منتر پڑھا اور عورت کے چہرے پر پھونکیں ماریں۔ ساتویں بار وہ اس کے پیروں کے پاس پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں عورت کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ دفعتاً ہی فضا میں ایک گڑگڑاہٹ سی ہوئی اور پھر ایک بھیانک آواز ابھری جیسے کوئی بھیڑیا غراتا ہے۔ ساتھ ہی عورت نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ پھر وہ زمین پر ہاتھ ٹکائے بغیر اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس کے منہ سے ایک غرائی ہوئی مردانہ آواز ابھری۔

"میں جاگ گیا ہوں، میں جاگ گیا ہوں، بول کیا چاہتا ہے؟"

"مہا کالی کے بیر! بھیروں! مجھے تجھ سے صرف ایک سوال کرنا ہے۔"

"سوال کر۔" عورت کے حلق سے پھر وہی بھیانک آواز نکلی۔

"بھیروں! مجھے ایک بچی کی تلاش ہے۔ ایک مسلمان بچی کی جو قبر کی گہرائیوں میں اپنی ماتا کے شریر سے جنم لے کر دوبارہ سنسار میں آ گئی۔ میں اس کی تلاش میں ہوں، مجھے بتا وہ بچی کہاں ہے؟" عورت کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور جو ایک جاندار انسان کی آنکھیں ہی معلوم ہوتی تھیں۔ وہ رنگ بدلنے لگیں، اس کی پتلیاں غائب ہو گئیں اور آنکھوں کے ڈھیلے سفید ہو گئے۔ پھر وہ بار بار رنگ بدلتے رہے اودا، نارنجی، سنہری اور پھر سفید اور اس کے بعد ان میں پتلیاں واپس آ گئیں۔

"بلی بستی سے آگے ایک بستی چکورا ہے، چکورا میں ایک مسلمان بھٹیارا ہے، اس مسلمان بھٹیارے کے گھر میں وہ پل رہی ہے، وہاں اس بھٹیارے کی چھ بیٹیاں ہیں، انہی کے بیچ میں یہ بچی موجود ہے۔"

"بھیروں مہاراج! میں اس بچی کو حاصل کرنا چاہتا ہوں، مجھے......"

ابھی راج گندل نے اتنا ہی کہا تھا کہ عورت کی آنکھیں بند ہونے لگیں، راج گندل چیخا۔ "بھیروں مہاراج، مہا کالی کے داس، بھیروں مہاراج!"

عقب سے ایک منمناتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "بھیروں صرف ایک سوال کا جواب دیتا ہے، دوسرا سوال اس سے پوچھنا بے کار ہے کیونکہ اس کی جواب دینے کے بعد واپسی ہو جاتی ہے۔"

عورت واپس لیٹ گئی تھی اور پھر اس کے بدن سے ہلکا ہلکا دھواں خارج ہونے لگا تھا۔ اب اس کا بدن کسی انسان کا بدن نہیں رہا تھا بلکہ اس میں ایک ناپاک روح حلول کر گئی

تھی اور بدن اس کی تپش برداشت نہیں کر پایا تھا، چنانچہ وہ جل کر خاکستر ہو رہا تھا۔ راج گندل اسے دیکھتا رہا، دیکھتے ہی دیکھتے عورت کے جسم کی جگہ پر راکھ پڑی ہوئی تھی۔ راج گندل تھوڑی دیر تک نڈھال سا بیٹھا اسے دیکھتا رہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ اپنے مٹھ میں داخل ہو گیا تھا، اس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ نکل رہی تھی۔

☆

سب پاس پڑوس کے لوگ تھے۔ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ رشیدہ جس بری طرح باہر آ کر گری تھی اس پر سب کو حیرت ہوئی اور آوازیں ابھرنے لگیں۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ ارے دیکھو تو سہی کیا ہو گیا رشیدہ بہن کو۔ خیر محمد کی بیوی کو کیا ہو گیا۔" عورتیں بھی باہر نکل آئیں اور رشیدہ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا گیا۔

"کیا ہوا رشیدہ بہن، کیا ہوا؟" رشیدہ کے ہوش و حواس گم تھے۔ منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لوگوں نے اسے اٹھا کر بٹھایا، کسی نے کہا۔ "پانی لاؤ، خیر محمد گھر میں نہیں ہے کیا؟ ارے دیکھو تو سہی آخر ہوا کیا؟ گھر میں کوئی چور تو نہیں گھس آئے۔" پڑوس کی عورتوں نے پانی پلایا۔

رشیدہ کی بیٹیاں بھی یہ ہنگامہ سن کر شادی والے گھر سے باہر نکل آئی تھیں اور ماں کی اس کیفیت پر پریشان ہو گئی تھیں۔

"کیا ہوا اماں کیا ہو گیا؟ چلو گھر چلو۔"

"خدا، خدا غارت کرے تمہیں، خدا کرے خیر محمد تو تندور میں گر کر کوئلہ ہو جائے۔ ارے تمہارا بیڑہ غرق ہو۔ ارے تمہارا ستیاناس ہو جائے۔ دشمن لے آئے میرے لیے میرے گھر میں۔ بھتنی پال لی ہے۔ سب میری جان کے درپے ہیں۔ ارے میرا خون ہی مجھ سے باغی ہو گیا ہے تو اب کس پر بھروسہ کروں۔"

"اماں کیوں گلی میں شور مچا رہی ہو، گھر چلو۔" نوری نے کہا۔

رشیدہ نے جھلا کر اس کے بال پکڑ لیے۔ "شور مچا رہی ہوں گلی میں۔ ارے تھانے جاؤں گی۔ رپٹ لکھواؤں گی۔ تم سب کے نام درج کراؤں گی۔ میری محنت کا سامان کیا ہے تم لوگوں نے۔ ارے بھیا، گھر والا ہی خلاف ہو گیا تو اب کس کا آسرا کروں۔"

"مگر ہوا کیا ہے، کچھ بتاؤ تو سہی؟"

"اماں تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو اچھا نہیں ہو گا۔" کنیز نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"گردن دبا دے بیٹی میری، گردن دبا دے۔ ارے میری جائی مجھ ہی کو لجائے۔ بڑا
گردن دبا دو مار دو سب مل کر مجھے ابا نے یہی انتظام تو کیا ہے۔"

"خدا کے لیے گھر چلو اماں کیوں گلی میں تماشا لگائے ہوئے ہو، کیا عزت رہ گئی ہماری تمہاری؟"

"اس گھر میں چلوں، ذرا اندر جا کر تو دیکھو کیا ہو رہا ہے ادھر، ارے دیکھ تو لو جا کر چھوٹی آنکھوں سے۔ تمہیں تو کچھ نظر آتا ہی نہیں، چلو اندر چلو ذرا دیکھو تو سہی......"

"تم تو آؤ۔"

"میں نہیں جانے کی دروازے کے اندر۔ بلاؤ خیر محمد کو مجھے میرے میکے بھجوا دے۔"

رشیدہ نے خوب واویلا مچایا، بہرحال لڑکیاں کسی نہ کسی طرح اسے اندر لے گئیں۔ انہوں نے رشیدہ کو سونی کے بارے میں زبان نہیں کھولنے دی تھی۔ پاس پڑوس کے لوگ پوچھتے ہی رہ گئے۔ ان کے زیادہ پوچھنے پر نوری نے کہا کہ یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ اماں کو ابا سے تھوڑا سا اختلاف ہو گیا ہے اور پھر وہ سب رشیدہ کو گھسیٹتی ہوئی اندر لے گئی تھیں۔

"ارے مان لو میری بات تمہیں خدا کا واسطہ، میں ہی ماری جاؤں گی، کاش جو کچھ میں نے دیکھا ہے تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتیں۔ ارے وہ سیٹیاں مارتی ہے۔ مسکراتی ہے مجھے دیکھ کر، آنکھ مارتی ہے بالکل جوان چھوکریوں کی طرح۔ اتنی سی عمر کی بچی......اور پھر کوئی ہوتا ہے اس کے ساتھ، میں کہتی ہوں کوئی ضرور ہوتا ہے۔"

بمشکل تمام لڑکیوں نے اسے لا کر دالان کے تخت پر بٹھایا اور رشیدہ ایک ایک کو صورت حال بتانے لگی۔

بہرحال رات جاگتے گزری تھی، لیکن صبح کو رشیدہ کو خوب تیز بخار چڑھ آیا تھا۔ خیر محمد پورا دن نہیں آیا تھا۔ رات کا کھانا پکوا رہا تھا۔ لڑکیاں بھی بری طرح افسردہ ہو گئی تھیں۔ شادی کا سارا مزہ کرکرا ہو گیا تھا۔ رات کو بارہ بجے خیر محمد واپس آیا تو رشیدہ بخار میں بھن رہی تھی۔

"ارے تم لوگوں نے مجھے دکان پر خبر کیوں نہ کرائی؟"

"ابا کل سے طبیعت خراب ہے اماں کی، اب بتاؤ کیا کریں؟"

"ڈاکٹر کو دکھا دیں گے کل۔"

"ڈاکٹر کا کام نہیں ہے خیر محمد، تمہارا دل بھر گیا ہے مجھ سے اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم سب عاجز آ گئے ہو مجھ سے۔ دیکھو، اب میں تمہیں مجبور نہیں کرنے کی۔ مجھے میرے ابا کے

گھر بھجوا دو، تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔ تمہیں اللہ کا واسطہ، یتیم یسیر ہوں، بھائی سنبھال لیں گے مجھے۔ تم میری پروا مت کرو۔ اب اچھے دن آئے ہیں تمہارے، کہیں نکاح کر لینا خیر محمد۔ بچیوں کو بھی ٹھکانے لگانے کی کوشش کرنا، مجھے تو تم خدا حافظ ہی کہہ دو۔"

"بات تو بتا دے کم از کم، تو نے تو مجھے عاجز کیا ہوا ہے۔"

"بات بتا دوں خیر محمد، یقین کہاں کرو گے، تمہیں اللہ کا واسطہ، مجھے میرے میکے بھجوا دو۔"

"بھجوا دوں گا، وہ بھی کر دوں گا مگر بات تو بتا دو......" اور جواب میں رشیدہ نے جب سونی کے بارے میں ساری تفصیل بتائی تو خیر محمد سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے کہا۔ "جب انسان کسی کے بارے میں دل میں کوئی بات ٹھان لیتا ہے تو پھر اسے سب کچھ نظر آتا ہے، جو وہ سوچ رہا ہوتا ہے۔"

"کچھ بھی ہے تمہارے ہاتھ جوڑ رہی ہوں۔ دیکھو...... خیر محمد، میں نے بہت خدمت کی ہے تمہاری، میری جان اس طرح مت لو، مجھے معاف کر دو۔"

"ٹھیک ہے مجبوری ہے، اللہ مجھے معاف کرے، میرے مولا مجھے معاف کر دینا تو نے ایک چھوٹا سا فرض میرے سپرد کیا جسے میں پورا نہیں کر سکا مگر اس میں میرا قصور نہیں ہے، تو نے مجھے اس کا بھرپور صلہ بھی دیا، اب کیا کروں؟ یہ عورت نہیں مان رہی، ٹھیک ہے تم آرام کرو رشیدہ بیگم، کل میں شہر جا کر اسے کسی یتیم خانے میں داخل کرا دوں گا میرا وعدہ ہے تم سے۔"

"خیر محمد! میں جانتی ہوں، اگر میں یہاں سے میکے چلی گئی تو ان بچیوں کا کون پرسان حال ہو گا، پھر جو کچھ پڑے گی ان پر پڑے گی۔"

"اس کے چلے جانے کے بعد بھی پڑے گی۔" خیر محمد نے کہا۔

"میں کیا کہوں۔" رشیدہ کراہتی ہوئی بولی۔

لڑکیوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ خیر محمد تھوڑی دیر تک انہیں برداشت کرتا رہا، پھر اس نے انہیں ڈانٹا۔ "اپنا گھر بگاڑ لوں کیا؟ تم لوگوں نے ریں ریں پیں پیں لگا رکھی ہے، چلو جا کر آرام کرو۔"

لڑکیاں کونے کھدروں میں گھس گئی تھیں، پچھلی رات تو ویسے ہی جاگتے گزری تھی، یہ رات بھی اسی طرح گزری۔ رات بھر وہ سونی کے پاس بیٹھی رہیں۔ وہ مزے کی نیند سو رہی تھی۔ بار ہا وہ سوتے میں مسکرائی بھی تھی اور لڑکیاں آنسو بہاتی رہی تھیں۔ دوسرے دن اسے ان سے رخصت ہو جانا تھا۔

❀ ❁ ❀

محمود علی کی کہانی بہت دلچسپ تھی، ماں باپ بچپن ہی میں مر چکے تھے۔ وسیع و عریض خاندان تھا لیکن نفسا نفسی کے اس دور میں خاندان والے کب کسی کا ساتھ دیتے ہیں۔ محمود علی نے زمانے کی ٹھوکروں میں پرورش پائی تھی اور اگر زمانے کی گردشوں کو برداشت کر کے کوئی شخص اچھی تعلیم حاصل کر لے تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ قسمت کی دیوی نے اس کا ساتھ دیا۔

ویسے ایم ایس سی کرتے ہوئے دانتوں پسینے آ گئے تھے۔ محنت مزدوری کر کے تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد نوکری کی تلاش۔ خاندان میں سبھی تھے۔ پھوپھیاں، چچا، تایا، ماموں، ممانی، لیکن بھلا ایک ایسے شخص پر بھی کوئی توجہ دی جا سکتی ہے جس کا کوئی مستقبل نہ ہو۔

بہرحال تعلیم کے بعد ملازمت کی کوشش اور شدید ترین کاوشوں کے بعد اس کوشش میں ناکامی لیکن محمود علی کے اندر ایک عزم تھا اور آخر کار زمانے کو اس کے عزم کے سامنے جھکنا ہی پڑا۔ محمود علی کوشش کر کے ملک سے باہر نکلے اور یہیں سے اس مثال کا آغاز ہو گیا کہ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے، پانی کے جہاز میں انہیں ظفر صاحب ملے تھے۔ ایک عمر رسیدہ بزرگ جو کینیا جا رہے تھے۔ وہیں ان کا کاروبار تھا بیمار آدمی تھے، ایک بیٹی کے باپ، ساری ذمے داریاں بیٹی ہی کے لیے سنبھال رکھی تھیں۔ جہاز میں سخت طبیعت خراب ہو گئی اور اتفاق سے محمود علی ان تک پہنچ گئے۔

بس انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ظفر کی تیمارداری اور خدمت کی کہ وہ ان پر لٹو ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی ذمے داری پر محمود علی کو کینیا لے گئے اور پھر انہوں نے محمود علی کو اپنے ساتھ اپنے کاروبار میں شریک کر لیا۔

ظفر کی انتہائی شریف النفس بیٹی ذکیہ، محمود علی کی شریک حیات بن گئی اور محمود علی کی تقدیر کے ستارے روشن ہو گئے اور کینیا میں محمود علی بڑی حیثیت اختیار کرتے چلے گئے۔ اب ایتھوپیا، سوڈان، یوگنڈا اور تنزانیہ میں کاروبار کرتے تھے۔ نیروبی میں رہائش اختیار کی تھی۔ بہرحال یوں تقدیر کے اس کھیل کا آغاز ہوا۔ اپنا وطن ہمیشہ ہی یاد آتا رہتا تھا۔ اہل وطن گو بے وفا تھے، کبھی کسی نے محمود علی کو قابل اعتنا نہیں سمجھا تھا، لیکن محمود علی کے دل میں سبھی کا پیار تھا۔

پھر خدا کا کرنا یہ ہوا کہ ظفر دنیا سے سدھار گئے۔ سسر سے باپ جیسی محبت ملی تھی۔ ان کی موت کے بعد محمود علی کا دل وہاں نہ لگا، ذکیہ بیگم بھی باپ کے بغیر وہاں رہنے پر تیار نہیں تھیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ اثاثے وطن منتقل کیے جو بہت بڑے تھے۔ وطن میں موجود بینکوں

نے ان کی زبردست پذیرائی کی، حکومت نے بھی ساتھ دیا۔ یہاں تک کہ محمود علی نے اپنی ایک شاندار حویلی اپنے آبائی علاقے میں تعمیر کرائی۔ قدیم و جدید طرز کی اس حویلی میں درجنوں خاندانوں کی رہائش کا انتظام کیا گیا۔ محمود علی اس سلسلے میں ایک مثال قائم کرنا چاہتے تھے۔ وہ اہل خاندان جنہوں نے انہیں کبھی اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ چائے کی ایک پیالی کے لیے ہی پوچھ لیں۔ محمود علی کے لیے اب بھی بڑی حیثیت رکھتے تھے۔

کسی کو انہوں نے وطن آنے کی خبر نہیں دی تھی۔ پھر جب یہاں سارے کام مکمل ہو گئے تو وہ وطن منتقل ہو گئے۔ دولت کی اس ریل پیل میں طے یہی کیا گیا تھا کہ فی الحال آرام کے کچھ سال گزاریں گے اور اس کے بعد کوئی مشغلہ تلاش کریں گے۔ اتنا کچھ تھا کہ نسلیں کھا سکتی تھیں، مگر ایک کمی ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی، یعنی نسلوں کے آگے چلنے کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔

شادی کو بارہ سال گزر چکے تھے اولاد نہیں ہوئی تھی اور اس سلسلے میں دونوں کے دلوں میں یہ احساس تھا بلکہ ایک دو بار نیروبی میں بھی یہ بات ہوئی کہ کسی بچے کو گود لے لیا جائے لیکن افریقہ میں ظاہر ہے افریقی بچے ہی دستیاب ہو سکتے تھے جن کی وہاں کوئی کمی نہیں تھی۔ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں تھے لیکن بس دل نہ چاہا۔ ایک اجنبیت تا زندگی برداشت کرنا پڑتی، چنانچہ جب وطن آنے کا فیصلہ کیا تو یہی سوچا کہ یہ کام وطن ہی میں کیا جائے گا۔

وطن منتقل ہونے کے بعد رشتے داروں سے رابطے ہوئے اور جب رشتے داروں نے ان کی شان و شوکت دیکھی تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پھر جراتیں کی گئیں اور محمود علی سے امداد مانگی گئی۔ محمود علی نے تو پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ اہل خاندان کو اپنے قریب لائیں گے۔ وہ جو غربت اور بے کسی کی وجہ سے محمود علی کو رشتے دار ماننے ہی سے منکر تھے فوراً ہی دوڑ پڑے اور محمود علی کی اس عالیشان حویلی میں کئی خاندان آباد ہو گئے۔ ماموں، پھوپھی، چچا، تایا، ان سب نے حویلی میں بسیرا کر لیا۔ جو اپنا کاروبار کرتے تھے انہیں اجازت تھی کہ اپنا کاروبار کریں۔ اس کاروبار میں اضافے کے لیے، اگر کچھ رقم درکار ہو تو بے شک لے لی جائے لیکن قرض کے طور پر۔

محمود علی جانتے تھے کہ اگر انہوں نے زیادہ مراعات دیں تو خود ان کے لیے جینا مشکل ہو جائے گا۔ ہاں حویلی میں رہنے والوں کے لیے باقی ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔

بہتی گنگا تھی سب ہاتھ دھو رہے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جن میں آپس میں مقابلے

بازی چل رہی تھی کہ کون محمود علی کی زیادہ قربت حاصل کر سکتا ہے۔
ماموں نذیر حسین نے ایک دن اپنی بیگم سے کہا۔ ”سنتی ہو رقیہ، ایک بات پر تم نے غور نہیں کیا۔“
”کیا؟“ رقیہ بیگم بولیں۔
”کیا ان لوگوں کے دلوں میں اولاد کی خواہش نہیں ہوگی؟“
”اگر ہے بھی تو بڑے سادے لوگ ہیں، کبھی اظہار نہیں کیا کسی پر۔“
”ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے، اگر تم اس سلسلے میں ساتھ دو تو۔“
”ہاں کہو۔“
”کیوں نہ محمود علی کی دوسری شادی کرا دی جائے؟“
”لو کیا یہ ہمارے ہاتھ کی بات ہے؟“
”ارے بے وقوف، ہاتھ کی کوئی بات نہیں ہوتی، انسان کو آگے بڑھ کر کوشش کرنا پڑتی ہے۔“
”کیسی کوشش اور کیسے کرو گے؟“
”اپنی صوفیہ کے لیے کیوں نہ کوشش کی جائے۔“ ماموں نذیر حسین نے کہا اور رقیہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔
”مطلب کیا ہے تمہارا؟“
”مطلب یہ ہے کہ اپنے شہسوار کو آگے بڑھایا جائے، صوفیہ کوشش کرے کہ جس طرح بھی بن پڑے محمود علی اس کے شکنجے میں آ جائیں اور صوفیہ ان پر قبضہ جما لے۔ پھر بھلا بیگم کو طلاق دلوانا کون سا مشکل کام رہ جائے گا، ذکیہ بیگم کو طلاق، صوفیہ کا محمود علی سے شادی اور اس کے بعد سمجھ لو کہ حویلی ہماری ملکیت، جسے چاہیں گے رکھیں گے جسے چاہیں نکال دیں گے۔ رقیہ، میرے منہ میں پانی بھر آتا ہے جب میں محمود علی کی دولت کا جائزہ لیتا ہوں، محمود علی امیر ترین لوگوں میں سے ہے۔“
رقیہ بیگم گہری سوچ میں ڈوب گئیں، پھر بولیں۔ ”کوئی آسان کام تو نہیں ہوگا یہ۔“
”آسان کام ہو بھی سکتا ہے، ہم جس طرح بھی بن پڑے گا یہ کام کریں گے۔ پیروں فقیروں کی مدد لی جائے گی اور جس طرح بھی بن پڑے گا ہم محمود علی پر قابو پا لیں گے۔“
”دیکھو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ آرام سے یہاں زندگی گزار رہے ہیں۔ صوفیہ کی بھی کہیں نہ کہیں شادی ہو ہی جائے گی۔ یہاں جو رشتے آئیں گے وہ اسی خیال

کے تحت آئیں گے کہ صوفیہ بہرحال محمود علی کی رشتے دار ہے۔“
”میری بات سمجھ نہیں رہی ہو تم، صوفیہ کا مستقبل بھی محفوظ اور ہماری پانچوں انگلیاں گھی میں۔“
”مجھے یہ جوڑ توڑ نہیں آتے، تم جس طرح چاہے کرو۔“
”تم میرا ساتھ تو دو گی نا، اب ظاہر ہے میں صوفیہ سے یہ بات تو کہہ نہیں سکتا، باپ ہوں اس کا، لیکن تم اسے پوری طرح سمجھا سکتی ہو۔“ ماں نے اسے سمجھایا۔ ”صوفیہ تو نے کبھی آئینے میں غور سے اپنے آپ کو دیکھا ہے۔“
”کیوں اماں، بہت بدصورت ہوں کیا؟“
”پاگل، چند آفتاب چند مہتاب ہے تو۔ بدصورتی کی کیا بات کرتی ہے، مگر تیری اس خوبصورتی کی کوئی قدر نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تو نے خود کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔“
”لو اماں کیسی باتیں کر رہی ہو، میں کیا کوشش کروں اور کیسی کوشش مجھے کچھ سمجھاؤ تو سہی۔“
”دیکھو صوفیہ! بات بری نہیں ہے، ماں باپ کے دل کو تو نہیں جانتی، ماں باپ یہی سوچتے ہیں کہ بیٹی راج کرے، کوشش بھی کرتے ہیں لیکن بچوں کو بھی تعاون کرنا ہوتا ہے۔“
”تو میں آپ کے ساتھ کیا تعاون کروں؟“
”میرے دل میں محمود علی کا خیال بار بار آتا ہے، بے اولاد ہیں، ذکیہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے، بس تجھے ذکیہ کو شکست دینی ہے۔ محمود علی کی خدمت کر، ان کا دل ہاتھ میں لے یہاں تک کہ تو ان کے دل میں اتر جائے۔ اس کے بعد بھلا کیا مشکل ہوگا کہ تو ذکیہ کی جگہ لے لے۔“
صوفیہ حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ بہت دیر تک سوچتی رہی۔ محمود علی ویسے بھی خوبصورت اور اچھے آدمی تھے مگر اس انداز میں صوفیہ نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ اب جو ماں کی طرف سے اجازت ملی تو خود اس کے دل میں بھی پھول سے کھل گئے اور اس کے بعد اس نے کوششیں شروع کر دیں۔ زیادہ سے زیادہ محمود علی کے سامنے رہنے لگی۔ ان کے ہر کام کو اس طرح بھاگ بھاگ کر کرتی تھی کہ آخر کار محمود علی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔
کئی بار انہوں نے صوفیہ سے کہا۔ ”ارے نہیں صوفیہ، گھر میں اتنے ملازم ہیں، تم میرے کپڑے خاص طور سے استری کیوں کرتی ہو۔ یہ کام تو میں ذکیہ سے بھی نہیں کراتا، تم اتنی تکلیف نہ کیا کرو مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔“

"اگر کوئی دل سے کچھ کرے تو کم از کم اس کی پذیرائی تو کرنی چاہیے۔ میں کسی
کہنے سے تو کچھ نہیں کرتی۔ بس میرا دل چاہتا ہے کہ ہر وقت آپ کے لیے کچھ نہ کچھ
رہوں۔"

"تمہارا بے حد شکریہ۔" محمود علی نے سادہ دلی سے کہا۔ صوفیہ کی بات کو وہ سمجھ نہ
پائے تھے البتہ ایک رات بیٹھے بیٹھے انہوں نے ذکیہ سے کہا۔ "ذکیہ ایک خیال میرے
میں آتا ہے؟"

"کیا؟"

"ہم کینیا میں کتنی بار اس سلسلے میں بات کر چکے ہیں کہ کسی بچے کو گود لے لیں، لیکن
وہاں زیادہ تر مقامی بچے ملتے تھے لیکن یہاں بے شمار ایسے یتیم خانے ہیں جہاں سے
حاصل کیے جا سکتے ہیں، یہ کام بڑی آسانی سے ہو جائے گا۔"

ذکیہ سوچ میں ڈوب گئی، پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "کر لیں۔ اب
بھی تیار ہوں۔ یہاں تو بہت لوگ ایسے مل جائیں گے جو ہماری مدد کریں، بچے کی پرورش
میں ہمارا ساتھ دیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر کر لیں میں بھی اب دل سے تیار ہو گئی ہوں۔" ذکیہ نے کہا۔

محمود علی نے معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ بڑا آسان کام تھا۔ دولت سے
جانے کیا کیا کام ہو جاتے ہیں، یہ تو بڑی معمولی سی بات تھی۔ چنانچہ ان کے ایک کارکن
انہیں بتایا کہ ایک یتیم خانہ تھوڑے ہی فاصلے پر ہے اور وہاں بات کی جا سکتی ہے۔

محمود علی اپنے اس آدمی کے ساتھ چل پڑے، ذکیہ بیگم بھی ساتھ تھیں۔ اپنی پسند کا
لینا چاہتی تھیں۔ راستے میں وہ شخص جو انہیں گائیڈ کر رہا تھا ان سے باتیں کرتا چلا آ رہا
اس نے کہا۔ "یتیم خانے کے منتظم کو تھوڑی سی رقم ادا کرنی ہوتی ہے۔ ایک دو فارم
ہوتے ہیں اور بس اس کے بعد اور کچھ نہیں۔"

وہ لوگ یتیم خانے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ابھی وہ منتظم کے پاس پہنچے ہی
انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو ایک انتہائی خوبصورت بچی کو کاندھے سے لگائے اندر
ہوا تھا۔ منتظم اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا۔ یہ لوگ انتظار کرنے بیٹھ گئے تھے۔ اس
نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر یتیم خانے کے ایک کارکن سے پوچھا۔

"میں اس بچی کو یتیم خانے میں داخل کرانا چاہتا ہوں، اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہو

"کہاں سے ملی تمہیں یہ بچی، کون ہے، اس کے ماں باپ کا کوئی پتہ ٹھکانہ ہے؟"

"بہت دن ہوئے ایک دفعہ میں پلی بستی سے گزر رہا تھا کہ یہ مجھے مسجد کی سیڑھیوں پر
نظر آئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھ گچھ کی، کوئی بھی اس کا والی وارث نہیں تھا۔ میں اسے
اپنے گھر اٹھا لایا، مگر مجھے پتہ چل گیا کہ میں اس کی صحیح پرورش نہیں کر سکتا، اس لیے میں
اسے یتیم خانے میں داخل کرانے لایا ہوں۔"

یہ الفاظ محمود علی نے بھی سنے اور ذکیہ بیگم نے بھی۔ محمود علی فوراً اس شخص کے پاس
پہنچ گئے۔

"کیا نام ہے تمہارا بھائی؟"

"جی میرا نام خیر محمد ہے۔"

"خیر محمد ذرا دکھاؤ تو اس بچی کو۔" محمود علی نے کہا اور خیر محمد نے بچی ان کے سامنے کر
دی، ذکیہ بیگم بچی کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئیں، کہنے لگیں۔ "خیر محمد بھائی تم اسے یتیم
خانے میں داخل مت کراؤ، ہم اس کی پرورش کریں گے اسے ہمیں دے دو۔"

"آپ لے لیجیے بیگم صاحب! مجھے تو اسے کسی کے حوالے کرنا ہی تھا۔"

"آؤ پھر باہر آؤ، یہاں کسی سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔" یتیم خانے کے کارکن کو
کچھ رقم پیش کر کے یہ لوگ باہر نکل آئے اور پھر محمود علی، خیر محمد کو لے کر اپنی گاڑی کے پاس
پہنچ گئے۔

"دیکھو خیر محمد ہم لوگ بے اولاد ہیں۔ یتیم خانے میں ہم اسی لیے آئے تھے کہ کوئی بچہ
حاصل کر لیں، تم اگر اس بچی کو ہمیں دے دو تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

"صاحب جی اب یہ آپ کی ہوئی۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ اس کے والی وارث کا
کوئی پتہ نہیں..... آپ اسے پا لیں جی، بڑی پیاری بچی ہے۔ خدا قسم! میں بھی مجبوری کے
عالم میں دے رہا ہوں اسے، ورنہ میرا دل خود اس سے مل گیا ہے۔"

"واقعی اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ واقعی بچی بہت پیاری ہے، خیر محمد تم نے اتنے
دن اپنے ساتھ رکھا ہے تم اس پر خرچ کرتے رہے ہو گے۔ ہم تمہاری ہر خدمت کرنے کے
لیے تیار ہیں۔"

"نا جی نا، اللہ کا دیا ہمارے پاس بہت کچھ ہے اور پھر ایمان کی بات بتائیں آپ کو،
جب سے یہ بچی ہمارے پاس آئی ہماری تو تقدیر ہی بدل گئی۔ بڑی خوش نصیب ہے یہ۔
ہمیں کچھ نہیں چاہیے صاحب جی! بس آپ اسے لے لیں اور ہمیں اجازت دیں۔ ہم تو

آپ سے یہ بھی نہیں پوچھیں گے کہ آپ اسے کہاں لے جا رہے ہیں، ورنہ پھر دل
رہے گا اور ہم آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔"

"تم نے میری بہت بڑی مشکل حل کر دی خیر محمد۔ رشتے دار کھوج میں پڑ جاتے
کہاں سے آئی ہے؟ ذات پات کیا ہے؟ ماں باپ کون ہیں؟ میں نہیں چاہتا کہ اس
بارے میں کوئی کھوج کرتا ہوا تم تک پہنچے۔ چنانچہ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں
مجھے اپنے بارے میں بتاؤ اور بے فکر رہو کہ بچی شہزادیوں کی طرح میرے پاس پ
چڑھے گی۔"

"اللہ حافظ جی۔" خیر محمد نے کہا اس کی آنکھوں میں آنسو امڈے ہوئے تھے۔ وہ گ
جھکا کر واپس چل پڑا۔

ذکیہ بیگم نے بچی کو سینے سے لگایا تھا، بچی کے ننھے ننھے گلابی ہونٹوں پر
مسکراہٹ رچی ہوئی تھی۔ بس ایک بار اس نے آنکھیں کھول کر ذکیہ بیگم کو دیکھا تھا جیسے
کو پہچان رہی ہو اور اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

❀ ❀ ❀

راج گندل لکیروں پر سفر کر رہا تھا، جو نقشے اس نے اپنے ذہن میں ترتیب دیے
ان پر چلتا ہوا آخر کار وہ اس علاقے میں پہنچ گیا، جہاں کا پتہ اسے بتایا گیا تھا۔ اس نے
حلیہ بدل رکھا تھا اور وہ فقیر بنا ہوا تھا۔ پھر وہ بھٹیار خانے کے پاس پہنچ کر رکا۔ اندر
کھانے پینے کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔

وہ خیر محمد کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ اس نے ایک آدمی سے پوچھا۔ "میاں جی! اس
کا مالک کون ہے؟"

"بھائی خیر محمد، وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے، ان کا گھر......؟"

"جی وہ سیدھے ہاتھ پر آگے چلے جاؤ۔ دو موڑ مڑنے کے بعد تمہیں ایک گھر
جائے گا جو بن رہا ہے۔ اس کے برابر والے گھر میں خیر محمد بھائی رہتے ہیں۔ پر کام کیا
آپ کو ان سے بابا جی! خیر محمد بھائی سے تم ابھی مل لو۔"

"میں کسی اور کام سے ادھر آیا ہوں۔" راج گندل نے کہا۔

خیر محمد بھٹیار خانے میں تھا اور بہت مصروف نظر آ رہا تھا اس لیے اس بات کی امید
تھی کہ وہ فوراً ہی گھر جانے کا ارادہ کرے۔ راج گندل تلاش کرتا ہوا خیر محمد کے گھر پہنچ

اس نے دروازے کی زنجیر بجائی تو کنیز باہر نکلی۔ فقیر کو دیکھ کر اس نے کہا۔ "رک جائیے بابا
جی میں کچھ لاتی ہوں۔"

"نہیں سندری! تو رک جا ہمیں تجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔" راج گندل نے کنیز کو
دیکھتے ہوئے کہا، وہ جانتا تھا کہ نوجوان لڑکیوں کی کمزوری کیا ہو سکتی ہے۔

کنیز ذرا خجل سی ہو گئی تھی اس نے کہا۔ "بابا جی جو کچھ چاہیے میں اماں کو بتاتی ہوں جا
کر......"

"سندری رک جاؤ، ہمیں کچھ نہیں چاہیے، ہم تو تجھے ایک خوشخبری سنانے آئے ہیں
ایک لمبا فاصلہ طے کر کے اور خوشخبری یہ ہے کہ بس تیری تقدیر کے ستارے چمکنے والے ہیں،
دیکھ...... ہم تجھے بے وقوف نہیں بنا رہے، ہم تجھے وہ خوشخبری سنا رہے ہیں جو تجھے کوئی نہیں
سنا سکتا۔ تیرا رشتہ آنے والا ہے۔ ایک ایسے گھر سے جو بہت بڑے زمیندار ہیں اور سندری
جس لڑکے کا رشتہ تیرے لیے آنے والا ہے وہ چاند کا ٹکڑا ہو گا۔ یہ بات ہم نے خواب میں
دیکھی ہے اور تجھے بتانے چلے آئے ہیں۔"

کنیز کا دل ڈول گیا۔ ایک انوکھی بات اس نے سنی تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا پھر
بولی۔ "مگر بابا جی، میری تو پانچ بہنیں اور بھی ہیں۔"

"او پاگل میں ان پانچوں کی بات نہیں کر رہا تیری کر رہا ہوں۔ تو دیکھ تیری داہنی آنکھ
کے پاس یہ ننھا سا تل ہے۔ یہ اشارہ کرتا ہے کہ وہ رشتہ صرف اور صرف تیرے لیے آئے گا
تو اپنی بہنوں میں چھوٹی ہو یا بڑی، جب لڑکے والے لڑکی دیکھنے آئیں گے تو وہ تیری ہی
طرف رخ کریں گے۔"

"بابا جی آپ چائے تو پی لیجیے میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

"نہیں ہم کسی کے ہاں کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں، ہم تو تجھے بس ایک بری خبر سے
بچانا چاہتے تھے۔"

"بری خبر؟"

"ہاں ایک بچی کہیں سے آئی ہے تیرے پاس، چھوٹی سی بچی ہے۔ کہیں باہر سے
تیرے گھر پہنچی ہے۔ بس سمجھ لو کہ تم لوگوں کی خوش بختی میں وہی رکاوٹ ہے۔ اس رکاوٹ کو
تجھے دور کرنا ہو گا۔ اس کے بعد تیری تقدیر کے ستارے اسی طرح کھلیں گے کہ تم سوچ بھی
نہیں سکتیں، اس بچی کو اپنے آپ سے جدا کر دو۔"

"بب...... بچی...... بچی بابا صاحب، وہ تو چلی گئی یہاں سے۔"

راج گندل کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ ”چلی گئی۔“

”ہاں بابا صاحب! آپ اسے منحوس کہہ رہے ہیں، اس کے آنے سے تو ہماری تقدیر بدل گئی۔ یہ برابر میں جو گھر بن رہا ہے یہ ہمارا ہے، اس سے پہلے ہمیں پیٹ بھر روٹی کے لیے مشکل پیش آتی تھی۔“

”بچی کہاں چلی گئی، میں یہ پوچھ رہا ہوں؟“

”ابا اسے کہیں چھوڑ آئے۔“

”کہاں چھوڑ آئے۔“

”اب ہمیں کیا معلوم، بس ہماری اماں نے اسے بھگا دیا۔“

راج گندل کے دل پر چرکے پر چرکے لگ رہے تھے، لیکن بھلا یہاں کیا کہتا، اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔ ”کہاں چھوڑ آئے آخر اور کیوں چھوڑ آئے، کوئی وجہ تو ہوگی؟“

”اماں اس سے ڈرتی تھی۔ اماں کہتی تھی کہ اس پر کسی کا سایہ ہے، اماں نے اس کے پاس کسی کو دیکھا تھا اور اماں یہ بھی کہتی ہے کہ وہ کوئی بھتنی ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ہم سب نے بھی اسے قریب سے دیکھا ہے بابا صاحب! بڑی پیاری بڑی معصوم سی بچی تھی، بس اتنی سی بات تھی کہ اپنی عمر سے زیادہ ہوشیار تھی اور ہر بات کو سمجھتی تھی۔“

”میں کہتا ہوں آخر وہ چلی کہاں گئی۔ تیری ماں سے مل سکتا ہوں میں؟“ راج گندل نے کہا۔

”ہاں، اماں ہی تمہیں ساری بات بتا دے گی۔“

تھوڑی دیر کے بعد رشیدہ، راج گندل کے سامنے پہنچ گئی۔ کنیز نے جا کر کہا تھا کہ کوئی پہنچا ہوا فقیر تم سے ملنا چاہتا ہے۔ رشیدہ جو بچی کے جانے کے بعد کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی فقیر کی خدمت میں حاضر ہو گئی۔

راج گندل نے اسے دیکھا اور کہا۔ ”تو ان بچیوں کی ماں ہے؟“

”ہاں بابا۔“

”اور اس ہوٹل والے کی بیوی ہے؟“

”خیر محمد ہے میرے میاں کا نام۔“

”ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں، کیا تجھے معلوم ہے کہ جو بچی تیرے گھر آئی تھی وہ تم لوگوں کے لیے نحوست کا نشان تھی، مگر میں نے سنا ہے کہ تم لوگوں نے اسے گھر سے نکال دیا۔“

”نحوست کا نشان تھی...... کیا واقعی؟“ رشیدہ نے اپنے دل کی بات سن کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”ایسی ویسی نحوست کی، اگر وہ تھوڑے دن اور تیرے پاس رہ جاتی تو سمجھ لے کہ تیرا گھر کٹے ہوئے کھیت کی طرح ہو جاتا۔ ایک ایک کر کے تیری ساری بیٹیاں مر جاتیں، پھر تیرا پتی مر جاتا۔“

”پتی؟“

”ہاں شوہر، شوہر۔“ راج گندل جلدی سے بولا۔

”میں تو پہلے ہی کہتی تھی، بابا جی! تمہاری بڑی مہربانی ہوگی، یہ بات تم خیر محمد کو بھی بتا دو۔“

”سب کو بتا دوں گا، مجھے تو بہت دور سے بھیجا گیا ہے تم لوگوں کی مدد کرنے کے لیے تمہارے اوپر سے نحوست ٹالنے کے لیے، مگر وہ بچی میرے آنے سے پہلے ہی نکل گئی۔ تم مجھے ذرا اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔“ راج گندل نے کہا۔

رشیدہ کے دل میں تو پکوان پک رہے تھے۔ اس کے دل میں بچی کی طرف سے بڑا دھواں بھرا ہوا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ تفصیل سے سونی کے واقعات سنانا شروع کر دیئے۔ راج گندل بڑی محویت سے پوری بات سن رہا تھا۔ رشیدہ خاموش ہوئی تب بھی راج گندل سر جھکائے بیٹھا سوچ میں ڈوبا رہا تھا۔

اب یہاں رکنا بے کار تھا، وہاں سے اٹھا اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر ایک طرف چل پڑا۔ رشیدہ اسے پیچھے سے آوازیں دیتی رہی تھی۔

”سنیے تو سہی بابا، کچھ کھا پی کر جایئے، آپ کافی پہنچے ہوئے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے کچھ خدمت کا موقع دیجیے۔ ہماری مصیبت ٹل گئی، میرے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔“

مگر راج گندل نہیں رکا تھا، وہ کافی دور جا کر پیپل کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اسے بڑا دکھ ہوا تھا۔ کاش کچھ وقت پہلے یہاں پہنچ جاتا۔ بچی کی موجودگی کا پتہ چل گیا تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کے دل میں اور بھی بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ یہ کیا قصہ ہے؟ بچی بے شک جادو منتروں کے زیر اثر قبر میں پیدا ہوئی تھی، لیکن ایسا کون تھا جو اس کی اس طرح حفاظت کر رہا تھا۔

ایک ہی خیال دل میں آ سکتا تھا اور وہ تھا ادریس علی کا۔ وہ مسلمان عالم با قاعدہ مجھ

سے مقابلہ کر رہا ہے اور میرے راستے کاٹتا جا رہا ہے۔ کیا کروں میں اس کے لیے؟ کروں۔

کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ بچی اگر مجھے نہ ملی اور میں مہان شکتی نہ پا سکا تو میں اس کو بھی نہیں چھوڑوں گا، ایسی اذیت دوں گا اسے کہ جیون بھر تڑپتا اور کلستا رہے۔ سوچ لے ادریس علی! میرے راستے سے ہٹ جانا ہی تیرے لیے بہتر رہے گا۔ میں کوئی دو کوڑی کا انسان نہیں ہوں۔ میں مہان گیانی ہوں۔ ایسے ایسے منتر ہیں میرے پاس کہ آخر تجھے شکست کھانی پڑے گی۔

میں تجھ سے لڑنا نہیں چاہتا پر مہاشکتی مان بننے کے لیے مجھے بڑی محنت کرنا ہوگی، میری بس ایک ہی خواہش ہے وہ بچی مجھے مل جائے تو میں اس کو پروان چڑھاؤں اور وہ جب پہلی بار اپنے دھرم کا نام لے تو میں مہا سابلی کو اس کی بلی دے دوں۔ بس میرا کام پورا، دیکھ مجھے میرا کام کرنے دے ادریس علی! میں جانتا ہوں وہ تو ہی ہے جو بار بار اس بچی کی سہائتا کرنے کے لیے سامنے آ جاتا ہے۔ دیکھ لوں گا تجھے دیکھ لوں گا۔

شام ہوگئی، وہ پیپل کے اسی درخت کے نیچے بیٹھا رہا اور پھر جب سورج غروب ہو گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک بار پھر خیر محمد کے بھٹیار خانے کی جانب چل پڑا جو اب بھٹیار خانہ نہیں بلکہ ایک باقاعدہ ہوٹل بن چکا تھا۔

خیر محمد اب بھی وہیں موجود تھا۔ راج گندل ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ بیٹھ گیا اور اس طرح اسے بیٹھے بیٹھے کافی دیر گزر گئی۔

خیر محمد ہی کی نگاہ اس پر پڑی تھی اس نے اپنے ایک ملازم سے کہا۔ "وہ سامنے ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے، شاید کھانے کے انتظار میں ہے، تم اسے کھانا دے آؤ۔"

"جی مالک۔" ملازم نے کہا اور فقیر کے لیے اچھا سا کھانا نکال کر ٹرے میں رکھ کر چل پڑا۔

یہ کھانا اس نے راج گندل کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "بابا جی، ہمارے مالک نے آپ کے لیے کھانا بھیجا ہے، آپ چاہیں تو یہاں کھا لیں اور اگر آپ کا دل چاہے تو ہمارے ہوٹل میں آ کر کھا لیں۔"

"اپنے مالک سے ایک بات کہو، میں بھوکا نہیں ہوں، اتنا کچھ رکھ سکتا ہوں اس کے سامنے کہ اس سے سمیٹا نہ جائے۔ اس سے کہو کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ یہ کھانا واپس لے جا۔"

ملازم کھانا لے کر واپس گیا اور اس نے خیر محمد کو پوری تفصیل سنا دی۔ خیر محمد جو نیک نیت، نیک فطرت اور نیک طبیعت کا آدمی تھا اپنا سارا کام چھوڑ کر راج گندل کے پاس پہنچ گیا۔

"سلام بابا۔"

"بیٹھ جا، بڑا بھاگوان ہے تو کہ ہم خود چل کر تیرے پاس آئے۔ ہم تیرے گھر بھی گئے تھے۔ تیرے اوپر ایک بہت بڑی مصیبت تھی جو ٹل گئی، وہ بچی جو تیرے پاس آ گئی تھی کچھ بیچ میں کچھ مت بولنا ہماری باتیں غور سے سن یہ کبھی کبھی جو کچھ نظر آتا ہے وہ نہیں ہوتا، تیری دھرم پتنی پر جو کچھ بیتی بالکل صحیح تھی۔ تھوڑے دن کے بعد وہ اپنے پر پرزے نکالتی اور اس کے بعد جو ہوتا تجھے اپنے لیے رونے والے بھی نہ ملتے، کیا سمجھا؟"

"بابا جی آپ......"

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں ہم، ہمیں تجھ سے کوئی لالچ نہیں ہے بلکہ تو ہم سے مانگ، کیا مانگتا ہے۔ ہم تجھے دولت کے انبار دے سکتے ہیں۔ وہ بچی جس کا نام تم نے سونی رکھا تھا، یہ بات مجھے تیری دھرم پتنی نے بتائی تھی، وہ سونی نہیں تمہارے لیے اگن تھی اگن، تھوڑے دنوں کے بعد وہ تیرے سارے پریوار کو جلا کر بھسم کر سکتی تھی۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں بابا جی؟"

"سچ کہہ رہے ہیں ہم، وہ زبان بول رہے ہیں جو اس کی زبان تھی۔ سنا ہے تو اسے کہیں چھوڑ آیا۔ دیکھ وہ پھر تیرے پاس واپس آ سکتی ہے کیونکہ اس کا کام یہی ہے کہ تجھے نقصان پہنچائے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو محفوظ رہے، بتا وہ کہاں ہے، کہاں چھوڑ آیا تو۔"

"بابا جی اگر ایسی بات ہے تو میں آپ کا احسان مند ہوں۔ میں نے اس کی بڑی خدمت کی تھی اور اس کی طرف سے بھی کافی صلہ ملا، وہ تو میری بیوی اس سے خوفزدہ تھی اس لیے میں اسے چھوڑ آیا جو کچھ وہ کہتی تھی میں نے تو کبھی نہیں دیکھا تھا، لیکن بہرحال اب تو وہ قصہ ہی ختم ہوگیا۔ بے چاری نہ جانے کہاں چلی گئی ہوگی۔ اللہ ہی جانے، بابا وہ...... وہ بس...... میرا دل خون کے آنسو روتا ہے اس کے لیے......"

"تیرا دل خون کے آنسو تو اس سے روتا جب تیری بیٹیاں مرنا شروع ہو جاتیں۔"

"بابا جی میں اسے یتیم خانے لے گیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں اسے یتیم خانے میں داخل کرا دوں۔ ابھی میں یتیم خانے کے دفتر میں بیٹھا یتیم خانے کے منتظم کا انتظار کر رہا تھا کہ دو میاں بیوی مجھے ملے۔ بڑے دولت مند لوگ تھے، وہ یتیم خانے سے کسی بچے کو گود

لینے آئے تھے۔ کیونکہ ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ جب میں نے اپنے مقصد کی بارے
تو وہ دونوں میری جانب متوجہ ہو گئے۔ مجھے باہر لے آئے اور پھر انہوں نے کہا کہ وہ
انہیں دے دیں، وہ بے اولاد ہیں۔ انہوں نے بابا جی مجھے پیشکش کی کہ میں جتنی رقم چاہ
لے لوں مگر مجھے اللہ کے فضل سے رقم کی ضرورت نہیں تھی، بچی میں نے ان کے حوالے
دی اور وہ اسے لے کر چلے گئے۔''

''ستیاناس تیرا ستیاناس، کون تھے وہ، کہاں سے آئے تھے اور کہاں گئے پتہ بتا مجھے
راج گندل کا پارہ چڑھ گیا۔ اسے پے در پے اپنی ناکامی پر دلی رنج ہو رہا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم بابا، آپ یقین کیجیے مجھے بالکل نہیں معلوم، وہ ایک بہت لمبی سی
میں بیٹھ کر چلے گئے تھے۔''

''اور انہوں نے تجھے اپنا کوئی اتہ پتہ نہیں دیا۔''

''نہیں میں نے لیا ہی نہیں، اصل میں میرے دل میں اس بچی کے لیے پیار پیدا
گیا تھا مگر میری بیوی نے اس کا ناک میں دم کر دیا تھا اور میرا بھی۔ بس میں اس سے دوبا
نہیں ملنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ان لوگوں سے کوئی پتہ وغیرہ نہیں پوچھا۔''

''اس کار کا کیا نمبر تھا جس میں وہ بیٹھ کر گئے تھے؟''

''بابا جی میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں اور پھر نمبر دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس
تھی میں نے۔''

''تو اب تو نہیں جانتا کہ وہ لوگ کہاں چلے گئے؟''

''نہیں بابا جی۔''

راج گندل نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر تک اس کے چہرے پر غم و غصے کے
تاثرات رہے، پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چل پڑا۔ سخت دلی رنج و غم کا شکار تھا، نجانے کتنی
محنت سے بھیروں جگایا تھا اور اس سے معلومات حاصل کی تھیں۔ بھیروں کا کہا بالکل ٹھیک
تھا۔ یہی پتہ تھا اور یہاں اسے لڑکی کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم ہوئی تھیں لیکن لڑکی
ہاتھ نہیں لگی تھی۔ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''میں جانتا ہوں ادریس علی، میں جانتا
ہوں تو میرے صبر کو آزما رہا ہے، تو کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو۔ میں بھی سفلی علم جانتا ہوں
میں بھی مہا کالی کا داس ہوں، دیکھتا ہوں تو کہاں کہاں میرے راستے روکتا ہے۔ تلاش تو
میں اسے کر ہی لوں گا اور ادریس علی جب وہ مجھے مل جائے گی نا اور میں اپنا کام پورا کر لوں
گا تب...... سوگند کھاتا ہوں سات چراغوں کی کہ سب سے پہلے اپنی شکتی کو تیرے ہی خلاف

استعمال کروں گا۔'' راج گندل پاؤں پٹختا ہوا نجانے کہاں کا سفر طے کرنے لگا۔

❀ ❀ ❀

چوہدری شاہنواز حالانکہ اوباش فطرت انسان تھے۔ بڑی رنگ رلیاں مناتے رہے
تھے لیکن عرشیہ نے ان کے دل میں اس طرح گھر کیا تھا کہ وہ خود کو اس سے دور نہ رکھ سکے
تھے اور بھاری رقم ادا کر کے اسے اس بازار سے لے آئے تھے اور پھر پوری عزت کے ساتھ
اس سے نکاح کر کے اسے اپنے گھر میں رکھا تھا۔

عرشیہ کے اس طرح غائب ہو جانے سے وہ سخت غمزدہ ہو گئے تھے اور اسے تلاش
کرنے کے لیے انہوں نے زمین و آسمان ایک کر رکھا تھا۔

حمید خاں اور اس کے آدمی ایک طرف عرشیہ کو تلاش کر رہے تھے تو دوسری طرف اس
پراسرار فقیر کو جس پر شبہ تھا کہ عرشیہ کی گمشدگی میں اس کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

ایک دن بڑے غمزدہ لہجے میں انہوں نے حمید خاں سے کہا تھا۔ ''حمید خاں وہ میرے
بچے کی ماں بننے والی تھی۔''

''میں جانتا ہوں سرکار۔''

''یار...... اسے ملنا ہی چاہیے۔ میری اتنی بڑی جائیداد اور دولت کا وارث مجھے ملنے
والا تھا میں اس سے بھی محروم ہو گیا۔''

''سرکار ایک بات دماغ میں آئی ہے، بولتے ہوئے ڈرتا ہوں مگر آپ کی نمک خواری
میں کہہ رہا ہوں۔''

''ہاں بول......''

''میری مانیں تو ایک بار اس بازار میں ضرور دیکھ لیں۔ اس عورت کی سازش بھی ہو
سکتی ہے جس کے پاس سے آپ بیگم صاحبہ کو لائے تھے۔ یہ عورتیں بڑی کینہ پرور ہوتی
ہیں۔''

❀ ❀ ❀

پھر دس مسلح افراد دن کی روشنی میں بالا خانے پہنچے تھے، حمید خاں اور چوہدری شاہنواز
ان کے ساتھ تھے، بائی جی انہیں دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی تھیں۔

''عرشیہ کہاں ہے؟'' چوہدری صاحب کی غرائی ہوئی آواز ابھری۔

''ہائے میرے مولا...... اسے تو آپ لے گئے تھے چوہدری صاحب!'' بائی جی نے
ہول کر کہا۔

"اور اس کے بعد تم نے چالاکی سے اسے میری حویلی سے اغوا کرا لیا۔"

"ہائے میرے مولا، جتنی بڑی قسم چاہے مجھ سے لے لیجیے آپ، ہم نے اس کی قیمت لے لی تھی آپ سے۔ اگر آپ کچھ نہ بھی دیتے تو بھی ہم آپ کا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ ایسی کوئی حرکت ہم نہیں کر سکتے تھے چوہدری صاحب! دوسری بچیاں بھی ہمارے گھر میں ہیں۔ ہم بھی عزت دار ہیں، ایسی حرکتیں ہم نہیں کرتے، اگر آپ کو ہمارے اوپر ایسا کوئی شبہ ہے تو جو چاہو تحقیقات کر لو جی۔ مجرم نکل آئیں تو گولیوں سے اڑا دینا، اف تک نہیں کریں گے۔ ہم اتنی ہمت والے لوگ نہیں ہیں کہ آپ جیسے بڑے لوگوں سے پنگا لیں۔" بائی جی زار و قطار رونے لگی۔

چوہدری شاہنواز بھرپور جائزہ لے رہے تھے، بائی جی سے اور بھی بہت سی باتیں ہوئیں اور یہ اندازہ ہو گیا کہ بائی جی نے اس سلسلے میں کوئی کارروائی نہیں کی، چنانچہ چوہدری صاحب وہاں سے چلے آئے لیکن دل کو کسی طور قرار نہیں تھا، بار بار یہ خیال دل میں آ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے اس سلسلے میں شاہینہ بیگم کا ہاتھ ہو، ایسا ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے کیا کیا جائے؟ حمید خاں کو ہدایت تھی کہ اس فقیر کی تلاش برابر جاری رکھی جائے جس پر شبہ تھا اور پھر خود انہوں نے فیصلہ کیا کہ جیسے بھی بن پڑے شاہینہ بیگم کی زبان کھلوائی جائے۔ جب سے عرشیہ بیگم لکڑ موڑ حویلی آئی تھیں، چوہدری صاحب کا شاہینہ بیگم کے پاس جانا کم ہی ہوتا تھا لیکن بالکل رابطہ منقطع نہیں کیا تھا۔ کبھی کبھی چکر لگا لیا کرتے تھے اور شاہینہ بیگم کی شکایتوں کے پٹارے کھل جاتے تھے۔

چوہدری صاحب نے چالاکی سے شاہینہ بیگم سے صورت حال معلوم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے بعد حمید خاں کو ہدایت دے کر بڑی حویلی چل پڑے۔ حمید خاں اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔ جب چوہدری شاہنواز بڑی حویلی میں داخل ہوئے تو شاہینہ بیگم کو فوراً ہی ان کے آنے کی اطلاع مل گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ چوہدری صاحب کے استقبال کے لیے نکل آئیں۔

چوہدری شاہنواز کی گہری نگاہیں شاہینہ بیگم کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں اور ایک لمحے میں انہیں احساس ہوا کہ شاہینہ بیگم کے انداز میں وہ جلاپا نہیں تھا جو ہوا کرتا تھا بلکہ اس وقت ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ یہ نئی بات تھی خاص طور سے جب سے عرشیہ بیگم آئی تھی اس کے بعد سے چودھری صاحب اگر کبھی اندر داخل ہوتے تو شاہینہ بیگم کے چہرے کو جھلسا ہوا ہی پاتے۔ یہ مسکراہٹ چوہدری صاحب کو شبہے میں ڈال رہی تھی لیکن

مہلت سے کام لینا مناسب سمجھا، اپنے مخصوص انداز میں وہ اندر داخل ہو گئے۔

"بہت دنوں کے بعد نیاز حاصل ہوئے۔" شاہینہ بیگم نے چوہدری صاحب کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں شاہینہ بیگم! آپ کی کوششوں کے قائل ہو گئے۔ خاص طور سے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ آپ بھی ہماری طرح ذہانت کے ساتھ سازشیں کر لیتی ہیں۔"

صرف ایک لمحے کے لیے شاہینہ بیگم کے چہرے پر ایک تاریک لہر آئی تھی اور پھر انہوں نے خود پر قابو پا لیا اور مسکرا کر بولیں۔ "ہائے اتنے دن کے بعد آئے، مگر الزام لگاتے ہوئے، خیر ہمیں یہ بھی قبول ہے، کم از کم درشن ہو جاتے ہیں، کون سی سازش کے بارے میں فرما رہے ہیں آپ چوہدری صاحب؟"

"چھوڑو شاہینہ بیگم! بھلا حقیقتیں کب تک چھپتی ہیں، آپ خود بھی جانتی ہیں اور پھر ہم کھوج بھی کر رہے ہیں، پتہ چل ہی جائے گا۔"

"یہ کوئی نیا مذاق ہے یا آپ سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔" شاہینہ بیگم نے اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ دل میں ایک خوف ضرور تھا اور وہ سوچ رہی تھیں کہ کہیں بھانڈا پھوٹ نہ گیا ہو لیکن مدافعت کر رہی تھیں۔

چوہدری صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے تھے اور شاہینہ بیگم خاموشی سے ان کی شکل دیکھتی رہی تھیں، پھر چوہدری صاحب نے کہا۔ "خیر چھوڑیئے، آپ بتایئے کیسی گزر رہی ہے؟"

شاہینہ بیگم نے چہرے پر افسردگی پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کے بغیر جیسی گزر سکتی ہے، ویسی ہی گزر رہی ہے، کیا کہیں اور کیا نہ کہیں۔"

"یقیناً آپ کو سن کر خوشی ہوئی ہو گی کہ عرشیہ بیگم لکڑ موڑ حویلی سے غائب ہیں۔"

"ہاں خبریں تو پہنچ ہی جاتی ہیں اڑتی ہوئی لیکن آپ کیا سمجھتے تھے چوہدری صاحب، جہاں سے آپ انہیں لائے تھے وہاں سے آنے والے ذرا مشکل ہی سے شریف گھرانوں میں رکتے ہیں۔"

"ایک جملہ مت کہنا شاہینہ بیگم، عرشیہ کے خلاف، میں اگر اپنی زبان کھولوں گا تو برا مان جائیں گی آپ۔ بس اتنا ضرور کہوں گا کہ آپ جیسی شریف زادیوں سے بدرجہا بہتر تھی عرشیہ اور جس نے اسے غائب کرایا ہے اس کا پتہ چل جانے کے بعد اسے زندہ درگور کر دوں گا، مجھ سے مقابلہ کرنا آسان بات نہیں ہے۔"

"لگتا ہے آپ کو مجھ پر کچھ شبہ ہے۔"

"مجھے تو ساری دنیا پر شبہ ہے، حقیقت پتہ چل جائے تب دیکھوں گا۔"

"میں تو سمجھی تھی کہ آپ کو میری یاد یہاں لے آئی ہے، خوش ہوئی تھی اس بات پر کہ آپ حویلی آئے، لیکن آپ یہ چرکے لگانے آئے تھے۔ یہ بات نہیں جانتی تھی میں۔ ز... آپ مالک ہیں حویلی کے، جو چاہیں سلوک کریں میرے ساتھ۔"

"شاہینہ بیگم عرشیہ کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟"

"کیا کہوں، میرے آگے تو اولاد بھی نہیں ہے کہ اس کی قسم کھا کر آپ کو یقین دلا سکوں۔ آپ کی قسم کھاؤں گی تو آپ کہیں گے کہ میں تو ہوں ہی آپ کی دشمن۔ جھوٹی قسمیں کھانا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" شاہینہ نے آزردگی سے کہا۔

اسے خود حیرت ہو رہی تھی وہ اتنی چالاکی اور اتنے اعتماد سے کس طرح چوہدری شاہنواز سے باتیں کر رہی ہے۔ اس کے دل میں چور تھا لیکن اس وقت وہ اس طرح بن گئی تھی جیسے اسے واقعی اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہو۔

چوہدری شاہنواز دیر تک اس کے پاس بیٹھے رہے اور اس کے بعد وہاں سے واپس چلے آئے۔ شاہینہ بیگم نے محبت بھرے انداز میں انہیں روکنے کی کوشش بھی کی تھی تو چوہدری شاہنواز نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔ "عرشیہ کا پتہ چل جائے شاہینہ بیگم اس کے بعد آپ کے پاس ذرا تفصیل سے آؤں گا۔" یہ کہہ کر وہ حویلی سے باہر نکل آئے اور اس کے بعد گا... موڑ حویلی چل پڑے۔

وہ اس ملاقات کا گہری نگاہ سے جائزہ لے رہے تھے۔ شاہینہ ہمیشہ ان سے جلی کٹی باتیں کرتی تھی، وہ جب بھی سامنے آتے مسکرا کر بات نہیں کرتی تھی، لیکن آج اس نے شگفتگی سے ان کا استقبال کیا تھا، اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ اسے عرشیہ کی گمشدگی کا پتہ چل گیا ہو اور پھر اس وقت جب انہوں نے اس سے باتیں کی تھیں تو ایک لمحے کے لیے آزردہ ہوئی تھی۔

بہرحال کوئی خاص ثبوت نہیں مل سکا تھا، بس ایک خیال تھا کہ کہیں شاہینہ بیگم نے جلاپے میں کوئی ایسا عمل نہ کر ڈالا ہو جو عرشیہ کی گمشدگی کا سبب بنا ہو۔ بظاہر کوئی ذریعہ نہیں تھا ان کے پاس مزید معلومات حاصل کرنے کا لیکن کوششیں جاری رکھنا چاہتے تھے اور اب ان کے دل میں یہ خیال بھی جڑ پکڑ چکا تھا کہ ان کی جائیداد کا وارث بیٹا یا بیٹی عرشیہ کے ہاں جنم لینے والا تھا، عرشیہ اگر زندہ ہے تو اس کی تلاش میں ہر قدم اٹھایا جا سکتا ہے، وہ انکی

سوچوں میں ڈوبے ہوئے حویلی پہنچے تھے۔

حمید خاں کی طرف سے بھی کوئی امید افزا خبر نہیں مل رہی تھی، البتہ اس نے ایک اور مشورہ دیا تھا۔ "چوہدری صاحب، اگر ہم اخبار میں بیگم صاحبہ کی تصویر چھپوا دیں اور لوگوں سے کہیں کہ جو بھی ان کے بارے میں تفصیل بتائے گا اسے ایک لاکھ روپے انعام دیئے جائیں گے تو کیا یہ مناسب نہیں رہے گا؟"

"میں نے سوچا تھا حمید خاں! یہ بات میرے ذہن میں بھی آئی تھی، لیکن بس یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ میرے جاننے والے حلقوں میں میرا مذاق اڑے گا۔ لوگوں کی زبانیں تو نہیں روکی جا سکتیں، کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چوہدری شاہنواز کی بیوی بھاگ گئی ہے اور بھی کیچڑ اچھالی جا سکتی ہے عرشیہ کے کردار پر، کیونکہ بہرحال اسے کچھ لوگ تو چہرے سے پہچانتے ہی ہوں گے۔"

"بس صاحب یہ خیال میرے دل میں آیا تھا کہ ایسا کیوں نہ کر لیا جائے۔"

"حمید خاں یہ بھی کر لیں گے، پہلے ذرا تھوڑی سی کوششیں اور کر لی جائیں، میں سوچ رہا ہوں تم بھی سوچو پھر کوئی مناسب فیصلہ کریں گے۔"

☆

چوہدری شاہنواز نے زندگی بڑے لا ابالی انداز میں گزاری تھی لیکن نہ جانے کیوں
عرشیہ سے اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ اس کی گمشدگی کے بعد انہوں نے تمام مشغلے ترک کر
دیئے تھے اور صرف اسے تلاش کر رہے تھے۔ حمید خاں بھی ان کے ساتھ تھا۔ دن رات
انہی سوچوں میں گم رہتے تھے کہ آخر عرشیہ کہاں چلی گئی۔ کسی سازش کا شکار ہوئی ہے یا
اس نے خود یہ حویلی چھوڑی ہے۔ اس وقت بھی شاہینہ بیگم کے پاس سے واپس آ کر وہ بری
الجھے ہوئے تھے۔ انہیں شاہینہ بیگم پر کافی شبہ تھا لیکن صرف شبے سے کچھ نہیں ہوتا، ہر
کے لیے ثبوت ضروری ہوتا ہے۔ حمید خاں نے اس وقت ایک اچھا مشورہ دیا تھا لیکن اس
میں جو قباحت تھی وہ انہوں نے حمید خاں کو بتا دی تھی۔ تمام تر برائیوں کے باوجود ایک
میں ان کی عزت آبرو تھی۔ اس اشتہار کے بعد ان کی سبکی ہو گی، لوگ طرح طرح
سوالات کریں گے۔ چہ میگوئیاں کریں گے کوئی کچھ کہے گا کوئی کچھ۔

"ایک کام تم فوراً کرلو حمید خاں!" انہوں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"جی سرکار حکم۔" حمید خاں مستعدی سے بولا۔

"دیکھو ہمیں کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، شاہینہ میری بیوی ہے ایک اچھے
کی بیٹی ہے لیکن عورت کی عقل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا، کب نادانی کر بیٹھے اور
بھی تم جانتے ہو کہ عورت کے لیے سوکن ناگن سے بدتر ہوتی ہے وہ ناگن سے پہلے سوکن
مارنا زیادہ بہتر سمجھتی ہے۔ تم ایسا کرو کہ نہایت ہوشیاری سے کچھ لوگوں کو شاہینہ بیگم کی نگرانی
لگا دو، اور یہ بھی معلوم کراؤ کہ شاہینہ بیگم سے پچھلے دنوں کون کون ملنے آیا یا وہ کہاں کہاں
گئیں کیا تم یہ کام کر سکو گے؟"

"دل و جان سے سرکار، بڑی حویلی میں میرا بھانجا۔ شعبان اور اس کی بیوی کام
کرتے ہیں بلکہ رضیہ تو بڑی بیگم صاحب کے پاس ہی ہوتی ہے۔ میں ان لوگوں کی ڈیوٹی
لگاتا ہوں۔"

"مگر ہوشیاری سے۔ دیکھو شاہینہ ایک چالاک عورت ہے۔ اگر واقعی جلاپے میں اس
نے کوئی غلط قدم اٹھا لیا ہے تو اس نے اپنی حفاظت کا بھی ضرور بندوبست کیا ہو گا۔ بہت
ہوشیاری کی ضرورت ہے۔"

"آپ بالکل بے فکر رہیں۔ سرکار!" حمید خاں نے جواب دیا۔

❀ ❀ ❀

بچی حویلی پہنچ گئی۔ حویلی میں رہنے والے مختلف خیالات کے لوگ تھے کچھ اس چکر
میں تھے کہ کسی طرح ایک دولتمند رشتے دار سے فائدہ اٹھایا جائے اور یہ بات صرف ماموں
نذیر حسن اور رقیہ بیگم تک محدود نہیں تھی، بلکہ اور بھی کئی ان جیسے چھپے رستم تھے جو مسلسل دماغ
دوڑا رہے تھے۔ بچی کے آنے سے بڑا دھچکا نادیہ خالہ کو لگا تھا انہوں نے ذکیہ بیگم کو کار سے
اترتے دیکھا تھا اور کسی بچے کو سینے سے لگائے دیکھ کر ان کا سانس رک گیا تھا۔

ذکیہ بیگم بہت خوش تھیں اور بڑے پیار سے بچے کو سینے سے لگائے اندر داخل ہوئی
تھیں۔ نادیہ خالہ نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ اپنے شوہر نامدار کو آواز دی۔

"اے شکیل کے ابا۔ اے شکیل کے ابا۔ ذرا جلدی ادھر آنا۔ ارے کیا اونگھ رہے ہو
پلنگ پر بیٹھے۔ اٹھ بھی جاؤ۔"

پلنگ پر بیٹھے بزرگ بدحواسی سے اٹھے اور گھبراہٹ میں آگے بڑھے تو اوندھے منہ
زمین پر آ رہے۔ خاصی چوٹ لگی۔ نادیہ خالہ نے سر پر دو ہتڑ مارے اور بولیں۔ "اے اللہ
کی نیکی۔ اس لیے کہتی ہوں کہ ہر وقت بیٹھے مت رہا کرو۔ خون رک جاتا ہے رگوں میں
پاؤں سن ہو جاتے ہیں۔ فالج ہو جاتا ہے کچھ چلا پھرا کرو۔ اے اب اٹھ جانا، آرام سے۔
کہیں جلدی میں پیر مت تڑوا بیٹھنا۔"

"کیا طوفان آ گیا ہے جو شور مچا رہی ہو۔ ٹانگیں تڑوا دی ہیں۔ اب منہ بھی تڑوا دو۔"
رحمت صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اے جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے اللہ کرے غلط ہو، کلیجہ منہ کو آ گیا ہے۔"

"ایک بار منہ سے باہر آ جائے تو میرے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ جب بھی بولتی ہو ایسا
ہی الٹا سیدھا بولتی ہو۔ ٹانگیں تڑوا دو میری، کیا دیکھ لیا تمہاری آنکھوں نے، اتنی عمر ہو گئی ہے
مگر کچھ نہ کچھ دیکھتی ہی رہتی ہیں۔ بصارت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور کلیجہ ہر لمحے منہ
تک آ جاتا ہے، کمبخت کبھی منہ سے باہر نکل پڑے تو ہمیں بھی کوئی فائدہ ہو۔"

"کوس لو، مجھے خوب کوس لو، اب اس عمر میں کوسنوں کے سوا تمہارے پاس رکھا ہی کیا

ہے، ارے اللہ نہ کرے اگر جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ ہو گیا تو غضب ہو جائے گا
سارے منصوبے چوپٹ ہو جائیں گے۔"

"بھاڑ میں جاؤ اپنے منصوبوں کے ساتھ......" رحمت علی واپس پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولے اور اپنے گھٹنے دبانے لگے۔ نادیہ خالہ کچھ دیر اپنی جگہ کھڑی انہیں دیکھتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھیں اور ان کے قریب پہنچ گئیں۔ بہرحال شوہر تھے۔ زندگی بھر کی رفاقت تھی، ہو سکتا ہے زیادہ ہی چوٹ لگ گئی ہو، وہ ان کے پیروں کے نزدیک بیٹھ کر گھٹنے دبانے لگیں۔ رحمت علی بھی نرم ہو گئے پھر بولے۔

"کلیجہ اگر واپس اپنی جگہ چلا گیا ہو تو فرمائیے، کیا غضب ہو گیا۔"

"رحمت علی بس...... کیا کہوں، زندگی میں کوئی حسرت کبھی پوری نہیں ہوئی، سوچا نجانے کیا کیا، مگر کچھ ہوا نہیں۔"

"اس لیے اس وقت کلیجہ منہ کو آتا تھا۔"

"اڑا لو مذاق رحمت علی، کہوں گی تو برا مانو گے، زندگی میں کچھ کر کے نہ دیا سوائے میرا مذاق اڑانے کے۔ بیٹا بھی تمہارے ہی راستے پر چل رہا ہے، نکما کہیں کا...... چار دن کام کرتا ہے تو تین دن آرام۔ میں تو جھولی پھیلا پھیلا کر دعائیں دوں گی محمود علی کو کہ انہوں نے ہمارے اس بڑھاپے کو سہارا دے دیا ورنہ کیا ہوتا ہمارے پاس۔"

"ابھی تک منہ سے نہیں پھوٹا کہ مصیبت کیا آئی تھی آپ پر؟"

"اے ابھی وہ دونوں گاڑی سے اترے ہیں اور ذکیہ بیگم سینے سے کسی بچے کو لگائے ہوئے ہیں۔ پتہ نہیں کس کا بچہ ہے چھوٹا سا ہے مجھے تو یہ دھڑکا لگ رہا ہے کہیں کسی سے گود نہ لے لیا ہو۔ ہسپتالوں میں، یتیم خانوں میں لاوارث بچے آسانی سے مل جاتے ہیں اگر انہوں نے کہیں سے کوئی بچہ گود لے لیا تو بس پھر ہم کیا کریں گے سوائے سر پر ہاتھ رکھ کر رونے کے۔"

"بات تو تشویش کی ہے، ذرا سوچنا پڑے گا اس موضوع پر۔" رحمت علی نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ منصوبے تو ہر شخص ہی کچھ نہ کچھ بنا رہا تھا۔ لوگ مختلف طریقوں سے سوچ رہے تھے کہ کس طرح محمود علی کی زیادہ سے زیادہ دولت ہڑپ کر جائیں، ان لوگوں نے اپنے طور پر منصوبہ بندی کی تھی تو ماموں نذیر حسین اور ان کی بیگم رقیہ اس چکر میں تھے کہ ان کی بیٹی صوفیہ کسی طرح محمود علی کا دل جیت لے اور محمود علی ذکیہ بیگم سے چھٹکارہ حاصل کر کے ان کی بیٹی کو اپنائیں تو ساری دولت ان کے قبضے میں ہو گی اور یہ حویلی کے باغ کھلائیں گے۔ دوسرا کھیل رحمت علی اور ان کی بیگم نادیہ کھیل رہی تھیں۔ محمود علی بے اولاد

تھے اور یہ بات تقریباً سب ہی نے جان لی تھی کہ اپنی بے اولادی سے وہ خوش نہیں ہیں بلکہ افسردگی کا شکار رہتے ہیں۔ ایک بار ذکیہ بیگم سے نادیہ بیگم کی بات بھی ہوئی تھی۔ نادیہ بیگم نے بات کر کے یہ عندیہ تو لے لیا تھا کہ یہ لوگ اولاد نہ ہونے سے افسردہ ہیں۔ اب آگے کی کہانی مکمل کرنی تھی، ان کی بہو کے ہاں ولادت ہونے والی تھی۔ زیادہ عرصہ باقی نہیں تھا۔ انہوں نے تنہائی میں بات کی۔

"شکیل اپنے بیوی بچوں کے لیے کبھی کچھ کرے گا یا نہیں؟"

"اماں کرتا تو ہوں۔"

"کیا کرتا ہے یہ بتا، کل باپ بننے والا ہے، کچھ جمع جتھا ہے تیرے پاس۔"

"اماں، کوئی اکیلا تو ہوں نہیں، ماں باپ زندہ سلامت ہیں میرے اللہ کے کرم سے اور جب تک ماں باپ زندہ رہتے ہیں اولاد بچی ہی رہتی ہے، میں تو سچی بات ہے اپنے آپ کو بچہ ہی سمجھتا ہوں اور کسی بات کی فکر نہیں کرتا، میں جانتا ہوں میرے لیے سوچنے والے موجود ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا، مگر خود بھی تو کچھ کرنا چاہیے، ایک مشورہ دے رہی ہوں تجھے، جو کہہ رہی ہوں اس پر کان دھر کر سنیو۔"

"جی اماں بولیں۔" شکیل نے کہا۔

"بیٹا اولاد ہونے والی ہے تیرے ہاں، اللہ رکھے پہلی اولاد ہے، اللہ اور بچے دے گا، مگر اگر تو میری مانے تو بہو کو ایک بات پر تیار کر لے۔"

"جی اماں بولو۔" شکیل اب بھی کچھ نہیں سمجھا تھا۔

"یہ اپنی پہلی اولاد چاہے بیٹی ہو یا بیٹا ذکیہ بیگم کی گود میں ڈال دے۔ ان سے کہہ کہ بچہ آپ کا ہوا۔ ہمیں اس سے کوئی غرض بھی نہ ہو گی۔ شکیل ہم سب مل کر زور لگائیں گے اگر انہوں نے قبول کر لیا تو سمجھ لے کہ وارے نیارے ہو جائیں گے۔ ارے بچہ کہاں جائے گا ہماری نگاہوں کے سامنے ہی رہے گا، مگر ہماری جو قدر و منزلت ہو جائے گی تو سمجھ لے کہ کیا ہو گا اور پھر شکیل، محمود علی کی ساری دولت اسی بچے کے نام تو ہو گی، ان کے ہاں تو اولاد نہیں ہونے کی، کیا سمجھا۔ میری مان لے بیٹا، بہو کو سمجھا لے، ابھی ہم یہ بات کسی سے کہیں گے نہیں، لیکن جب تیرے ہاں اولاد ہو گی۔ اسے لے کر چلا جائیو ذکیہ بیگم کے پاس اور کہنا کہ یہ بچہ آپ کا ہے، ہمارا نہیں۔" شکیل گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا، پھر اس نے نگاہیں اٹھا کر ماں کو دیکھا اور بولا۔ "اماں خدا قسم غضب کی سوچی ہے، اب ذرا جلدی سے

ایک بات پر نگاہ ڈال لو، وہ یہ کہ کہیں اور سے یہ پیشکش نہ ہو جائے۔"

"بیٹا زندگی بھر اسی طرح جیتی رہی ہوں، ہر طرف نگاہ ہوتی ہے میری، ایسی کوئی با
نہیں ہے۔ ارے ہم وہ چکر چلائیں گے کہ ذکیہ بیگم ہمارے چکر میں آئیں ہی آئیں
سوچ بھی نہیں سکے گا کہ ہم لوگوں نے کیسا دھوبیا پاٹ مارا ہے بس تو بہو سے بات کر لے

"اس کی تو تم فکر ہی مت کرو اماں، وہ میری بیوی ہے، میرا شوہر نہیں ہے، میں
لوں گا ثمینہ کو، بس تم ان کی طرف سے فکر نہ کرو، یہ کام میرا ہے۔" یہ ساری اسکیم ماں
کے درمیان طے ہوئی اور پھر شکیل نے نادیہ بیگم کو خوشخبری سنائی۔

"میں نے تیار کرلیا ہے ثمینہ کو۔"

"جیتا رہ میرے لعل، چل زندگی میں، کچھ نہ کچھ تو کر کے دکھایا۔" لیکن شکیل زند
میں جو کچھ کر کے دکھا سکتا تھا اس کا موقع ہی نہیں ملا۔

یہ خبری پوری حویلی میں پھیل گئی کہ محمود علی نے اور ذکیہ بیگم نے ایک بچی گود لے لی
ہے۔ نادیہ بیگم اٹوائی کھٹوائی لے کر پڑ گئیں اور رحمت علی ان کے نزدیک کرسی ڈال کر بیٹھ گئے۔

"دیکھو کلیجہ اندر ہی رکھنا، میں نے تو مذاق میں کہا تھا کہ اسے باہر نکال لو، تمہارا
رنگ پیلا پڑا ہوا ہے، تمہاری یہ کیفیت میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

"کیا ہو گیا رحمت علی، ارے میرا تو دل اسی وقت دھڑکا تھا جب میں نے ذکیہ بیگم
بچے کے ساتھ کار سے اترتے ہوئے دیکھا تھا۔ رحمت علی ہمارے تو سارے خواب ادھورے
رہ گئے۔"

"اور سوچیں گے کچھ، زندگی آخر ہوتی کس لیے ہے، صرف اسی لیے نا کہ انسان
جدوجہد کرتا رہے۔" رحمت علی بیوی کو دلاسے دے رہے تھے۔

"خاک سوچیں گے، اب سوچنے کے لیے رہ کیا گیا ہے۔ ہائے میرا دل کیسا تلملا
ہے۔ محمود علی کے دل میں کسی بچے کو گود لینے کی خواہش موجود تھی۔ کاش ہماری ثمینہ کے
پہلے اولاد پیدا ہو جاتی۔"

شکیل نے ماں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "اماں بلا وجہ فکر مند ہو رہی ہو اور بھی
کچھ ہو سکتا ہے۔ بچی اغوا ہو سکتی ہے، مر بھی سکتی ہے جب کچھ کرنے ہی کی بات ہے تو
اتنا نکما بھی نہیں ہوں۔"

"شاباش بیٹے شاباش۔ اگر اتنا ہی آگے بڑھنا ہے تو پھر بے چارے محمود علی کو کیا
تاک رہے ہو۔ ماں بیٹے مل کر...... ڈاکہ زنی کرو، کرائے کے قاتل بن جاؤ۔ بھئی

چاہیے محمود علی کے ساتھ جو اتنے بڑے خاندان کو پال رہے ہیں۔ خبردار اب ہوش میں آ
جاؤ۔ بس...... بہت ہو گیا۔ کوئی ایسی ویسی بات کی کسی نے تو پولیس کو سب سے پہلے اطلاع
میں ہی دوں گا۔ سمجھے تم لوگ......" شاید کچھ دیر کے لیے رحمت علی کا ضمیر جاگ گیا تھا۔ شکیل
کان دبا کر کمرے سے باہر نکل گیا، نادیہ بیگم ٹکر ٹکر شوہر کی صورت دیکھتی رہ گئی تھیں۔

❀ ❀ ❀

ادریس علی اللہ والے ضرور تھے، لیکن دنیا داری بھی انہوں نے ہاتھ سے نہیں چھوڑی
تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ دیا تھا اسے اللہ کی راہ میں ہی استعمال کر رہے تھے جو تھوڑی
بہت معلومات تھیں ان کے تحت وہ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے رہتے تھے۔ کبھی
کوئی بڑا دعویٰ نہ کیا تھا۔ اس وقت وہ اپنی پسندیدہ جگہ درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے وظیفہ
پڑھ رہے تھے کہ عالی جاہ کی آواز سنائی دی، اس نے سلام کیا تھا، جواب میں ادریس علی نے
وعلیکم السلام کہا اور بولے۔ "کہو عالی جاہ! کیسے آنا ہوا، خیریت کی خبر سناؤ۔"

"اللہ کا کرم ہے بابا صاحب! سب ٹھیک چل رہا ہے۔ سوچا آپ کو اپنی کارکردگی کی
تفصیل بتا دوں۔"

"ہاں سناؤ۔"

"بابا صاحب، عرشیہ بیگم ڈاکٹر حارث کے ہاں رہ رہی ہیں۔ عرشیہ بیگم کو گورکن گلاب
خان کے بیٹے شہباز خان نے ان کے پاس پہنچایا تھا۔ عرشیہ بیگم کے بارے میں کوئی تفصیل
نہیں معلوم ہو سکی یہ وہ لوگ بھی نہیں جانتے کہ عرشیہ کون ہے، عرشیہ اب بہتر حالت میں ہے
اور ڈاکٹر حارث نے اسے اپنی بیٹیوں کی طرح رکھا ہوا ہے۔ آپ سے اس کے بارے میں
ہدایات لینا چاہتا ہوں، کیا اسے اسی جگہ رہنے دیا جائے یا پھر اسے شاہنواز تک پہنچایا جائے؟"

"شاہنواز کے بارے میں کچھ علم ہے، کیا کر رہے ہیں؟"

"ہاں۔ میں ہر طرف نگاہ رکھتا ہوں، آپ نے ایک کام میرے سپرد کر دیا ہے تو میں
اسی میں مصروف ہو گیا ہوں، چوہدری صاحب کو اپنی بیگم پر شبہ ہے اور انہوں نے اس
بارے میں کچھ لوگوں کو تحقیقات پر مامور کر دیا ہے۔ یہ تحقیقات بھی منظر عام پر آ سکتی ہیں اگر
آپ کا حکم ہو۔"

"ارے نہیں۔ عالی جاہ، ایسا نہ کرنا، انسان کو اگر ہماری وجہ سے کوئی تکلیف پہنچ جائے
تو یہ بات ناقابل معافی ہے، ہاں اگر شاہینہ بیگم کسی کو جانی نقصان پہنچانے کے درپے ہوں تو
پھر مداخلت ضروری ہو جاتی ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ شاہینہ بیگم حویلی سے نکالی جائیں یا

چوہدری شاہنواز انہیں طلاق دے دیں۔ چوہدری شاہنواز اگر خود کچھ علم حاصل کر لیں
اس کے بعد شاہینہ بیگم سے نمٹیں تو اس میں ہماری مداخلت بے جا ہو گی، ہم عرشیہ کو ان کے
پہنچانا پسند نہیں کریں گے جب تک کہ اس کھیل کا منطقی انجام نہ ہو، تم خاموشی سے بس
دیکھتے رہو کہ کہاں کیا ہو رہا ہیں؟"

"جو حکم بابا صاحب...... میں آپ کا غلام ہوں، آپ جیسا فرمائیں۔"

"اچھا چلو اب بتاؤ ہماری اس دلربا کا کیا حال ہے، جس کے لیے اس چھوٹی سی
میں اتنا ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی ہے۔"

"دلچسپ صورتحال ہے، وہ ایک بھٹیار خانے تک پہنچی تھی اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل
کرم سے وہ بھٹیار خانہ ایک ہوٹل بن چکا ہے اور خیر محمد کے وارے نیارے ہو گئے ہیں مجھ
مجھے علم ہوا کہ راج گندل نے اپنے سفلی علوم کی مدد سے وہ جگہ معلوم کر لی ہے جہاں وہ
پرورش پا رہی تھی، چنانچہ اسے وہاں سے ہٹانا ضروری ہو گیا تھا، بس کچھ ایسے حالات پ
ہوئے کہ خیر محمد بچی کو لے کر یتیم خانے پہنچ گیا، جہاں اسے ایک امیر آدمی نے گود لے
اور وہ اب اس امیر آدمی کی حویلی پہنچ گئی ہے جو نیک دل اور نیک فطرت ہے، وہ وہاں محفو
ہے اور میں اس کے پاس موجود ہوتا ہوں۔"

"خوب...... واقعی تمہارا مشغلہ تو بہت ہی دلچسپ ہے۔"

"بابا صاحب بس ایک دکھ ہے دل میں۔"

"کیا عالی جاہ؟" ادریس علی کی ہمدردانہ آواز ابھری۔

"آپ نے مجھے خدمت کا کوئی موقع نہیں دیا اور اتنی سادہ زندگی گزار رہے ہیں، بچ
آپ کے بچے میرے لیے بہن بھائیوں جیسی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"عالی جاہ! تقدیر پر بھروسہ رکھنا چاہیے، کیا تم انہیں وہ دے سکتے ہو جس کا حکم اللہ
تعالیٰ نے نہیں دیا بس مجھے اس بات کا جواب دو کہ تم اس سے بڑھ کر کوئی کام کر سکتے ہو۔"

"نعوذ باللہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔" عالی جاہ کی آواز ابھری۔

"تو بس ان کی تقدیر میں جو کچھ ہے وہ ان کے پاس رہنے دو۔ زیادہ کی کوشش اللہ
کے حکم سے بغاوت کے مترادف ہوتی ہیں۔ جو کچھ اس نے ہمارے لیے متعین فرمایا ہے
اسی کو ہماری زندگی کا حصہ ہونا چاہیے۔"

عالی جاہ خاموش ہو گیا تو بابا صاحب نے کہا۔ "افسردہ نہ ہونا ہماری باتوں سے
جانتے ہیں کہ تمہارے دل میں ہمارے لیے کیا ہے اور ہم اس کے احسان مند بھی ہیں۔"

"مجھے شرمندہ نہ فرمایئے اور کوئی حکم میرے لیے۔"

"بس میاں جاری رکھو اور اگر کوئی خاص خبر ہو تو ہمیں ضرور اس سے مطلع کرو۔" بابا
ادریس نے کہا اور پھر انہیں اس خاموشی کا احساس ہوا جو عالی جاہ کے چلے جانے سے پیدا
ہوتی تھی اور وہ مسکرا کر وظیفے خوانی میں مصروف ہو گئے۔

❀ ❀ ❀

شاہینہ کے اندر ایک بے کلی اور بے چینی اس وقت سے پیدا ہو گئی تھی جب پہلی بار
راج گندل اسے ملا تھا۔ راج گندل نے اس سے جو باتیں کی تھیں اور جو عمل اس نے کیے
تھے شاہینہ کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے۔ اس کا مسئلہ
تو وہی تھا کہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم۔ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ عرشیہ بے شک گھر
سے غائب ہو گئی تھی، لیکن چوہدری شاہنواز کے اندر کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی بلکہ انہوں
نے شاہینہ سے جو گفتگو کی تھی وہ بڑی تلخ اور تکلیف دہ تھی، انہوں نے اس پر عرشیہ کو گم کرنے
کا شبہ ظاہر کیا تھا۔

کام تو واقعی ہو گیا تھا۔ رفیق کی کوششیں اور راج گندل کی ملاقات سے فائدہ ہی ہوا
تھا لیکن وہ بے کلی اور بے چینی جو اس کے وجود میں سرایت کر گئی تھی اس کے لیے ناقابل
برداشت تھی۔ وہ اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی کہ اس کی یہ کیفیت کیوں ہے اور پھر راتوں کی
نیندیں بے سکون ہو گئی تھیں، اسے عموماً ایک خواب نظر آتا تھا۔ انتہائی بھیانک، جس میں وہ
دیکھتی تھی کہ اس کی ناک، کان اور منہ سے انتہائی گھناؤنے کیڑے نکل رہے ہیں اور وہ
دہشت سے سمٹ جاتی ہے، یا پھر وہ دیکھتی تھی کہ وہ ایک کالی چادر اوڑھے کسی ویران جگہ
چلی جا رہی ہے وہاں ایک کھنڈر ہے، کوئی بہت ہی قدیم اور پرانی عمارت اس عمارت میں
سیاہ رنگ کا ایک بڑا سا پتھر، ایک صاف ستھری جگہ ایستادہ ہے اور وہ اس پتھر کے سامنے سجدہ
ریز ہو جاتی ہے۔ اکثر اسے اپنے کانوں میں ایک مدھم مدھم بھنبھناہٹ سی سنائی دیتی ہے
جس میں کوئی پراسرار آواز اسے کھنڈر میں آنے کے لیے مسلسل کہے جاتی ہے۔ یہ کچھ ایسی
چیزیں اس کے وجود سے چمٹ گئی تھیں جنہوں نے اس کے اندر ایک بے کلی کا احساس جگا
دیا تھا اور یہ بے کلی اس وقت سے پیدا ہوئی تھی جب سے راج گندل پہلی بار اس کے پاس
آیا تھا۔ بس جو ہونا تھا وہ ہو گیا تھا اور اب شاہینہ ایک عجیب سے پچھتاوے کا شکار تھی۔ کبھی
اسے یوں بھی لگتا تھا جیسے اس نے غلط سمت اختیار کی ہو، اس کا دل کبھی کبھی اندر سے کہتا تھا
کہ جو کچھ اس نے کیا ہے ٹھیک نہیں کیا۔ عرشیہ بے شک منظر عام سے ہٹ گئی تھی، اس کی

اولاد بھی سامنے نہیں آئی تھی گویا کچھ وقت کے لیے وہ خدشہ تو ٹل گیا جو شاہینہ کے دل میں تھا، لیکن چوہدری شاہنواز کے پاس کیا نہیں تھا، بلکہ اب جو شبہ چوہدری شاہنواز کے دل میں جاگا تھا وہ بھی شاہینہ کے دل میں خوف پیدا کر رہا تھا۔

اگر چوہدری شاہنواز کو ان باتوں کا علم ہو گیا تو پھر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شاہینہ کا مستقبل کیا ہوگا۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمودار تھے۔ وہ اسی خواب میں مبتلا تھی، یہاں تک کہ خواب نے اسے اتنا بے کل کر دیا کہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

اس وقت اس کے حواس قابو میں نہیں تھے۔ وہ باہر نکل آئی اور پھر چور راستے سے حویلی سے بھی باہر نکل گئی۔ وہ بے خودی کے عالم میں ایک طرف چلی جا رہی تھی، اس بات سے بے خبر کہ دو انسانی وجود اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ ان میں ایک شعبان تھا اور دوسری اس کی بیوی رضیہ جو چوہدری صاحب کی طرف سے ملنے والے حکم کے مطابق کارروائی کر رہے تھے۔ شاہینہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لیے دونوں رات کی اس تاریکی میں بے خوف وخطر چل پڑے، لیکن انہیں بہت طویل فاصلہ طے کرنا پڑا تھا، رضیہ نے کئی بار ہمت ہاری تھی۔

"شابی! یار یہ کہیں مروا نہ دے ہمیں، آخر جا کہاں رہی ہے۔ اب تو بستی بھی پیچھے رہ گئی، کتے بھی نہیں بھونک رہے۔ شابی جنگل کا علاقہ ہے کوئی درندہ نہ نکل آئے۔"

"کیا بے وقوفی کی باتیں کرتی ہو، کیا ہم کسی نئے علاقے میں آئے ہیں۔ میں جانتا ہوں، ان جنگلوں میں آج تک کبھی درندہ نہیں پایا گیا، چلتی رہو دیکھو تو سہی۔ شاہینہ بیگم کہاں جا رہی ہیں۔"

لیکن جتنا لمبا سفر انہیں طے کرنا پڑا اس نے شعبان کو تھکا دیا اور اس کے بعد وہ بھیانک کھنڈر جس میں شاہینہ داخل ہوئی تھی۔

"شابی مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔"

"میرا بازو پکڑ لو، نکاح نامے پر دستخط کیے تھے تم نے اور کہا تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پر میرا ساتھ نبھاؤ گی۔" شعبان نے کہا۔

میٹرک پاس تھا اچھی باتیں کر لیتا تھا، رضیہ کو اس کی باتیں بہت پسند تھیں، وہ خاموش ہو گئی۔ کھنڈر کی اینٹیں اُدھر سے اُدھر ہو رہی تھیں اور ان کی آوازیں اس طرح تاریک سناٹے میں پھیل رہی تھیں جیسے دیواریں کھسک رہی ہوں، ان لوگوں نے بڑی احتیاط برتی تھی کہ کہیں شاہینہ کو ان کی موجودگی کا پتہ نہ چل جائے اور آخر کار شاہینہ کو انہوں نے پتھر کی

ایک کالی سل کے پاس رکتے ہوئے دیکھا۔

شاہینہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ گئی، اس نے دونوں ہاتھ سیدھے کیے اور اس کے بعد سر کو اوپر نیچے جھٹکنے لگی، رضیہ خوف زدہ انداز میں شعبان کے بالکل قریب ہو گئی تھی۔ شعبان نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ "ڈرو نہیں۔ ڈرو نہیں۔" رضیہ سہمی ہوئی نگاہوں سے شاہینہ کو دیکھ رہی تھی، جس کے سر کے لمبے لمبے بال چھتری کی طرح پھیل گئے تھے اور وہ سر کو دونوں طرف جھٹک رہی تھی، کبھی اوپر، کبھی نیچے، کبھی دائیں، کبھی بائیں، مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ پیدا ہو رہی تھی۔ جو غالباً اس کے بالوں ہی سے وجود میں آ رہی تھی۔ اس کے حلق سے "ہوں آں ہوں" کی آوازیں نکلنے لگیں اور شعبان نے دھیرے سے کہا۔

"کوئی بڑا ہی چکر لگتا ہے۔"

لیکن پھر جو منظر اس نے دیکھا اس نے اس کے بھی اوسان خطا کر دیئے، اچانک ہی پتھر کی کالی سل میں کچھ نقوش نمودار ہونے لگے۔ انتہائی مکروہ نقوش، موٹے موٹے ہونٹ، بھدی ناک، گول گول آنکھیں اور پھر ایک کڑک دار آواز فضا میں ابھری۔

"اس نے تجھے منجدھار میں چھوڑ دیا ہے۔ اس سے کہہ کہ جب اس نے تیرے شریر میں ہماری اگن اتار دی ہے تو تجھے ہماری طرف لانے کے لیے دوسرے منتر بھی پڑھے، یا تجھے بتائے، تجھے سات راتوں کے یہ منتر ہمارے چرنوں میں آ کر پڑھنا ہوں گے تب ہم تجھے وردان دیں گے۔ جا تجھے شانتی ملے گی۔" اور اس کے بعد آواز بند ہو گئی۔

رضیہ تھر تھر کانپ رہی تھی، شعبان نے اس کی حالت زیادہ خراب دیکھی تو جلدی سے کھنڈر سے واپس پلٹنے لگا۔ دوسری طرف شاہینہ اسی طرح دو زانو بیٹھی ہوئی تھی اور اب پتھر کے نقوش غائب ہو چکے تھے، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اسی طرح تھکی تھکی آگے بڑھنے لگی جیسے اس کا بدن بے جان ہو رہا ہو۔

شعبان نے ایک پتھر کے پیچھے پناہ لی تھی۔ درحقیقت اس وقت وہ اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا، ورنہ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے پیچھے آ کھڑا ہو گیا ہو۔ اسے دیکھ رہا ہو اور جیسے ہی وہ آگے بڑھے گا وہ پیچھے سے اس پر حملہ آور ہو جائے گا، مگر اس خوف کا اظہار اس نے رضیہ سے نہیں کیا تھا، ورنہ وہ چیخیں مار کر بے ہوش ہو جاتی اور لینے کے دینے پڑ جاتے۔

ادھر شاہینہ لڑکھڑاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے تھوڑے فاصلے تک چل کر وہ گر پڑے گی۔ لیکن وہ گری نہیں تھی اور آخر کار وہ یہ لمبا سفر طے کر کے حویلی پہنچ

گئی۔ حویلی میں داخل ہو کر وہ بستر پر لیٹ گئی۔

شعبان اور رضیہ نے بھی اپنے کوارٹر کا رخ اختیار کیا تھا، لیکن شاہینہ کی حالت شدید غیر ہو گئی تھی اور دوسری صبح وہ تیز بخاری میں پھنک رہی تھی، اس کے پاؤں گھٹنوں تک سوجے ہوئے تھے۔ اتنا لمبا سفر طے کرنے سے اس کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔ ملازم نے رفیق کو اطلاع دی، ذاتی طور پر شاہینہ کی دیکھ بھال کرنے والا رفیق ہی تھا۔ ویسے تو سارے ملازم شاہینہ کے اشاروں پر چلتے تھے۔ لیکن بہرحال رفیق اس کا سب سے بڑا غمخوار تھا۔ چنانچہ فوراً ہی رفیق ڈاکٹر کے پاس دوڑا چلا گیا۔ ڈاکٹر آیا شاہینہ کا معائنہ کیا، دوا انجکشن دیئے مگر کوئی صحیح انکشاف نہیں کر سکا کہ بخار اور سوجن کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے شاہینہ کو مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

دوسری طرف شعبان ایک ایسا انوکھا راز لے آیا تھا جس پر اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا، خوف بس اس وقت تک تھا جب تک وہاں سے حویلی تک واپسی نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کے دل میں پنکھے لگ گئے تھے۔ بہت ہی مختصر وقت میں زبردست معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا چکر چلا ہوا ہے، لیکن اس کی خواہش تھی کہ فوراً ہی حمید خان سے ملاقات کرے بلکہ اگر ہو سکے تو چوہدری شاہنواز کو یہ ساری تفصیلات بتائے اور قدرت نے اس کا موقع فراہم کر دیا۔

چوہدری شاہنواز خود حویلی آئے تھے شاہینہ بیگم سے انہوں نے ملاقات نہیں کی۔ حالانکہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ شاہینہ بیگم بیمار ہو گئی ہیں۔ مگر چوہدری صاحب جائیداد کے کچھ کاغذات لینے کے لیے آئے تھے۔ البتہ تھوڑی دیر کے بعد شعبان ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔

چوہدری صاحب نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو شعبان نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''سرکار حمید خان نے مجھے حکم دیا تھا کہ حویلی میں......''

''ہاں پھر یہاں کیا کر رہے ہو، مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟'' چوہدری شاہنواز نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''صاحب جی میرے پاس کچھ خاص معلومات ہیں، لکڑ موڑ جا کر حمید خاں سے ملاقات کرنا ٹھیک نہیں ہو گا۔ آپ اتفاق سے یہاں آ گئے ہیں تو......''

''اچھا ٹھیک ہے تم حویلی سے باہر نکل جاؤ اور چھوٹے چوک پر کھڑے ہو جاؤ۔ میں موٹر میں اِدھر سے گزروں گا۔ تمہیں اپنے ساتھ بٹھا لوں گا اور پھر راستے میں تم سے معلومات حاصل کر لوں گا۔ آدھے گھنٹے کے بعد میں یہاں سے نکلوں گا اس وقت تک تم چھوٹے موڑ

پہنچ جانا۔''

''جو حکم سرکار۔'' شعبان فوراً باہر نکل آیا۔ سارے کام بڑے اچھے ہو رہے تھے اور اس کی تقدیر اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ ہاتھ میں تھیلا لے کر وہ حویلی سے باہر نکل آیا۔ اکثر سودا سلف لینے جاتا تھا۔ کسی نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ چھوٹے چوک کی طرف چل پڑا جو یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔

رات کے واقعات اس کے ذہن میں آتے ہی اس کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگتیں۔ رضیہ بہت نڈھال ہو گئی تھی، شعبان کو افسوس تھا کہ وہ رضیہ کو اپنے ساتھ کیوں لے گیا، کہیں وہ بھی بیمار نہ پڑ جائے۔

شاہینہ بیگم کی بیماری کا سب کو پتہ چل چکا تھا، مگر یہ بات صرف شعبان جانتا تھا کہ وہ کیوں بیمار ہوئی ہیں۔ ظاہر ہے اتنا لمبا سفر انہوں نے پیدل طے کیا تھا اور اس کے بعد واپس بھی آئی تھیں۔ تھکن ہی سے جان نکل گئی ہو گی۔ مگر رات کو رضیہ کو اپنے ساتھ لے جانے کی وجہ شعبان کا اپنے اندر کا خوف بھی تھا وہ بھی کوئی تیس مار خاں تو تھا نہیں اور پھر حمید خاں نے جس طرح اس کے پاس اپنا پیغام پہنچایا تھا اس میں رضیہ پیش پیش تھی۔ رضیہ نے خود اس بات کی فرمائش کی تھی کہ شعبان اسے اپنے ساتھ رکھے، بلکہ رضیہ ہی نے شعبان کو کچھ معلومات بھی فراہم کی تھیں۔

بہت پرانی بات تھی رضیہ کی خالہ کا بیٹا بیمار ہو گیا تھا اور اس کی بیماری کافی طول اختیار کر گئی تھی، تب کسی نے ان لوگوں کو ادریس علی کے بارے میں بتایا تھا اور رضیہ اپنی خالہ کے ساتھ بابا ادریس علی کے پاس پہنچ گئی تھی، بابا صاحب نے تین تعویذ دیئے اور کچھ پڑھ کر بچے پر پھونکا تھا، خالہ کا بیٹا ٹھیک ہو گیا تھا۔ رضیہ اس وقت سے ادریس علی کو جانتی تھی۔ پھر اس نے ادریس علی کو حویلی میں دیکھا، رفیق انہیں لے کر آیا تھا۔ یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ شاہینہ بیگم، بابا صاحب کو کسی بھی وجہ سے طلب کر سکتی تھیں، لیکن اب ذرا صورت حال دوسری ہو گئی تھی، یہ معلومات بھی رضیہ نے شعبان کو فراہم کی تھی اور شعبان یہ بات چوہدری صاحب کو بتانا چاہتا تھا۔ آخر کار وہ چھوٹے چوک پر پہنچ گیا اور ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں سے سڑک گزرتی تھی۔ چھوٹے چوک پر چاروں طرف دکانیں بنی ہوئی تھیں اور اس وقت بھی وہاں اچھا خاصا رش تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے دور سے چوہدری صاحب کی موٹر آتے ہوئے دیکھ لی اور سڑک پر آہستہ آہستہ آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ لمحوں کے بعد موٹر اس کے پاس آ کر رک گئی اور ڈرائیور نے اپنے برابر کا دروازہ کھول دیا اور بولا۔ ''آؤ شعبان بیٹھ

جاؤ۔" پچھلی سیٹ پر چوہدری صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ شعبان سہما سہما سا موٹر میں بیٹھ گیا
اور موٹر آگے بڑھ گئی۔ چھوٹے چوک سے کوئی ڈیڑھ کلو میٹر آگے بائیں ہاتھ پر چوہدری
صاحب کا ایک باغ تھا۔ ڈرائیور نے موٹر باغ کی طرف جانے والی ذیلی سڑک پر موڑ دی،
کینوؤں کا موسم تھا اور دور دور تک کینوؤں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ موٹر باغ میں داخل ہو کر
رک گئی۔ ڈرائیور نے جلدی سے پیچھے آ کر دروازہ کھول دیا۔

چوہدری صاحب نیچے اتر آئے تھے۔ شعبان بھی جلدی سے اتر کر کھڑا ہو گیا تو
چوہدری صاحب نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا اور باغ میں بنی ہوئی اس چھوٹی سی عمارت کی
جانب بڑھ گئے جہاں اکثر وہ قیام کے لیے آتے رہتے تھے۔

شعبان کو بڑا عجیب محسوس ہو رہا تھا، طویل عرصے سے وہ چوہدری صاحب کے گھر کی
ملازمت میں تھا، لیکن اسے کبھی چوہدری صاحب کے اس قدر قریب آنے کا موقع نہیں ملا
تھا۔ چوہدری صاحب اسے لیے ہوئے اندر داخل ہو گئے اور پھر ایک بڑے سے کمرے میں
پہنچ کر انہوں نے کہا۔ "بیٹھو شعبان۔"

وہ خود ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ شعبان ان کے پیروں سے تھوڑے فاصلے پر فرش پر
بیٹھ گیا۔ چوہدری صاحب اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ "ہاں...... مجھے معلوم ہے کہ حمید خاں
نے حویلی میں تمہاری ڈیوٹی لگائی تھی۔ بے دھڑک اور بے فکر ہو کر مجھے تفصیل بتاؤ، یقیناً کوئی
خاص بات ہو گی جو تم مجھے بتانا چاہتے ہو۔"

"مالک...... ایک عجیب واقعہ ہوا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ مالکن رات کو حویلی سے باہر
نکل کر ایک خاصے فاصلے پر بنے ہوئے کھنڈر میں گئی تھیں اور وہاں ایک کالے پتھر کے
سامنے بیٹھ کر انہوں نے ایسی حرکتیں کی تھیں جیسے کوئی دوسرے دھرم کا بندہ ہی کر سکتا ہے،
یعنی ایک پتھر کی پوجا اور مالک وہ پتھر بھی بڑا عجیب تھا۔" شعبان نے پوری تفصیل بتائی تو
چوہدری شاہنواز کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

"اس سے پہلے مالک میری بیوی رضیہ کچھ اور بھی دیکھ چکی تھی، پہلے تو ہم نے خیال
نہیں کیا، لیکن اب جبکہ یہ بات سامنے آئی تو رضیہ نے مجھے تفصیل بتائی، سرکار! شاہینہ بیگم کا
ایک خاص نوکر ہے رفیق، وہ بڑی بیگم صاحبہ کے سارے کام کرتا ہے، رفیق ایک دن سبحان
گلی کے بابا ادریس علی کو لے کر حویلی آیا تھا۔ بابا ادریس علی کو بڑی بیگم صاحبہ نے بابا کہا
اور وہ تھوڑی دیر تک ان کے پاس رہے تھے۔ مالک اب یہ ساری باتیں آپ کو بتانا ضروری
تھیں سو آپ کو بتا دیں اب جیسا ہمیں حکم دیں۔"

چوہدری شاہنواز کے لیے یہ ساری باتیں ایک بھیانک انکشاف تھیں۔ وہ بابا ادریس
علی کو بھی جانتے تھے، بہت ہی نیک سیرت اور اچھے انسان تھے۔ بڑی دیر تک وہ سوچ میں
ڈوبے رہے، ان کے ذہن میں متضاد خیالات آ رہے تھے۔ پھر انہوں نے شعبان سے کچھ
اور سوالات کیے اور اس کے بعد بولے۔ "تمہارا انعام تمہیں مل جائے گا شعبان، پوری سمجھ
داری کے ساتھ شاہینہ بیگم پر نگاہ رکھو۔ اب تم جاؤ اور احتیاط کے ساتھ اپنا کام جاری رکھو،
ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، شاہینہ بیگم کے ہاتھوں تمہیں کوئی نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

"جو حکم مالک! آپ ہماری طرف سے بالکل بے فکر رہیں۔"

"تم چلے تو جاؤ گے نا؟"

"چلے جائیں گے مالک، آپ اس کی فکر نہ کریں۔"

شعبان نے کہا اور اس کے بعد چوہدری شاہنواز کے اشارے پر وہ اپنی جگہ سے اٹھ
کر باہر نکل گیا، لیکن چوہدری شاہنواز شدید حیرتوں میں ڈوب گئے تھے۔

کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھے ان واقعات پر غور کرتے رہے پھر کچھ سوچ کر انہوں
نے ملازم کو آواز دی اور اس کے ذریعے اپنے ڈرائیور کو طلب کر لیا، ڈرائیور آیا تو انہوں نے
کہا۔ "تم لکڑ موڑ حویلی سے حمید خاں کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آ جاؤ، مجھے اس سے کچھ
باتیں کرنی ہیں۔"

"جی سرکار۔" ڈرائیور نے کہا اور اس کے بعد باہر دوڑ گیا۔

چوہدری شاہنواز انتظار کرتے رہے، ڈرائیور نے واقعی بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا،
تھوڑی دیر کے بعد حمید خاں چوہدری صاحب کے سامنے پہنچ گیا، چوہدری صاحب کے
چہرے پر کشمکش دیکھ کر وہ مستعد ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد چوہدری شاہنواز نے کہا۔ "حمید خاں! میرا دماغ بری طرح الجھ گیا
ہے، شعبان جسے تم نے شاہینہ کی نگرانی پر لگایا تھا ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں سے گیا ہے اور
اس نے عجیب و غریب انکشافات کیے ہیں۔ چوہدری شاہنواز نے حمید خاں کو پوری تفصیل
بتائی تو حمید خاں بھی دنگ رہ گیا۔

"اور اب حمید خاں یہ بات میرے دل میں جڑ پکڑ چکی ہے کہ عرشیہ کی گمشدگی میں
شاہینہ بیگم کا سو فیصد ہاتھ ہے، مگر ایک چیز مجھے سخت پریشان کر رہی ہے، وہ یہ کہ اس سلسلے
میں بابا ادریس علی کا نام بھی آ رہا ہے۔ بابا ادریس علی کو تم جانتے ہو نا وہ سبحان گلی والے؟"

"جی چوہدری صاحب بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ بڑے پائے کے بزرگ ہیں۔

اور ان سے کسی کو نقصان پہنچانے کی توقع نہیں کی جا سکتی۔''

''یہی بات مجھے الجھا رہی ہے حمید خاں۔''

''ہوسکتا ہے شاہینہ بیگم نے انہیں کوئی ایسی بات بتائی ہو جس کی وجہ سے وہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے ہوں۔''

''میرا دل نہیں مانتا اور پھر سب سے بڑی بات جس پر تم نے غور ہی نہیں کیا، شعبان کے مطابق شاہینہ بیگم کھنڈر میں گئی تھیں اور وہاں انہوں نے ایک پتھر کی پوجا کی تھی، کیا بابا ادریس ایسا کوئی عمل کر سکتے ہیں۔''

''سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، وہ ایمان والے ہیں، کوئی اور ہی چکر لگتا ہے سرکار مجھے۔''

''اس سلسلے میں ہمیں دو کام کرنے ہیں۔ پہلے تو ہم بابا ادریس علی سے جا کر ملتے ہیں، ہماری ان سے بڑی اچھی سلام دعا ہے، انہیں یہ ساری تفصیل بتاتے ہیں اور اس کے بعد اس ملازم کو پکڑتے ہیں جس کا نام رفیق ہے، مگر بڑی خاموشی کے ساتھ یہ کام کرنا ہے۔''

''یہ ذمہ داری آپ میرے سپرد کر دیجیے، آپ بالکل بے فکر رہیں، اسے ٹھیک کرنا اور اس کی زبان کھلوانا میرا کام ہے۔'' حمید خاں نے کہا۔

''میرا خیال ہے تم اسے اٹھوا کر ادھر ہی لے آنا، یہاں ہم اس سے معلومات حاصل کر لیں گے۔''

''ٹھیک ہے جی۔''

''آؤ چلتے ہیں، پہلے سبحان گلی کا چکر لگا لیں۔''

چوہدری شاہنواز کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ عرشیہ بیگم کو جس طرح لے کر آئے تھے اس کے بعد ان سے وعدہ کیا تھا اور دل میں سوچا بھی تھا کہ انہیں بھرپور عزت دیں گے۔ جب وہ ان کی زندگی میں شامل ہوئی ہیں تو انہیں عورت کا صحیح مقام ملنا چاہیے اور پھر دوسری بڑی بات یہ تھی کہ عرشیہ بیگم ماں بننے والی تھیں۔ جس کے ذریعے ان کی نسل آگے بڑھتی، یہ دونوں باتیں انہیں کھائے جا رہی تھیں۔

سبحان گلی پہنچ گئے اور بابا ادریس علی کو تلاش کرنے لگے۔ گھر میں وہ موجود نہیں تھے، ایک جگہ تھی جہاں عبادت کرتے تھے، وہاں پہنچے تو وہاں بھی بابا ادریس نہیں تھے۔ پھر سبحان گلی کے چپے چپے پر انہیں تلاش کیا گیا اور اس میں کافی وقت صرف ہو گیا، لیکن بابا ادریس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ چوہدری صاحب ان کے اہل خاندان کو ہدایت کر کے آ گئے کہ جیسے ہی بابا ادریس واپس آئیں انہیں چوہدری شاہنواز کا پیغام دے دیں اور ان سے کہیں کہ وہ

لکڑ موڑ حویلی پہنچ جائیں اور وہاں اس وقت تک قیام کریں جب تک کہ چوہدری صاحب سے ان کی ملاقات نہ ہو جائے۔ یہاں سے وہ واپس پلٹے اور حمید خاں کو ہدایات دے کر لکڑ موڑ حویلی پہنچ گئے۔ حمید خاں نے باقی انتظامات کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

❀ ❀ ❀

ویسے تو بچی کی آمد نے حویلی کے اندر انتہائی رونق پیدا کر دی تھی، محمود علی کو اور کوئی کام کاج تو تھا نہیں۔ بچی کی ناز برداریاں کی جاتی تھیں، پوری حویلی کھلونوں سے بھر دی گئی تھی۔ اپنی ساری آرزوئیں پوری کر رہے تھے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ بچی ان کی توقع کے بالکل برعکس تھی۔ دوسروں ہی کے بچے دیکھتے تھے، کوئی تجربہ تو تھا نہیں ان کے بارے میں، لیکن پھر بھی اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ بچی کی عمر کتنی ہی کم ہو، لیکن وہ بہت سمجھدار ہے اور ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ انسان حیران رہ جائے۔

انہوں نے اس کا نام صبوحی رکھا تھا۔ یہ نام سبھی کو پسند آیا تھا۔ ادھر پوری حویلی میں شکاری گھات لگائے بیٹھے تھے، اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بہت سے لوگ محمود علی کے احسانات سے پوری طرح اتفاق کرتے تھے اور ان کے لیے دل میں وفاداری کے جذبے تھے، لیکن کچھ ایسے بوالہوس بھی تھے جو محمود علی کی دولت کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور اسے ہڑپ کرنے کے لیے انتہائی کوششوں میں مصروف تھے۔

محمود علی نے بچی کے اعزاز میں ایک دن حویلی میں رہنے والوں کے ساتھ ایک تقریب کی تھی جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ صبوحی کے آنے کے بعد ان کی زندگی میں بہار آ گئی ہے۔ اب صبوحی ان کی وارث ہو گی اور ان کی تمام جائیداد اور دولت صبوحی کے لیے وقف کر دی جائے گی۔ انہوں نے اپنے خاندان والوں سے درخواست کی تھی کہ وہ صبوحی کی درازیٔ عمر کی دعائیں کریں۔ اس وقت تمام ہی لوگوں نے بڑی محبتوں کا اظہار کیا تھا۔ بے شمار تحفے تحائف صبوحی کو دیئے گئے تھے اور ان کے بدلے میں خود محمود علی نے دس دس ہزار کے لفافے حویلی میں موجود ہر خاندان کو دیئے تھے اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

بات صرف ماموں نذیر حسین یا نادیہ خالہ تک ہی نہیں رہی تھی۔ اب ہر شخص اپنے اپنے طور پر گھات میں لگا ہوا تھا۔ تیسری پارٹی تایا اخلاص احمد کی تھی جن کی بیگم کا نام فاخرہ تھا اور بیٹی کا نام شبانہ، شبانہ بے چاری نوعمری میں ہی بیوہ ہو گئی تھی۔ شادی کے ڈیڑھ ماہ بعد ہی شوہر ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ معمولی حیثیت کے لوگ تھے۔ بیٹی کی پہلی شادی بھی بڑی مشکل سے کی تھی۔ اب دوسری شادی کرنے کی سکت اخلاص احمد میں نہیں تھی، بیٹا

کوئی تھا نہیں، کسمپرسی کی زندگی گزار رہے تھے کہ محمود علی نے سہارا دیا اور انہیں حویلی پر
لیا۔ آرام کی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ شبانہ دوسری شادی کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ کہتی تھی
پہلا تجربہ کون سا اچھا رہا ہے اب خدا کے واسطے مجھے دوسری بار کسی جہنم میں نہ جھونکیں
وقت اخلاص احمد نے کہا تھا کہ بیٹا ہم لوگوں کی زندگی کا کیا بھروسہ، تم اکیلی رہ جاؤ گی
ہے تمہارا گھر بس جائے۔ کم از کم آگے کی زندگی کو سہارا تو ہو گا۔ فاخرہ بیگم نے اخلاص
سے کہا تھا کہ شبانہ کو کچھ وقت دے دیں۔ آہستہ آہستہ اعتدال پر آ جائے گی۔ غرض زندگی
اس طرح گزر رہی تھی کہ یہ تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اخلاص احمد نے شبانہ کو سمجھایا۔

''شبانہ! ایک بات دل میں آتی ہے، کر سکتی ہو تو کر لو، بیٹا دور یہی ہے، ہر انسان
غرضی سے سوچتا ہے، اپنے آپ کو مالی طور پر محفوظ کرنے کے لیے اس وقت ایک تجویز
میرے ذہن میں آئی ہے۔''

''کیا ابو؟'' شبانہ نے سوال کیا۔

''محمود علی نے اپنی تمام محبتیں صبوحی کے لیے وقف کر دی ہیں۔ تم اگر چالاکی سے
لو تو ذکیہ بیگم کے قریب ہو جاؤ اور یہ قربت بچی کے ذریعے ہو سکتی ہے۔ جس طرح بھی
پڑے تم بچی کے زیادہ سے زیادہ قریب رہو۔ اس بات کا اظہار کر دو کہ نہ جانے کیوں
تمہارے دل میں اس بچی کے لیے محبت پیدا ہو گئی ہے۔ اگر ان لوگوں کو تم پر اعتبار ہو گیا
کسی طرح تم نے اس بچی کو خود سے قریب کر لیا تو ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے
پھر جو کچھ ہم چاہیں گے محمود علی سے لے سکتے ہیں۔''

شبانہ نے باپ سے تو کچھ نہ کہا، تنہائی میں فاخرہ سے بولی۔ ''اماں، ابا نے مجھ سے
کچھ کہا ہے میں وہ کرنے کے لیے تیار ہوں، لیکن میری ایک شرط ہو گی آپ ابو کو بتا دیں
اور شرط یہ ہے کہ ابو مجھ سے دوسری شادی کے لیے نہیں کہیں گے۔''

''میں بات کر لوں گی اخلاص احمد سے۔''

''ویسے اماں آپ لوگ غور نہیں کر رہے یہاں بڑے دلچسپ تماشے ہو رہے ہیں۔''

''تماشے......''

''ہاں۔''

''وہ کیا؟'' فاخرہ بیگم نے پوچھا۔

''اماں آپ نے غور نہیں کیا، صوفیہ بیگم آج کل محمود علی صاحب کے آگے پیچھے
رہتی ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''اماں میں اتنی بڑی بات نہ کہتی، لیکن آپ کو پتہ ہے کہ صوفیہ سے میری گاڑھی چھنتی
ہے، اس نے خود ہی میرے سامنے اپنی زبان کھولی ہے۔''

''ہائے، کیا زبان کھولی۔'' فاخرہ بیگم نے پوری دلچسپی سے پوچھا۔

''راز کی باتیں وہ مجھے ضرور بتا دیتی ہے۔ بڑی عجیب بات بتائی ہے مجھے صوفیہ نے۔
ماموں نذیر حسین اور رقیہ بیگم نے صوفیہ کو ہدایت کی ہے کہ محمود علی سے پینگیں بڑھائے اور
کوشش کرے کہ وہ اس کے چنگل میں پھنس جائیں۔''

''کیا؟'' فاخرہ بیگم کی چیخ نکل گئی۔

''ہاں، رقیہ بیگم چاہتی ہیں کہ محمود علی صوفیہ کے جال میں پھنس کر ذکیہ بیگم کو طلاق
دے دیں اور صوفیہ سے نکاح کر لیں۔ اس طرح محمود علی کی دولت ماموں نذیر حسین کے
قبضے میں آ جائے گی۔''

''اللہ میری توبہ...... اللہ میری توبہ...... اسے کہتے ہیں کہ جس تھالی میں کھائے اسی میں
چھید کرے، ارے محمود علی کتنے سانپ اپنی آستین میں پال لیتے ہیں۔ یہ صلہ دے رہے ہیں
وہ لوگ جنہیں انہوں نے سب کچھ دے دیا ہے۔ یہ تو بڑی خطرناک بات ہے۔ ارے شبانہ
ہاں تو تیرا کام اور آسان ہو گیا۔''

''میرا کام؟'' شبانہ حیرت سے بولی۔

''ہاں۔ ذکیہ بیگم کا دل مٹھی میں لے لے۔ صوفیہ کے کرتوت اور ان لوگوں کی سازش
سے ذکیہ بیگم کو ہوشیار کر دے۔ دونوں کام کر۔ ایک طرف بچی کو سنبھال تو دوسری طرف
ذکیہ بیگم کو۔ ہمارا کام بن جائے گا۔''

''نہیں اماں۔ صوفیہ میری دوست ہے اور پھر وہ خود بھی یہ سب کچھ کرنا نہیں چاہتی۔
وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے۔''

''کس سے۔'' رقیہ بیگم نے کہا۔

''کیوں تم کیا کرو گی معلوم کر کے۔'' شبانہ نے تیکھے انداز میں کہا۔

''اے بیٹا دور ہی ایسا ہے، دوسروں کی کمزوریاں ہاتھ میں رہنی چاہئیں۔ لوگ ہوش
سنبھالتے رہتے ہیں۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں فاخرہ بیگم۔'' دروازے سے آواز سنائی دی اور دونوں ماں
بیٹیاں سہم کر رہ گئیں۔

ان کی خوفزدہ نگاہیں دروازے کی جانب اٹھ گئیں لیکن پھر اخلاص احمد کو دیکھ کر
کے حواس قابو میں آئے۔ وہ اخلاص احمد کو نہیں پہچان سکی تھیں، اخلاص احمد اندر داخل ہو
پھر انہوں نے کہا۔ ''خدا کی بندیو! کچھ خدا کا بھی خوف کرو۔ دوسروں کی برائیاں ہی تمہاری
زندگی کا اہم مقصد بن گئی ہیں۔ ارے میں کہتا ہوں سر چھپانے کا ایک ٹھکانہ مل گیا ہے
اسے برباد کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ کیا برا کیا ہے محمود علی نے تمہارے ساتھ۔ کیا
سہولتیں نہیں دے رکھیں، ایسے فرشتہ صفت میاں بیوی کے خلاف تم لوگ سازشوں
مصروف ہو۔ میں نے شبانہ کی بات سن لی ہے، اگر نذیر حسین کی بیٹی ان کی مرضی کے مطا
کام نہیں کرنا چاہتی تو تم لوگ اس کے خلاف کیوں بات کر رہے ہو، توبہ توبہ...... کتنے افسو
کی بات ہے۔''

اخلاص احمد جب خاموش ہوئے تو ان کی بیگم نے کہا۔ ''ہم کوئی بری بات نہیں
رہے، نہ ہی شبانہ سے کہا گیا ہے کہ وہ محمود علی پر ڈورے ڈالے۔ ارے بچی کو سنبھالنے
بات تھی، یہ کوئی اتنا برا کام بھی نہیں ہے شبانہ کو اگر بچی کے پاس رہنے کا موقع مل جاتا ہے
میں اس سے یہ کہوں گی کہ بچی پر بھرپور نظر رکھے، بچی کے ذریعے ہمیں ذکیہ بیگم کی کچھ فا
توجہ مل جائے اور کچھ رقم بھی ہاتھ لگ جائے تو مجھے بتاؤ یہ کون سی بری بات ہے۔ دوسر
لوگ تو جانے کیا کیا کر رہے ہیں۔ اب تم سن بھی چکے ہو کہ نذیر حسین نے صوفیہ کو
ہدایات دی ہیں۔''

''امی ایک بات بتا دوں میں آپ کو میں یہ سمجھتی ہوں کہ حویلی میں خوب سازشیں
رہی ہیں۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ان سب کی جاسوسی کروں اور پتہ لگاؤں کہ کس
پیٹ میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔

یہ بات شاید اخلاص احمد صاحب کو بہتر لگی تھی وہ پرخیال نگاہوں سے شبانہ کو دیکھ
لگے پھر بولے۔ ''یہ تو ایک نیک کام ہوگا شبانہ۔ اگر تم اس انداز میں کام کرنا چاہتی ہو تو

کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن بیٹا، بس اخلاق کے دائرے میں رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا
ہے وہی کافی ہے، جس کا نمک کھا رہے ہیں اس کی نمک خواری کرنی چاہیے بے شک جو
ہماری تقدیر میں ہے ہمیں مل جائے گا، لیکن کوئی سازش مت کرنا۔''

''جی ابو۔'' شبانہ نے گردن جھکا کر جواب دیا۔

❀ ✺ ❀

ادریس علی نے گہری سانس لی اور بولے۔ ''ہاں عالی جاہ! میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔
تم خود سوچو چوہدری شاہنواز مجھ سے یہی سوال کرتے کہ عرشیہ بیگم کے سلسلے میں کیا ہوا ہے۔
میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ شاہینہ چاہے کتنے ہی غلط راستے پر نکل جائے، لیکن کسی
انسان کے لیے کوئی غلط عمل کرنے کی اجازت کسی دوسرے انسان کو نہیں ہوتی۔ سب کچھ
دیکھنے اور کرنے والا رب العالمین ہے۔ میں نے بہت کم کسی سے روپوشی اختیار کی ہے، لیکن
چوہدری شاہنواز کے سلسلے میں مجھے روپوشی اختیار کرنی پڑی۔ میں شاہینہ کے خلاف کچھ نہیں
کرنا چاہتا، بلکہ دعا ہی کر سکتا ہوں کہ وہ نیک راستوں پر واپس آ جائے۔

''جی بابا صاحب، چوہدری صاحب دوبارہ آپ کو تلاش کریں گے۔''

''میں سوچ رہا ہوں بہت عرصے سے اہلیہ میکے جانے کی بات کر رہی ہیں، بچے بھی
مصر ہیں نانا نانی سے ملیں گے۔ میں کچھ عرصے کے لیے بچوں کو لے کر وہاں چلا جاؤں گا۔
چوہدری صاحب سے اسی طرح نجات مل سکتی ہے۔ جہاں تک عرشیہ کا تعلق ہے یا پھر اس کی
بچی کا تو ان دونوں کی طرف سے مجھے اطمینان ہے تم دونوں ہی کی خبر گیری کرتے رہنا۔
ویسے عرشیہ بیگم کا کیا حال ہے؟''

''ڈاکٹر حارث اسے اپنی اولاد کی طرح چاہنے لگے ہیں۔ اس کی تقدیر اچھی ہے کہ وہ
کسی جادوگر کا شکار نہیں ہوئی۔ آرام سے ہے اور جہاں تک اس معصوم ہستی کا مسئلہ ہے تو
آپ یقین کریں کہ آپ نے مجھے ایک نئی جہت سے روشناس کیا ہے، وہ بچی اب میری
زندگی بن گئی ہے۔ میں اس سے کھیلتا ہوں، اسے پیار کرتا ہوں، میں نے بتایا تھا آپ کو کہ
راج کندل اپنے جادو کی مدد سے اسے تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا تھا لیکن اتفاقیہ طور پر خیر محمد
اسے وہاں سے لے گیا۔ وہ اسے یتیم خانے پہنچانا چاہتا تھا، لیکن کچھ اور اللہ والے مل گئے
اور اب وہ بچی ایک شاندار حویلی میں پل رہی ہے اس کا نیا نام صبوحی رکھا گیا ہے اور وہاں
وہ ان کی آنکھ کا تارا ہے، لیکن وہاں بھی بڑی دلچسپ کارروائیاں ہو رہی ہیں۔ حویلی میں کئی
خاندان آباد ہیں جو محمود علی کی دولت پر قبضہ چاہتے ہیں، اس سلسلے میں بڑی سازشیں ہو رہی

ہیں، میں وہیں مقیم ہوں اور ان سازشوں پر گہری نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔''

''تم بھی کمال کے جن ہو عالی جاہ۔'' بابا ادریس علی نے کہا اور ہنسنے لگے۔

❀ ❀ ❀

کندن لعل، راج گندل کا سب سے وفادار چیلا تھا۔ وہ راج گندل کے گیان دھیان کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اور خود بھی راج گندل کے منتروں سے بڑے فائدے حاصل کر چکا تھا۔ کالی کے مٹھ میں رہتا تھا لیکن اس کے پاس بے پناہ دولت جمع ہو چکی تھی۔ یہ دولت اس نے مختلف لوگوں سے مختلف طریقوں سے حاصل کی تھی۔

راج گندل نے اسے کھلی چھوٹ دے رکھی تھی کہ جو دل چاہے کرے، چنانچہ اس کے ہاتھوں بہت سوں کو نقصان پہنچ چکا تھا۔ راج گندل کی آج کل جو کیفیت ہو گئی تھی اس سے کندن لعل سخت پریشان تھا اور ہر وقت اس کھوج میں لگا رہتا تھا کہ کس طرح راج گندل کو راہ راست پر لائے۔ راج گندل اسے اپنی پریشانی بتا چکا تھا، لیکن کندن لعل جانتا تھا کہ راج گندل اگر چاہے تو اپنے آپ کو صحیح راستے پر لا سکتا ہے۔ ان دنوں راج گندل نے اپنے سارے کام چھوڑ رکھے تھے اور تہہ خانے میں پڑا رہتا تھا۔ کوئی ضرورت مند آتا اور بڑی سے بڑی پیشکش کرتا تو راج گندل اسے اہمیت ہی نہ دیتا۔ اس طرح بڑے نقصانات ہو رہے تھے۔

کندن لعل ایک بار پھر راج گندل کے پاس پہنچا اور اسے عاجزی سے کہا۔ ''مہاراج! آخر کب تک آپ اس طرح اپنی ناکامی کا سوگ مناتے رہیں گے اور اپنا کام ترک کیے رہیں گے۔ آپ مہان ہیں، مہا کالی کے چہیتے داس۔ آپ نے کالی کا وردان کیوں نہیں مانگا۔''

راج گندل نے نگاہیں اٹھا کر کندن لعل کو دیکھا پھر بولا۔ ''تیری اپنی بدھی میں تو کچھ ہے نہیں، سنسار میں ہر کوئی اپنے مطلب کی بات کرتا ہے۔ میرے اس طرح گپھا میں بیٹھ جانے سے تیرا بھی نقصان ہو رہا ہے اور تجھے اسی نقصان کی چنتا ہے، یہی بات ہے نا؟''

''نہ...... نہ...... نہ مہاراج، میں تو سو جیون آپ پر سے وارنے کو تیار ہوں۔ کیا نقصان کیسا نفع پر مہاراج، ایک معمول بنا ہوتا ہے، لوگ آتے ہیں اور جب میں ان سے کہتا ہوں کہ مہاراج نہیں مل سکتے تو اب وہ ایک ہی سوال کرنے لگے ہیں کہ کیا مہاراج کی مہا شکتی ختم ہو گئی۔ اب وہ لوگوں کے کام کیوں نہیں کرتا۔ مہاراج بہت سے لوگ یہ بھی سوچنے لگے ہیں کہ راج گندل مسلمانوں سے ڈر گیا ہے۔''

راج گندل نے تیکھی نگاہوں سے کندن لعل کو دیکھا اور بولا۔ ''بیوقوف کے بچے تو مجھے اکسا رہا ہے کہ میں انسانوں کو تباہی سے دو چار کر دوں۔ وہ اب میں نہیں کر سکتا۔ اپنے ہاتھ کٹا بیٹھا ہوں۔ مہا سابلی کا کہنا تھا کہ جتنا کالا علم میرے پاس ہے مجھے اسی پر بس کرنی چاہیے، پر منش لالچ کا پتلا ہے۔ میں نے مہا سابلی سے کہا کہ مہا سابلی مجھے مہان شکتی مان بنا دے اور اتنی شکتی دے کہ میں سنسار کے کسی منش کے آگے نہ جھکوں بلکہ سنسار میرے سامنے جھک جائے۔ مہا سابلی خود یہی چاہتا ہے کہ اس کے چیلے اتنے ہی شکتی مان ہوں، پر اتنا بڑا شکتی مان بننے کے لیے مہا سابلی اور مہا کالی کی طرف سے کچھ پابندیاں تھیں اور پابندیاں یہ تھیں کہ بڑا شکتی مان بننے کے لیے ایک ایسے بچے کی ضرورت تھی جس نے سنسار کی گود میں آنکھ نہ کھولی ہو بلکہ اس طرح اس سنسار میں آیا ہو کہ اسے سنسار کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو، بچہ کسی مسلمان کا ہو اور اسے یہ بھی نہ معلوم ہو کہ وہ کس کی اولاد ہے۔ اسے الگ تھلگ رکھ کر پروان چڑھایا جائے اور جب اس کے منہ سے پہلا شبدھ نکلے تبھی اس کی بھینٹ دے دی جائے، اس کی گردن سے خون کا جو پہلا قطرہ نکلے اسے اپنے شریر میں اتارا جائے، پھر جو شکتی ابھرے گی وہ مہا سابلی کی شکتی ہو گی۔ شرط یہ بھی تھی کہ جب اس کام کا آغاز کیا جائے تو اس کا انجام وہی ہونا چاہیے جو مہا سابلی کا حکم ہے اور اگر اس سے الگ کوئی بات ہوئی تو پھر آہستہ آہستہ جو اپنے پاس شکتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی اور نئے سرے سے شکتی حاصل کرنے کے لیے کالی کا جاپ کرنا پڑے گا اور تو جانتا ہے کہ کالی کا جاپ کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ سمجھ لے اب میں کتنی مصیبتوں میں پھنس گیا ہوں۔ آدھا کام ہو چکا تھا، اس عورت کو قبر میں پہنچا دیا گیا تھا اور اس کے ہاں ایک بچی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ پر بیچ میں کام بگڑ گیا اور اس کام کو بگاڑنے میں اس مسلمان بابا کا سب سے بڑا ہاتھ ہے، اس نے سارا کام خراب کر دیا۔ کم بخت ہے بھی بڑا شکتی مان۔ سچی بتاؤں مجھے اس سے ڈر لگنے لگا ہے۔ اب تو بتا کہ میں اپنی فکر چھوڑ کر دھن کمانے کے چکر میں پڑ جاؤں یا پھر اپنے بچاؤ کی سوچوں۔ میرے پاس اب کچھ نہیں۔ میں نے بڑی مشکل سے جاپ کر کے اس جگہ کا پتہ چلایا جہاں وہ لڑکی پل رہی تھی، پر جب میں وہاں پہنچا تو وہاں سے جا چکی تھی اور وہ میرا گیان کہتا ہے کہ اس ملا نے اسے وہاں سے ہٹا دیا۔ وہ بھی پوری طرح چوکس ہے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ کیا کروں اور تو اپنی لگائے ہوئے ہے۔''

''مہاراج! آپ دوبارہ جاپ کر سکتے ہیں اور اس جگہ کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں جہاں اب وہ بچی پہنچی ہے۔''

"چالیس دن کا یہ جاپ ہے اور جیون میں صرف تین بار بھیروں کو جگانے کی اجازت ہے۔ چوتھی بار بھیروں گردن مروڑ کر پھینک دیتا ہے کہ جب بار بار اسے تنگ کیا دی جاتی ہے۔"

"مہاراج اصل میں آپ نے دل چھوڑ دیا ہے، آپ بہت بڑے شکتی مان ہیں، ہم آپ سے بڑی امیدیں ہیں، آپ بھیروں کو جگائیں اور اس کی نئی جگہ کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس دوران میں ایک کام کرتا ہوں۔" کندن لعل نے کہا۔ راج گندل نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ "تو کیا کرے گا؟"

"مہاراج میں سبحان گلی جاتا ہوں اور چالاکی سے اس بابا جی کی کسی اولاد کو اغوا کر کے لے آتا ہوں۔ پھر ہم بابا جی سے بات کریں گے۔"

راج گندل اسے دیکھتا رہا پھر بے اختیار ہنس پڑا۔

"کیوں مہاراج ہنس کیوں رہے ہیں؟"

"اگر تو ایسا کر سکتا ہے تو ضرور کر، دیکھ لے یہ بھی کر کے۔"

"آپ مجھ پر بھروسہ کریں مہاراج! کوئی نہ کوئی دور کی کوڑی ہی لے کر آؤں گا۔"

"لا...... لا...... لا......" راج گندل نے کہا اور پھر جب کندن لعل چلا گیا تو بڑبڑایا۔ "کندن لعل، اگر تو نے یہ کام کر لیا تو یہ بہت بڑا کام ہو گا اور ہم مان لیں گے کہ ہمارا بڑا ہی وفادار چیلا ہے، نہ کر سکا تو بیٹا اس بابا کے ہاتھوں کتا بن کر بھونکتا پھرے گا یہ بھی تیرے حق میں برا نہیں ہو گا کیونکہ مہا سابلی کا کہنا ہے کہ جتنے برے کام کر سکتے ہو کر اسی میں مہا سابلی کی خوشی ہے۔ منش چاہے کوئی بھی ہو اسے تکلیف پہنچاؤ گے تو مہا سابلی کا کام پورا ہو گا۔ جا بیٹا جا۔ تو لڑ لے اس بابا سے میں تو یہی بات ہے کہ اس کے پاس جا کی ہمت نہیں رکھتا۔" وہ دیر تک بڑبڑاتا رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

"ذکیہ بیگم کو زندگی کا سب سے خوبصورت تجربہ ہو رہا تھا۔ بیشک قدرتی طریقے سے ماں نہیں بنی تھیں۔ لیکن عورت فطری طور پر ماں ہوتی ہے۔ ایک ننھا سا وجود آغوش میں جائے تو ساری باتیں نظر انداز ہو جاتی ہیں اور ذکیہ بیگم کو زندگی کا یہ حسین تجربہ ہو رہا تھا پھر صبوحی جیسی بچی۔ خوبصورت اور اپنی عمر سے ہزار گنا سمجھ دار۔ تنہائی میں ذکیہ بیگم کو بار لگا تھا جیسے بچی بولتی ہے۔ اس کی آنکھیں بولتی ہیں، کئی بار تو انہیں اس کے لب ہلتے ہوئے تھے۔ ان کے کانوں میں اس کی آواز ابھری تھی۔

"آنٹی میں بھوکی ہوں۔" ذکیہ بیگم نے چونک کر بچی کو دیکھا وہ انہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم کچھ بولی تھیں۔" انہوں نے حیرت سے کہا لیکن وہ خاموش رہی تھی۔

انہوں نے محمود علی کو یہ بات بتائی تو وہ ہنس کر بولے۔ "ابھی تو بہت سے شگوفے کھلیں گے۔ نئی نئی کہانیاں سننے کو ملیں گی۔ یہ صرف تمہارا وہم ہے۔"

"ہو سکتا ہے میرا وہم ہو لیکن آپ یقین کریں مجھے بالکل ایسا ہی لگتا ہے۔"

"چلیے اچھی بات ہے۔ اب آپ اپنی بیٹی سے دل کی ہر بات کر لیا کریں۔" محمود علی نے بات کہہ کر ٹال دی۔ لیکن اس کے بعد بھی کئی بار ذکیہ بیگم کو اس طرح کا تجربہ ہوا تھا۔ یہی تجربہ شبانہ کو بھی ہوا تھا۔

شبانہ نے اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ یہاں جتنے لوگ رہتے تھے ان کے ساتھ محمود علی اور ذکیہ بیگم کا رویہ بہت اچھا تھا۔ وہ لوگ ہر ایک کے دکھ درد اور تکلیف کا خیال رکھتے تھے۔ اسی طرح تمام خواتین بے دھڑک ذکیہ بیگم کے پاس آتی جاتی تھیں اور اپنی ہر مشکل ان سے بیان کر دیتی تھیں۔ شبانہ نے تین چار بار بڑے پیار سے صبوحی کو آغوش میں لیا۔ اس کے سارے کام کیے تو ذکیہ بیگم متاثر ہوئیں۔

انہوں نے کہا۔ "شبانہ! اگر تمہیں فرصت ملا کرے تو میرے پاس آ جایا کرو۔ بات یہ نہیں ہے کہ صبوحی کے کام کرتے ہوئے مجھے کوئی دقت ہوتی ہے بس یوں سمجھو کہ میں بھی نا تجربہ کار ہوں۔ کبھی کبھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تو الجھ جاتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تجربے کار تو تم بھی نہیں ہو، لیکن دو اناڑی مل کر کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔"

شبانہ کی تو خواہش ہی یہی تھی، ذکیہ بیگم کی طرف سے پیشکش ہو گئی اس سے اچھی بات بھلا اور کون سی ہو سکتی تھی۔

شبانہ کو صبوحی کی قربت مل گئی، اس کے ساتھ ساتھ اس نے دوسرا کام بھی شروع کر دیا۔ ہر ایک کی ٹوہ میں رہتی کہ کون کیا کر رہا ہے۔ ویسے تو کئی خاندان اس حویلی میں آباد تھے لیکن ایسے چند ہی لوگ تھے جو دوسرے انداز میں سوچ رہے تھے۔

شبانہ صوفیہ پر بھی نگاہ رکھتی تھی، صوفیہ بہرحال نذیر حسین اور رقیہ بیگم کی ہدایت پر کسی نہ کسی شکل میں عمل کر رہی تھی، لیکن شبانہ نے اپنے والدین پر جو انکشاف کیا تھا وہ غلط نہیں تھا۔

پرانے محلے میں شاہد علی نامی ایک نوجوان رہتا تھا، غریب سے گھرانے کا لڑکا تھا۔ بی

اے کرنے کے بعد ایک فرم میں کلرکی کرنے لگا تھا، لیکن نذیر حسین اور رقیہ بیگم آسمان کی طرف دیکھنے کے عادی تھے اور ہمیشہ یہی سوچتے تھے کہ بیٹی کو کسی راج محل میں بھیجیں گے۔
وہ ان عاقبت نا اندیش والدین میں سے تھے جو اپنی اوقات سے کہیں زیادہ آگے بڑھ کر سوچتے ہیں اور بیٹیوں کو بوڑھا کر دیتے ہیں۔ خود مر جاتے ہیں اور بچیاں لاوارث رہ جاتی ہیں۔ بس ہوتے ہیں کچھ لوگ اس طرح کے بھی۔ معاشرے میں برائیوں کی آخر کچھ نہ کچھ وجوہات تو ہوتی ہیں۔ چنانچہ اب یہاں آنے کے بعد صوفیہ پر دباؤ تھا کہ وہ محمود علی پر ڈورے ڈالے۔ شبانہ کا معاملہ بے شک ذرا مختلف ہو گیا تھا اور اس پر وہ دباؤ نہیں رہا تھا۔
فاخرہ بیگم کا بس چلتا تو صوفیہ سے بھی پہلے شبانہ کو محمود علی سے منسوب کر دیتیں، لیکن اخلاص احمد کے اندر کچھ خلوص تھا اور چونکہ دبنگ آدمی تھے اس لیے شبانہ کا کردار ذرا ابھر ہو گیا۔

ذکیہ بیگم کی آفر پر شبانہ بچی کی پوری طرح دیکھ بھال کرنے لگی۔ ذکیہ بیگم بھی خوش تھیں، لیکن کبھی کبھی شبانہ اس وقت بدحواس ہو جاتی تھی جب اسے بچی کے ہونٹوں پر ایک پر اسرار مسکراہٹ نظر آتی تھی۔ وہ معنی خیز نگاہوں سے شبانہ کو دیکھتی تھی اور ایسے لمحات میں دیکھتی تھی جب شبانہ یہ سوچ رہی ہوتی کہ ماں باپ کی خواہش کیسے پوری کرے، اب اتنا تجربہ تو تھا نہیں کہ خود وہ فیصلے کر کے کوئی قدم اٹھا لیتی، اخلاص احمد سے تو خیر اس سلسلے میں کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی، لیکن فاخرہ بیگم پوچھتی رہتی تھیں کہ اس نے کچھ کیا یا نہیں۔
''اماں کیا کروں، کیا جھولی پھیلا کر بھیک مانگوں۔ عجیب مشکل میں ڈال دیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔''
''ارے ارے تو الجھ کیوں رہی ہے بیٹا، اللہ نے تقدیر میں یہی سب کچھ لکھ رہا تھا۔ تقدیر اچھی ہوتی تو آج اپنا گھر سنبھالے بیٹھی ہوتی۔ اب ماں باپ کیا کر سکتے ہیں تیرے لیے۔ ارے ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں تیری ہی بھلائی کے لیے کہہ رہے ہیں۔''
''تو کروں کیا، یہ بتاؤ بھیک مانگوں ان لوگوں سے، بچی کی خدمت کر رہی ہوں، سنبھالے ہوئے ہوں اسے اور کیا کروں۔'' خود فاخرہ بیگم کے ذہن میں کوئی واضح بات نہیں تھی کہ شبانہ کیا کرے، لیکن اسی شام شبانہ جب بچی کو ایک خوبصورت بچہ گاڑی میں لٹائے ہوئے حویلی کے پائیں باغ میں سیر کرا رہی تھی تو اچانک ہی اسے ایک معصوم سی آواز سنائی دی۔ ''آنٹی رک جایئے۔''
شبانہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ چاروں طرف نگاہیں

گھمانے کے بعد اس نے بچی کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہی تھی۔
''تم بولیں؟'' شبانہ نے سوال کیا۔
''ہاں آنٹی، میں ہی بول رہی ہوں۔''
شبانہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، پھر بھی اس نے ہمت کر کے کہا۔ ''تم بول سکتی ہو۔''
''ہاں آنٹی کیوں نہیں، آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔''
''ارے باپ رے۔'' شبانہ کا دل چاہا کہ گاڑی چھوڑ کر بھاگ جائے انہونی ہو رہی تھی۔
بچی کی آواز ابھری۔ ''آنٹی آپ کو دولت چاہیے نا، بتایئے کتنی چاہیے۔ مل جائے گی۔ آپ کے کمرے میں سوٹ کیسوں کے نیچے ٹین کا ایک صندوق رکھا ہوا ہے۔ آپ ایسا کریں اپنی ضرورت بتائیں وہ چیزیں آپ کو اس میں سے حاصل ہو جائیں گی۔ آپ اپنی ضرورت کا اظہار کر کے صندوق بند کریں۔ پھر دوبارہ اسے کھولیں تو اس میں آپ کی مطلوبہ چیز موجود ہوں گی۔
شبانہ کو چکر آ رہے تھے۔ دل چاہ رہا تھا کہ بیٹھ جائے پورا بدن بے جان ہو گیا تھا۔ ٹانگیں من من بھر کی ہو گئی تھیں۔ اس نے چکرائے ہوئے دماغ کے ساتھ دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے اور ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی، بہت دیر تک وہ اپنے آپ کو سنبھالتی رہی۔ طبیعت اندر سے الٹ رہی تھی۔
بمشکل تمام اس نے چکرائے ہوئے ذہن پر قابو پایا اور بچی کی طرف دیکھا وہ اب بھی مسکرا رہی تھی، پھر اس کی آواز سنائی دی۔ ''ایک اور بات کہوں آپ سے آنٹی، اگر آپ نے کسی سے اس بات کا تذکرہ کیا تو ایک بات آپ اپنے دماغ میں رکھیے، آپ کے کانوں کے اوپر دو سینگ نکل آئیں گے۔ اب آپ سوچ لیجیے کہ آپ میری بات کو راز میں رکھ سکتی ہیں یا نہیں۔ اگر میری بات پر یقین کرنا چاہتی ہیں تو ذرا اپنے کانوں کو ٹٹول کر دیکھ لیجیے۔''
شبانہ کے ہاتھ بے اختیار اپنے کانوں کے اوپر پہنچ گئے تھے اور جب اس نے اپنے کانوں کے دونوں طرف دو سخت سے سینگ ابھرتے دیکھے تو اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔
''نہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ محض نمونہ ہے، آپ کا یہ احساس ایک لمحے میں ختم ہو جائے گا۔ بس میری بات کا خیال رکھیے گا۔''
شبانہ کی حالت بری ہو گئی تھی، بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ، بچی کو سنبھال کر اندر

پہنچانا تھا، وہ گاڑی کو ڈھکیلتی ہوئی اندر لے گئی۔

ذکیہ بیگم ملیں تو اس کی شکل دیکھتی ہوئی بولیں۔ ''ارے خیریت؟ کیا بات ہے شبانہ؟ تمہارا تو رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا ہے، ارے کیا ہوا بیٹھو بیٹھو۔''

''میری طبیعت کچھ خراب ہو گئی ہے، آپ ذرا ایک بات دیکھیے۔'' شبانہ نے کہا۔

''ہاں بولو۔''

''ذرا یہ میرے کان کے پاس ٹٹول کر دیکھیے کوئی چیز ہے۔''

ذکیہ بیگم نے شبانہ کے کانوں کے اوپر اس کے بتائے ہوئے حصے ٹٹولے پھر بولی۔

''کیوں کیا بات ہے کوئی تکلیف محسوس ہو رہی ہے؟''

''کوئی سختی ہے یہاں؟''

''بالکل نہیں کیوں درد ہو رہا ہے؟''

''ہاں یونہی ہلکا ہلکا سا درد سا ہو رہا تھا، میں جاؤں؟''

''چلو میں تمہیں چھوڑ آؤں۔''

''نہیں آپ آرام کریں میں چلی جاؤں گی۔'' شبانہ نے کہا اور اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ یہ بات اس نے اخلاص احمد اور فاخرہ بیگم کو بھی نہیں بتائی تھی، اول تو بتانے والی بات ہی نہیں تھی۔ جس کے سامنے بھی زبان کھولتی وہ مذاق اڑاتا، دوسرے بچی نے ہدایت کر دی تھی کہ بات باہر نہ آئے۔

رات کو اسے ایسا تیز بخار چڑھا کہ بھن کر رہ گئی۔ ماں باپ پریشان ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر بلایا گیا انجکشن اور دوائیں دی گئیں۔ وہ شدید بخار میں بھنتی رہی۔ تین دن تک شبانہ نیم غشی کا شکار رہی، چوتھے دن ذکیہ بیگم بچی کو لے کر آئیں۔

''شبانہ! بھئی ٹھیک ہو جاؤ، ذرا صبوحی کو دیکھو، تم نے اس طرح اسے اپنا عادی بنا دیا ہے کہ ٹکر ٹکر آنکھیں پھاڑ کر تمہیں تلاش کرتی ہے۔ صاف لگتا ہے کہ تمہیں یاد کر رہی ہے۔''

شبانہ کے ہاتھ بے اختیار اٹھے اور اس نے بچی کو گود میں لے لیا۔ اسے ایک دم یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل و دماغ کا سارا بوجھ ختم ہو گیا ہو اور پھر وہ ٹھیک ہوتی چلی گئی۔

جو واقعات گزرے تھے وہ اس کے ذہن سے اوجھل نہیں ہوئے تھے، لیکن بس اس نے ان واقعات کو پی لیا تھا اور پھر وہ باقاعدگی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ بار ہا وہ بچی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھی، لیکن اس کے بعد کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو گزرے ہوئے واقعات کی تائید کرتی۔ وہ ان لمحات کے بارے میں خاص طور سے سوچتی رہتی تھی، کئی

بار وہ اس جگہ بھی پہنچی جہاں اسے یہ پراسرار تجربہ ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے صبوحی کو دیکھتی، لیکن اس کے چہرے پر وہی بچوں جیسی معصومیت ہوتی اور اس کا چہرہ دیکھ کر شبانہ کو اپنے خیال کی تردید کرنا پڑتی۔

لیکن پراسرار واقعات کا سلسلہ ختم نہ ہوا، اس دن وہ اپنا کوئی پرانا لباس تلاش کر رہی تھی کہ اس کی نگاہ سوٹ کیسوں پر پڑ گئی۔ ان سوٹ کیسوں کے نیچے ٹین کا صندوق رکھا ہوا تھا جس میں پرانے گرم کپڑے ہوا کرتے تھے۔ اسے ایک دم بچی کی بات یاد آ گئی اور نہ جانے کیوں اس کا دل چاہا کہ صبوحی نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کر کے دیکھے۔

اس نے سوٹ کیس اتار کر نیچے رکھے، ٹین کا صندوق کھولا۔ اسے پرانے کپڑوں سے خالی کیا اور پھر دوبارہ بند کر دیا۔ اپنے عمل اور اپنی سوچ پر اسے خود ہنسی آ رہی تھی لیکن وہ تجربے سے باز نہیں آئی۔ اس نے صندوق بند کیا اور آنکھیں بند کر کے آہستہ سے بولی۔

''اس صندوق میں بہت سارے زیور آ جائیں۔'' پھر اس کی ہلکی سی ہنسی نکل گئی اور اس نے بالکل بے اعتباری کے انداز میں صندوق کھولا لیکن دوسرے لمحے اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

صندوق میں انتہائی قیمتی زیور جگمگا رہے تھے۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی کیفیت کا شکار رہی، پھر اس نے لرزتا ہاتھ آگے بڑھایا اور ایک زیور اٹھا لیا، بے یقینی کی سی کیفیت میں اس نے اسے آنکھوں کے قریب کر کے دیکھا۔ سونے کی چمک دمک اور نگینوں کا سحر اسے احساس دلا رہا تھا کہ زیور اصلی اور بے حد قیمتی ہے، لیکن دماغی صلاحیتیں کچھ لمحوں کے لیے کند ہو گئی تھیں اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ جو وہ دیکھ رہی ہے سچ ہے یا محض دماغ کا فتور۔

بہت دیر تک وہ زیورات میں کھوئی رہی۔ باہر سے فاخرہ بیگم کی آواز سنائی دی تو وہ چونکی پھر اس نے جلدی سے صندوق بند کر دیا اور ہانپتی کانپتی باہر نکل آئی۔ فاخرہ بیگم کو اس سے کوئی کام تھا، وہ اسے اپنا کام بتانے لگیں لیکن اس کا ذہن کھویا ہوا تھا۔

فاخرہ بیگم نے تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولیں۔ ''شبانہ! کیا بات ہے بیٹی، کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو کچھ عجیب سی لگ رہی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں تیرے لیے۔ بات کیا ہے بیٹا، کوئی چیز دل میں ہے تو مجھے بتا دے؟''

اتنی دیر میں اخلاص احمد بھی آ گئے۔ انہوں نے بھی تشویش کی نگاہوں سے بیٹی کی اس کیفیت کو دیکھا اور بولے۔ ''فاخرہ! آخر بات کیا ہے، کچھ پتہ تو چلے۔ میں بھی کچھ ایسی ہی

بات محسوس کر رہا ہوں۔ بھاڑ میں جائیں ساری باتیں۔ ہمیں اپنی بچی عزیز ہے۔ ایک ہماری بیٹی ہے، ہمیں نہ دولت چاہیے نہ کسی کی خوشنودی۔ شبانہ اگر تم کوئی دقت محسوس کر رہی ہو تو میں یہ حویلی بھی چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔"

شبانہ کے دل کو ایک ڈھارس سی ہوئی۔ ایک لمحے تک سوچتی رہی پھر بولی۔ "آپ لوگ میرے ساتھ آیئے امی ابو۔ آیئے اندر آیئے۔" اس نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔

اخلاص احمد اور فاخرہ بیگم کمرے میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے اندر شبانہ کا سامان منتشر دیکھا۔

فاخرہ بیگم بولی۔ "یہ کیا کر رہی تھی بیٹی تو؟"

"امی ذرا آپ اس صندوق کو کھولیے۔"

"کیا ہے...... اس میں تو گرم کپڑے رکھے تھے یہ کپڑے تو نے کیوں باہر نکال کر پھینکے ہوئے ہیں۔"

"آپ لوگ بلا وجہ کی باتیں نہ کریں۔ میں کہتی ہوں ذرا اس صندوق میں دیکھیے کھول کر۔" شبانہ کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ دونوں میاں بیوی صندوق کے پاس پہنچ گئے اور پھر انہوں نے صندوق کو کھول کر دیکھا، ظاہر ہے جو کچھ اس میں نظر آیا وہ ان کے بھی حواس چھین لینے کے لیے کافی تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ ان زیورات کو دیکھتے رہے، اخلاص احمد نے ایک زیور ہاتھ میں اٹھایا اسے ذرا سا ہتھیلی پر رگڑا اور پھر پریشان نگاہوں سے بیگم کی طرف دیکھا اور اس کے بعد شبانہ کی طرف، پھر وہ سرد لہجے میں بولے۔ "سمجھ رہی ہو کچھ فاخرہ بیگم؟"

فاخرہ بیگم ایک دم سے جیسے سوتے سے جاگ گئیں، چونک کر بولی۔ "کیا؟"

"ذرا دیکھو اس زیور کو، خالص سونے کا ہے اور یہ جو زیورات اس صندوق میں بھرے ہوئے ہیں خدا کی قسم کروڑوں روپے کی مالیت کے ہیں، کروڑوں روپے کے...... مگر یہ کیا ہو گیا فاخرہ بیگم، میں ایک بات کھل کر بتا دوں ارے دروازہ تو بند کر دو، ذرا اندر سے، کوئی آ نہ جائے۔ ہم لوگ مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ بہت بڑا عذاب خرید لیا ہم نے۔ مگر سچی بات ہے کہ میری بیٹی کا قصور ذرہ برابر نہیں ہے۔"

فاخرہ بیگم لرزتے قدموں سے واپس پلٹیں اور انہوں نے پہلے باہر کے دروازے اور پھر کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ اخلاص احمد دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔ فاخرہ بیگم بولیں۔ "کیا کہہ رہے تھے آپ؟"

اخلاص احمد نے شبانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تو اسی لیے بیمار ہو گئی تھی شبانہ، بیٹا یہ تو نے کیا کیا، یہ کیا ہو گیا۔ وہ ہو گیا فاخرہ بیگم جو ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا۔"

شبانہ نے حیرت سے باپ کو دیکھا اور بولی۔ "آپ کیا سمجھ رہے ہیں ابو؟"

"بتا یہ کس طرح تیرے ہاتھ لگ گئے۔ فاخرہ بیگم! یہ زیورات ذکیہ بیگم کے علاوہ کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔ شبانہ اپنی معصومیت کا شکار ہو گئی۔ ہم نے ہی اس سے کہا تھا کہ ہمیں دولت درکار ہے، کہیں سے شبانہ کے ہاتھ یہ زیورات لگ گئے۔"

شبانہ ایک دم اچھل پڑی، ماں باپ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس نے ذکیہ بیگم کے زیورات چرا لیے ہیں۔ اس کے دماغ میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اندر سے کوئی آواز ابھری کہ حقیقت کسی طور ان لوگوں کو نہیں بتائی جانی چاہیے۔

شبانہ نے کہا۔ "نہیں ابو، ان کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم، نہ میری بیماری کی یہ وجہ تھی، میں نے صندوق کھولا تو اس میں یہ زیورات بھرے ہوئے تھے۔ میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ آپ چاہیں تو ذکیہ بیگم اور محمود علی کو یہ زیورات دکھا سکتے ہیں، اگر یہ ان کے بھی ہیں تو آپ یقین کیجیے ان کے یہاں پہنچنے کا ذریعہ مجھے نہیں معلوم۔ یہ بس اسی صندوق سے نکلے ہیں اور ایک بات آپ لوگ سن لیں، میں آپ سے بالکل جھوٹ نہیں بول رہی، میری بات پر کوئی شک نہ کیا جائے ورنہ یہ میرے ساتھ ظلم ہو گا۔"

اخلاص احمد نے تعجب سے بیٹی کو دیکھا۔ بیٹی جس لہجے میں بات کر رہی تھی اس سے یہ اظہار ہو رہا تھا کہ جو کہہ رہی ہے وہ غلط نہیں ہے۔ بہرحال انہوں نے ایک زیور ہاتھ میں اٹھا لیا وہ سوچ رہے تھے کہ ایسے معاملات کبھی کبھی ناقابل فہم ہوتے ہیں۔ ذرا کسی جوہری کو دکھا کر تو دیکھیں کہ اس زیور کی اصلیت کیا ہے۔ انہوں نے یہی کہہ کر جوہری کو زیور دکھایا تھا کہ یہ ان کی بیگم کا فیکلیس ہے اور بہت پرانے وقت میں بنایا گیا تھا۔ ذرا اس کی مالیت بتا دی جائے۔ جوہری نے سونے کے نئے داموں کے حساب سے اس زیور کی بہت بڑی مالیت بتائی تھی۔

بہرحال دولت جس طرح نیندیں حرام کر دیتی ہے اسی طرح ان لوگوں کی نیندیں بھی حرام ہو گئی تھیں، راتوں کو جاگ جاگ کر وہ صندوق کو دیکھا کرتے تھے اور پھر اس پر پرانے بستر لاد دیا کرتے تھے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ اب کیا کریں۔

تین چار دن کے بعد انہوں نے زیور اس صندوق سے نکال لیا اور زمین میں گڑھا کھود کر دبا دیا اور اس کے اوپر دوسرا کاٹھ کباڑ رکھ دیا گیا۔ صندوق خالی ہو گیا تھا۔

شبانہ اب بھی بچی کو اپنے سینے سے لگائے پھرتی تھی جو واقعات پیش آچکے تھے وہ اپنی جگہ، لیکن بچی سے اسے کافی انسیت ہوگئی تھی اور وہ اس کے چہرے کو دیکھتی رہتی تھی کہ اس کے اندر پھر کوئی تبدیلی رونما ہوئی یا نہیں۔

پھر ایک اور دن نہ جانے اس کے ذہن میں کیا آئی کہ وہ اس صندوق کے پاس پہنچ گئی۔ صندوق زیورات سے خالی کر دیا گیا تھا اور اس وقت بھی خالی تھا، اس نے اسے کھولا اور بولی۔ ''اگر صندوق نئے کرنسی نوٹوں سے بھر جائے تب میں جانوں۔'' یہ کہہ کر اس نے صندوق بند کر دیا۔

اس کے دل و دماغ میں عجیب سا ہیجان برپا تھا کچھ لمحوں کے بعد اس نے صندوق کھولا اور اس بار وہ اپنے ذہن پر قابو نہ پا سکی۔ صندوق میں اس نے نوٹ بھرے ہوئے دیکھے تھے اور اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں۔ پھر صندوق کا ڈھکنا نیچے آگرا اور اس کے ساتھ ہی وہ بھی زمین پر گر کر بے ہوش ہوگئی۔

❀ ❀ ❀

حمید خاں، رفیق سے بڑا بدمعاش تھا۔ رفیق تو بس ایک ملازم تھا جو شاہینہ بیگم کے خاندان میں پلا بڑھا تھا، اپنی آوارہ فطرت سے اس نے کچھ ایسے دوستوں سے رابطے کر رکھے تھے جو چھوٹے موٹے جرائم کر لیا کرتے تھے، انہیں رفیق سے بھی کچھ آمدنی ہو جاتی تھی، جس کی وجہ سے وہ رفیق کے ساتھ لگے رہا کرتے تھے۔ لیکن حمید خاں کو باقاعدہ چوہدری شاہنواز نے ملازم رکھا تھا اور وہ صحیح معنوں میں ایک جرائم پیشہ شخص تھا۔ بہرحال وہ رفیق کی تاک میں لگا ہوا تھا۔

رفیق اکثر حویلی کے کاموں سے باہر نکلتا تھا، البتہ پچھلے دنوں اس کے ساتھ جو پراسرار واقعات پیش آئے تھے وہ آج تک ان میں گھرا ہوا تھا کیونکہ کام پورا نہیں ہوا تھا۔ راج گندل نے اسے دھمکی دی تھی کہ بچی تلاش کر کے اس کے حوالے نہ کی گئی تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

کبھی کبھی اسے اس بات کا خیال آتا تھا کہ کہیں واقعی وہ خطرناک جوگی اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔ اس چیز نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ اس دن بھی وہ کسی کام سے باہر نکلا تھا، جانا ذرا دور کے علاقے میں تھا۔

بستی سے باہر نکلا اور کھیتوں کی جانب چل پڑا، ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پیچھے سے اس نے ایک بند گاڑی آتے ہوئے دیکھی۔ عام راستہ نہیں تھا۔ بند گاڑی یقیناً کسی

خاص مقصد کے تحت اس طرف آرہی تھی۔ وہ پگڈنڈی سے نیچے آگیا اور ایک جگہ کھڑے ہو کر اس گاڑی کو دیکھنے لگا، لیکن جب گاڑی اس کے قریب آکر رکی اور اس سے چار پانچ افراد نیچے کودے تو ان کے تیور دیکھ کر اسے اندازہ ہوگیا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

اس نے کھیتوں میں چھلانگ لگا دی۔ سبزی کے کھیت تھے، گوبھی، گاجر اور ٹماٹر وغیرہ لگے ہوئے تھے اور فصل تقریباً تیار ہو چکی تھی۔ زمین کافی نرم تھی اور جگہ جگہ دلدل جیسی بنی ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ تیز نہ دوڑا گیا اور اس کا تعاقب کرنے والے اس تک پہنچ گئے۔

ان میں سے ایک نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈنڈا رفیق کے پیروں پر مارا اور رفیق اس ڈنڈے میں الجھ کر اوندھے منہ ترکاریوں کے کھیت میں گرا، وہ چیخا بھی تھا، لیکن آس پاس اس کی آواز سننے والا کوئی نہیں تھا۔ آن کی آن میں وہ لوگ اس کے سر پر پہنچ گئے۔ رفیق خوفزدہ ہوگیا تھا۔ وہ اٹھنے کی کوشش میں بار بار گر رہا تھا، تب ان میں سے ایک نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ پھر بولا۔ ''کیوں مرے جا رہے ہو، ہم تمہیں قتل نہیں کر رہے خود بھی گندے ہوگئے اور ہمارے بھی کپڑے خراب کرو گے۔ چلو ساتھ ساتھ آجاؤ، کوئی ہتھیار ہے تمہارے پاس؟''

''نن...... نہیں، بھائی یقین کرو مم...... میں شریف آدمی ہوں۔''

''ارے...... شرم نہیں آتی جھوٹ بولتے ہوئے۔ تم اور شریف آدمی؟ دیکھ لو یار تلاشی لے لو اس شریف آدمی کی۔''

رفیق کے پاس واقعی ہتھیار نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ لوگ اسے دھکیلتے ہوئے پگڈنڈی تک لائے اور پھر نفرت سے بولے۔ ''اب گاڑی کی سیٹ بھی خراب ہوگی تیری وجہ سے چل اندر بیٹھ۔''

''مم...... مگر......''

''ابے ہم لوگ شرافت سے پیش آ رہے ہیں، اس کے بعد بھی اگر مگر چل رہی ہے، چل بیٹھ۔'' دوسرے آدمی نے ڈپٹ کر کہا اور رفیق کو گاڑی میں ٹھونس دیا گیا۔

اس کے بعد اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور گاڑی چلنے لگی تھی، لیکن یہ سفر زیادہ لمبا نہیں تھا۔ رفیق راستوں کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکا کہ وہ لوگ اسے لے کر کہاں آئے ہیں۔ اسے گاڑی سے اتارا گیا۔ پٹی بدستور اس کی آنکھوں پر بندھی ہوئی تھی اور کچھ دیر کے بعد اسے مختلف راستوں سے گزار کر ایک کمرے میں لایا گیا اور یہاں لا کر اس کی پٹی کھول دی گئی۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے قرب و جوار کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ بس کمرہ

تھا۔ فرنیچر نام کی کوئی چیز وہاں نہیں تھی۔ قالین بھی نہیں بچھا ہوا تھا، دیواریں بھی ننگی تھیں۔ ایک طرف ایک تخت پڑا ہوا تھا اور دو تین لکڑی کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔

رفیق کو ان لوگوں نے تخت پر بٹھا دیا اور ان میں سے ایک نے کہا۔ ''بیٹھے رہنا اس تخت طاؤس پر، کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو ٹانگوں سے شروع کریں گے اور کے بعد کیا کیا ہوگا، یہ کچھ نہیں معلوم۔''

رفیق خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہو گیا، اتنے کچے دل اور کچی طبیعت کا مالک نہیں تھا، لیکن ان دنوں اس پر جو کچھ گزر رہی تھی وہ زیادہ بری تھی۔ نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ ہو جائے گا۔

وہ دہشت زدہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھتا رہا، ایک بھی شکل جانی پہچانی نہیں تھی مگر صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ خطرناک لوگ ہیں۔

وہ چلے گئے اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دروازہ کھلا اور اس بار اس نے چوہدری شاہنواز کو دیکھا۔ چوہدری شاہنواز کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ اس کے پیچھے چار آدمی موجود تھے۔ چوہدری شاہنواز آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور رفیق کے سر پر پہنچ گیا۔

''سلام چوہدری صاحب!'' رفیق اپنی جگہ سے اٹھ کر نیچے جھکا۔

شاہنواز کی آواز ابھری۔ ''اپنی جگہ بیٹھا رہ، وفادار کتے...... تیار ہو جا مالک پر جان دینے کے لیے۔''

''س س...... سرکار مائی باپ۔'' رفیق کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''ہاں بول اور کچھ سرکار مائی باپ اس کے بعد؟''

''نن...... نہیں سرکار، ہمیں یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

''وقت سے پہلے جاننا چاہتا ہے یا پھر...... کچھ دیر اور جی لے۔'' چوہدری شاہنواز نے کہا۔

''چوہدری صاحب! کیا بات ہو گئی کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے؟''

چوہدری شاہنواز کی آنکھیں خونخوار ہو گئیں، انہوں نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''موت کو قریب سے ترلا رہا ہے تو، بچ بھی سکتی ہے تیری زندگی، مگر صرف ایک شرط ہے اور شرط یہ ہے کہ سچ بول۔''

''آپ کے سامنے جھوٹ کی ہمت نہیں کر سکتا جناب عالی!''

''کیا قصہ ہوا ہے، کیا کرتا پھر رہا ہے تو شاہینہ بیگم کے لیے۔ بول بابا ادریس کو سجان گلی سے اپنے ساتھ لے کر کیوں آیا تھا، کیوں بلایا تھا شاہینہ بیگم نے انہیں۔''

رفیق کی آنکھوں کے نیچے تاریکی چھا گئی تھی۔ لرزتی آواز میں بولا۔ ''میں سب کچھ بتا دوں گا چوہدری صاحب، خدا کے لیے مجھ پر سختی نہ کیجیے۔ جو کچھ مجھے معلوم ہے میں سب کچھ بتا دوں گا۔''

''اسی میں تیری زندگی ہے۔ رفیق! ایک لفظ جھوٹ بولا تو یہیں تیری موت آ جائے گی۔ تو جانتا ہے میں کسی کے خلاف کچھ کرتا نہیں ہوں اور اگر کرتا ہوں تو پھر آخری حد تک کرتا ہوں۔''

''جانتا ہوں، چوہدری صاحب میری مجال کہاں تھی کہ جی آپ کے خلاف کوئی کام کروں۔ چوہدری صاحب میں آپ کو سچ سچ بتا دوں، شاہینہ بی بی کے بھائیوں اور ان کے والد نے شاہینہ بی بی کو رخصت کرتے وقت مجھ سے کہا تھا کہ رفیق! ہم تجھے شاہینہ کی بھرپور نگرانی سونپ رہے ہیں، چوہدری شاہنواز بہت اچھے آدمی ہیں۔ مگر رفیق تیرے پرکھوں نے ہمارا نمک کھایا ہے، شاہینہ کو ذرا سی تکلیف پہنچی تو یہ سوچ لے کہ تیرے لیے معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی اور پھر تو ہی نہیں تیرا سارا خاندان جو یہاں پل رہا ہے وہ مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ بس جی، ہم تو وفاداری نبھا رہے تھے۔''

''فالتو باتوں سے گریز کر رفیق! جو کہا جا رہا ہے بس اس کا جواب دے۔''

''جی سرکار وہی بتا رہے ہیں، سرکار چھوٹا منہ بڑی بات، آپ نے دوسری شادی کر لی۔ شاہینہ بیگم کانٹوں پر لوٹنے لگیں۔ نہ جانے کب سے انگارے چبا رہی ہوں گی، پھر ہماری طرف ان کا خیال گیا اور انہوں نے ہمیں بلا کر اپنی مشکل بیان کی وہ کہنے لگیں، رفیق کسی طرح عرشیہ بیگم کو ٹھکانے لگا دو۔ عرشیہ بیگم ہمارے سینے کا سانپ ہے بس جی بہت ساری سوچوں کے بعد ہم سجان گلی پہنچے۔'' رفیق نے ادریس علی کی پوری داستان سنائی پھر بولا۔ ''صاحب جی اس کے بعد شاہینہ بی بی بابا صاحب کی طرف سے مایوس ہو گئیں، تو انہوں نے دوسرے راستے تلاش کیے، سفلی علم کا ماہر ایک بندہ جس کا نام راج گندل ہے اسے بلایا گیا، راج گندل نے شاہینہ بی بی کے لیے کام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔''

رفیق نے بے کم و کاست اپنی معلومات کا ایک ایک لفظ چوہدری صاحب کو بتا دیا۔ چوہدری شاہنواز کے چہرے پر غم اور حیرت دونوں ایک ساتھ نظر آ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں آہستہ آہستہ سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ بہت دیر خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔ ''نمک تو میرا بھی کھا رہا تھا رفیق! لیکن تم لوگوں نے...... تم لوگوں نے اس معصوم عورت کو جو

ویسے ہی مظلوم تھی زندگی سے محروم کر دیا۔"

"نہیں سرکار ایک بات ہم آپ کو بتائے دے رہے ہیں۔ عرشیہ بیگم زندہ ہیں، وہ سے غائب ہی اس لیے ہوئی تھیں کہ وہ زندہ رہیں؟"

"ایک بات بتا کیا عرشیہ بیگم راج گندل کے پاس ہیں؟"

"اگر وہ راج گندل کے پاس ہوتیں تو سرکار تو وہ جوگی چاروں طرف دھمکیاں دے رہا ہوتا۔ ہم تو شاہ پور گئے نہیں ہیں، اس دن کے بعد سے، مگر وہ دیوانہ وار پھر رہا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ عرشیہ بیگم اور وہ بچی اس کے ہاتھ نہیں لگی۔"

چوہدری شاہنواز دیر تک سوچتے رہے پھر انہوں نے اپنے ایک آدمی سے کہا۔ "حمید خاں کو بلاؤ۔"

حمید خاں جان بوجھ کر سامنے نہیں آیا تھا۔ اسے چوہدری شاہنواز نے ہی منع کیا تھا لیکن اب وہ سامنے آ گیا تھا تو چوہدری نے اسے مختصر الفاظ میں رفیق کی کہانی سنائی اور بولے۔ "حمید خاں! اس رفیق کو تہہ خانے میں بند کر دو اور اس پر دو آدمیوں کا پہرہ لگا دو۔ بھاگنے کی کوشش کرے تو خاموشی سے گردن کاٹ کر تہہ خانے ہی میں دفن کر دینا۔ میں اسے زندہ بھی اس لیے رکھے ہوئے ہوں کہ اس سے آگے کی باتوں کی تصدیق ہوتی رہے۔"

"سرکار آپ ہمیں قید نہ کرو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں۔" رفیق نے اتنا ہی کہا تھا کہ چوہدری شاہنواز کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا اور خون کی لکیر اس کے ہونٹوں سے رینگنے لگی۔ اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا۔

شاہنواز نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ "اپنے کام سے فراغت حاصل کر کے میرے کمرے میں آ جاؤ۔"

"جو حکم سرکار۔" حمید خاں بولا اور چوہدری شاہنواز واپسی کے لیے مڑ گئے۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اپنے کمرے میں حمید خاں سے بات شروع کی۔ "حمید خاں! اس ساری تفصیل میں شاہ پور کے نواح میں رہنے والے شخص راج گندل کا نام آیا ہے۔ اس بدکار سادھو کو تو میں چھوڑوں گا نہیں، ہو سکتا ہے اب عرشیہ اسے مل گئی ہو۔ لوگ میری بچی کی بات بھی کرتے ہیں، آہ کاش! میری بچی مجھے مل جائے۔ خیر حمید تم پچاس آدمی مسلح کر لو۔ راج گندل نے میرے سینے میں تلوار بھونکی ہے۔ میں اس کے جتنے آدمی ہیں انہیں چنے مٹر کی طرح بھون کر رکھ دوں گا۔ راج گندل کو بتا دوں گا کہ اس نے کس کے خلاف کام کیا ہے، مگر دو باتیں میرے سینے میں کیلوں کی طرح چبھ رہی ہیں۔

میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا شاہینہ رقابت کی آگ میں جل کر اپنا ایمان کھو بیٹھی ہے۔ میں راج گندل کو گرفتار کر کے اس سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ عرشیہ کہاں ہے اور شاہینہ کی یہ کیفیت کیوں ہوئی ہے۔ آہ کاش! بابا ادریس علی ہمیں مل جاتے۔ ہمارے بہت سے مسائل کا حل ان کے پاس ہے۔ میں پہلے ہی کہتا تھا کہ بابا ادریس کبھی ایسے بدکام میں حصہ نہیں لیں گے۔ ان کا اپنا ایک مقام ہے۔ وہ راج گندل کے خلاف ہماری بہترین ڈھال بھی بن سکتے تھے۔ پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں۔"

"اور ابھی تک وہ واپس بھی نہیں آئے۔ میں نے ایک بندے کی ڈیوٹی وہاں لگا دی ہے، مگر اطلاع یہی ہے کہ ان کا کوئی پتہ نہیں ہے۔"

"دیکھو کیا ہوتا ہے، بہرحال تم بندے تیار کرو، ہم راج گندل کے مٹھ پر حملہ کریں گے۔ رات کی تاریکی میں چہرے چھپا کر مٹھ پر جائیں گے۔ چاہے بعد میں اس سلسلے میں تحقیقات ہی کیوں نہ ہو۔"

"بندے تیار ہو جائیں گے سرکار، تھوڑا سا وقت تو دیں گے نا مجھے بندے زیادہ ہیں، مگر میں صرف انہی لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کروں گا جو راز دار ہوں کیونکہ بعد میں اس سلسلے میں خاصی لے دے ہو گی، کسی بندے کو ہاتھ نہیں لگنا چاہیے۔"

"ہوشیاری سے سارا کام کرنا ہے، تم اپنے کام کا آغاز کر دو۔" چوہدری شاہنواز نے کہا اور حمید خاں نے گردن خم کر دی۔

چوہدری شاہنواز کے چہرے پر بڑی مظلومیت ابھر آئی تھی، ایک طرف عرشیہ گم ہو گئی تھی۔ دوسری طرف بچی اور تیسری طرف شاہینہ کی یہ کیفیت تھی۔ ہر طرف سے وہ دکھ کا شکار ہو گئے تھے۔

❀ ❀ ❀

راج گندل لالچ کے عذاب میں گرفتار ہو گیا تھا۔ کالا گیان اسے بہت کچھ دے رہا تھا بہت سے بیر اس کے غلام تھے اور وہ آس پاس کے بدکاروں میں بڑا نام رکھتا تھا۔ دور دور تک کے سادھو سنت اس سے کنی کتراتے تھے لیکن لالچ بری بلا ہے، وہ بھی اس بلا کے پنجے میں آ گیا تھا۔ مہا شکتی حاصل کرنے کا نسخہ اس نے حاصل کیا تھا اور اس پر آہستہ آہستہ عمل کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اگر رفیق اس کے پاس اپنی کہانی لے کر نہ جاتا تو ابھی وہ اس عمل کا آغاز نہ کرتا، لیکن یہ سارا کام اس کی ضرورت کے مطابق تھا، اس لیے وہ پوری طرح اس میں مصروف ہو گیا۔ اسے ضرور کامیابی حاصل ہو جاتی اگر بیچ میں بابا ادریس نہ آ جاتے۔

وہ سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے تھے اور راج گندل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بابا
صاحب کوئی معمولی عامل نہیں بلکہ ان کے پاس بہت کچھ ہے۔ راج گندل کے پاس اب
آخری سہارا وہ بچی تھی اگر وہ اسے حاصل ہو جائے تو سب ٹھیک ہو سکتا تھا۔ اسے بھیروں
سے پتہ چل چکا تھا کہ بچی کہاں ہے لیکن بس تھوڑی سی دیر ہو گئی تھی اور اب تیسری بار
بھیروں کو جگانا مجبوری تھی، ایک بار پھر یہ خطرہ مول لینا تھا۔

مٹھ سے دور وہ اپنے جاپ میں مصروف تھا اور اس کے دل میں خوف کا بسیرا تھا۔ پھر
اپنے جاپ کے آخری روز جب بھیروں جاگنے والا تھا اچانک طوفان آ گیا۔ جو کچھ ہوا تو
اس کی توقع کے بالکل خلاف ہوا تھا۔ وہ لرزتے دل اور کانپتے بدن کے ساتھ اس طرف
دیکھنے لگا، جہاں بھونچال آیا ہوا تھا۔

☆

خوفناک دھماکے ہو رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی چیخ و پکار کی آوازیں ابھر رہی
تھیں۔ راج گندل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے جاپ کے آخری
مراحل سے گزر رہا تھا اور کچھ ہی لمحوں بعد بھیروں جاگنے والا تھا۔ کیا یہ اس کی کوششوں کو
ناکام بنانے کا کوئی عمل تھا۔ دوسرا خیال بابا ادریس کے بارے میں آیا کہ کہیں بابا ادریس
نے چڑھائی نہ کرا دی ہو، کیونکہ راج گندل انہیں دھمکیاں دے کر آیا تھا لیکن جو کچھ بھی ہوا
ہو، وہ ابھی اپنا جاپ نہیں چھوڑ سکتا تھا ورنہ دہری مار پڑ جاتی، بھیروں اسے کوئی بھی نقصان
پہنچا سکتا تھا۔

گولیاں چلتی رہیں، بہت سی گولیاں اس کے آس پاس سے بھی گزری تھیں اور اس
کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کوئی بھی گولی اسے چاٹ سکتی تھی۔ اس نے اتنا کیا کہ زمین
پر لیٹ گیا، مگر اپنا منتر جاری رکھا، پھر تھوڑی دیر کے بعد وقت پورا ہو گیا۔ بھیروں جاگا اور
اس کی بھیانک آوازیں ابھرنے لگیں۔ راج گندل نے کہا۔ "بھیروں جو پتہ تو نے مجھے
پہلے بتایا تھا وہ ٹھیک تھا۔ لیکن وہ وہاں سے جا چکی تھی۔ تیرے بغیر میں یہ نہیں معلوم کر سکتا
کہ وہ وہاں سے کہاں گئی۔ میں نے ایک بار پھر تجھے کشٹ دیا ہے، مجھے بتا بھیروں کہ اب
وہ کہاں ہے؟"

"نقشہ من میں اتار لے۔" بھیروں نے کہا اور اس کے بعد دیر تک اس کی آواز گونجتی
رہی۔ وہ راج گندل کو بچی کے نئے ٹھکانے کے بارے میں بتا رہا تھا اور راج گندل اس
کے بتائے ہوئے پتے کو من میں اتار رہا تھا۔ دوسری طرف گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں لیکن ہا
ہاکار اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ بہت سے لوگ ان گولیوں سے زخمی ہوئے تھے اور بہت
سے مر بھی چکے تھے۔

پھر اچانک ہی مٹھ کے آس پاس آگ بھڑک اٹھی، راج گندل خوف سے کپکپا رہا تھا
اور بھیروں کی آواز ابھر رہی تھی۔ "تیسری بار تو نے مجھے جگایا ہے، اب اس کے بعد خبردار

ایسی کوئی کوشش مت کرنا، ورنہ میں تجھے جلا کر بھسم کر دوں گا، تو بغیر چتا کے جل جائے
سمجھا۔" بھیروں کی آواز بند ہو گئی۔

راج گندل زمین پر پڑا کپکپا رہا تھا اور اس کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی
تھیں۔ "ہے مہا سابلی، ہے کلکتے کی کالی، مجھ سے ایسا کیا دوش ہو گیا کہ چاروں طرف
میں کشٹ میں پڑ گیا۔ ایک طرف میرا گیان دھیان مٹی ہو گیا اور دوسری طرف یہ مصیبت
گلے آ پڑی۔ پتہ نہیں کیا ہوا ہے، اب کیا کروں؟"

گولیاں چلنا بند ہو گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کوئی ایسی جگہ تلاش
کرنے لگا جہاں وہ چھپ کر بیٹھ جائے۔ مٹی کے ایک تودے کے پیچھے ایسی جگہ مل گئی جس
کے آس پاس جھاڑیاں بھی تھیں۔ یہاں سے وہ اپنے مٹھ پر نگاہ بھی رکھ سکتا تھا۔

دیر تک وہ جلتی آگ کی روشنی میں سایوں کو اِدھر اُدھر بھاگتے دیکھتا رہا۔ اس کا
ٹھکانہ تباہ ہو گیا تھا، کافی دیر گزر گئی اور پھر اسے ایک سایہ سا ادھر آتا ہوا نظر آیا۔ سایہ
جگہ رکا جہاں تھوڑی دیر پہلے راج گندل اپنا جاپ کر رہا تھا۔ یہاں رک کر وہ سایہ ادھر ادھر
دیکھتا رہا۔ دوسری طرف مٹھ کے آس پاس آگ بجھ رہی تھی اور دھوئیں کے بادل فضا میں
بلند ہو رہے تھے۔

سایہ اِدھر اُدھر دیکھتا رہا اور پھر اس کی آواز ابھری۔ "گندل مہاراج، مہا گرو کہاں ہو
تم، کہاں ہو تم مہاراج"

راج گندل نے کندن لعل کی آواز پہچان لی وہ ایک دم اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور
چیخا۔ "کندن لعل ادھر آ جاؤ۔"

کندن لعل روتا پیٹتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ "انرتھ ہو گیا مہاراج، انرتھ ہو گیا، سب
کچھ بھسم ہو گیا، بہت سے ساتھی مارے گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے، جو زندہ ہیں وہ ادھر
اُدھر بھاگ گئے، ڈیرے کو آگ لگا دی گئی، مہاراج بہت برا ہوا ہے۔"

"مگر وہ تھے کون؟"

"پتہ نہیں مہاراج، ہائے سب کچھ جلا کر خاک کر دیا سسروں نے، کچھ بھی باقی نہیں
چھوڑا، گولیاں الگ چلائیں، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ شاہ پور کے مسلمانوں کا کوئی ایسا
ٹولا تھا جو آپ کا دشمن تھا۔ ان سب نے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے مہاراج!
ایک کو مار مار کر ایک ہی بات پوچھ رہے تھے کہ راج گندل کہاں ہے۔ مہاراج! وہ آپ کی
تلاش میں آئے تھے اور سب کچھ تباہ کر کے چلے گئے، میں اپنے ساتھیوں کی موت برداشت

نہیں کر سکتا۔ میرے نے بھی تین گولیاں لگی ہیں، پر مجھے معلوم تھا کہ آپ یہاں جاپ کر رہے
ہیں، میں کس مشکل سے ادھر آیا ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتے، جئے ہو مہاراج کی، جئے مہا
سابلی۔" کندن لال زمین پر بیٹھ گیا۔

راج گندل نے اس سے کسی ہمدردی کا اظہار نہیں کیا، وہ اسے دیکھتا رہا تھا۔ کندن
لعل آہستہ آہستہ زمین پر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ساکت ہو گیا۔ راج گندل
بدستور دور سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "تیرے لیے اچھا
تھا کہ تو بھی اس چتا میں جل جاتا۔ ٹھیک ہے اگر مہا سابلی میری تباہی چاہتا ہے تو بھلا اسے
کون روک سکتا ہے، پر میں جیون کی آخری سانس تک کوشش کرتا رہوں گا کہ مجھے مہا شکتی مل
جائے۔"

راج گندل وہاں سے آگے بڑھ گیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا تاریکیوں میں روپوش ہو
گیا۔ اس کے مٹھ سے تیرہ پجاریوں کی لاشیں ملی تھیں، کچھ زخمی بھی ملے تھے اور باقی جو تھے
بھاگ گئے تھے، راج گندل کا ڈیرہ تباہ ہو گیا تھا۔ لوگوں اور پولیس کا یہی خیال تھا کہ راج
گندل کے دشمنوں نے یہ کارروائی کی ہے، اصل بات کی ہوا کسی کو نہیں لگی تھی کہ چوہدری
شاہنواز نے راج گندل سے عرشیہ کی گمشدگی کا انتقام لیا ہے۔

❀ ❀ ❀

صوفیہ عجیب کشمکش کا شکار تھی، ماں باپ اسے مستقل طعنے دیتے رہتے تھے۔ نذیر حسین
کہتے۔ "تف ہے تجھ پر صوفیہ! آج کل کی لڑکیوں کو دیکھو، پر لگے ہوئے ہیں، آسمان میں
اڑان کرنے کو تیار رہتی ہیں، مردوں کی برابری میں دیوانہ وار کام کر رہی ہیں، ایک تو ہے
کہ اتنا سا کام ابھی تک نہیں کر پائی۔"

"میں نے کوئی اس کام کی تربیت لی ہے ابا، عجیب باتیں کرتے ہیں آپ...... آپ
نے مجھے ایک ایسے کام پر لگا دیا ہے جس کا مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے، عجیب سی باتیں ہیں یہ
ارے اماں! آپ بھی ابا کو منع نہیں کرتیں، اب مجھے بتائیے کیا کروں میں۔ محمود علی جب بھی
سے بات کرتے ہیں اور مجھے دیکھتے ہیں ان کا انداز ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی اپنے بچوں
سے بات کرتا ہے۔ ایسی شکل میں آپ خود مجھے بتائیے کیا کروں میں۔"

"اے بی بی جو کچھ کر رہے ہیں تمہارے لیے ہی کر رہے ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں تم
سے اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئیں تو پھوٹی کوڑی نہیں مانگیں گے تم سے۔ یہ مت
سمجھنا کہ ہم اپنا بڑھاپا سنوار رہے ہیں تمہارے ذریعے، لو الزام لگا ڈالا ہم پر کہ ہم تمہیں

برائی پر مجبور کر رہے ہیں۔"

"میرے ذہن میں تو ایک اور بات آ گئی ہے رقیہ بیگم، کچھ نہیں کر رہی یہ۔ ہ
بیوقوف بنا رہی ہے۔"

"مجھے نہیں آتا یہ سب کچھ سمجھے آپ لوگ۔"

"تو بی بی پھر وہاں گھسے رہنے کی ضرورت کیا ہے، کیا عزت لٹاؤ گی ہماری، ہیں۔
خبردار جو ایک قدم باہر نکالا۔ لعنت بھیجو جی! جو اس کی تقدیر میں ہے وہ ہو جائے گا۔
رہے گی زندگی بھر۔ ہمارا کیا ہے آج مرے کل دوسرا دن۔ ارے ایسے بات کر رہی ہے
ہم پر احسان کر رہی ہو۔ ایک تو ہم نے اسے کھل کھیلنے کا موقع دیا ہے، عزت دار لوگ
ایسا کرتے ہیں، مگر کیا کریں ماں باپ اولاد کے لیے ہی مرتے ہیں، توبہ توبہ...... دور کر
اسے میری نگاہوں کے سامنے سے۔ مجھے اس پر شدید غصہ آ رہا ہے، اور اپنی بے غیرتی
احساس ہو رہا ہے۔ میں نے صرف یہ سوچ کر اسے اس بات کا موقع دیا تھا کہ اگر محمو
اس کے جال میں پھنس گئے تو اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ ارے لڑکیاں تو
نہیں کیا کیا کر لیتی ہیں۔ رہنے دے بی بی رہنے دے تو، کہیں ہمیں دو کوڑی کا کر کے نہ
دینا، منع کر دو اسے رقیہ بیگم بس منع کر دو۔"

"کیوں کیا کہتی ہے، آخری موقع دیتی ہوں تجھے۔ سمجھا لوں گی تیرے ابا کو۔ محمو
پر اپنی الفت کا اظہار کر دے۔ صاف صاف کہہ دے ان سے کہ تیرے دل میں ان
لیے محبت کا مقام پیدا ہو چکا ہے اور تو ان کے قدموں میں رہنا چاہتی ہے۔ جا اب سا
کھڑی ٹکر ٹکر کیا دیکھ رہی ہے۔ باپ سے آنکھیں ملاتی ہے؟ جو بتایا ہے وہ کر۔ اسی میں
سب کی نجات ہے۔"

صوفیہ باہر نکل گئی، اس کا سر چکرا رہا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ شاہد علی اس کے دل
رہتا تھا۔ بہت عرصے کی محبت تھی۔ بڑا احترام کیا تھا ان دونوں نے اپنی محبتوں کا۔ شا
نے بس ایک بار کہا تھا کہ "صوفیہ دل چاہتا ہے کہ تمہیں کسی راج محل میں بٹھا دوں، لیکن
انسان بے بس ہے۔ خدا تمہیں خوش رکھے۔ ایک اعلیٰ مستقبل تمہیں دے۔"

صوفیہ نے اس کے الفاظ میں جو کسک محسوس کی تھی وہ اس کے دل میں محفوظ تھی
جانتی تھی کہ اس کے ماں باپ کس طرح کے لوگ ہیں۔ نذیر حسین دولت کے پجاری
اور ان کی باتوں سے اسی طرح کا اظہار ہوتا تھا۔ اکثر کہتے تھے کہ صوفیہ اگر تو لڑکا
ہمارے سارے دلدر دور ہو جاتے، مگر تو ہماری کالی تقدیر سے منسلک ہے۔

صوفیہ باہر نکل آئی اور ایک گوشے میں بیٹھ کر ماں باپ کے بارے میں سوچنے لگی۔
ہر حال اپنے ماں باپ کو چاہتی بھی تھی۔ بے شک ان کا یہ مطالبہ بہت انوکھا تھا اور وہ سوچتی
تھی کہ یہ کسی طرح بھی ایک عزت عمل نہیں ہے۔ ہمیشہ ہی ماں باپ کی رضا کے سامنے سر
جھکاتی رہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اندرونی حویلی کی جانب چل پڑی۔ محمود علی اپنے
کمرے میں کسی کام سے بیٹھے ہوئے تھے۔ صوفیہ اکثر ان کے کام کر دیا کرتی تھی، جیسے ہی
وہ اندر داخل ہوئی تو انہوں نے کہا۔ "واہ صوفیہ اس وقت تو تم فرشتہ بن کر آئی ہو میرے
پاس، آؤ تھوڑا سا میرے ساتھ کام کرو۔"

"جی۔" صوفیہ مدھم لہجے میں بولی اور محمود علی نے اپنے سامنے رکھے ہوئے بہت سے
کاغذات اس کے سامنے کر دیئے۔

"دیکھو یہ ایک تحریر ہے۔ ان کاغذات میں تم اس تحریر کو مختلف جگہوں پر تلاش کرو اور
جہاں وہ نظر آئے اس پر سرخ نشان لگا دینا یہ کچھ اہم کاغذات ہیں اور مجھے ان میں سے کچھ
کاغذات الگ کرنے ہیں جن میں وہ تحریر موجود ہے۔ تعداد زیادہ ہے اور میں کچھ تھکن سی
محسوس کر رہا ہوں تم تھوڑی دیر انہیں دیکھو اور پلیز ذرا احتیاط سے۔"

صوفیہ کاغذات لے کر بیٹھ گئی۔ اس کی نگاہیں دوسرے کاغذات پر اس تحریر کو تلاش
کرنے لگیں، مگر الفاظ آنکھوں کے سامنے ڈگڈ ہو رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا
کرے۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

دو چار ہی صفحات دیکھے تھے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کے کچھ قطرے ٹپک پڑے۔ محمود
علی جو پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ان کاغذات
کے بارے میں سوچ رہے تھے جن کی تفصیل اکٹھی کر کے انہیں ایک اہم سرکاری محکمے کو
بھجوانی تھی، صوفیہ پر نگاہ پڑی تو چونک پڑے۔ آنسوؤں کے قطرے کاغذ پر ٹپک گئے تھے اور
صوفیہ گھبرا کر انہیں اپنے دوپٹے کے آنچل سے صاف کر رہی تھی۔ محمود علی حیرت سے سیدھے
ہو گئے، اسی وقت پیچھے سے ذکیہ بیگم بھی آ گئیں۔ صبوحی ان کی گود میں تھی۔

محمود علی جو حیرانی سے صوفیہ کو دیکھ رہے تھے جلدی سے بولے۔ "صوفیہ کیوں رو رہی
ہو کوئی تکلیف ہے؟"

صوفیہ نے دوپٹہ آنکھوں پر رکھ لیا۔ "نہیں میں رو نہیں رہی، بس ایسے ہی ذرا آنکھوں
میں دھندلاہٹ آ گئی تھی۔"

"دوپٹہ ہٹاؤ۔" محمود علی پر رعب لہجے میں بولے۔ ذکیہ بیگم آگے بڑھیں اور انہوں

نے دوپٹہ صوفیہ کے چہرے سے ہٹا دیا۔ صوفیہ بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

ذکیہ بیگم اور محمود علی کے دل میں ہمدردی کا ایک طوفان امڈا، انہوں نے اس وقت نہیں کیا تھا کہ صبوحی مسکراتی نگاہوں سے صوفیہ کو دیکھ رہی ہے۔ دونوں صوفیہ کو چپ کرا کی کوشش میں مصروف ہو گئے اور اسے طرح طرح سے دلاسے دینے لگے۔ بمشکل ا صوفیہ کی ہچکیاں رکی تھیں۔

''دیکھو صوفیہ تم جانتی ہو کہ ہم لوگ تم سے کتنی محبت کرتے ہیں اور تمہیں اپنا بچ ہیں۔ تم مجھے اپنے رونے کی وجہ بتاؤ، بات چاہے کچھ بھی ہو، میں وعدہ کرتی ہوں کہ تمہار ہر بات اپنے دل میں رکھوں گی، والدین نے کچھ کہا ہے یا کسی اور نے، بتا دو، دیکھو صو اگر تم نے زبان نہ کھولی تو۔''

''میں بتا رہی ہوں۔'' صوفیہ کے منہ سے نکلا اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ ا نے اپنے منہ سے نہ ادا کیے ہوں، بلکہ اس کی زبان خود بخود کھل گئی۔

''بیٹھو ہاں آرام سے بیٹھ جاؤ، میں پانی منگواتی ہوں تمہارے لیے۔''

''نہیں پہلے آپ مجھ سے سن لیجیے کہ میں کیوں رو رہی ہوں۔''

''ہاں بتاؤ بتاؤ......''

''ہاں اس حویلی میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو آپ کی دولت پر نگاہ رکھتے ہیں ان کی خواہش ہے کہ وہ آپ کی قربت حاصل کر کے کسی نہ کسی طرح آپ کی دولت پر قبض جما لیں۔ میرے ماں باپ بھی ایسے ہی لوگ ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ دوسرے لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں لیکن ابا اور اماں کا خیال ہے کہ میں، میں...... محمود علی صاحب سے روابط بڑھاؤں، ان کی قربت حاصل کروں اور یہ کوشش کروں کہ محمود علی صاحب ذکیہ بیگم کو چھوڑ دیں۔ تب میرے والدین میرا ان سے نکاح کرا دیں گے اور اس طرح وہ محمود علی صاحب کی دولت کے حقدار بن جائیں گے اور میرے ذریعے یہاں عیش کریں گے۔ میں یہ سب کچھ نہیں چاہتی، مجھے برا بھلا کہا جاتا ہے، طعنے دیئے جاتے ہیں، میں، میں...... اپنے کالج کے ایک لڑکے سے محبت کرتی ہوں۔ اس سے شادی کرنا چاہتی ہوں، میں آپ کی دولت کا ایک پیسہ بھی نہیں چاہتی، مگر وہ لوگ مجھے ہر وقت اس پر آمادہ کرتے ہیں، میں تنگ آ چکی ہوں ان حالات سے۔ میں میں میں......'' صوفیہ کی زبان بند ہو گئی۔

اس نے دہشت زدہ نگاہوں سے محمود علی اور ذکیہ بیگم کو دیکھا اور پھر اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسے احساس ہوا کہ یہ کیا کہہ دیا اس نے لیکن یہ سب کچھ کہنے میں

اس کے ارادوں کا کوئی دخل نہیں تھا۔ نہ جانے کس نے اسے اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ زبان کھول دے۔ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ذکیہ بیگم کے چہرے پر پہلے تو غصے کے آثار نظر آئے پھر انہوں نے محمود علی کا چہرہ دیکھا اور محمود علی ہنس پڑے۔ ''لیجیے ذکیہ بیگم! آپ کو ہم سے جدا کرنے کی کارروائی بھی ہونے لگی۔''

ذکیہ بیگم نے محمود علی کو دیکھا اور جذباتی ہو کر ان کے قریب آ گئیں۔ ''مجھے آپ پر بھروسہ ہے پورا بھروسہ۔''

''شکریہ، یہی میں سننا بھی چاہتا تھا۔'' محمود علی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ کچھ دیر مکمل خاموشی طاری رہی۔ پھر محمود علی نے ذکیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''باہر کی دنیا میں بھی اسی طرح کی سازشیں ہوتی رہتی ہیں ذکیہ بیگم، یہ سب ہمارے اپنے ہیں۔ بے چارے برے حالات کا شکار رہے ہیں، اس طرح ان کی سوچ منفی ہو گئی ہے، لیکن میں اب بھی ان کے لیے دل میں کوئی برائی نہیں رکھتا۔ برائی کو چھوڑ دینا بہادری نہیں ہوتی۔ اگر ہم اس میں کچھ بہتری پیدا کر سکیں تو یہ بڑا کام ہوگا۔ بہرحال کیا کہتی ہیں آپ اس سلسلے میں؟''

''میں آپ سے مکمل اتفاق کرتی ہوں، اپنوں میں اگر کوئی برائی پیدا ہو جائے تو ان سے کنارہ کشی اختیار تو نہیں کی جا سکتی۔''

''بھلا اس کے بعد اس کی کیا گنجائش ہے کہ کوئی ہمارے اور آپ کے درمیان رخنہ اندازی کر سکے۔ خیر اس بچی نے جس محبت کے ساتھ ہمیں اپنی اور اپنے ماں باپ کی کمزوریوں سے آگاہ کیا ہے وہ قابل قدر ہے، اس کا حق بنتا ہے کہ ہم اسے کسی اچھے انعام سے نوازیں، وہ انعام آپ کے خیال میں کیا ہو سکتا ہے؟''

''اس نوجوان لڑکے سے اس کی شادی جس سے یہ محبت کرتی ہے۔'' ذکیہ بیگم نے کہا۔

''بخدا میرے دل میں بھی یہی خیال آیا تھا، اب تم ایسا کرنا کہ صوفیہ سے اس لڑکے کے بارے میں معلومات حاصل کر لینا، بھلا ماموں نذیر حسین یا ممانی رقیہ کی کیا جرأت ہے کہ ہمیں اس نوجوان سے اس کی شادی کرنے سے روک سکیں، یہ کام ہمیں کرنا ہے۔''

صوفیہ شرمائے ہوئے انداز میں کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے دل کو ایک ٹھہرے سکون کا احساس ہوا تھا۔

❀ ❀ ❀

حمید خاں خود حیران تھا۔ چوہدری شاہنواز میں بڑی نمایاں تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔ اس سے پہلے وہ بڑے مست مولا ہوا کرتے تھے، اپنی رنگ رلیوں میں ہمہ وقت مصروف

رہتے تھے۔ حمید خاں جانتا تھا کہ عرشیہ بیگم سے شادی کے باوجود انہوں نے اپنے مشا
ترک نہیں کیے تھے۔ کچھ پرانی جاننے والیاں اور اس کے ساتھ ہی کچھ نئی شناسائیاں۔ ا
کی مصروفیات پہلے سے زیادہ مختلف نہیں تھیں۔ حمید خاں بے شک لکڑ موڑ حویلی میں رہتا تھا
لیکن چونکہ وہ چوہدری صاحب کا خاص آدمی تھا اس لیے اسے چوہدری کے مشاغل ک
بارے میں تمام تر تفصیلات ملتی رہتی تھیں اور اب چوہدری کے اندر جو تبدیلیاں رونما ہو
تھیں وہ اس کے لیے حیرانی کا باعث تھیں۔

انہوں نے بڑی دلسوزی سے کہا تھا۔ ''یار حمید خاں! انسان برائی کے راستوں پر ک
ہی دور نکل جائے، لیکن پچھتاوے کا ایک وقت ضرور آتا ہے اور اس وقت وہ سوچتا ہے
کاش اپنی خواہشوں پر ایک تھوڑا سا قابو پا لیا تھا۔ تم یقین کروں میں جانتا تھا کہ ایسا ہو
لیکن یہ بھی انسان ہی کی خوبی ہے کہ تباہی کے راستے پر چلتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ
روک نہیں پاتا، شاہینہ میری توجہ کا مرکز تھی، اس سے شادی کے بعد میں غیر مطمئن نہیں تھ
مگر میری فطرت کبھی مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ عرشیہ کو بے شک میں نے رحم اور ہمدردی کے
جذبے کے تحت اپنی زندگی میں شامل کیا تھا، لیکن بعد میں وہ میری زندگی کا حصہ بن گئی
میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں نے عرشیہ کی بھی حق تلفی کی ہے، لیکن اب جبکہ وہ میری نگاہوں
سے گم ہو چکی ہے، مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس کا میری زندگی سے بہت گہرا تعلق تھا۔ اگ
عرشیہ واپس آ جائے تو شاہنواز بالکل تبدیل ہو جائے گا۔ حمید خاں! اگر میری یہ خواہش پوری
ہو جائے تو میں واقعی اپنے آپ کو تبدیل کر لوں گا اور پھر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ میری
بیٹی کی ماں بھی بن چکی ہے۔ آہ میں بہت تڑپتا ہوں اس کے لیے۔ کاش ایک بار میری تقد
پھر سے روشن ہو جائے۔''

''سر جی!...... ایسا ہو گا آپ یقین کر لیں۔ ہمارے لیے یہ سب سے بڑی خوشخبری
ہے کہ چھوٹی بیگم زندہ ہیں۔ اب وہ کہاں ہیں بس اس کا انتظار کرنا ہو گا۔''

''نہ جانے کیوں میری امید بابا ادریس علی سے بھی لگی ہوئی ہے، کہاں گم ہو گئے وہ؟
کوئی اتا پتا ہی نہیں ملتا۔''

''سر جی، میں نے ان کے سسرال سے بھی معلومات حاصل کرائی ہیں، کچھ پتہ نہیں
کہ وہ کہاں ہیں؟''

''بہرحال یہ بھی ہماری بدقسمتی ہے۔''

درحقیقت چوہدری شاہنواز بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس رات وہ حویلی میں موجود تھا۔

اپنے بیڈ روم میں سو رہا تھا کہ اچانک کسی کھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے چونک کر
چاروں طرف دیکھا تو کوئی دروازے سے باہر نکلتا ہوا نظر آیا۔ کالی چادر میں لپٹا ہوا یہ سایہ
دروازے سے باہر نکل گیا تو اس کی نگاہیں شاہینہ کے بیڈ کی جانب اٹھ گئیں۔

بیڈ خالی تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ باہر نکلنے والی شاہینہ ہی تھی۔ چوہدری شاہنواز کے
بدن میں بجلیاں سی دوڑ گئیں۔ وہ تیزی سے اٹھا اور پھرتی سے باہر نکل گیا۔ تھوڑے فاصلے
پر اسے شاہینہ جاتی ہوئی نظر آ گئی تھی اور پھر وہ چور دروازے سے حویلی سے باہر نکل گئی۔

چوہدری شاہنواز اس کے پیچھے تھا، اس وقت وہ تنہا ہی تھا اور چونکہ نیند سے جاگ کر
اس سائے کے پیچھے لپکا تھا اس لیے کوئی بھی چیز ساتھ نہیں لے سکتا تھا۔ بس سلیپر پہن لیے
تھے۔ موبائل فون بھی نہیں تھا کہ حمید خاں ہی کو اطلاع دے دیتا۔

وہ شاہینہ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور بڑی احتیاط سے ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا
رہا تھا لیکن کافی فاصلہ طے کر کے جب شاہینہ آبادی سے باہر نکل گئی تو شاہنواز کے اوسان
خطا ہونے لگے۔ ایک بار تو دل چاہا کہ آگے جا کر شاہینہ کو پکڑ لے اور اس کی اچھی خاصی
مرمت کر ڈالے، لیکن پھر اس نے سوچا کہ دیکھو تو سہی کہ آخر شاہینہ جا کہاں رہی ہے۔

طویل فاصلہ طے کر کے چوہدری شاہنواز تھک گیا، بھلا اسے پیدل چلنے کی عادت
کہاں تھی مگر شاہینہ کے انداز میں کسی طرح کی تھکن نظر نہیں آ رہی تھی۔ چوہدری شاہنواز کو
چکر سے آنے لگے۔ لیکن وہ گرتے پڑتے قدموں سے شاہینہ کا تعاقب کرتا رہا پھر بہت دور
اسے وہ کھنڈر نظر آ گیا جس کی طرف شاہینہ کا رخ تھا اور اس کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے
لگیں لیکن اس وقت اس کی کیفیت عجیب و غریب تھی، خوف کے ساتھ شدید غصہ بھی تھا۔ نہ
جانے کیوں اسے یوں لگا تھا جیسے شاہینہ کے کردار میں کوئی سقم پیدا ہو گیا ہے۔

شاہینہ کھنڈر میں داخل ہو گئی اور مختلف راستے طے کرتی ہوئی ایک جگہ رک گئی۔ اس
نے کالی چادر اتار کر ایک طرف رکھی اور پھر اس پتھر کی کالی سل کے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کا
انداز عقیدت مندوں جیسا تھا، پھر دونوں ہاتھ سامنے کر کے اس نے سر جھکایا تین چار مرتبہ
اسی طرح کیا اس کے بعد اس کی آواز ابھری۔

''ہے مہا سابلی، میرے من کو شانتی دے۔ میرا من بے کل ہے، مجھے منجدھار میں
چھوڑ دیا گیا ہے، ایک طرف میرے من میں تیری آگ جلا دی گئی ہے تو دوسری طرف اس
کے بعد کچھ نہیں بتایا گیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ کالی دیوی! میری سہائتا کر، میرا من شانت کر
دے۔ میں نے جو کچھ چاہا تھا وہ بھی مجھے نہیں ملا۔ میں اپنے پتی کو چاہتی تھی اور جب دوسری

عورت نے اس پر قبضہ جما لیا تو میں بے کل ہو گئی۔ مہا سابلی مجھے شانتی دو، میں اپنا سب کچھ تم پر وار دوں گی، مجھے شانتی دو۔" یہ الفاظ رات کی تاریکی اور خاموشی میں گونج رہے تھے اور چوہدری شاہنواز انہیں سن رہا تھا۔

پتھر کی کالی سل میں کوئی تحریک پیدا نہ ہوئی۔ بہت دیر تک وہ اس کے سامنے رکی رہی۔ چوہدری شاہنواز کے دل میں عجیب و غریب خیالات اٹھ رہے تھے۔ شاہینہ کا پورا ماضی اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ایک اچھے خاندان سے اس کا تعلق تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مزاج کی تھوڑی سی تلخ تھی اور بار بار چوہدری شاہنواز سے اس کی جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں، لیکن اس کا دین دھرم خراب نہیں تھا۔ اچھے خاصے مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتی تھی لیکن اب جو کچھ وہ کر رہی تھی وہ بہت عجیب تھی۔

بہت دیر تک وہ سجدے میں پڑی رہی، پھر اس کے بعد اٹھی اور اپنی چادر اوڑھ کر واپس چل پڑی۔ چوہدری شاہنواز خود بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ شاہینہ ایک پراسرار سائے کی مانند واپس جا رہی تھی۔ چوہدری شاہنواز کے ہوش و حواس گم تھے۔ دوبارہ اتنا لمبا سفر طے کر کے حویلی واپس جانے کے تصور ہی نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ خوفناک جنگل ہو کا عالم۔ کہیں رک بھی نہیں سکتا تھا، اس قدر دلیر نہیں تھا کہ جنگل میں کہیں رک جاتا جبکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ شاہینہ نپے تلے قدموں سے واپسی کا سفر طے کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ لمبا فاصلہ طے کر کے حویلی پہنچ گئی اور پھر اسی چور دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

چوہدری شاہنواز بھی اس کے پیچھے تھا اور اس وقت اس پر غشی سی طاری ہو رہی تھی۔ حویلی کے احاطے میں داخل ہو کر ایک قدم اٹھانے کو دل نہیں چاہا۔ وہ پائیں باغ کے مشرقی حصے میں پہنچ گیا اور یہاں ایک حوض کے کنارے بنی بینچ پر لیٹ گیا۔ اس کا پورا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ سانس دھونکنی بنا ہوا تھا، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے فرحت کا احساس دلایا اور غشی کی کیفیت آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی۔

شاہینہ یقیناً بیڈروم میں پہنچ گئی ہو گی۔ اسے موجود نہ پا کر پتہ نہیں اس نے کیا سوچا ہو گا، لیکن چوہدری شاہنواز کے دل میں اس وقت ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔ شاہینہ کے الفاظ نے اسے کشمکش کا شکار کر دیا تھا۔ ایک طرف تو وہ شاہینہ کے عمل سے شدید متنفر تھا تو دوسری طرف اس کے دل میں ایک گداز سا ابھر رہا تھا۔

چوہدری شاہنواز اتنا سنگدل نہیں تھا کہ عورت کے جذبوں کو نہ سمجھ سکتا۔ شاہینہ اپنے جلاپے کا شکار ہو گئی تھی۔ شوہر کی محبت نے اسے دیوانہ کر دیا تھا، اسے اس طرح بے یار

و مددگار نہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کمینے راج گندل نے شاہینہ کو یہاں تک پہنچایا ہے اور اس سلسلے میں اس کا معاون کار رفیق ہے۔ راج گندل کے خلاف چوہدری شاہنواز نے بہت بڑا قدم اٹھایا تھا اور اس نے حمید خاں کی سرکردگی میں اپنے سارے افراد بھیج کر راج گندل کا پورا ڈیرہ تباہ کرا دیا تھا۔ حمید خاں کو اس نے یہی ہدایت کی تھی کہ راج گندل کو جس طرح بھی بن پڑے زندہ گرفتار کر کے لائے اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم اس کی لاش ہی اٹھا لائے، لیکن حمید خاں نے جواب دیا تھا کہ راج گندل کے بہت سے آدمیوں کو قتل کرنے کے باوجود کہیں سے راج گندل کا نشان نہیں مل سکا۔ وہ لاپتہ ہو گیا ہے۔ بہرحال یہ بھی چوہدری شاہنواز کے لیے ایک چیلنج تھا اور اس نے راج گندل کی تلاش کے لیے ایک منصوبہ بنایا تھا، لیکن اس وقت شاہینہ نے پتھر کی اس سل کے سامنے جو الفاظ کہے تھے۔ انہوں نے چوہدری شاہنواز کو تھوڑا سا مضمحل کر دیا تھا۔

شاہنواز نے سوچا کہ شاہینہ بہرحال ہمدردی کے قابل ہے، اس کے علاج کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ آہ نہ جانے بابا ادریس علی کہاں گئے، وہ آنکھیں بند کر کے بابا ادریس علی کے بارے میں سوچتا رہا اور پتھر کی اس بینچ پر ہی اسے نیند آ گئی۔

❀ ❀ ❀

نوٹوں کے وہ انبار بھی اخلاص احمد کی تحویل میں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے شبانہ سے نہ جانے کیا کیا سوالات کر ڈالے تھے، لیکن شبانہ کی زبان پر تالے لگ گئے تھے۔ بہرحال یہ دولت بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اسے کہاں چھپائیں۔ راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں۔

اس بات پر تو انہیں یقین آ گیا تھا کہ یہ چیزیں شبانہ نے کہیں سے چوری نہیں کی تھیں۔ شبانہ ایسی ہمت والی لڑکی تھی ہی نہیں اور پھر اتنا بڑا ڈاکا تو اس کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔

"ایسا کرتے ہیں کوئی ترکیب نکال لیتے ہیں فاخرہ بیگم، وہ جو ریاض الدین ہیں ان کی طرف سے ایک خط منگوا لیتے ہیں کہ تھوڑے دن کے لیے آ کر مل جاؤ، بس اس بہانے سے گھر سے نکل چلتے ہیں، زیادہ سامان نہیں لے جائیں گے، یہ زیورات اور نوٹ، سوٹ کیس میں بھر کر چل پڑیں گے اور پھر کہیں روپوش ہو جائیں گے۔"

"اے جھاڑو پھرے ان ریاض احمد پر، نام بھی لو گے تو ان کا، جن کے نام سے جی جلتا ہے، ارے یاد نہیں ہے کیسے کھڑے کھڑے گھر سے نکال دیا تھا، بے عزتی بھول گئے

اخلاص احمد۔"

"لعنت ہے تم پر، بات کرو گی تو وہی عورتوں والی۔ عقل کا تو نام و نشان نہیں ہے۔
ارے بابا ایک جعلی خط ان کے نام سے منگوانا ہے اور محمود علی کو دکھا کر یہاں سے نکل جائیں
گے، کسی گمنام جگہ ٹھکانہ بنائیں گے۔ پھر یہ دولت ہو گی اور ہم، سارے دلدر دور ہو
جائیں گے۔"

"ایسا سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے۔ اچھی ترکیب ہے، جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ ہماری
زندگی بدل دے گا، شبانہ کے لیے بھی دوسرا رشتہ تلاش کریں گے۔ حیثیت اچھی ہو تو رشتے
خود بخود آ جاتے ہیں، اے میں تو کہتی ہوں کہ نام بھی بدل لینا تم اپنا۔"

"بالکل ٹھیک کہتی ہو، بھگوڑے شاہ کیسا رہے گا۔" اخلاص احمد نے کہا۔

"مذاق...... ساری زندگی مذاق ہی کرتے رہے ہو اور کیا کیا ہے تم نے؟"

"ارے فاخرہ بیگم! ہوش ٹھکانے رکھو ورنہ میں صرف اپنی بیٹی کو لے کر چلا جاؤں گا
یہاں سے، اور آپ ٹاپتی رہ جائیں گی۔" اخلاص احمد نے کہا۔

بہرحال دولت کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔ دولت پتہ نہیں انسان کو کہاں سے
کہاں پہنچا دیتی ہے۔

دوسری طرف صوفیہ کی زبانی تفصیل سننے کے بعد محمود علی اور ذکیہ بیگم کے لیے دلچسپی کا
ایک اور سامان پیدا ہو گیا تھا۔ بچی تو خیر ان کی جی جان بن ہی چکی تھی۔ لیکن یہ کہانی کچھ
مزیدار تھی جو صوفیہ نے سنائی تھی۔ محمود علی افسوس بھرے لہجے میں کہتے تھے۔

"واقعی یہ المیہ ہے ہم لوگوں کا۔ خلوص تو انسان کی فطرت میں رہا ہی نہیں ہے، اب
دیکھو، ہم لوگوں نے ان لوگوں کو اپنا سمجھ کر یہاں رکھا اور اب یہی لوگ ہم سے ہی دشمنی پر
آمادہ ہو گئے ہیں۔ بہرحال صوفیہ ایک اچھی لڑکی ہے اور کسی اچھی لڑکی کے لیے کچھ کرنے کا
جذبہ برا نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں صوفیہ کے لیے ہمیں کام شروع کر دینا چاہیے۔"

اور ایسا ہی ہوا، محمود علی نے خاص طور سے نذیر حسین کے کمرے میں جا کر ان سے
ملاقات کی۔ محمود علی کو دیکھ کر نذیر حسین ششدر رہ گئے تھے۔ پھر ان کے دل میں طرح طرح
کے دل خوش کن خیالات ابھرنے لگے۔ محمود علی کی آمد نے یہ احساس دل میں پیدا کر دیا تھا
کہ شاید صوفیہ کا کوئی تیر نشانے پر بیٹھ گیا اور محمود علی اپنے بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔
لیکن جب ان کے پیچھے پیچھے چند ہی لمحوں کے بعد ذکیہ بیگم بھی اندر داخل ہوئیں تو نذیر
حسین اور رقیہ بیگم مرجھا گئے۔

پھر بھی پذیرائی کرتے ہوئے بولے۔" ارے محمود علی! بھئی تم نے کیوں تکلیف کی۔
ہے تو یہ تمہاری سعادت مندی ہے کہ ذرا بھی تکلف نہیں کرتے کسی مسئلے میں، بڑی خوشی ہو
رہی ہے۔"

"ظاہر ہے آپ میرے اپنے ہیں اور میری زندگی میں آپ لوگوں کے سوا اور رکھا ہی
کیا ہے۔ ماموں صاحب میں صوفیہ کی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیجیے کہ
میں اس کے لیے کوئی مناسب لڑکا تلاش کر لوں اور ایک بات میں خاص طور سے آپ سے عرض
کرنا چاہتا ہوں۔ صوفیہ میرے لیے بہنوں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی شادی کے تمام اخراجات
کے ساتھ لڑکے کا انتخاب میں خود کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھے یہ اختیار دیں گے۔"

دھماکے پر دھماکے ہو رہے تھے، نذیر حسین تو کچھ اور ہی سمجھے تھے، یہاں بات بالکل
مختلف نکلی تھی اور جس طرح اعتماد کے ساتھ محمود علی نے کہا تھا کہ صوفیہ ان کے لیے بہن کی
حیثیت رکھتی ہے تو پھر کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی تھی۔ وہ دنیا دار آدمی تھے اور دنیا کو اچھی
طرح جانتے تھے، سر جھکا کر بولے۔" ٹھیک ہے محمود علی یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے، تم نے
اس دلسوزی سے ہمارے بارے میں سوچا، ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

اس طرح صوفیہ کا مسئلہ حل ہو گیا تھا لیکن کوٹھی کے معاملات معمولی نہیں تھے۔ اب
ایک اور پارٹی سامنے تھی یہ رحمت علی، نادیہ خالیہ اور شکیل تھے۔ شکیل کی بیوی ثمینہ کا تو خیر
اس سلسلے میں کوئی کردار نہیں تھا، وہ صرف شوہر کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی اور شکیل کی بھی
یہی خواہش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے اس کی اولاد محمود علی اور ذکیہ بیگم کی آغوش میں
پہنچ جائے۔ رحمت علی نے تو خیر علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور شکیل کو لعنت ملامت کی تھی جس
کے دل میں فاسد خیالات ابھر رہے تھے لیکن شکیل نے ہار نہیں مانی تھی اور وہ کچھ کرنے کے
چکر میں تھا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ بچی کو اغوا کر کے کہیں پہنچا دیا جائے اور وہ منصوبہ بندی
میں مصروف تھا۔ فطرتاً غلط قسم کا نوجوان تھا، آسان ذریعہ آمدنی کا متلاشی، چنانچہ اپنے دو
تین جرائم پیشہ دوستوں کی مدد سے اس نے منصوبہ مکمل کر لیا۔

اس کا ایک دوست ایک پرانی گاڑی لیے محمود علی کی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر صبح سے شام
تک کھڑا رہتا تھا اور شکیل اس تاک میں تھا کہ کوئی موقع مل جائے تو وہ بچی کو اغوا کر کے
لے آئے اور آخر کار اسے موقع مل ہی گیا۔ دوپہر کا وقت تھا، نہ جانے کس کام سے شبانہ بچی
کو لے کر باہر آئی تھی۔ بچی جاگ رہی تھی، شبانہ نے اسے درخت کی چھاؤں میں بٹھایا،
شکیل تو پہلے ہی نگاہ رکھے ہوئے تھا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور آہستہ آہستہ بچی کی جانب

بڑھنے لگا۔ اس کے دل میں آرزو تھی کہ شبانہ کسی کام سے اِدھر اُدھر ہو جائے اور اس وقت تقدیر کچھ یاور تھی کہ شبانہ نے بچی کے لیے تھوڑے فاصلے پر پھول توڑنے شروع کر دیئے۔ شکیل نے فوراً ہی خطرہ مول لے لیا۔ وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور اس نے بچی کو چیل کی طرح دبوچ لیا پھر وہ برق رفتاری سے احاطے کی دیوار کی جانب بھاگا۔ بہت مشکل کام تھا لیکن بہرحال وہ کسی نہ کسی طرح بچی کو دبوچ کر احاطے کی دیوار کود گیا اور اس کے بعد دوڑتا ہوا اس کار تک پہنچ گیا جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر اس کا دوست موجود تھا۔

"فیض تم اسے لے کر زیرو فور پہنچ جاؤ۔ میں ذرا گھر کے حالات پر نگاہ رکھتا ہوں۔ میرا گھر سے غائب ہونا مناسب نہیں ہوگا۔ ذرا احتیاط رکھنا، جیسے ہی موقع ملا میں تم سے ملوں گا۔" یہ کہہ کر وہ واپس کوٹھی میں آ گیا۔

اس کی تقدیر یاور تھی کہ شبانہ اس کو نہیں دیکھ پائی تھی، البتہ جب وہ واپس پلٹی تو اس نے بچی کو غائب پایا، پہلے تو وہ یہ سوچتی رہی کہ بچی شاید خود ہی کہیں آگے بڑھ گئی ہے، لیکن پھر اس کے دل میں خوف نے بسیرا کر لیا اور وہ وحشت زدہ انداز میں چاروں طرف دوڑنے لگی۔ وہ چیخ چیخ کر صبوحی کو آواز دے رہی تھی لیکن صبوحی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ جب اس نے یہ خبر اندر کوٹھی میں پہنچائی تو کوٹھی میں کہرام مچ گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

راج گندل ویرانوں میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اس کا سب کچھ تباہ ہو چکا تھا۔ زندگی میں عیش کیے تھے لیکن اب برے حالات کا شکار تھا اسے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ چوہدری شاہنواز نے اس کے ڈیرے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے اور اب کوئی ساتھی نہیں رہا، لیکن اگر مہا سابلی کا سہارا مل جائے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔

کافی دن تک تو وہ دیوانوں کی طرح مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر ایک ایسے علاقے میں پہنچ گیا جو آبادیوں سے کافی دور تھا۔ یہاں ایک جھرنا پہاڑوں کی بلندیوں سے نیچے گر رہا تھا۔ اس سے ایک شفاف ندی بن گئی تھی، لیکن اس کے آس پاس نہ جانے کس طرح ترکاریاں اگ آئی تھیں اور مٹر کی بیلیں اور ایسی ہی دوسری قابل استعمال ترکاریاں موجود تھیں۔ راج گندل نے اس جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنایا اور یہاں اپنا وقت گزارنے لگا۔ کافی دن دیوانگی ختم ہونے میں لگے، جو کھو گیا تھا اس کے سلسلے میں اسے دلی ملال تھا، لیکن اس سلسلے میں چوہدری شاہنواز سے زیادہ بابا ادریس علی کو ذمہ دار سمجھتا تھا اور اکثر اس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹیں نکل جاتی تھیں۔

"مہا کالی کی سوگند، اگر کبھی مہا سابلی نے مجھے شکتی دے دی تو بابا ادریس میں تیرا اور تیرے پریوار کا وہ حال کروں گا کہ سنسار تیرا نام لے لے کر روئے گا۔ آہ مہا سابلی وہ میرا ہی نہیں تیرا بھی بیری ہے۔ میری سہائتا کر کہ میں اپنے اور تیرے بیری کو نشٹ کر دوں۔"

کافی عرصہ اسے اپنی کیفیت بحال کرنے میں لگا اور پھر اس کا ذہن رفتہ رفتہ اعتدال پر آنے لگا۔ تب اس نے اپنے ماضی کے بارے میں سوچا وہ کوئی معمولی انسان نہیں رہا تھا۔ محنت کر کے اس نے بہت سے منتر حاصل کیے تھے۔ مہا شکتی مان بننے کے لیے جب اس نے کارروائیوں کا آغاز کیا تھا تو ماضی کی بے شمار باتیں بھول گیا تھا۔ اس کے بعد جب اسے ایک مسلمان بچی کو حاصل کرنے کا موقع ملا تو اس نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اس طرف منتقل کر دیں اور بہت سے منتر اس بڑے جاپ کے لیے دان کر دیئے، لیکن اب رفتہ رفتہ اسے سب کچھ یاد آتا جا رہا تھا، پھر اسے ایک ایسا منتر یاد آ گیا جس کا جاپ کر کے وہ کالی سے ہمکلام ہو سکتا تھا، اب تک تو اس نے صرف مہا سابلی کے جاپ کیے تھے اور انہی سے کام لیتا رہا تھا، لیکن اب اس نے سوچا کہ کالی بھی تو اس کی ماں ہے، کالے علم کی ماں اور اس نے دو تین دن آرام کرنے کے بعد کالی کا جاپ شروع کر دیا۔ سبز ترو تازہ ترکاریاں اور جھرنے کا پانی اس کے لیے بہت اچھا تھا۔ کالی کے جاپ کا آغاز ہو گیا اور اس نے دن رات اپنے آپ کو اس منتر کے لیے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ جاپ پورا ہو گیا تو اس نے کالی دیوی کو دیکھا جو اپنے کالے وجود اور لال زبان کے ساتھ اپنے بے شمار ہاتھ نچاتی ہوئی اس کے سامنے پہنچ گئی تھی۔

"جے مہا کالی! تیرا داس جن مصیبتوں کا شکار ہے تو اس سے بے خبر نہیں ہو گی میں نے مہا سابلی کے حکم پر جو کچھ شروع کیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا اور میں اب ان جنگلوں میں بھٹک رہا ہوں، میری سہائتا کر مہا دیوی، میری سہائتا کر۔"

"کالے کلوٹے، کالی کے داس، جو کھو چکا ہے وہ تجھے دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو نے اب تک جو لوگوں کو نقصان پہنچایا ہے اس کا حساب کتاب کرتے ہوئے تیرے ساتھ رعایت کی جا سکتی ہے، تجھے سات دن کا ایک جاپ کرنا ہوگا اور سات دن کے اس جاپ کے بعد تو ایک سانپ کی شکل اختیار کر لے گا۔ تیری ساری قوتیں صف ایک سانپ کی ہوں گی، تو بے شک اپنے مرکز کو تلاش کر لے گا لیکن اسے حاصل کرنے کے بعد تجھے پھر ایک جاپ کرنا ہوگا جس سے تو منش بن سکتا ہے، لیکن ایک بات من میں رکھنا، ناگ بننے کے بعد تیری صرف ایک منوکامنا پوری ہو گی۔ جا میں تجھے آشیر باد دیتی ہوں۔" کالی کا کالا

وجود ایک شعلے کی شکل میں جھپکا اور فضا میں تحلیل ہو گیا۔

راج گندل پکارتا ہی رہ گیا تھا۔ "مہا کالی میری ایک بات تو سن لے، میں تجھ ایک ایک ایک......" لیکن کالی کا وجود کب کا فضا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

❀ ❀ ❀

چوہدری شاہنواز کی زندگی کا انداز ہی بدل گیا تھا۔ پہلے وہ ایک سنگدل اور سفاک آدمی تھا۔ ہر چیز کو سرسری نگاہ سے دیکھتا تھا۔ کسی کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن ان واقعات نے اس کے اندر ایک گداز پیدا کر دیا تھا۔ اب اسے عرشیہ کے ساتھ وہ بچی بھی یاد آتی تھی جو اس کی اپنی اولاد تھی۔ وہ اس کے بارے میں سوچتا تھا۔ نہ جانے کیسی شکل ہو گی اس کی اگر اس کے پاس ہوتی تو وہ اس کے لیے کیا کیا کرتا۔ کس طرح اس کی پرورش کرتا۔ زندگی کا محور ہی بدل جاتا۔

نہ جانے کیسے کیسے خیالات چوہدری شاہنواز کے سینے میں اٹھتے رہتے تھے، حالانکہ اب اس بات پر کوئی شک و شبے کی گنجائش نہیں رہی تھی کہ شاہینہ کی وجہ سے اس کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ برباد ہو گیا تھا، لیکن یہ دل میں پیدا ہو جانے والے گداز ہی کا نتیجہ تھا کہ اس نے شاہینہ کو معاف کر دیا تھا، ورنہ شاہینہ کی دو درگت بنتی وہ باعث عبرت ہوتی۔ لیکن اب چوہدری شاہنواز نے عرشیہ کی تلاش کے ساتھ ساتھ شاہینہ کے علاج کے لیے بھی کاوشیں شروع کر دی تھیں۔

راج گندل کے بارے میں اسے علم ہو چکا تھا کہ اس کی لاش نہیں ملی ہے، ہو سکتا ہے وہ کہیں بھاگ گیا ہو، یہ خیال بھی چوہدری شاہنواز کے دل میں بار بار آتا تھا کہ ممکن ہے عرشیہ راج گندل ہی کے قبضے میں ہو، چنانچہ اعلیٰ پیمانے پر راج گندل کی تلاش جاری تھی۔ غرضیکہ چوہدری شاہنواز ان دنوں بڑی بے کسی کے دن گزار رہا تھا۔

لکڑ موڑ حویلی جانے کو دل نہیں چاہتا تھا اور عام طور سے وہ بڑی حویلی ہی میں رہا کرتا تھا۔ پھر حمید خاں کے ایک گرگے نے ایک اور پہنچے ہوئے بزرگ بابا سلامت علی کے بارے میں بتایا جو ایک پاس کی بستی میں رہتے تھے اور فی سبیل اللہ لوگوں کے کام کیا کرتے تھے۔ حمید خاں نے چوہدری شاہنواز کو یہ خبر دی اور چوہدری شاہنواز نے سلامت علی کی خدمت میں حاضری دینے کا فیصلہ کیا۔

بزرگ سلامت علی کی عمر تقریباً نوے سال تھی، باوجود شدید ضعیفی کے وہ بساط بھر لوگوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کیے ہوئے تھے۔ چوہدری شاہنواز ان کی خدمت

میں پہنچ گیا۔

"حضور میں اپنی مشکل لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ مجھ پر توجہ فرمائیں گے۔"

بابا سلامت علی نے نگاہیں اٹھا کر شاہنواز کو دیکھا اور بولے۔ "کیا بات ہے آپ مجھے بتایئے۔"

"بابا صاحب! آپ کے بارے میں سنا ہے کہ......"

"غلط سنا ہے۔ لوگ اپنی عقیدت میں افسانے تراش لیتے ہیں۔ مجھے اپنی مشکل بتایئے، میں زائچہ بنا کر اس کی تفصیلات جاننے کی کوشش کروں گا۔"

چوہدری شاہنواز نے ساری تفصیل بابا سلامت علی کو بتا دی، بابا سلامت علی نے ایک کاغذ نکال کر سامنے رکھا اور پنسل سے اس پر کچھ لکھتے رہے، پھر بولے۔ "آپ کی محترمہ کی عمر کیا ہے۔ ان کی والدہ کا کیا نام ہے، ان واقعات کو کتنا عرصہ گزرا ہے، براہ کرم آپ بتایئے۔"

چوہدری شاہنواز نے سب کچھ بتا دیا، اس کے بعد بابا صاحب کاغذ پر حساب کتاب کرتے رہے، پھر بولے۔ "ہاں آپ نے جس ملعون کا نام بتایا ہے اس کی برائیوں کی داستانیں ہم تک بھی پہنچی ہیں۔ اس کے ستائے ہوئے کچھ مسلمان بھی ہمارے پاس آ چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی اور ہمیں یہ سعادت بخشی کہ اس کا ذریعہ ہم بنیں، لیکن راج گندل ایک بہت ہی مکروہ شخص ہے۔ اس نے اپنے کسی سفلی عمل سے آپ کی بیگم کو اندر سے متاثر کر دیا ہے، ہمیں اپنے ساتھ لے جائیں، عمر کی وجہ سے بہت سے ایسے کام ہم نہیں کر پاتے جو ہمیں کرنا ہوتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہم نے متبادل ذرائع تلاش کر رکھے ہیں۔ وہ عزیزہ جو جادو منتر کے زیر اثر قبر کی گہرائیوں میں پہنچا دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہے اور کسی محفوظ جگہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی صاحبزادی تک رسائی اسی وقت ہو سکے گی جب حکم الٰہی ہو گا۔ البتہ یہ میرا فرض ہے کہ ایک ملعون نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اس کے خاتمے میں آپ کی مدد کروں۔ یہ کچھ تعویذ ہیں جنہیں آپ روزانہ ایک ایک کر کے ان کے سامنے جلائیں گے اور یہ پانی ہے جو روزانہ ایک گھونٹ آپ انہیں پلائیں گے۔ خداوند عالم سے دعا کروں گا ان کے لیے کہ ایک مسلمان خاتون کو اس کے سحر سے نجات دلائے۔ آپ کو تھوڑا توقف کرنا ہو گا، میں ذرا کچھ پڑھنا چاہتا ہوں، ایک آدھا گھنٹہ لگ جائے گا۔" آدھے گھنٹے تک مراقبہ کرنے کے بعد بابا سلامت علی نے بتایا۔ "جی ہاں، ان خاتون نے راج گندل کو بلایا تھا کہ وہ آپ کی دوسری اہلیہ کے خلاف کام کرے،

وہ چونکہ شیطان کا پیروکار ہے، اس نے ایک مسلمان زادی سے اس کا ایمان چھیننے کے لیے اپنا گندا عمل کیا۔ وہ انہیں اپنا مکمل پیروکار بنانے کے لیے مزید اقدامات کرتا، لیکن وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا اس لیے قدم آگے نہیں بڑھا سکا۔ البتہ وہ خاتون اپنے اندرونی خلفشار سے متاثر ہو کر اس کھنڈر وغیرہ میں جاتی ہیں جہاں کی کہانی آپ نے ہمیں سنائی ہے۔ خیر یہ پانی آپ انہیں پلایئے۔ رحمت خداوندی یقیناً ان کی مدد فرمائے گی۔" سلامت علی نے بات ختم کر دی۔ مطلب یہ تھا کہ اب وہ لوگ جائیں۔ ان کے عطا کردہ تعویذ اور پانی لے کر چوہدری شاہنواز واپس پلٹ پڑا۔

بڑی حویلی آ کر اس نے اپنے عمل کا آغاز کر دیا۔ شاہینہ کو سامنے بٹھا کر اس نے تعویذ جلایا اور اس کے بعد وہ ایک گھونٹ پانی پینے کے لیے دیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد رد عمل کا آغاز ہو گیا۔ چوہدری شاہنواز نے شاہینہ کے چہرے کی جانب دیکھا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک عجیب و غریب منظر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گیا۔

شاہینہ کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہونے لگا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے اندر کوئی شدید ہیجان برپا ہو۔ آنکھیں لال انگارے کی طرح ہو گئی تھیں۔ اس کے منہ سے چھوٹے چھوٹے کیڑے نکل رہے تھے اور ایک گھناؤنی کیفیت اس کے وجود میں نظر آ رہی تھی۔ سرخ چہرہ ہلکی ہلکی نیلاہٹ میں تبدیل ہونے لگا۔

چوہدری شاہنواز کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی سانس بند ہو رہی ہو۔ اس کے پورے بدن میں تشنج پیدا ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد شاہینہ پر غشی سی طاری ہو گئی۔ چوہدری شاہنواز کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ چوہدری شاہنواز یہ نہیں چاہتا تھا کہ گھر کے ملازمین کو تمام صورت حال معلوم ہو۔ اس سے جس طرح بھی بن پڑا شاہینہ کا بدن صاف کیا۔ پھر دوسرے، تیسرے اور چوتھے دن بھی یہی عمل جاری رہا۔

چوہدری شاہنواز بڑی تندہی کے ساتھ یہ ساری کارروائی کر رہا تھا، پانچویں دن جب اس نے آخری تعویذ جلایا تو شاہینہ کی کیفیت ذرا معتدل ہوئی۔ اس دن اس کے منہ سے کیڑے نہیں نکلے تھے، ان چار پانچ دنوں میں وہ بالکل نڈھال رہی تھی اور اس نے کسی سے کوئی بات بھی نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ چوہدری شاہنواز کے سوالات کا بھی جواب نہیں دیا تھا، البتہ وہ عجیب سی نگاہوں سے چوہدری شاہنواز کو دیکھنے لگی تھی، اس دن اس کی کیفیت خاصی بہتر ہوئی اور پھر شام کو اس کے منہ سے کچھ الفاظ نکلے۔ "چوہدری صاحب! آپ

آپ......"

چوہدری شاہنواز نے اسے دیکھا اور بولا۔ "کیسی ہے تمہاری طبیعت شاہینہ۔"

"آپ کے قدموں کی دھول ہوں چوہدری صاحب، ٹھیک ہوں، آپ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

چوہدری شاہنواز سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ شاہینہ تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی، پھر گردن جھکا کر بولی۔ "مجھے معاف کر دیجیے چوہدری صاحب، اللہ کے نام پر مجھے معاف کر دیجیے۔ کیا آپ یقین کریں گے کہ بہت عرصے کے بعد اللہ کا نام میرے ہونٹوں پر آیا ہے۔ چوہدری صاحب بھٹک گئی تھی میں، میں میں......" شاہینہ کی آواز آنسوؤں میں رندھ گئی۔

چوہدری شاہنواز اسے ناخوشگوار انداز میں دیکھ رہا تھا۔

☆

شاہینہ زار و قطار رو رہی تھی، اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور وہ بہت دلسوزی سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں چوہدری صاحب...... میرے دل میں آپ کے سوا اور کوئی پیار کبھی نہیں ابھرا۔ آپ کے بارے میں جو باتیں میرے کانوں تک آتی رہیں، میں نے یہی سوچا کہ یہ آپ کا حق ہے، آپ جس طرح مجھے چاہیں رکھیں، آپ جس طرح چاہیں زندگی گزاریں، میرا کام صرف آپ کی فرمانبرداری ہے۔ اللہ نے ہمیں اولاد نہیں دی، قدرت نے مجھے اس نعمت سے محروم رکھا پھر اس کے بعد آپ نے ایک اور شادی کر لی اور جب میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ کسی اور کے ہو گئے ہیں تو پہلی بار میرے دل میں بہت زیادہ دکھ ابھرا اور میں نے سوچا کہ اب میرا مان ختم ہو گیا ہے اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ کے ہاں اولاد پیدا ہونے والی ہے تو میں بالکل ہی ٹوٹ گئی۔ میں نے سوچا کہ اب میرے لیے آپ کے پاس کوئی جگہ نہیں ہے، اگر آپ نے مہربانی کر کے مجھے اپنے قدموں میں پڑا بھی رہنے دیا تو میری حیثیت کچھ بھی نہیں ہو گی، بس چوہدری صاحب...... یہاں میرا ایمان بھی ڈگمگا گیا اور جب ایمان ڈگمگاتا ہے تو پھر سب کچھ چھن جاتا ہے، جب انسان کے پاس ایمان ہی نہ رہے تو پھر اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے۔ میں اپنا ایمان کھو بیٹھی، میں آپ کی دوسری بیوی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئی، میں نے پیروں، فقیروں کا سہارا لینے کی کوشش کی، رفیق نے مجھے بتایا کہ سبحان گلی نامی بستی میں ایک بابا رہتے ہیں، میں نے بابا ادریس علی کو آپ کے نام پر بلایا، وہ آ گئے تو میں نے ان سے اپنا مقصد بیان کیا۔ انہوں نے مجھے کافی ذلیل کیا اور کہنے لگے کہ اللہ کے نام سے اللہ کے بندوں کو صرف فائدے پہنچائے جا سکتے ہیں، نقصان نہیں...... وہ چلے گئے تو میں نے ایک اور گناہ کیا، میں نے انہیں راستے ہی میں قتل کرانے کی کوشش کی اور وہ بھی اس لیے کہ کہیں ان کے ذریعے میری کارروائیوں کا علم آپ کو نہ ہو جائے مگر اللہ نے ان کی مدد کی اور وہ بچ گئے، پھر رفیق نے مجھے ایک ہندو جوگی کے

بارے میں بتایا جس کا نام راج گندل تھا۔" شاہینہ نے دل کے سارے پھپھولے پھوڑ دیئے، اس نے یہ احساس بھی نہ کیا کہ وہ چوہدری صاحب کی نگاہوں میں کتنی بڑی مجرم بن جائے گی لیکن چوہدری شاہنواز کا ذہن بالکل بدل گیا تھا۔

جب شاہینہ اپنی کہانی مکمل کر چکی تو چوہدری صاحب نے کہا۔ "شاہینہ...... اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم نے ناقابل معافی جرم کیا ہے، تم نے جس طرح اپنا ایمان کھو دیا ہے، اللہ کی مرضی نہ ہوتی تو تمہیں وہ ایمان واپس نہ ملتا۔ جب ایک چیز اللہ نے تمہیں لوٹا دی ہے تو میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔ عرشیہ بھی گم ہے اور مجھے میری بچی کا ٹھکانہ بھی نہیں مل رہا، میں عرشیہ کی تلاش میں مصروف ہوں اور تمہیں اس بات کی مہلت دے رہا ہوں کہ تم آرام سے یہاں وقت گزارو اور الٹے سیدھے چکروں میں نہ پڑو، حویلی تمہاری ہے، یہاں تمہارے تمام حقوق محفوظ ہیں، تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا لیکن صبر و سکون سے زندگی گزارو۔"

"چوہدری صاحب...... کس منہ سے آپ سے معافی مانگوں بس میرے اوپر نظر کرم رکھیے، مجھے یہ دعویٰ کرنے دیجیے کہ میں آپ کی بیوی ہوں، اس کے علاوہ کبھی کچھ اور نہیں مانگوں گی آپ سے۔"

بہرحال یہ جذباتی مناظر جاری رہے، پھر حمید اللہ کے ذریعے رفیق کو قید خانے سے نکلوایا گیا۔ رفیق کی حالت کافی خراب ہو چکی تھی، دنیا سے کٹ کر رہ گیا تھا اور اس بات کا منتظر تھا کہ کب چوہدری شاہنواز کی طرف سے اس کی موت کا پروانہ جاری ہو جائے۔ چوہدری صاحب کے سامنے پہنچا تو شاہینہ بھی موجود تھی۔

اس نے چوہدری صاحب کے قدموں میں سر رکھ دیا اور بولا۔ "جو کچھ ہو گیا چوہدری صاحب میں اسے واپس نہیں لوٹا سکتا لیکن بس ایک بات کہہ سکتا ہوں آپ ایک بار مجھے معافی دے دیں، میں یہاں سے چلا جاؤں گا پھر کبھی منہ نہیں دکھاؤں گا آپ کو۔"

"رفیق...... تم نے ہمارے ساتھ برا کیا ہے، بہت نقصان پہنچایا ہے تم نے ہمیں لیکن میں تمہاری ایک بات کی قدر کرتا ہوں، شاہینہ کو بھی میں نے اس لیے معاف کیا کہ میں جانتا تھا کہ اس نے میری محبت میں یہ سارے اقدامات کیے ہیں، تمہیں میں ایک وفادار کتے کی حیثیت دے کر معاف کر رہا ہوں کہ تم نے بہرحال شاہینہ سے وفاداری نبھائی، باقی تمہاری اور کوئی اوقات نہیں ہے۔"

"جی چوہدری صاحب...... سچ کہا۔"

"راج گندل کو تلاش کرو، سنا ہے اس کا ڈیرہ تباہ ہو گیا ہے اور اب وہ وہاں موجود
نہیں ہے لیکن تم اپنے ذرائع سے کام لے کر راج گندل کو تلاش کرو، عرشیہ کے ساتھ جو کچھ
ہوا، مجھے اس کی تھوڑی سی تفصیل بتاؤ۔" اور رفیق نے قبرستان میں جو واقعات پیش آئے
تھے، شاہنواز کو بتا دیئے۔

چوہدری شاہنواز ان جھگڑوں کو نمٹاتا رہا، فطرت ہی بدل گئی تھی اس کی، تھوڑے
تھوڑے عرصے کے بعد بابا ادریس کے گھر کے چکر لگا لیتا تھا اور وہاں تالا دیکھ کر دلبرداشتہ ہو
جاتا تھا، آخر ایک دن اس نے حمید خان سے کہا۔

"حمید خان...... ہمارے پاس عرشیہ کی کچھ تصویریں ہیں، اب جبکہ تمام راستے بند ہو
گئے ہیں، تم ایک کام کرو، عرشیہ کی تصویر اخبارات کو جاری کر دو اور ایک ٹیلی فون نمبر دے دو
اور شہر ہی میں ایک جگہ منتخب کر لو، تم عرشیہ کے ایک عزیز کی حیثیت سے شہر میں رہائش اختیار
کرو گے، فی الحال لکڑ موڑ پر تمہاری ضرورت نہیں ہے۔"

"جو حکم جناب...... میں کارروائی کرتا ہوں۔" حمید خاں نے جواب دیا۔

✿ ✿ ✿

بشیر بیگ ایک ناکام چور تھا، اسے چور بھی نہیں کہا جا سکتا تھا، بس اٹھائی گیرا کہہ لیا
جائے تو غلط نہیں ہو گا۔ اس کے والدین بچپن ہی میں مر گئے تھے، کوئی اور پرسان حال نہیں
تھا۔ لوگوں نے یتیم خانے میں داخل کرا دیا، وہیں پرورش پائی اور پھر جب پاؤں مضبوط ہو
گئے تو یتیم خانے سے بھاگ نکلا، دربدر مارا مارا پھرتا رہا، ایک نیک دل آدمی اسے اپنے گھر
لے گیا، وہاں اسے گھر کی صفائی اور چھوٹے موٹے کاموں پر لگا دیا گیا، گھر میں اور بچے بھی
تھے، جب اس نے اپنے آپ میں اور بچوں میں تفریق پائی تو رقابت کا شکار ہو گیا، اسے وہ
سب کچھ نہیں ملتا تھا جو ان بچوں کے پاس ہوتا تھا، چنانچہ بچوں کی چیزیں چرا چرا کر اپنے
پاس جمع کرنا شروع کر دیں۔

گھر کا ایک گوشہ اسے سونے کے لیے مل گیا تھا، اس نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی
جہاں وہ اپنا خزانہ جمع کرتا تھا، بچوں کے کھلونے، کچھ کتابیں اور ایسی ہی دوسری چیزیں جن
میں کچھ ڈیکوریشن پیس وغیرہ شامل تھے، پکڑا تو جانا ہی تھا، پکڑا گیا اور مالکان نے اسے گھر
سے نکال دیا۔ اس دوران اہل خانہ کی گاڑی صاف کرنا پڑتی تھی، چنانچہ اسے ایک ہنر بھی آ
گیا، وہ نکالے جانے کے بعد دربدر مارا مارا پھر رہا تھا کہ ایک بار اس نے کسی جگہ اپنے سے
کچھ بڑے لڑکوں کو گاڑی صاف کرتے ہوئے دیکھا، چنانچہ ایک کپڑے کا حصول اس کے

لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا، وہ ایسی جگہ گاڑیاں صاف کرنے لگا جہاں گاڑیاں پارک کی جاتی
تھیں لیکن ایک بری عادت پڑ چکی تھی، چیزیں چرانے کی، چنانچہ ان گاڑی والوں کی چیزیں
بھی غائب ہو جایا کرتی تھیں۔

کافی عرصے تک یہ کام کرتا رہا، ایک مرتبہ کسی گاڑی والے نے اسے موبائل چراتے
ہوئے پکڑ لیا، پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اس نے خود ہی اس کی اچھی خاصی ٹھکائی
کر ڈالی، اس علاقے کے دکانداروں نے اسے وارننگ دے دی کہ وہ دوبارہ وہاں نظر آیا تو
اسے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔

اسی آنکھ مچولی میں جوان ہو گیا، ایک کچی آبادی میں اپنے لیے رہائش تلاش کر لی لیکن
دلچسپ بات یہ تھی کہ وہ ایک انتہائی ناکام چور تھا، جہاں بھی کہیں ہاتھ ڈالتا، کچھ ہاتھ نہ آتا
سوائے ناکامی کے...... ایک مرتبہ ایک خاتون کا پرس لے کر بھاگا اور اچھا خاصا ہنگامہ مچ
گیا، اپنے تعاقب میں دوڑنے والے لوگوں کو ڈاج دے کر جب اسے ایک پناہ گاہ ملی اور
اس نے پرس کھول کر دیکھا تو اس میں سولہ روپے اور ساڑھے پانچ ہزار کے بل تھے، گیس کا
بل، ٹیلیفون کا بل، بجلی کا بل اور وہ بلبلا کر رہ گیا تھا۔

دوسری دفعہ بھی یہی کام کیا تو پکڑا گیا اور خوب مرمت ہوئی، کئی دن تک گھر میں بھوکا
پیاسا پڑا رہا اور سوچتا رہا کہ وہ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے کسی بڑی آمدنی کے
امکانات ہوں۔

دنیا اب اچھی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے تھی اور وہ اپنے لیے اس دنیا میں کوئی
مقام چاہتا تھا، جو چھوٹے موٹے کام وہ کر رہا تھا، ان سے اسے کچھ نہیں ملتا تھا۔

تھوڑے سے پیسے جمع کر کے اس نے ایک کار ڈرائیونگ سکول میں داخلہ لے لیا اور
ڈرائیونگ سیکھ لی، ذہین آدمی تھا، اسے اس میں کوئی دقت نہیں ہوئی، اس نے سوچا کہ کاروں
کی چوری سے اچھی رقمیں حاصل ہو جاتی ہیں، ایک لاک ماسٹر سے اس نے کاروں کے لاک
کھولنے کا طریقہ بھی سیکھ لیا لیکن اس میں بھی اسے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل ہوئی، ایک
کار لے کر بھاگا تو وہ کسی ایسے میکینزم سے منسلک تھی کہ تھوڑی دور جانے کے بعد بند ہو گئی۔

کار بند ہوتے ہی وہ اسے چھوڑ کر بھاگ نکلا تھا اور یہاں بھی بچت ہی ہو گئی کیونکہ
چند ہی لمحات کے بعد پولیس اسکواڈ کار کے قریب پہنچ گیا تھا، ہر طرف سے ناکامیوں کا
سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اس دن بھی وہ ایسے ہی سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا تھا، جیب میں تھوڑے بہت پیسے تھے

چنانچہ دو چار دن کی فراغت تھی لیکن اس خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا، ا
ایک پتلی سی سڑک سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک کار تھوڑے فاصلے پر رکتے ہوئے دیکھی۔
پرانی کار تھی، کار سے ایک آدمی نیچے اترا اور سامنے والے کیبن پر شاید پان یا سگریٹ
خریدنے چل پڑا۔ بشیر بیگ کا دل چاہا کہ ذرا کار میں جھانک کر دیکھ لے کیونکہ وہ شخص اسے
کھلا ہوا چھوڑ گیا تھا اور انداز ایسا تھا جیسے چابی بھی کار میں لگی چھوڑ گیا ہو۔

بشیر بیگ کا اندازہ بالکل ٹھیک تھا، کار کی ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر ایک
پرانا سا بریف کیس بھی پڑا ہوا تھا، بشیر بیگ کا دل دھک سے ہو گیا، ہو سکتا ہے اس بریف
کیس میں کوئی بڑی رقم موجود ہو۔ اس نے سامنے کی طرف نگاہ دوڑائی، کار سے اترنے والا
پان کی دکان پر کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا۔

بشیر بیگ نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھولا کیونکہ دوسری طرف کا دروازہ اندر سے
لاک تھا، لمحوں کی بات تھی، اچانک ہی دوسری طرف سے کار والے کے چیخنے کی آواز سنائی
دی۔ ''ابے او...... ابے او...... ابے او!''

بشیر بیگ بے اختیار کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، اس نے سیلف لگایا تو گاڑی
ایک ہی سیلف میں اسٹارٹ ہو گئی، اس نے پھرتی سے دروازہ بند کیا اور گاڑی گیئر میں ڈال
کر بھگا دی، سیکنڈ اور تھرڈ گیئر میں لا کر اس نے گاڑی کی رفتار کافی تیز کر دی۔

کار والا تھوڑی دور تک بھاگا اس کے بعد اِدھر اُدھر کسی اور سواری کی تلاش کرنے لگا
تاکہ بشیر بیگ کا پیچھا کر سکے لیکن اب بشیر بیگ نے یہ رسک لے ہی لیا تھا تو آگے جو ہوگا
دیکھا جائے گا، سوائے اس کے کہ وہ گاڑی تیزی سے دوڑائے۔ گاڑی بے شک پرانی تھی،
لیکن اس کا انجن نیا بندھا ہوا معلوم ہوتا تھا کیونکہ دوڑنے میں وہ لاجواب تھی۔

بشیر بیگ راستے کاٹتا رہا، کئی بار اس نے گاڑی کئی پتلی گلیوں میں بھی ڈالی ان گلیوں
کے بارے میں اسے مکمل معلومات حاصل تھیں، بس یہ خطرہ تھا کہ وہ شخص کہیں کسی اور گاڑی
میں تعاقب نہ کر رہا ہو۔ کوئی پندرہ منٹ تک وہ گاڑی دوڑاتا رہا اور اس کے بعد جس سڑک
پر آیا، وہاں دور دور تک کسی کا نام ونشان نہیں تھا۔

اس نے گاڑی ایک سنسان سی جگہ روک دی اور برابر رکھا ہوا بریف کیس اٹھا لیا،
گاڑی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی بس بریف کیس کا معاملہ تھا اور بریف کیس کو کھولنے میں
اسے کوئی دقت نہ ہوئی لیکن اندر سے جو کچھ نظر آیا، اسے دیکھ کر ایک بار پھر اس کا دل مایوسی
میں ڈوب گیا، اس میں دو پرانے جوڑے شلوار قمیض کے رکھے ہوئے تھے، ان کے اوپر انڈر

بڑ اور بنیان...... بریف کیس کی سائیڈ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس نے وہ پھولی ہوئی چیز
کال لی جو اس کے خیال میں پرس ہو سکتا تھا، لیکن پرس نہیں بلکہ ایک نوٹ بک سی تھی جس
یں چھوٹے بڑے کاغذ ٹھنسے ہوئے تھے۔

ایک روپیہ بھی حاصل نہیں ہو سکا تھا، البتہ جب اس نے اس نوٹ بک کے کاغذات
کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا تو اچانک ہی اسے کسی ننھے سے بچے کی ہنسی سنائی دی اور وہ وحشت
زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا، تب اس کی نگاہ پچھلی سیٹوں کے درمیان پڑی ایک بار پھر اس
کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ بے انتہا خوبصورت بچی تھی، بہت قیمتی لباس پہنے
ہوئے، اس کی شوخ آنکھیں بشیر بیگ پر جمی ہوئی تھیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ بشیر بیگ
یک لمحے کے لیے کھو سا گیا، بچی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی اپنائیت محسوس ہوئی۔

دوسرے لمحے اس نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور بولا۔ ''اب آپ کا میں اچار
ڈالوں محترمہ...... لو بھائی یہ تو عجیب مصیبت گلے پڑ گئی، ارے کیا کروں بی بی میں آپ
کا......؟''

اور جواب میں بچی نے اپنے ننھے ننھے معصوم بازو پھیلا دیئے جیسے وہ اس کی گود میں
آنا چاہتی ہو۔ بشیر بیگ نے بریف کیس سے ملنے والی ڈائری جیب میں ٹھونسی اور بے اختیار
بچی کی جانب ہاتھ بڑھا دیئے، وہ بڑے پیار سے اس کی گود میں آ گئی تھی۔

بشیر بیگ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ ''آیئے آپ کو بھی دیکھتے ہیں مگر یہاں
سے بھاگ لینا بڑا ضروری ہے، اگر وہ کار والا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آ گیا تو لینے کے دینے
پڑ جائیں گے، ارے باپ رے......'' یہ ارے باپ رے کا لفظ ایک اور خیال سے اس کے
منہ سے نکلا تھا اور یہ خیال تھا اغوا برائے تاوان...... بچی جتنی نفیس نظر آ رہی تھی اور جتنے
شاندار لباس میں ملبوس تھی اور جتنی خوبصورت تھی، اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کسی بڑے
آدمی ہی کی بیٹی ہے، اگر اس کی بیٹی کو اپنے قبضے میں کر لیا جائے تو مزے آ سکتے ہیں۔

بشیر بیگ بچی کو گود میں لے کر وہاں سے بھاگنے لگا، راستے سنسان تھے، کم از کم اتنا
فاصلہ ضرور طے کر لینا چاہیے کہ اگر کوئی اس کار تک پہنچ بھی جائے تو اسے دیکھ نہ سکے،
چنانچہ وہ دوڑتا رہا اور بہت دور نکل آیا۔

کار اب اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تھی، وہ کافی دیر تک رکے بغیر چلتا رہا اور پھر
ایک ایسی سڑک پر نکل آیا جہاں سے اس کا گھر زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، کچھ لمحے سوچنے کے
بعد وہ گھر کی طرف چل پڑا، راستے میں اس نے بہت سی باتیں سوچی تھیں بہرحال یہ ایک نیا

کام اس نے کیا تھا، اگر بچی واقعی کسی بڑے آدمی کی ہے تو اچھی خاصی رقم حاصل ہو جا
گی۔ بچی نے اب تک منہ تک نہیں بسورا تھا اور اس طرح اس کی طرف متوجہ نظر آ رہی
جیسے پرانی جان پہچان ہو، اس پر جب بھی نگاہ پڑتی، بشیر بیگ کے دل میں ایک اپنائیت
خیال ابھرتا تھا۔ ایک نیا تجربہ تھا اس کے لیے اس سے پہلے کبھی کوئی بچہ اس کی تحویل
نہیں آیا تھا۔

بہرحال وہ گھر پہنچ گیا اور اس نے بچی کو اپنے بستر کیے ہوئے پلنگ پر بٹھا دیا،
اس طرح گھر کے در و دیوار کو دیکھ رہی تھی جیسے اس سے واقفیت حاصل کر رہی ہو، بشیر
نے سب سے پہلے دروازہ اندر سے بند کیا تھا پھر وہ بچی کے پالنے کے پاس نیچے زمین
گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"میرے سپنوں کے تاج محل خدا کرے تو کسی کروڑ پتی باپ کی بیٹی ہو اور مجھے کم از
دس بیس لاکھ روپے تیرے بدلے حاصل ہو جائیں، پاسپورٹ بنوا کر سیدھا دبئی چلا جاؤں
اور بس پھر زندگی میں مزے ہی مزے...... ہائے یہ کتنا پرانا خواب ہے میرا، خواب پورا
دے میری ماں...... کیا کہوں تجھے ماں کہوں یا آنٹی......؟" بشیر بیگ نے مذاق میں کہا
بچی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ابے لے...... اسے تو آنٹی کا لفظ بہت پسند آیا، چل ٹھیک ہے تو آج سے میر
خالیہ...... کیا سمجھی؟"

بچی بار بار ہنس رہی تھی اور اس کی ہنسی اس قدر دلکش تھی کہ بشیر بیگ کا دل ڈول ڈو
جاتا تھا، وہ اپنے آپ ہی سے باتیں کرنے لگتا تھا۔

"ابے بھائی بشیر بیگ...... کس ٹنٹے میں پڑ رہا ہے، ابے بچے پالنے کا کوئی تجربہ تو
نہیں تجھے اور پھر تو کرے گا کیا، خود کھانے کے لیے نہیں ہے، آنٹی کو کہاں سے کھلائے گا
کیوں آنٹی......؟"

بچی نے عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھا، بشیر بیگ کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں
سے کوئی مقناطیسی چمک نکل رہی ہو۔

"کمال ہے بھائی جان...... کمال ہے، پتہ نہیں کس کی اولاد ہو، کچھ پتہ تو چلے" اس
پھر اس نے وہ ڈائری نما چیز نکال لی جس میں نجانے کیا کیا الم غلم بھرا ہوا تھا، کپڑوں ک
رسیدیں، کچھ بل جو کسی معمولی سے علاقے میں رہنے والے کسی فرد کے تھے پھر اسے ایک
موبائل نمبر مل گیا۔

"ہاں یہ کام کی چیز ہے ویری گڈ...... چلو ٹھیک ہے یہاں سے کام کریں گے لیکن تھوڑا
وقت گزرنے کے بعد۔"

باہر دروازے پر دستک ہوئی تو بشیر بیگ اچھل پڑا، کچھ لمحوں تک سوچتا رہا پھر دروازہ
کھولنے چلا گیا۔ اماں تاجی تھی جو ہمیشہ رکے بغیر اندر گھس آتی تھی، اس وقت بھی تاجی نے
اسے دھکا دیا اور اندر آ گئی۔

"چابی مجھے دے جایا کر دروازے کی، ایسا لگتا ہے جیسے تو نے قارون کا خزانہ جمع کر
رکھا ہے جو کوئی اڑا کر لے جائے گا، صبح سے تین چکر لگا چکی ہوں کہ صفائی کر دوں، بعد میں
کہے گا کہ اماں تاجی تم مفت کے پیسے لیتی ہو۔" اسی وقت اماں تاجی کی نگاہ بچی پر پڑی اور
اس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ "ہائے میں مر جاؤں، یہ چاند تیرے گھر میں کہاں
سے اتر آیا؟"

"بس اماں تاجی نہ پوچھو۔" بشیر کا لہجہ غمگین ہو گیا۔

"کیوں کیا ہوا، ہائے کتنی پیاری بچی ہے، کیا نام ہے اس کا؟"

یہاں بھی بشیر نے اپنی عقل سے کام لیا اور بولا۔ "روبی ہے اماں...... میری خالہ زاد
بہن کی بیٹی ہے، بڑی بدنصیب ہے بیچاری۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"وہیں گیا ہوا تھا، پتہ چلا کہ میری خالہ زاد بہن کا اچانک انتقال ہو گیا ہے، بیوہ تھی،
تھوڑے دن پہلے ہی شوہر کا انتقال ہوا تھا، اس بچی کے علاوہ اس دنیا میں ان کا اور کوئی نہیں
تھا بس پڑوسیوں نے اس کے انتقال کے ایک ہفتے تک اپنے پاس رکھا اور کسی رشتے دار کی
تلاش میں مصروف رہے، آخر انہیں میرا پتہ لگا تو انہوں نے کہا کہ بھائی، بہن کی امانت خود
ہی سنبھالو، غیر کی بچی کو ہم کس طرح پال سکتے ہیں، تو اماں تاجی...... اسے یہاں لے آیا اور
کیا کرتا بتاؤ؟"

"ہائے ہائے دیکھو...... بس جی اللہ میاں کے کھیل نرالے، کوئی کیا کہہ سکتا ہے، اب تو
کرے گا کیا؟"

"اماں تاجی...... بس کیا کروں گا، یتیم خانے میں داخل کرا دوں گا اسے اور کیا کر سکتا
ہوں۔"

"ہائے...... اتنی پیاری بچی یتیم خانے میں پلے گی، ارے تو خود کیوں نہیں رکھ لیتا۔"

"لو مجھے بچے پالنے کا تجربہ کہاں ہے؟"

''ارے میں تیری مدد کروں گی، جو بھی مجھ سے بن پڑے گا، کروں گی، تو فکر مند مت ہو، میں سنبھالوں گی اسے، سب کچھ کرلوں گی، دودھ بھی پلاؤں گی اور بھی جو کچھ کروں گی تو دیکھتے رہنا۔''

''اماں تم......؟''

''بس...... میں نے کہہ دیا، تجھے اللہ کی قسم بچی کو یتیم خانے میں مت داخل کرانا، ایسی پیاری بچی وہاں رل جائے گی۔''

''دیکھو اماں کچھ کرتے ہیں۔''

''میں لے جاؤں گی اسے، اپنے گھر لے جاؤں گی، تیری امانت رہے گی میرے پاس، جب تو گھر میں نہ ہو تو اسے میرے حوالے کر دینا، میری بیٹیاں اس کے لیے کچھ کر لیں گی، کیا سمجھا؟''

''جی اماں تاجی...... دودھ وغیرہ......؟''

''ارے اللہ سب کی تقدیر کا دیتا ہے، دودھ بھی پلا لوں گی اسے، جو بھی ضرورت ہو گی، وہ پوری کرلوں گی، تو بالکل فکر مت کر۔'' اماں تاجی، بچی پر فریفتہ ہوگئی تھی۔

بشیر نے سوچا کہ کام تو اسے اپنا کرنا ہی ہے، اگر تھوڑے دن کے لیے اماں تاجی کا سہارا مل جائے تو وہ آسانی سے اپنا کام کر سکے گا۔ بچی کو اماں تاجی لے گئی اور بشیر پروگرام بنانے لگا، لیکن اس نے تھوڑا سا توقف کیا تھا اور سوچنے لگا تھا کہ اس موبائل فون پر ذرا بعد ہی میں رابطہ قائم کرے گا۔

❀ ❀ ❀

ادھر بچی کو گاڑی میں لے کر آنے والا فیض بری طرح بدحواس ہوگیا تھا، بچی اس کے سامنے گاڑی سمیت اغوا ہوگئی تھی، اغوا کرنے والے کو بھی اس نے غور سے نہیں دیکھا تھا ویسے گاڑی بھی ایک دوست سے مانگ کر لائے تھے یہ دونوں اور وقت مقررہ پر اسے گاڑی واپس کرنا تھی۔ فیض کے اوسان خطا ہو گئے تھے، وہ بری طرح بھاگا تھا لیکن کوئی سواری اسے نہیں ملی تھی، سواری کافی دیر کے بعد ملی اور وہ اس میں بیٹھ کر چل پڑا۔

نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور وہ بری طرح دہشت زدہ ہوگیا حالانکہ جانتا تھا کہ بچی کی ضرورت شکیل کو بھی نہیں ہے، شکیل نے اسے راز داری سے دل کی بہت سی باتیں بتا دی تھیں اور یہ بتا دیا تھا کہ بچی کا اسے کوئی اچار نہیں ڈالنا بس اسے غائب کرنا ہے کافی دور تک وہ اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتا رہا لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا پھر اس نے ایک

پبلک کال بوتھ سے شکیل کے موبائل پر فون کیا اور شکیل کا اس سے رابطہ قائم ہوگیا۔

''یار شکیل بھائی...... بڑی گڑ بڑ ہوگئی۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' شکیل کی آواز سنائی دی اور فیض نے اسے ساری تفصیل بتا دی۔

دوسری طرف خاموشی طاری ہوگئی تھی پھر شکیل نے کہا۔ ''یار تو نے بڑی لاپروائی کا ثبوت دیا۔''

''کیا بتاؤں شکیل بھائی...... سگریٹ کی طلب ہو رہی تھی اور سگریٹ نہیں تھی میرے پاس، بس سگریٹ خریدنے کے لیے اتر گیا تھا، بڑا شرمندہ ہوں تم سے شکیل بھائی!''

''مسئلہ بچی کا نہیں ہے، گاڑی کا ہے، گاڑی تو واپس کرنا ہوگی ہمیں، یہاں بڑی گڑ بڑ ہوگئی ہے، محمود علی نے سب کو دھمکیاں دی ہوئی ہیں اور کہا ہے کہ وہ زمین آسمان ایک کر دیں گے، بچی کا پتہ چلنا چاہیے، میں بھی بڑی افسردگی کا اظہار کر رہا ہوں، بہر حال میں موٹر سائیکل لے کر بچی کی تلاش میں نکلتا ہوں، تم کہاں ہو اس وقت مجھے بتا دو تمہیں بھی ساتھ لے لوں گا، اصل میں ہمیں گاڑی تلاش کرنی ہوگی۔''

''ہاں بالکل۔'' فیض نے کہا اور جہاں وہ تھا، اس نے اپنا پتہ بتا دیا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد شکیل موٹر سائیکل پر اس کے پاس پہنچ گیا۔

فیض نے اسے پوری تفصیل بتائی تھی، دونوں گاڑی کی تلاش میں چل پڑے، تقریباً دو ڈھائی گھنٹے کی جدوجہد کے بعد بالکل اتفاقیہ طور پر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں گاڑی موجود تھی اور انہوں نے سکون کی گہری سانس لی۔ گاڑی کی تلاشی لی گئی، بریف کیس گاڑی میں موجود تھا لیکن فیض کی ڈائری غائب تھی۔

''وہ تو شکر ہے کہ اور کوئی قیمتی چیز موجود نہیں تھی۔''

''چلو ٹھیک ہے جو بھی تھا وہ بچی کو لے گیا۔''

وہ دن گزر گیا، دوسرے دن دوپہر کو ساڑھے بارہ بجے کے قریب جب شکیل اور فیض ایک چائے خانے میں بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے، فیض کو اپنے موبائل پر فون موصول ہوا اور وہ نمبر چیک کرنے لگا لیکن فون کسی پبلک کال بوتھ سے کیا گیا تھا، اس نے موبائل فون لا کر کے کان سے لگا لیا، دوسری طرف سے ایک غرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''ہاں میں بول رہا ہوں، ایکس وائی زیڈ۔''

''کون ہے بھائی تو؟'' فیض نے سوال کیا۔

''بچی میرے پاس ہے، اس کے بدلے میں مجھے پچیس لاکھ روپے چاہئیں، کیا سمجھے ارے پچیس لاکھ...... اگر تم نے یہ رقم چوبیس گھنٹے کے اندر اندر نہ مہیا کی تو میں بچی کی گردن

کاٹ کراس کی لاش تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

فیض نے چونک کر موبائل کو دیکھا پھر بولا۔ "ایک منٹ ذرا میرے ماما سے بات کرو۔" اس نے موبائل شکیل کی طرف بڑھا دیا۔

شکیل نے کہا۔ "ہاں کون ہے، کیا بات ہے بتاؤ؟"

جواب میں دوسری طرف سے وہی الفاظ دہرائے گئے۔ پہلے تو شکیل بھونچکا رہ گیا پھر ایک دم ہنس پڑا۔ "پیارے بھائی...... بچی تمہارے پاس ہے؟"

"ہاں اس خوبصورت بچی کا خون کرتے ہوئے مجھے بہت دکھ ہوگا اس لیے پچیس لاکھ روپے فوراً مہیا کر دو۔"

"پیارے بھائی...... تم پچیس لاکھ روپے کی بات کرتے ہو، ہمارے پاس پچیس روپے بھی نہیں ہیں البتہ ہمیں اپنا پتہ دے دینا جو بھی رقم مہینے پندرہ دن میں جمع ہوئی، وہ ہم ایمانداری سے تمہارے حوالے کر دیں گے لیکن ایک شرط پر...... جو کام ہم نہیں کر سکتے تھے، وہ تم کر دو۔"

"کون سا کام......؟"

"بچی کی گردن پر چھری پھیر کر اسے کہیں دبا دو ہمیں بچی نہیں چاہیے، ہم تو خود اس سے جان چھڑانا چاہتے تھے، کیا سمجھے؟" لیکن دوسری طرف سے کوئی کچھ نہیں سمجھا، موبائل پر کوئی آواز ہی نہیں سنائی دی تھی بلکہ کچھ لمحوں کے بعد دوسری طرف سے فوراً بند ہو گیا تھا۔

شکیل نے ہنس کر موبائل آف کیا اور اسے فیض کے حوالے کرتا ہوا بولا۔ "اغوا برائے تاوان...... مگر الٹی آنتیں گلے پڑ گئیں بیٹے کے۔" دونوں ہنسنے لگے تھے۔

❀ ❀ ❀

راج گندل آنکھیں بند کیے دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا، مہا سابلی نے تو ایک طرح سے اس کا ساتھ ہی چھوڑ دیا تھا، کالی نے اسے بڑی بے رحمی سے ایک امتحان میں جھونک دیا تھا اور وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

کیسا عجیب لگے گا ناگ بن کر...... اس کے اندر صرف ایک ناگ کی شکتی ہوگی، زہر کی پوٹ حلق میں ہوگی، کسی کو بھی کاٹ کر زندگی سے محروم کر سکتا ہے، یہ بھی کہا تھا مہا کالی نے کہ اگر اس کی منو کامنا پوری ہوگئی تو اسے دوبارہ منش بننے کے لیے دوسرا جاپ کرنا ہوگا، یہ بھی کہا تھا کہ اس کی صرف ایک ہی آرزو پوری ہو سکے گی۔

نکل میں پڑ گیا تھا، راج گندل اور اکثر سوچتا تھا کہ اگر وہ اپنی پہلی شکتی قائم
لیا برا تھا، جو من چاہتا تھا کر لیتا تھا لیکن بس منش لالچ کا پتلا ہے، مہا شکتی بننے
نے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا اور اب بھی اسے کامیابی نظر نہیں آ رہی تھی، یہ مہا
ن تھا کہ اگر سات مسلمانوں کا دھرم چھین کر وہ ایک ایسے بچے تک پہنچ جائے جو
ا کا ہو، اس بچے کو وہ اپنے طور پر پروان چڑھائے اور جب پہلی بار اس کے منہ
لوان کا نام نکلے تو وہ اسے وہیں ڈبوچ لے اور اس کی گردن کاٹ کر اس کا خون
ے چرنوں میں بھینٹ کرے، تب مہا سابلی اسے مہا شکتی مان بنا دے گا اور سنسار
کر پر اور کوئی نہیں ہوگا۔ یہ بات اس کے لیے بڑی دلکشی کا باعث تھی اور وہ اس
ب کچھ کرنے کو تیار تھا پھر اس کے سامنے یہی سب کچھ آیا، ایک موقع مل گیا اسے
، اپنا کام شروع کر دیا، پر بات کچھ سے کچھ ہوگئی اور جو کچھ اس کے ساتھ ہو چکا
ن ہی برا تھا، اس کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی اور اس نے آہستہ سے کہا۔ "ہے مہا
ا نے تو سارا جیون تمہیں دان کر دیا، پر تم نے اس طرح میرا ساتھ چھوڑ دیا، اب
ا؟"

ت دیر تک وہ شدید کشمکش کا شکار رہا اور آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ وہ جاپ کرے
سب کچھ ہی برباد ہو چکا ہے تو یہ کوشش بھی سہی...... شکتی تو کچھ بھی نہیں رہی تھی،
سب کچھ چلا جائے، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تبھی اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔
رہوں کالی ماتا!"

ر فضا میں ایک مکروہ بھنبھناہٹ سی ابھرنے لگی، اسے وہ جاپ بتایا جا رہا تھا جسے کر
اگ بن سکتا تھا اور اسے شیش ناگ شکتی حاصل ہو سکتی تھی، جاپ اس نے اچھی طرح
ر اس کے بعد بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق اس نے اپنے کام کا آغاز کر دیا۔
یہ سات دن کا جاپ تھا جسے اس نے بڑی مشقت کے بعد پورا کیا اور شدید تکلیفیں
سا۔

ساتویں دن جاپ کا آخری لمحہ پورا ہوا تو اچانک ہی اسے ایسا لگا جیسے اس کا سارا
جلتی ہوئی آگ میں جھونک دیا گیا ہو، اسے اپنے پورے بدن میں شعلے دہکتے ہوئے
رہے تھے، یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود کا ہر حصہ خاکستر ہوتا جا رہا ہو لیکن یہ بھی
تھی کہ تکلیف کتنی ہی شدید ہو، منہ سے کراہ کی آواز نہ نکلے۔

اس کا سارا بدن پسینہ اگل رہا تھا، پھر پسینے کی یہ بوندیں دھواں دینے لگیں، اس کا ہر

مسام دھواں اگل رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا گوشت گل رہا ہو اور دھواں بن کر فضا میں تحلیل ہو رہا ہو، اس کا بدن پتلا ہوتا چلا گیا پھر سب سے پہلے چہرے نے ایک چوڑے چکی کے پاٹ جیسے پھن کی شکل اختیار کی، اس کے بعد گردن پتلی ہوئی پھر دونوں ہاتھ گم ہو گئے اور آہستہ آہستہ پورا بدن پتلا ہو کر سانپ کی شکل اختیار کر گیا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آبشار کے کنارے، گھاس پر ایک کوڑیالا ناگ بیٹھا ہوا تھا جسے دیکھ کر ہی دل پر ہیبت طاری ہوتی تھی۔

یہ چکی کے پاٹ جیسے پھن والا شیش ناگ تھا، ناگ اور ناگنوں کے لیے دیوتا کی حیثیت رکھنے والا اور ان کے لیے انتہائی پرکشش...... کہا جاتا ہے کہ شیش ناگ کے بدن سے اٹھنے والی خوشبو دور دور تک ناگ اور ناگنوں کو مسحور کر دیتی ہے اور وہ شیش ناگ کی غلامی کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ یہ صورت حال راج گندل خود بھی محسوس کر رہا تھا لیکن اس کا دل خوش نہیں تھا، یہ ہیئت تو اس نے بحالت مجبوری اختیار کی تھی۔

پھر اس نے آہستہ آہستہ پھن کو سکوڑا اور لچکدار چال کے ساتھ گھاس پر رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا، اس وقت وہ ایک بستی کے آس پاس تھا لیکن یہ بستی اس کے لیے کسی طور ٹھہرنے کی جگہ نہیں تھی، البتہ جو تھکن اسے ہو گئی تھی، وہ اسے رکنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اس نے بستی سے کافی فاصلے پر پیپل کے ایک درخت کو منتخب کیا، اس کے تنے پر چڑھتا ہوا وہ اوپر کی شاخوں پر پہنچ گیا اور اس نے ایک چوڑی شاخ پر پناہ لی، وہ تھکن سے بری طرح چور تھا اور نیم غشی کے سے عالم میں تھا، آہستہ آہستہ فضا میں اندھیرا اترتا آ رہا تھا چنانچہ راج گندل کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

پھر نجانے کتنا وقت گزر گیا اور اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھا، نیند کے عالم میں اسے یاد ہی نہیں رہا تھا کہ وہ کس کیفیت میں ہے البتہ جب اسے یاد آیا تو وہ ایک دم چوکنا ہو گیا، لاپروائی سے اس طرح کسی درخت کی شاخ پر سو جانا خطرناک بھی ہو سکتا تھا لیکن جو آوازیں اسے آ رہی تھیں، وہ اس کے لیے بڑی ہی تعجب خیز تھیں۔

اس نے نیچے نگاہ دوڑائی اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ پیپل کے درخت کے نیچے بنے ہوئے چبوترے پر بے شمار ناگ، ناگنیں جھوم رہی تھیں، وہ پھن کاڑھے کھڑی ہوئی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان پر مستی اور بے خودی کا عالم طاری ہے۔

راج گندل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، وہ انہیں دیکھتا رہا اور اس طرح کافی دیر گزر گئی ناگنیں جھومتی رہیں اور راج گندل سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے پھر اسے یاد آیا

ناگوں کی نسل ہے، یہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ اب وہ انسان نہیں ہے خود ان جیسا ہے پھر بھی وہ نیچے نہ اترا، یہاں تک کہ صبح کا اجالا پھوٹنے لگا۔ ناگ، ناگنیں پھنکارتی رہیں، ان میں سے کسی نے اوپر چڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

رفتہ رفتہ سورج ابھرنے لگا اور ناگ، ناگنیں اتنی افسردگی کے ساتھ پھن کاڑھے آگے بڑھ گئیں جیسے انہیں اس سے جدا ہونے کا بہت ہی دکھ ہو۔ راج گندل نے دیکھا ایک بہت ہی خوبصورت ناگن جس کے بدن پر سفید چتیاں تھیں، وہیں پھن کاڑھے بیٹھی ہوئی ہے۔

جب بہت دیر گزر گئی اور سورج نکل آیا تو راج گندل درخت سے نیچے اترا، اس بات کے لیے تیار کہ ناگن اس پر حملہ کرے گی، وہ آہستہ آہستہ نیچے آیا تو ناگن کے اندر جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی، وہ لہراتی ہوئی آگے بڑھی اور راج گندل کو اپنے کانوں میں ایک آواز سنائی دی، نہایت نرم، شیریں اور حسین آواز......

”ہے شیش ناگ...... میرا نام چتر نندی ہے، میں بچپن سے تیرے سپنے دیکھتی آئی ہوں، ہے شیش ناگ...... میں تیرے ساتھ رہ کر امر ہونا چاہتی ہوں، مجھے اپنے چرنوں میں جگہ دے دے۔“

راج گندل دنگ رہ گیا، اس نے حیران لہجے میں کہا۔ ”کیا تو ناگن ہے؟“

”ہاں...... چتر نندی ہے میرا نام اور میں اپنے قبیلے کی سب سے سندر ناگن ہوں۔“

راج گندل سوچتا رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے، یہ نئی کہانی تھی اور وہ دل ہی دل میں ہنس رہا تھا کہ یہ تو بڑی عجیب بات ہوئی، کیا اس ناگن کو یہ اندازہ نہیں ہے کہ میں انسان ہوں لیکن پھر اس نے سوچا کہ اگر میں اسے بتا دیتا ہوں کہ میں انسان ہوں تو ہو سکتا ہے مجھے کوئی نقصان پہنچا دے، اس جاپ کے بعد میں سانپ بن تو گیا ہوں لیکن میرے اندر سانپ جیسی خصوصیات پیدا ہوئی ہیں یا نہیں...... یہ معلوم نہیں البتہ وہ اس ناگن کو کوئی جواب ضرور دینا چاہتا تھا کیونکہ اسے آگے کا سفر اختیار کرنا تھا۔ چتر نندی برابر جھوم رہی تھی۔

راج گندل نے کہا۔ ”چتر نندی...... میں تو خود ایک مشکل کا مارا ہوا ہوں تو میرے ساتھ رہنے کی خواہش نہ کر، مجھے اپنی منزل تلاش کرنی ہے۔“

”تیری خوشبو کے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہوں گی میں شیش ناگ! اور اس سے تک تیرا پیچھا کرتی رہوں گی کہ جب تک تو مجھے پریم کی نگاہ سے نہ دیکھے اور مجھے اپنا نہ لے۔“

”مجھے بھوک لگ رہی ہے، مجھے بتا کہ میں کیا کھاؤں؟“

”میں ابھی تیرے لیے بندوبست کرتی ہوں۔“ چتر نندی نے کہا اور پھن ڈال کر

چبوترے سے نیچے اتر گئی۔

راج گندل گہری گہری سانسیں لے رہا تھا، دو باتیں اس کے ذہن میں تھیں، پہلی یہ کہ چتر نندی کو دیکھیں کہ وہ اس کے لیے کیا لے کر آتی ہے تا کہ وہ اپنی شکم سیری کے لیے اس چیز کو اپنا لے جو ناگ کھاتے ہیں، دوسری یہ تھی کہ کہیں چتر نندی کی وجہ سے اسے کسی اور الجھن میں نہ گرفتار ہونا پڑے، ایسی شکل میں اس کا اپنا مشن خراب ہو جائے گا لیکن پھر اس نے سوچا کہ پیٹ تو کہیں نہ کہیں سے بھر ہی لے گا، وقت خود فیصلہ کرے گا کہ اس کی خوراک کیا ہے، یہاں سے نکل لینا چاہیے اور یہ سوچنے کے بعد وہ دوسری طرف سے نیچے اتر گیا اور تیز رفتاری سے رینگتا ہوا بستی کے مشرقی کنارے سے باہر نکل گیا۔

اب وہ پوری ہوشیاری سے ان لکیروں پر سفر کر رہا تھا جو اس کے ذہن میں محفوظ ہو جو جا چکا تھا، دل اس پر خون کے آنسو روتا تھا، اسے بڑی شکتی، بڑا گیان حاصل تھا، لالچ اور ہوس نے آج یہ دن دکھایا تھا کہ انسان سے کیڑا بن گیا تھا، بے بس اور لاچار..... اپنے بارے میں اسے اندازہ تھا کہ اس کے اندر کوئی قوت کوئی شکتی نہیں ہے، کوئی بھی اسے آسانی سے نقصان پہنچا سکتا ہے، اس لیے وہ بچ بچ کر ہی سفر کر رہا تھا اور کسی ایسی جگہ رکنے سے پرہیز کر رہا تھا جہاں انسان یا بڑے بڑے جانور موجود ہوں۔

وہ بھوکا بھی تھا، چتر نندی اس کے لیے خوراک لینے گئی تھی لیکن راج گندل اب اس انوکھے خیال سے مزے لینے کی حس بھی کھو بیٹھا تھا کہ وہ ایک ناگ کی حیثیت رکھتا ہے اور ایک ناگن اس کے پریم میں گرفتار ہو گئی ہے۔

جب حد سے زیادہ تھک گیا تو پھر اس نے ایک بڑے سے درخت کی جڑ میں پناہ لی۔ دور دور تک آبادی نہیں تھی، وہ پھن ڈال کر بیٹھ گیا، اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ایک سانپ کی غذا کیا ہوتی ہے، ایک غشی سی طاری ہو گئی تھی اس پر، پھر وہ اس وقت چونکا جب اسے درخت کے عقبی حصے میں کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں۔

وہ چونک کر سیدھا کھڑا ہو گیا، کچھ لمحوں تک اسے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ آہٹیں کیسی ہیں لیکن پھر ہمت کر کے وہ اپنی جگہ سے ہٹا اور درخت سے تھوڑا فاصلہ اختیار کر کے اس نے دوسری طرف دیکھا تو اسے ایک عجیب وغریب منظر نظر آیا، ایک بڑا سا خونخوار نیولا ایک بڑے سانپ پر حملے کر رہا تھا اور سانپ خونخوار انداز میں پھنکارتا ہوا نیولے کے حملوں سے بچ کر خود بھی اس پر حملے کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

راج گندل کے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں، وہ بے حد خوف زدہ ہو گیا

تھا، اس بات کا اسے علم تھا کہ نیولا، سانپ کا بدترین دشمن ہوتا ہے، وہ سوچنے لگا کہ کہیں اس سانپ کو ختم کرنے کے بعد نیولا اس پر حملہ آور نہ ہو لیکن پھر اس نے اچانک ہی سانپ کو نیولے کے بدن سے لپٹتے ہوئے دیکھا، خوفناک اور بڑا سانپ، نیولے کے پورے بدن سے لپٹ گیا اور راج گندل نے ایک انتہائی وحشت ناک منظر دیکھا۔

نیولے کے منہ سے اس کی زبان باہر نکل پڑی تھی، پھر اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور اس کے بعد اس کی آنتیں وغیرہ باہر آنے لگیں۔ راج گندل کو اندازہ ہو گیا کہ سانپ نے اس کے بدن سے لپٹ کر اپنی پوری قوت سے اس کا بدن دبا دیا ہے اور بہر حال سانپ کی قوت کے بارے میں اس نے یہ بھی سنا تھا کہ بعض سانپ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر کسی طاقتور گھوڑے کے پاؤں سے لپٹ جائیں تو گھوڑا ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا، ایسے سانپوں کو گھوڑا پچھاڑ کہا جاتا ہے۔

نیولا بے شک سامنے سے اس ناگ پر حملے کر رہا تھا لیکن ناگ نے موقع مل جانے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا، نیولا چند لمحوں میں بے جان ہو گیا، سانپ دیر تک اس کے بدن سے لپٹا رہا پھر جب اس نے یہ محسوس کر لیا کہ نیولا دم توڑ چکا ہے تو آہستہ آہستہ وہ اس کے بدن سے ہٹنے لگا اور پھر راج گندل کو چتر نندی کی آواز سنائی دی۔ "میں زخمی ہو گئی ہوں ٹیش ناگ مہاراج....."

ایک بار پھر راج گندل کے ذہن کو جھٹکا لگا تھا، وہ پہچان نہیں سکا تھا کہ یہ چتر نندی ہے مگر یہ یہاں کہاں سے آ گئی۔

چتر نندی پھر بولی۔ "تمہارے لیے بھوجن لینے گئی تھی، لے کر وہاں پہنچی تو تم جا چکے تھے بس میں تمہاری خوشبو سونگھتی ہوئی تمہارے پیچھے چل پڑی اور تمہیں یہاں پایا، تم سو گئے تھے اور یہ پاپی ہتھیارا تمہاری جان کا لاگو تاک میں لگا ہوا تھا، جیسے ہی یہ تمہاری طرف بڑھا، میں نے اس پر حملہ کر دیا، یہ مر گیا مہاراج مگر تھوڑی سی زخمی میں بھی ہو گئی ہوں، تم چل کیوں پڑے تھے؟"

راج گندل کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنا سر پیٹ لے لیکن ہاتھ ہی نہیں تھے کہ سر تک پہنچ سکتے۔

چتر نندی نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمہارا بھوجن وہ ایک طرف رکھا ہوا ہے، بھوکے ہو کھانا کھا لو۔"

راج گندل رینگتا ہوا اس طرف بڑھ گیا جدھر چتر نندی نے اشارہ کیا تھا۔ بہت دیر کے بعد شکم سیری ہوئی تھی اور یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ ناگوں کی غذا کیا ہے۔ بہرحال چتر

نندی نے اس وقت تو احسان ہی کیا تھا اس پر بلکہ دہرا احسان کیا تھا، اگر وہ سو رہا ہوتا نیولا یقیناً دانتوں سے اس کا پھن کاٹ کر پھینک دیتا اور اس طرح اس کی موت واقع جاتی۔ اسے خود پر ہنسی آنے لگی تھی، کتنا آسان ہو گیا ہے مرنا اس کے لیے، جبکہ اس پہلے اس کا کوئی دشمن اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا، پھر اس نے دل ہی دل میں کہا کہ ا کیے کا کوئی علاج کہاں ہوتا ہے بھلا البتہ یہ چتر نندی اس کا میں کیا کروں۔

چتر نندی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ ''اب تمہیں گہری نیند آ رہی ہو مہاراج!...... اتنا لمبا سفر طے کر چکے ہو اور اتنا لمبا سفر طے کرنے کے بعد جب کچھ کھایا ہے تو سب سے پہلی چیز نیند ہی ہوتی ہے جو پیچھا گھیرتی ہے، تم سو جاؤ اور چنتا مت کر میں تمہاری حفاظت کر رہی ہوں۔''

''کیا میں درخت کے اوپر چلا جاؤں؟''

''بالکل چنتا مت کرو، میں جو ہوں، یہیں آرام سے سو جاؤ، کوئی بڑی گڑ بڑ ہوئی تمہیں جگا دوں گی۔''

راج گندل نے اس موقعے سے فائدہ اٹھایا اور آرام کرنے لیٹ گیا۔ اس وقت را ہو چکی تھی، جب اس کی آنکھ کھلی چتر نندی اسے تھوڑے فاصلے پر نظر آئی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

چتر نندی کے بدن میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی، راج گندل ایک لمحے کے لیے رکا اس کا خیال تھا کہ کہیں چتر نندی زخمی ہونے کی وجہ سے مر نہ گئی ہو، ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ اسے قریب سے دیکھے لیکن پھر اس نے سوچا کہ اگر وہ زندہ ہوئی تو دوبارہ اس کا پیچھا کرے گی۔

اس وقت وہ اپنے آپ کو بہت چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا چنانچہ بڑی احتیاط کے ساتھ وہ برق رفتاری سے رینگتا ہوا آگے بڑھ گیا اور کافی دور جانے کے بعد اس نے چتر نندی کی طرف دیکھا لیکن اب وہ جگہ ہی نظر نہیں آ رہی تھی جہاں وہ چتر نندی کو چھوڑ آیا تھا، تب اسے سانپ کی تیز رفتاری کا علم ہوا، بڑا فاصلہ طے کر لیا تھا اس نے، دو دن اور دو راتیں وہ سفر کرتا رہا اور آخر کار اس بستی تک پہنچ گیا جہاں کے بارے میں اسے معلومات حاصل ہوئی تھیں اور پھر وہ اس شاندار حویلی میں ایک جگہ سے اندر داخل ہو گیا جہاں سے بس ایک ناگ ہی گزر سکتا تھا، جو نشان اسے بتائے گئے تھے، وہ اسی حویلی کے نشانات تھے، اس نے فوری طور پر ایک ایسی جگہ منتخب کر لی جہاں وہ حویلی کے مکینوں کی نگاہوں سے محفوظ

رہ سکتا تھا۔

پہلے ذرا یہاں کی صورت حال کا جائزہ لے لے اس کے بعد بچی کو تلاش کرے گا، حالانکہ اس نے کبھی بچی کو دیکھا نہیں تھا لیکن اب بھی بہت کچھ کھونے کے باوجود اس کے اندر ایسی صلاحیتیں تھیں جن سے وہ اس لڑکی کو تلاش کر سکتا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا پھر جب رات اتنی ہو گئی کہ حویلی کے مکین اپنے اپنے معمولات سے فراغت حاصل کر کے اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے تو راج گندل نے اپنی جگہ چھوڑی اور دیواروں کے ساتھ ساتھ رینگتا ہوا اپنی مطلب کی جگہوں کو تلاش کرنے لگا، اس کے بعد وہ ایک کھڑکی سے اوپر چڑھا، اندر روشنی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں اس نے تین افراد کو دیکھا، ایک عمر رسیدہ عورت، ایک مرد اور ایک نوجوان لڑکی جو دوپٹے سے منہ چھپائے سسکیاں بھر رہی تھی، مرد کی آواز ابھری۔

''شبانہ کب تک روتی رہے گی بیٹا! جو ہونا تھا، وہ تو ہو ہی گیا، میں یہی انتظار کر رہا ہوں کہ محمود علی ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دے کیونکہ بچی تمہارے پاس تھی جب گم ہوئی۔ ویسے جو کچھ ہوا، وہ بہت برا ہوا لیکن اچھا ہے محمود علی ہمیں یہاں سے نکال دے، ہم یہ شہر ہی چھوڑ دیں گے، اپنے نام تک بدل لیں گے کیونکہ اب ہمارے پاس جو کچھ ہے، اس نے ہماری تقدیر بدل دی ہے ارے...... یہ کھڑکی کے پاس سرسراہٹ کیسی ہو رہی ہے؟'' مرد کی آواز ابھری اور راج گندل جلدی سے نیچے کود گیا۔

سرسراہٹ اسی کے جسم سے پیدا ہوئی تھی، وہ وہاں سے دور نکلنے کے لیے تیز رفتاری سے رینگنے لگا اور پھر ایک بڑی نالی سے اپنا بدن سکوڑ کر اندر داخل ہو گیا، یہ بھی ایک کمرہ ہی تھا اور اس کمرے میں بھی چند افراد میٹنگ کر رہے تھے، ان میں سے ایک شخص کہہ رہا تھا۔

آپ بلاوجہ مجھ پر بگڑ رہے ہیں ابا...... بھلا مجھے کیا پڑی تھی کہ لڑکی کو اغوا کرتا، میں نے تو تقدیر پر بھروسہ کر لیا تھا، آپ بلاوجہ میرے اوپر الزام لگا رہے ہیں، اماں...... دیکھو انہیں سمجھاؤ۔ جب اپنے ہی دشمن بن جائیں تو کوئی کیا کر سکے گا، اگر یہ بات ان کے منہ سے نکل کر محمود علی کے کانوں تک پہنچ گئی کہ بچی کو میں نے اغوا کرایا ہے تو میری گردن ہی اڑا دی جائے گی، محمود علی کبھی معاف نہیں کریں گے، یہاں سے بھی نکالے جائیں گے۔''

''بدبخت...... تو نے مجھ سے کہا تھا کہ اپنی اولاد کو ذکیہ بیگم کی گود تک پہنچانے کے لیے تو اس لڑکی کو اغوا بھی کرا سکتا ہے۔''

''ابا...... قسم لے لو کہنے کی بات اور تھی، بھلا ایسے کام آسانی سے تھوڑی ہو جاتے

ہیں، تمہیں خدا کا واسطہ ابا...... ایسا کوئی الزام میرے اوپر مت لگاؤ، بات صرف مجھ تک ہی نہیں رہے گی، ارے کباڑہ ہو جائے گا ہمارا اماں...... تم سمجھاؤ۔"

نجانے کیوں راج گندل کے ذہن میں کچھ کھد بھد سی ہونے لگی، یہ کیا قصہ ہے اور اس کے بعد اس نے جگہ جگہ کی تلاشی لی، ابھی چونکہ رات زیادہ نہیں ہوئی تھی اس لیے حویلی کے مکین جاگ رہے تھے اور سب کے درمیان ایک ہی موضوع تھا، کسی بچی کی گمشدگی کا موضوع...... کیا یہ وہ بچی ہے جس کی تلاش میں وہ یہاں تک آیا تھا، آخری کمرے میں دو میاں، بیوی موجود تھے، یہ کمرہ حویلی کے دوسرے کمروں میں سب سے زیادہ بڑا اور شاندار تھا، دونوں سر جھکائے بیٹھے تھے، عورت کہہ رہی تھی۔

"محمود علی!...... میرا دل کہتا ہے کہ انہی لوگوں نے صبوحی کو غائب کیا ہے، تمہیں پتہ چل گیا تھا کہ یہاں ہماری دولت حاصل کرنے کے لیے سازشیں ہو رہی ہیں، صوفیہ نے پوری تفصیل بتا دی تھی تمہیں محمود علی...... یہ سب خودغرض اور ظالم لوگ ہیں، انہوں نے میری بچی مجھ سے چھین لی۔"

"پھر بھی تھوڑا سا انتظار کرلو، پتہ تو کسی نہ کسی طرح لگ ہی جائے گا، اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو انہی میں سے کوئی ہمیں تفصیل بتائے گا اور ہو سکتا ہے اس کے بعد ہم صبوحی کو تلاش کرلیں، ویسے ذکیہ بیگم جیسے وہ آئی تھی، ایسے ہی چلی بھی گئی، کون جانے کون تھی۔"

راج گندل دھک سے رہ گیا تھا، اب اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ یہ اسی بچی کا ذکر ہے، پوری حویلی میں کہیں اس بچی کا کوئی نشان نہیں تھا جبکہ اس کے گیان دھیان نے اسے یہاں کا پتہ دیا تھا، ایک سنسان سے گوشے میں پہنچ کر اس نے آسن مارا اور بیٹھ گیا، پھر وہ ایک جاپ کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے کانوں میں ایک آواز ابھری۔ "ہاں بول کیا چاہتا ہے؟"

"کیا میں صحیح جگہ پہنچا ہوں؟" راج گندل نے سوال کیا۔

"ہاں......" اندھیرے میں آواز ابھری۔

"کیا وہ بچی یہیں ہے؟"

"ہے نہیں، تھی، اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

"کہاں گئی......"

"یہ تو خود کھوج لگا ہمیں نہیں معلوم۔" اور اس کے بعد راج گندل نے کئی بار آوازیں دیں لیکن اسے کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

❀ ❀ ❀

عرشیہ اب ڈاکٹر حارث کے دل کا ٹکڑا بن گئی تھی، ویسے بھی وہ تنہا زندگی گزار رہے تھے، اپنے فن میں یکتا تھے اور انتہائی قابل ڈاکٹروں میں ان کا شمار ہوتا تھا، ہر شخص کی اپنی زندگی ہوتی ہے، ڈاکٹر حارث کی زندگی سے بھی کئی داستانیں منسلک تھیں، بہرحال وہ تنہا تھے لیکن عرشیہ کے آجانے سے ان کی زندگی میں بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

پہلے وہ بڑی لاابالی فطرت کے مالک تھے، دوستوں میں اٹھنا بیٹھنا، گھر سے بہت کم واسطہ رہا تھا ان کا، لیکن اب ان کی زندگی کا رخ ہی تبدیل ہو گیا تھا اور وہ ہسپتال سے سیدھے گھر آجاتے تھے، عرشیہ کی دلجوئی میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور عرشیہ...... وہ بھی ڈاکٹر حارث سے اس طرح محبت کرنے لگی تھی کہ ڈاکٹر حارث کو لگتا تھا جیسے کہیں سے ان کی کوئی سگی بیٹی آگئی ہو۔

عرشیہ کی حالت بھی اب پہلے سے کافی بہتر ہو گئی تھی، رنگ و روپ پہلے سے کہیں زیادہ نکھر آیا تھا۔ ڈاکٹر حارث کا کہنا تھا کہ کسی بھی وقت اس کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس آسکتی ہے۔ عرشیہ سے باتیں کرتے ہوئے انہیں اس کی کیفیت کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا رہتا تھا، شہباز اور اقبال بھی اکثر یہاں آجاتے تھے۔

عرشیہ سے جب اس کے بارے میں سوالات کیے جاتے تو وہ کہتی۔ "انکل...... میں خود عجیب سا محسوس کرتی ہوں، جب کبھی تنہائی ہوتی ہے تو میرے سر میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگتا ہے اور اس وقت میں جاگتی آنکھوں میں خواب دیکھتی ہوں، مجھے یوں لگتا ہے جیسے کچھ چہرے میرے ان خوابوں میں گڈمڈ ہو رہے ہوں مگر مجھے یہ یاد نہیں آتا کہ وہ چہرے کس کے ہیں؟"

"وہ تمہارا ماضی ہے بیٹے اور تمہارا ماضی تمہیں ایک نہ ایک دن ضرور یاد آئے گا۔" پھر وہ افسردگی سے کہتے۔ "لیکن وہ دن میری زندگی میں عجیب و غریب کیفیت کا حامل ہو گا کیونکہ میں اپنے جذبات کو نجانے کتنی گہرائیوں میں سلا چکا تھا اور اب......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ دیتے۔

پھر ایک دن صبح کو وہ اپنے معمولات میں مصروف تھے، صبح خیزی کے عادی تھے، تھوڑی دیر تک چہل قدمی کرتے، اس کے بعد ناشتہ...... ناشتے کے بعد اخبار پڑھتے، ان تمام کاموں میں اب عرشیہ ان کے ساتھ ہوا کرتی جبکہ اس سے پہلے یہ سارے کام تنہائی میں سرانجام دیئے جاتے تھے۔

اس دن بھی معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اخبار پڑھنے بیٹھے، اخبار

کا پہلا صفحہ کھولا اور اس پر سرسری نظر دوڑاتے ہوئے نیچے کی سمت پہنچے، بائیں جانب کونے میں ایک تصویر چھپی ہوئی تھی اور یہ تصویر......؟ ان کا سارا وجود بھک سے اڑ گیا، عرشیہ کی تصویر تھی۔

☆

ڈاکٹر حارث کی آنکھیں دھندلا گئیں، ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا، آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا۔ ایک لمحے تک وہ عرشیہ کی تصویر کو گھورتے رہے اور پھر وہ تصویر ان کی آنکھوں میں دھندلانے لگی اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ بے اختیار دل میں ایک آرزو ابھری تھی، خداوند عالم! یہ صرف نظر کا واہمہ ہو، حقیقت نہ ہو۔ سچائی اور خوشدلی کے ساتھ تو انہوں نے بھی سوچا تھا کہ اگر عرشیہ کا خاندان اسے واپس مل گیا تو وہ اسے اس کے حوالے کرنے پر مجبور ہوں گے حالانکہ عرشیہ کے ساتھ جو کہانی وابستہ تھی، وہ ناقابل فہم اور ناقابل یقین تھی۔ اکثر کبھی کبھی وہ شہباز اور اقبال کو طلب کر لیا کرتے تھے۔ یہی دونوں عرشیہ کی حقیقت کے راز دار تھے، گھنٹوں وہ اس سلسلے میں بحث کیا کرتے تھے اور پوچھتے تھے۔ ''مجھے بتاؤ آخر یہ کیا قصہ ہو سکتا ہے، ایک لڑکی کو زندہ قبر میں دفن کر دیا گیا، وہاں اس نے ایک بچی کو جنم دیا اور خود بھی زندہ رہی، یوں سمجھ لو اس طرح تو طب کی تاریخ ہی بدل گئی، ہم اس ولادت اور اس لڑکی کی زندگی کو نہ تو سائنس کا کارنامہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ سائنس کی دنیا میں اس طرح کی کسی ولادت یا زندگی کا حوالہ موجود نہیں، اے کاش اس کے ذہن میں تحریک پیدا ہو جائے اور یہ ہمیں خود ہی اپنے بارے میں کچھ بتا سکے مگر یہ بھولی ہوئی ہے۔'' وہ ایک بات اور بھی کہتے تھے ان لوگوں سے کہ اگر کبھی اس کے لواحقین اسے تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے تو پھر کیا کرنا ہوگا۔

شہباز اور اقبال جواب دیتے کہ سر اگر ایسا ہو بھی جائے تو تحقیق کیے بغیر ہم اس خاتون کو کسی انجان شخص کے حوالے نہیں کر سکتے اور اب انہوں نے یہ تصویر دیکھی تھی۔

عرشیہ تھوڑے فاصلے پر ہی بیٹھی ہوئی تھی اور کسی سوچ میں گم تھی، وہ خاموشی سے گردن جھکائے نجانے کیسے کیسے خیالوں میں ڈوبی رہتی تھی اور جب اسے اس کا احساس دلایا جاتا تو سادگی سے مسکراتی اور کہتی۔ ''آپ یقین کیجیے، اگر کبھی میرے ذہن میں کوئی خیال جاگا تو سب سے پہلے میں آپ کو اس کے بارے میں بتاؤں گی۔''

ڈاکٹر حارث آنکھوں کا پانی پونچھ کر تصویر کا موازنہ عرشیہ سے کرنے لگے، دونوں کے
نقوش یکساں تھے پھر انہوں نے تصویر کے ساتھ درج شدہ مضمون کو پڑھا۔
''کچھ عرصے پہلے یہ خاتون اچانک اپنے گھر سے غائب ہوگئی ہیں، ہم ان کی تلاش
میں ہیں، اگر کسی کو یہ خاتون نظر آئیں یا کسی کو ان کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوں
تو براہ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر اطلاع دیجیے، اطلاع دینے والے کو پانچ لاکھ روپے پیش کیے
جائیں گے۔''

پتہ اسی شہر کے ایک علاقے کا تھا۔ ڈاکٹر حارث نے ایک دو بار اس پتے کو پڑھا اور
اس کے بعد اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیا، وہ عرشیہ کو اس کے بارے میں نہیں بتانا چاہتے
تھے۔ کچھ دیر سوچتے رہے پھر انہوں نے شہباز کے موبائل پر فون کیا، تھوڑی دیر کے بعد
شہباز کی آواز سنائی دی۔

''جی سر...... شہباز بول رہا ہوں۔''

''شہباز...... تمہاری ڈیوٹی رات کو ہے نا، سو رہے تھے کیا؟''

''نہیں سر......''

''تو پھر ایسا کرو مجھے کہیں مل جاؤ، میں اس وقت گھر پر ہوں لیکن گھر ملاقات نہیں کرنا
چاہتا کچھ ایسی ہی ضروری باتیں کرنی ہیں۔''

''سر...... جیسا آپ حکم دیں۔''

''اچھا ایسا کرو ہسپتال پہنچ جاؤ تم دونوں...... کینٹین میں ملاقات کرتے ہیں، وہ
ہمارے لیے سب سے محفوظ جگہ ہے۔''

''ایک گھنٹے کے اندر۔''

''ٹھیک ہے سر......''

ہسپتال کی کینٹین میں جب ڈاکٹر حارث پہنچے تو اقبال اور شہباز ان کے منتظر تھے۔
ڈاکٹر حارث نے اخبار اپنے ساتھ لے لیا تھا، ایک میز پر بیٹھ کر چائے وغیرہ طلب کی گئی اور
ڈاکٹر حارث نے کہا۔ ''تم لوگوں سے میرا چونکہ خصوصی رابطہ ہے اس لیے اپنے ذاتی
معاملات میں بھی تمہیں طلب کر لیا کرتا ہوں۔''

''اور یہ ہماری خوش بختی ہے سر......'' اقبال نے کہا۔

چائے آ گئی تو ڈاکٹر حارث نے جیب سے مڑا تڑا اخبار نکالا اور کھول کر تصویر ان کے
سامنے کر دی، ان دونوں نے یہ اخبار نہیں دیکھا تھا۔ عرشیہ کی تصویر دیکھ کر دونوں چونک

رانہوں نے تصویر کے ساتھ لکھا ہوا مضمون پڑھا اور دونوں کے چہرے تصویر حیرت
کچھ لمحے خاموشی رہی پھر اقبال نے کہا۔ ''سر...... کیا کہتے ہیں آپ اس تصویر کے
ہیں؟''

''تصویر اسی لڑکی کی ہے جسے ہم اس کے صحیح نام سے نہیں پکار سکتے لیکن مضمون میں
ام عرشیہ بتایا گیا ہے۔''

''جی سر......''

''تو پھر اب مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا چاہیے؟''

''سر!...... سیدھی سی بات ہے، کسی نے اسے زندہ قبر میں دفن کر دیا تھا اور اس کے
بارہ اسے اسی قبر میں تلاش کیا ہوگا جبکہ ہم اسے قبر سے نکال لائے تھے سر...... ذرا سا
ے واقعات پر غور کیا جائے تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کچھ لوگ اسے جنازے کی شکل میں
ور قبر میں دفن کر دیا، کئی دن کے بعد اس قبر کو کھولا گیا اور کچھ ایسی ہنگامہ آرائی ہوئی جو
ہم تھی اور وہ لوگ بھاگ گئے، قبر میں خاتون، بچی کے ساتھ پائی گئیں، بچی کو زندہ
یا گیا اور خاتون کو مردہ سمجھ کر دوبارہ قبر میں دفن کر دیا گیا سر...... قبر میں نے اپنے ہاتھ
ابر کی تھی۔'' یہ الفاظ شہباز نے کہے تھے۔

''ہاں مجھے یاد ہے، تم نے مجھے بتایا تھا۔''

''سر...... اس کے بعد جب ہم ان خاتون کو قبر سے نکال لائے تو ان کی تلاش میں
وگ میرے گھر پہنچے، بچی کے بارے میں بھی پوچھا گیا اور عرشیہ کے بارے میں
...... سر اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ آج بھی اس خاتون کی تلاش میں ہیں اور یہ نہیں کہا
ا کہ ان کا مقصد کیا ہے، اگر تصویر کے حوالے سے ہم محترمہ عرشیہ کو ان لوگوں کے
ے کر دیتے ہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ آنے والے وقت میں ان کے ساتھ کیا سلوک
ہو سکتا ہے کہ وہ انہیں دوبارہ ہلاک کرنے کی کوشش کریں، اس سلسلے میں بے شمار باتیں
ی جا سکتی ہیں، کوئی تنازع ہو سکتا ہے، دولت، جائداد...... ہو سکتا ہے یہ خاتون کسی بڑی
اد کی مالک ہوں اور کچھ لوگ ان کی دولت کی تاک میں ہوں، اسی طرح کے اور بھی
سارے واقعات......''

''تو اب ہمیں کرنا کیا چاہیے؟''

''پہلے یہ اندازہ لگایا جائے کہ یہ حمید خان ہیں کون، اس پتے پر ان کے بارے میں
ات کی جا سکتی ہیں، یہ دیکھا جائے کہ کس طرح کے آدمی ہیں اور پھر اگر ممکن ہو سکے تو

قانون کی مدد بھی لی جائے بلکہ سر! اس سلسلے میں یقینی طور پر پولیس سے رابطہ کیا جائے ا
صورت حال بتا کر......"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر ہم پولیس سے رابطہ کرتے ہیں تو ایک قانونی نکتہ ہمیں ہ
الجھن میں ڈال سکتا ہے، وہ یہ کہ ہم نے اب تک پولیس کو اس بارے میں اطلاع کیوں نہ
دی؟" ڈاکٹر حارث کی دلیل بہت ہی وزن دار تھی۔ پھر اچانک انہیں کچھ یاد آیا، وہ بولے

"میرا ایک دوست یا شناسا جو بھی کہہ لو، لیک پولیس آفیسر ہے، ایک بار وہ اپنی والدہ
ہسپتال لایا تھا اور میں نے اس کا خصوصی علاج کیا تھا، وہ شخص میرا ممنون ہو گیا، میرا خیا
ہے مجھے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہیے، وہ اس سلسلے میں ہماری بہترین معاونت کر سکے گا، ا
خیال ہے؟"

"جی سر...... یہ تو بہت مناسب بات ہے۔"

"میں ایسا کرتا ہوں کہ ہاشم علی سے رابطہ کرتا ہوں اور تم لوگوں کے سامنے ہی سار
تفصیل اسے بتا کر اس سے مشورہ لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر......" دونوں نے اس بات کی تائید کی۔

ہاشم علی، ڈاکٹر حارث کے عقیدت مندوں میں تھا، ان کی طلبی پر فوراً حاضر ہو گیا، ڈاک
حارث نے اسے پوری تفصیل بتائی تو وہ دنگ رہ گیا۔

"وہ خاتون آپ کے پاس ہیں؟"

"ہاں اور بالکل صحیح الدماغ ہیں، سوائے اس کے کہ انہیں اپنا ماضی یاد نہیں۔"

"کیا آپ نے انہیں یہ بتایا ہے کہ آپ نے انہیں کس طرح حاصل کیا؟"

"ہاں...... مگر یہ تذکرہ اس کے لیے بہتر نہیں ثابت ہوتا، وہ وحشت زدہ ہو جاتی ہ
اور اس پر ایک عجیب سی اداسی کا حملہ ہوتا ہے، میڈیکل پوائنٹ آف ویو سے اسے اس کے
ماضی کے بارے میں زیادہ بتانا بہتر نہیں، البتہ آپ کو یہ نقطہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے
ہاشم علی کہ کچھ لوگوں نے اسے زندہ قبر میں دفن کرنے کی کوشش کی تھی، ظاہر ہے وہ لوگ اس
کے دوست تو ہو نہیں سکتے اور اب بھی ممکن ہے کہ اخبار میں اشتہار دینے والا اس کے دشمنوں
میں سے ہی کوئی ہو۔"

"سو فیصد ان امکانات پر غور کیا جا سکتا ہے۔"

"تو اب آپ مجھے بتائیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"نہیں...... اب فی الحال آپ کے کرنے کا کوئی کام نہیں رہا، یہاں سے ہماری ذ

داری کا آغاز ہوتا ہے، اخبار میں جو پتہ موجود ہے، میں اس پر متعلقہ شخص سے رابطہ کرتا
ہوں اور کا پورا شجرہ نسب معلوم کر کے یہ پتہ چلاتا ہوں کہ کون لوگ ہیں اور کیا مقصد رکھتے
ہیں۔"

"میں نے اسی لیے آپ کو تکلیف دی ہے ہاشم علی......"

"آپ ایسی بات نہ کریں ڈاکٹر صاحب! آپ جس قدر نفیس انسان ہیں بس اس کا
احساس میرے دل میں ہے بلکہ مجھے خوشی ہے کہ میں اس قابل نکل آیا کہ آپ کے کسی کام آ
سکوں حالانکہ لوگ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ شریف لوگ بہت کم ہی کسی پولیس والے سے کوئی کام
لینا پسند کرتے ہیں۔"

ڈاکٹر حارث نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی تھی۔

پولیس افسر ہاشم علی پتہ لے کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں حمید خان نے رہائش اختیار کی تھی،
اتفاق سے چوہدری شاہنواز بھی اسی دن حمید خان کے پاس آئے تھے۔ یہ معلوم کرنے کے
لیے کہ اشتہار کا کوئی نتیجہ نکلا یا نہیں...... حمید خان نے بتایا تھا کہ ابھی تک نہیں لیکن اسی وقت
ہاشم علی کی آمد کی اطلاع ملی۔ حمید خان کے ساتھ چوہدری شاہنواز نے بھی اس باوردی افسر کا
استقبال کیا اور اسے عزت و احترام سے بٹھایا۔

"میں آپ سے اس تصویر کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا، آپ میں سے حمید خان
کون ہیں؟"

حمید خان نے گردن خم کر کے کہا۔ "حمید خان میرا نام ہے، یہ میرے مالک چوہدری
شاہنواز ہیں، ان کی ہدایت پر یہ اشتہار میں نے اخبار میں دیا تھا۔"

"آفیسر پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ کیا عرشیہ کا کوئی پتہ نشان ملا ہے یا آپ اپنے طور پر
تفتیش کرنے آئے ہیں۔"

"آپ کیا کرتے ہیں جناب......؟"

"میں ایک چھوٹا موٹا زمیندار ہوں اور تھوڑے بہت کاروبار بھی پھیلا رکھے ہیں میں
لیکن آپ براہ کرم صرف یہ بتا دیجیے کہ آپ تفتیش پر آئے ہیں یا کہیں سے آپ کو عرشیہ کے
بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں؟"

"میں آپ کے اس سوال کا جواب بھی دے دوں گا شاہنواز صاحب! آپ ذرا مجھے
پہلے ان خاتون کے بارے میں کچھ بتائیے؟"

"یہ میری بیوی ہے، آپ جانتے ہیں کہ چوہدری کے بہت دشمن ہوا کرتے ہیں،

میرے ایک دشمن نے جادو ٹونوں کا سہارا لے کر عرشیہ کا ذہنی توازن خراب کر دیا اور وہ گم ہو گئی، اس کی تلاش میں سارے جتن کرنے کے بعد میں نے اخبار میں یہ اشتہار دیا۔"

چوہدری شاہنواز ساری تفصیلات گول کر گیا۔ شاہینہ کے بارے میں کچھ بتانا شاہینہ کو ان معاملات میں ملوث کرنے کے مترادف تھا، اس نے شاہینہ کو اس لیے معاف کر دیا تھا کہ وہ اپنی محبت میں دیوانی ہو کر اس عمل کی مرتکب ہوئی تھی۔

پولیس آفیسر ہاشم علی نے تمام تفصیلات سننے کے بعد کہا۔ "اور وہ لوگ آپ کی نگاہوں میں ہیں جنہوں نے یہ عمل کیا؟"

"نہیں یہی تو افسوس کی بات ہے، اگر وہ لوگ مجھے مل جاتے تو میں خود ہی ان سے نمٹ لیتا۔"

"ٹھیک ہے بہرحال آپ کو یہ ضمانت دینا ہو گی کہ اس خاتون کے حصول کے بعد آپ ان کے تحفظ کو یقینی بنائیں گے، اگر اس خاتون کو کوئی نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار آپ قرار دیئے جائیں گے، شاید آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ انہیں قبر میں زندہ دفن کر دیا گیا تھا۔"

چوہدری شاہنواز بری طرح اچھل پڑا، اس نے بے اختیار کہا۔ "کیا عرشیہ آپ کی تحویل میں ہے؟"

"ہاں آپ یہی سمجھیں، ایک بہت ہی نامی گرامی ڈاکٹر کے پاس ان کی بیٹی کی حیثیت سے رہ رہی ہیں، انہیں علاج کے لیے شہر لایا گیا تھا لیکن ان کا دماغی توازن بہتر نہیں ہے، وہ اپنا ماضی بھول چکی ہیں۔"

"آپ خدا کے واسطے مجھے اس کے پاس لے چلیے، مجھے دیکھ کر اسے ضرور اپنا ماضی یاد آ جائے گا، ہم دونوں کے درمیان بڑی گہری محبت تھی۔"

"اب مجھے آپ پر اعتماد ہے میں اسی لیے حاضر ہوا تھا کہ پتہ چلا لوں کہ کہیں اشتہار اِن دشمنوں کی طرف سے تو نہیں ہے جنہوں نے انہیں قبر میں زندہ دفن کر دیا تھا۔"

چوہدری شاہنواز اور حمید خان، ڈاکٹر حارث کے گھر جانے کے لیے تیار ہو گئے ہاشم علی انہیں لے کر چل پڑا۔

❀ ❀ ❀

بشیر بیگ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، وہ مثال اسے اپنے کانوں میں گونجتی ہوئی محسوس ہوئی کہ جہاں جائے گا بھوکا، وہیں پڑے گا سوکھا...... کوئی بزرگ خاتون یہ مثال سنایا کرتی تھیں اور اس وقت بھی یہی مثال اس پر صادق آ گئی تھی۔ بڑی آرزو، بڑے ارمانوں سے اس نے ملنے والے نمبر پر رنگ کر کے پچیس لاکھ روپے کی ڈیمانڈ کی تھی لیکن جواب میں جو کچھ سننے کو ملا تھا، اس نے ایک بار پھر اس کا دل توڑ دیا تھا۔ ایک پارک میں بنچ پر بیٹھ کر اس نے اپنے آپ سے باتیں کرنا شروع کر دیں۔

"بیٹا بشیر بیگ...... یقیناً تیرے باپ کا خاندان نیک لوگوں کا ہو گا اور یہ انہی کی نیکیوں کا قصور ہے کہ تو چوری کے فن میں ناکام ثابت ہوا ہے، تیری تقدیر میں کیا لکھا ہے بشیر بیگ...... جہاں بھی ہاتھ ڈالتا ہے، وہاں سے خالی ہی ہاتھ نکلتا ہے، اب انہیں دیکھو کہہ رہے ہیں تھوڑے بہت پیسے جمع کر کے دے دیں گے، بچی کو ختم کر دو۔" اس احساس کے ساتھ ہی بشیر بیگ کے کلیجے میں کوئی چیز دھڑکی، بچی کے نقوش، اس کی مسکراہٹ، اس کے دیکھنے کا انداز یاد آ گیا اور اس نے اپنے منہ پر دو تھپڑ لگائے۔

"لعنت کے مارے...... ایسی فرشتہ صورت بچی کو تو قتل کرے گا، وہ تو اچھا ہوا کہ تو اس بچی کو لے آیا ورنہ اس بچی کے دشمن اس کی زندگی ختم کر دیتے، لعنت ہے بیٹا تجھ پر، اب اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس بچی کو کلیجے سے لگا کر رکھ، اماں تاجی تیری بہترین معاون ہو سکتی ہیں۔ اماں تاجی کا بھی مسئلہ مختلف تھا، شوہر مر چکا تھا دو بیٹے تھے جن میں سے ایک نشے کا عادی ہو گیا اور نشہ کرتے کرتے ایک دفعہ ایک ٹرک پر ٹھٹھر کر مر گیا، دوسرا ملک چھوڑ گیا اور بھول گیا کہ وطن میں کسی کو چھوڑ آیا ہے۔ اماں تاجی اکیلی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتی تھی اور گھروں کے کام کاج کر کے زندگی گزارتی تھی، اب اس سلسلے میں جو ہو گا، دیکھا جائے گا، ایسا کرتے ہیں رحیم بابا کی بات مان لیتے ہیں۔

رحیم بابا کی چاولوں کی دکان تھی، ضعیف آدمی تھے، ان کا بھی کوئی سنگ سہارا نہیں تھا، اکیلے ہی دکان چلاتے تھے، نوکر رکھتے تھے مگر خود چونکہ ضعیف تھے اس لیے نوکر بھی چکر دے کر نکل جاتے تھے اور سیکڑوں روپے کا نقصان کر جاتے تھے، کئی بار رحیم بابا نے بشیر بیگ سے کہا تھا کہ بیٹا میری دکان پر آ جا، کھانا کپڑا بھی دوں گا اور تنخواہ بھی دوں گا، کہاں سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے لیکن بشیر بیگ بھلا چاولوں کی دکان پر نوکری کیوں کرتا، وہ تو اس تاک میں تھا کہ اپنی لائن کے دوسرے لڑکوں کی طرح کوئی لمبا ہاتھ مارے اور سیدھا دبئی نکل جائے لیکن بچی کے خیال سے اس نے سوچا کہ اب رحیم بابا کے ہاں نوکری کر لی جائے، ایسے کام چلے گا نہیں۔ چوری چکاری کے لیے تو اس کی تقدیر بالکل ان فٹ ہے، وہ منصوبہ سازی کرتا رہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

پارک سے باہر نکلا ہی تھا کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا، شلوار، قمیض پہنے ایک
سا آدمی تھا جو اس طرح سڑک پر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا جیسے اس شہر میں اجنبی ہو، تھو
فاصلے پر ایک کیبن تھا جہاں کولڈ ڈرنگ وغیرہ ملتے تھے، وہ شخص تھوڑا سا آگے بڑھ کر
ڈرنک کی دکان پر کھڑا ہو گیا۔

بشیر بیگ کو پیاس لگ رہی تھی چنانچہ وہ بھی کولڈ ڈرنک پینے کی غرض سے آگے بڑ
اور پھر اس نے اپنے لیے ایک کولڈ ڈرنک طلب کر لیا، کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے اس نے
شخص کی طرف دیکھا، اس نے اپنی بوتل پینے کے بعد جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی
موٹی گڈی نکالی اور اس میں سے ایک نوٹ کھینچ کر دکاندار کی طرف بڑھا دیا۔

بشیر بیگ کی آنکھیں بری طرح پھیل گئی تھیں، بڑے نوٹوں کی یہ گڈی اس کے د
کھٹاک سے لگی تھی، دکاندار اس شخص سے کہہ رہا تھا کہ اس کے پاس اتنے بڑے نو
چینج نہیں ہے، اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولا اور پھر بوتل کی قیمت ادا کر کے
بڑھ گیا۔

بشیر بیگ نے جلدی سے غٹا غٹ اپنی بوتل حلق میں انڈیلی اور پیسے دے کر
کے ساتھ اس شخص کے پیچھے چل پڑا، اس کے منہ میں پانی آ رہا تھا، نوٹوں کی وہ موٹی
اگر ہاتھ آ جائے تو تقدیر بدل جائے، سارے دلدر دور ہو جائیں۔ وہ اس شخص کے پیچھے
رہا اور تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی گڑ بڑ ہے یہ شخص بلاوجہ
اُدھر مارا مارا پھر رہا ہے۔ بظاہر اس کی اس سڑک گردی کا کوئی مقصد نظر نہیں آ رہا تھا۔

پھر ایک سنسان سڑک پر وہ رک گیا اور اس نے اشارے سے بشیر بیگ کو قریب
بشیر بیگ ایک لمحہ کو سوچتا رہا، دل چاہا کہ بھاگ جائے کہیں وہ شخص ہاتھا پائی پر نہ اتر آ
درمیانی جسامت کا اسمارٹ سا آدمی تھا۔ اس نے دوبارہ بشیر بیگ کو اشارہ کیا تو بشیر
اس کے قریب پہنچ گیا لیکن اس نے اس سے اتنا فاصلہ رکھا کہ کوئی گڑ بڑ ہو تو کم از کم
دے، اس شخص نے مسکرا کر بشیر بیگ کو دیکھا اور جیب سے نوٹوں کی گڈی نکال لی پھر
دیتا ہوا بولا۔ ”چاہیے۔“ بشیر بیگ بھاگنے کے لیے پر تولنے لگا تو وہ دوبارہ بولا۔
بھاگنے کی ضرورت نہیں، واقعی میں یہ گڈی تمہیں دینا چاہتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے
بشیر بیگ کی طرف اچھال دی اور بشیر بیگ نے اسے ہاتھوں میں لپک لیا۔
دوسری جیب تو تم نے دیکھی ہی نہیں، ایسی ہی ایک گڈی اسی جیب میں بھی
ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک اور گڈی نکالی اور اسے بھی بشیر بیگ کی طرف اچھال د

بولا۔ ”جاؤ عیش کرو، کیا سمجھے؟“ اور اس کے بعد وہ واپس چل پڑا۔

بشیر بیگ ایک لمحے کے لیے سوچتا کا سوچتا رہ گیا تھا، یہ شخص اس سے مذاق کر رہا
ہے، جیسے ہی بشیر بیگ گڈیاں لے کر پلٹے گا، وہ اس کے اوپر چھلانگ لگا دے گا لیکن بیٹا
دوڑنے میں میرا ابھی جواب نہیں ہے اور ساری باتیں اپنی جگہ تیرا جو دل چاہے، تماشا کر لے
لیکن اگر تو نے ایک لمحے کی دیر کر دی تو پھر تجھے ان نوٹوں سے ہاتھ دھونے پڑیں گے اور
تیرا مذاق تیرے گلے پڑ جائے گا۔

بظاہر وہ اس انداز میں کھڑا رہا جیسے اس شخص کے مذاق سے لطف اندوز ہو رہا ہو لیکن
پھر اس نے پلٹ کر ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس کے بعد اس کے پیروں نے رکنے کا نام
نہیں لیا، کافی دور جانے کے بعد اس نے ایک بار گردن موڑ کر دیکھا، اس شخص کا کہیں پتہ
نہیں تھا، بشیر بیگ نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں، کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں وہ
چھپ گیا ہو۔ بشیر بیگ نے خود کلامی کی۔ ”ٹھیک ہے بیٹا...... زندگی بھر اپنے اس مذاق کو یاد
رکھے گا۔“ اور اس کے بعد وہ تیز رفتاری سے دوڑنے لگا۔ اس نے سوچا کہ جتنی دور نکل جایا
جائے، اچھا ہے، ہو سکتا ہے وہ شخص کسی سواری میں اس کا پیچھا کرے، چنانچہ رک کر اِدھر
اُدھر نگاہیں دوڑانے لگا پھر اسے ایک رکشہ نظر آیا تو تیزی سے اس کی جانب دوڑ گیا، رکشے
میں بیٹھا اور بولا۔ ”چلو۔“

”کدھر جانا ہے صاحب!“ رکشے والے نے پوچھا۔

”یار تو چل تو سہی، میں تجھے بتا دوں گا کدھر جانا ہے۔“ رکشے والے نے منہ ٹیڑھا کر
کے گردن ہلائی اور پھر آگے بڑھ گیا۔ بشیر بیگ نے رکشے کے ذریعے کافی فاصلے طے کیا اور
پھر ایک جگہ رکشہ رکوا کر نیچے اترا اور اسے پیسے دے کر آگے بڑھ گیا۔

رکشے میں سفر کرتے ہوئے بھی وہ پیچھے کا پردہ ہٹا ہٹا کر دیکھتا رہا تھا کہ کوئی پیچھے آ تو
نہیں رہا لیکن کوئی بھی نہیں تھا۔

تب اسے حیرتوں نے گھیر لیا، اس نے نوٹوں کی یہ دو بڑی گڈیاں خود بشیر بیگ کے
حوالے کر دیں، آخر کیوں......؟ بشیر بیگ ایک چھوٹے سے ہوٹل میں جا بیٹھا اور اس نے
چائے طلب کر لی، چائے پیتے ہوئے وہ بہت سی باتیں سوچتا رہا پھر ایک دم اس کے ذہن
میں ایک خیال آیا کہ کہیں یہ نوٹ جعلی تو نہیں ہیں؟ اس نے کتنی ہی بار جعلی نوٹوں کی کہانیاں
سنی تھیں، جس شخص کے پاس یہ نوٹ ہوتے ہیں، وہی مشکل میں گرفتار ہوتا ہے باقی کو کوئی
کچھ نہیں پوچھتا۔ ایسا ہی لگتا ہے، سو فیصد ایسا ہی لگتا ہے۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور

احتیاط کے ساتھ اس گڈی سے ایک نوٹ کھینچ لیا پھر وہ نوٹ تہہ کر کے اس نے اوپر کی ج
میں رکھا اور تھوڑی دیر کے بعد چائے خانے سے باہر نکل آیا۔

اب اسے کسی ایسی بڑی دکان یا سٹور کی تلاش تھی، جہاں سے وہ کچھ خریداری کر
ایسے ایک اسٹور میں داخل ہو کر اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، سامنے ہی اسے بچوں کے کپڑوں
اسٹال نظر آیا اور ایک دم بچی اس کے ذہن میں گھوم گئی، ایک لمحے تک تو وہ سوچتا رہا اور
کے بعد سٹال کے قریب پہنچ کر اس نے دو تین فراکیں پسند کیں اور انہیں لے کر دھڑ
دل کے ساتھ کیش کاؤنٹر پر پہنچ گیا، نوٹ نکال کر کیشئر کے ہاتھ میں دیا اور بولا۔ ''بھائی
اس نوٹ کو چیک کر لو، جس شخص نے مجھے یہ نوٹ دیا ہے، مجھے کچھ مشکوک سا لگا تھا، کہ
جعلی تو نہیں ہے، اگر جعلی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں، مجھے واپس کر دینا۔''

کیش کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے اسے غور سے دیکھا پھر نوٹ چیک کرنے لگا۔ ''نہ
جناب! یہ ٹھیک ہے، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''ان کپڑوں کے پیسے کاٹ لو۔'' بشیر بیگ نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا اور
ادائیگی کر کے واپس آ گیا۔

اس کے بعد اس نے مزید دو تین نوٹ نکالے اور انہیں مختلف جگہوں سے اسی طر
کیش کراتا رہا لیکن حیرانی کی بات یہ تھی جو خریداری اس نے کی، وہ اسی بچی کے لیے تھی
سارے نوٹ اصلی نکلے اور بشیر بیگ کو اطمینان ہوا کہ اسے ملنے والے نوٹ جعلی نہیں ہیں
اس کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے، اتنی بڑی رقم کا مصرف اس کی سمجھ میں نہیں
رہا تھا، بہرحال اس کے بعد گھر کی طرف رخ کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔

❀ ❀ ❀

مولوی ادریس صرف اس لیے آئے تھے کہ چوہدری شاہنواز اگر ان تک پہنچے تو ان کی
زبان سے شاہینہ کے خلاف کوئی ایسا لفظ نہ نکلے جو شاہینہ کی زندگی برباد کر دے۔ یہ علم انہیں
ہو چکا تھا کہ بد باطن راج گندل نے شاہینہ سے اس کا ایمان چھین لیا ہے لیکن خود کردہ را
علاج نیست...... شاہینہ نے جان بوجھ کر یہ عذاب مول لیا تھا اور ایمان کھونے کا عذاب اسی
کو بھگتنا ہے جو آسانی سے اپنا ایمان اپنی ہوس کے حوالے کر دیتا ہے۔

انہوں نے بیوی بچوں کے ساتھ سسرال میں بود و باش اختیار کر لی تھی اور یہاں کچھ
ایسا دل لگا کہ اب ان کا واپس جانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا، بیگم بھی خوش تھیں اور بچے
بھی...... پھر مزید یہ ہوا کہ قریب ہی ایک سکول تھا اور سکول کے مالک سے ان کی بڑی اچھی

ہو گئی تھی چنانچہ اس نے انہیں سکول میں پڑھانے کی پیشکش کر دی، دینی تعلیم دینے کا
بابا ادریس علی کے لیے بہت دل خوش کن تھا اور پھر ویسے بھی یہاں خاصی یاد اللہ ہو
تھی چنانچہ اب یہاں سے واپس جانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا، بچے بھی خوش تھے اور
تعلیم مل رہی تھی۔

پھر ایک دن تہجد کی نماز سے فراغت ہوئی تھی کہ عالی جاہ کی آمد کا احساس ہوا اور وہ
جاہ کی آواز کے منتظر ہو گئے۔ ''جی حضور اقدس...... میں حاضر ہوا ہوں۔''

''آؤ عالی جاہ!...... آؤ بہت عرصے کے بعد چکر لگایا؟''

''جی ہاں میں خود ہی حاضری دیتا ہوں، آپ تو کبھی طلب ہی نہیں کرتے، معاف
گا ایسا بہت کم ہی ہوا ہوگا میرے جیسوں کے ساتھ ورنہ اگر کوئی کسی جن کو قبضے میں
نے میں کامیاب ہو جائے تو بس وہ تو نجانے زندگی کو کیا سے کیا بنا لیتا ہے۔''

''میاں عالی جاہ!...... یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ہم نے آپ کو قابو میں کرنے
لیے وظیفہ خوانی نہیں کی تھی بلکہ وہ وظیفہ ہم نے حصول ایمان کے لیے کیا تھا اور حقیقت
ہے کہ ہمارے علم میں نہیں تھا کہ کوئی نیک نفس جن ہمارے شکنجے میں آ جائے گا، وہ تو اس
ہمیں معلوم ہوا جب تم نے ہم سے ہماری کسی حاجت کے بارے میں پوچھا، ہم تو
الٹا تم سے یہ پوچھتے رہے تھے کہ بھائی تم کہاں سے پرواز کرتے ہوئے ہماری جھولی
آ گرے۔''

''ہاں مجھے علم ہے بابا صاحب...... حقیقت یہی ہے اور میں بہت ہنسا تھا بلکہ اپنے ہم
وں کو میں نے یہ بتایا تھا کہ اس بار میں اتفاقیہ طور پر ایک ایسی شخصیت سے منسلک ہو گیا
جو دنیا دار ہے ہی نہیں لیکن بابا صاحب تھوڑے سے دنیا دار بنئے، آپ صاحب اولاد
اور مستقبل میں آپ کو بے شمار اشیاء کی ضرورتیں ہوں گی، کچھ لیا لیجیے، اپنے لیے نہ سہی
اپنے بچوں کے لیے، میں آپ کی ہدایت کے بغیر تو کچھ نہیں کر سکتا۔''

''ارے نہیں عالی جاہ!...... تقدیریں تو اللہ تعالیٰ جس طرح مناسب سمجھتا ہے بناتا ہے،
بھلا ایسا کیوں سوچیں کہ ہم اپنے بچوں کو محل بنا کر دے جائیں، محل تو اللہ کے حکم سے ہی
اور ویسے بھی ہم نے تم سے کہہ دیا تھا کہ کبھی خواب میں بھی مت سوچنا کہ تم
رے غلام ہو کیا سمجھے؟''

''پھر بھی بابا صاحب...... ہوں تو میں آپ کا غلام ہی۔''

''ارے...... اگر ایسی بات ہے تو ہم ابھی اور اسی وقت تمہیں اپنی غلامی سے آزاد

کرتے ہیں، ہم تمہیں اپنی غلامی سے آزاد کرتے ہیں، ہم تمہیں اپنی غلامی سے آزا
ہیں۔"

"ارے یہ آپ کیا کر رہے ہیں بابا صاحب؟ اور یہ آپ نے جذبات میں آ کر
دیا بابا صاحب! یہ آپ نے کر دیا؟" عالی جاہ کے لہجے میں کرب تھا۔ ادریس علی کے
پر تعجب کے آثار پھیل گئے تھے۔

"تمہیں اس سے دکھ ہوا؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ آپ نے کیا کر دیا بابا صاحب...... آپ کی غلامی تو میرے لیے سو در
آزادی سے بہتر تھی، آہ یہ جذباتی گفتگو میں کیا سے کیا ہو گیا بابا صاحب...... یہ تو بہ
برا ہو گیا۔"

"ہمیں ان الفاظ کے مضمرات کا کوئی علم نہیں ہے، ہمیں بتاؤ گے عالی جاہ کیا ہو
عالی جاہ کی آواز نہ ابھری، وہ بہت دیر تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "اچھا
ہوا، آپ سے تو ہماری دوست تھی، ہم نے کبھی اپنے آپ کو آپ کا غلام نہیں سمجھا
صاحب!...... آپ نے ہمیں آزادی دے کر ہمارے لیے بربادی کھڑی کر دی۔"

"اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، بات ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"ہم آپ کو سمجھا بھی نہیں سکتے بابا صاحب...... کمال ہے ہم نے خواب میں بھ
سوچا تھا کہ اس وقت ہماری آپ کے پاس آمد ایک اتنا بڑا سانحہ رونما کر دے گی۔"

"ہم اس سانحے کے بارے میں کچھ سمجھ ہی نہیں پائے، کیا تم اس کے بار
ہمیں بتا نہیں سکتے؟"

"نہیں...... کچھ اصول، کچھ پابندیاں ہوتی ہیں، خیر جو ہونا تھا وہ ہو گیا، ہمار
دعا کریں کہ ہم آزاد ہی رہیں اور کسی اور کے چنگل میں نہ پھنسنے پائیں، آپ کے
بڑی فراغت تھی، دیکھیے آگے کیا ہوتا ہے۔"

بابا ادریس علی تھوڑی دیر تک عالی جاہ کے رنج میں ڈوبے رہے پھر بولے۔ "ہم
جو کچھ کیا، وہ نیک نفسی سے کیا عالی جاہ...... تمہیں کوئی دکھ پہنچا ہے تو ہم معافی چاہتے ہ

"اچھا اب آگے کی بات سن لیجیے۔" عالی جاہ کے لہجے میں ایک نڈھال سی ک
تھی۔

"عرشیہ، چوہدری شاہنواز کے علم میں آ چکی ہے اور وہ اس کے حصول کے لیے
حارث کی طرف چل پڑے ہیں، ابھی مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان کی ملاقات کس حد تک نہ

ہو گی لیکن لگتا ہے کہ عرشیہ، چوہدری شاہنواز کے پاس پہنچ جائے گی اس کے علاوہ
بڑی یہ ہے کہ چوہدری شاہنواز کی پہلی بیگم کا علاج ہو گیا ہے، ایک محترم بزرگ ہیں بابا
علی جنہوں نے اس کے جسم سے راج گندل کی غلاظت باہر نکال دی ہے اور اللہ
کا شکر ہے کہ وہ صاحب ایمان عورت کفر کی منزل سے تائب ہو گئی ہے، اصل میں بابا
اگر وہ ناپاک وجود اپنی ہی مشکل میں گرفتار نہ ہو جاتا تو یقینی طور پر شاہینہ بیگم کو کالی
وں میں لپیٹ دیتا اور اس کی کوئی مدد نہ کی جا سکتی تھی لیکن چونکہ وہ خود عذاب میں
ر ہو گیا تھا اس لیے اس طرف توجہ نہیں دے پایا اور ایک دلچسپ اطلاع یہ ہے کہ اس
اپنی ناپاک خواہشوں کی تکمیل کے لیے اپنے وجود کو ایک سانپ کے وجود میں ڈھال لیا
اور اس طرح وہ اپنی بدطینت خواہشوں کی تکمیل کے لیے سرگرداں ہے لیکن میں اسے
یابی نہیں حاصل ہونے دے رہا، وہ معصومہ جہاں بھی جاتی ہے، وہاں ہر دلعزیز ہو جاتی
لیکن چونکہ راج گندل اس کا تعاقب کر رہا ہے اس لیے میں اس قسم کے مواقع پیدا کر دیتا
ں کہ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے تاہم حتی الامکان میں اس کی نگرانی بھی کر رہا ہوں
اس کے مفادات کا خیال بھی...... یہ ساری تفصیل ہے، میرے لیے اب بھی اگر کوئی حکم
ہو تو دوستانہ طور پر بتا دیجیے۔"

"ہمیں تھوڑا رنج ہو رہا ہے، ہم نے جو کچھ کیا ہے، اچھے خیالات کے ساتھ کیا ہے،
تمہیں اس سے کوئی تکلیف پہنچ گئی ہے عالی جاہ! تو واقعی ہم شرمندہ ہیں، تمہارے لیے دعا
کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہر مشکل سے محفوظ رکھے، ویسے یہ بتاؤ کہ ہمارے پاس آتے
رہنے تو رہو گے؟"

عالی جاہ کا کوئی جواب نہ ملا تو بابا ادریس علی نے دو تین بار اسے آوازیں دیں اور پھر
ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔ "سب کچھ ذات باری کے حکم پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حق
میں بھی بہتر کرے اور عالی جاہ تمہارے حق میں بھی۔"

❀ ❀ ❀

کچھ دیر کے بعد یہ لوگ ڈاکٹر حارث کے مکان پر پہنچ گئے، چوہدری شاہنواز کا دل
بری طرح دھڑک رہا تھا، وہ عرشیہ کے حصول سے تقریباً مایوس ہو چکا تھا لیکن تقدیر نے
یاوری کی تھی۔

ادھر ڈاکٹر حارث، عرشیہ کو اشتہار دکھا کر اس بارے میں مختصراً بتا چکے تھے، عرشیہ ذہنی
ہیجان کا شکار تھی، اس نے ڈاکٹر حارث سے کہا۔ "اور اگر وہ لوگ مجھے یاد نہ آئے تو؟"

"ہم ایک آزمائشی عرصہ رکھیں گے جس میں انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ تم
یادداشت واپس لانے کی کوشش کریں، اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے تو تمہیں
یہاں بلا لیا جائے گا۔"

"مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے انکل......"

"بیٹے! تم مجھ سے میرے دل کا حال پوچھو میں نے ایک بار پھر اپنا گھر آباد کرا
لیکن میں کسی کی امانت پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا، یہ قانوناً جرم بھی ہے اور اخلاقی بھی۔"

ہاشم علی کے بیل بجانے پر ڈاکٹر حارث کے گھر موجود شہباز نے دروازہ کھولا تھا
ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا، اس کے بعد عرشیہ، ڈاکٹر حارث کے ساتھ آ
گئی، چوہدری شاہنواز اسے دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھا تو
علی نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

"آپ براہ کرم صبر سے کام لیں، یہ ضروری ہے۔"

"عرشیہ...... تم خیریت سے تو ہو نا عرشیہ...... عرشہ مجھے پہچان لیا نا تم نے؟"

"میری درخواست ہے چوہدری صاحب!...... آپ صبر سے کام لیں، پلیز
جائیے۔"

شاہنواز غمزدہ سے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

"محترمہ عرشیہ...... کیا آپ چوہدری شاہنواز کو جانتی ہیں؟"

عرشیہ کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو رہا تھا، وہ شدید ہیجان خیز نگاہوں
چوہدری شاہنواز کا جائزہ لے رہی تھی، اس نے کئی بار نگاہیں اٹھا کر حمید خان کو بھی دیکھا
لیکن اس کے چہرے پر شناسائی کا کوئی تصور بے دار نہیں ہوا۔ ایک ہیجانی سی کیفیت اس
طاری رہی۔ ہاشم علی نے پھر پوچھا۔ "کیا آپ ان لوگوں کو جانتی ہو۔"

شاہنواز کے چہرے پر حسرت کا تاثر تھا۔ وہ غمزدہ نگاہوں سے عرشیہ کو دیکھ رہا تھا۔

عرشیہ تھوڑی دیر تک ان لوگوں کے چہرے کا جائزہ لیتی رہی، اس کے بعد اس نے
میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "نہیں، میں میں ان میں سے کسی کو نہیں جانتی۔"

"عرشیہ، عرشیہ میں شاہنواز ہوں۔ تم پیار سے مجھے شاہو کہا کرتی تھیں، ہم لوگ لکڑ
حویلی میں رہتے تھے اور عرشیہ تم، تم...... میرے بچے کی ماں بننے والی تھیں جب تمہار
ساتھ کچھ حادثے پیش آئے، تمہارے کچھ دشمنوں نے تم پر جادو ٹونے کرائے اور ا
اور......"

اسی وقت ڈاکٹر حارث نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "براہ کرم اس سے آگے آپ
خاموشی اختیار کر لیجیے، میں محسوس کر رہا ہوں کہ میری بیٹی ذہنی بحران کا شکار ہے۔ ڈاکٹر
اقبال انہیں انجکشن دو۔"

"یس سر۔" اقبال تیزی سے اندر کی جانب دوڑ گیا۔

عرشیہ پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ کچھ دیر کے لیے مکمل طور پر خاموشی
طاری ہو گئی تھی۔ شاہنواز پیار بھری نگاہوں سے عرشیہ کو دیکھ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی
میں کسی کے سامنے وہ اس قدر بے بس نہیں ہوا تھا۔ پتہ نہیں یہ کون سی حس تھی جس نے
اسے عرشیہ سے اتنا متاثر کر دیا تھا۔

ڈاکٹر اقبال نے عرشیہ کو انجکشن دیا، کچھ دیر تک مکمل خاموشی اختیار کی گئی اور اس کے
بعد ڈاکٹر حارث نے کہا۔ "بے بی! یہ چوہدری شاہنواز صاحب ہیں، یہ اس بات کے
دعویدار ہیں کہ یہ تمہارے شوہر ہیں۔ انہوں نے ہی اخبار میں تمہاری تصویر شائع کرائی تھی
اور بقول ان کے یہ کافی عرصے سے تمہاری تلاش میں سرگرداں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کچھ
حادثات کی وجہ سے جن کی مختصر تفصیل تمہارے علم میں ہے، تمہاری ذہنی قوتیں متاثر ہوئی
ہیں۔ اس کے علاوہ تمہارے بارے میں کسی اور نے کوئی دعویٰ نہیں کیا ہے۔ ایسی حالت میں
اگر تم پسند کرو تو ان کے ساتھ جا سکتی ہو۔ ہو سکتا ہے تقدیر ہم سب کا ساتھ دے اور تمہاری
یادداشت واپس آ جائے۔"

انجکشن کے زیر اثر عرشیہ کافی پرسکون ہو گئی تھی، کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس
نے کہا۔ "میں جانتی ہوں انکل حارث کہ میں ایک متنازع شخصیت ہوں، ہر چند کہ میرے
ذہن میں آپ کے لیے اپنے باپ جیسا مقام ہے اور آپ نے جس طرح مجھے اپنے گھر میں
جگہ دی ہے، میں بڑی خوشی سے آپ کے گھر میں زندگی کی آخری سانس تک بتا سکتی ہوں۔
مجھے کسی اور شے کی طلب نہیں ہے، لیکن میرے ذہن کے خانوں میں ان صاحب کی کوئی
تصویر نہیں ابھرتی ہے جو خود کو میرا شوہر کہہ رہے ہیں۔"

"ہاشم علی آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟" ڈاکٹر حارث نے ہاشم علی سے کہا۔

ہاشم علی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔
"چوہدری شاہنواز بے شک ایک معزز شخصیت ہیں ان کی ضمانت ہر جگہ سے حاصل کی جا
سکتی ہے، پر ڈاکٹر حارث! بقول آپ کے محترمہ عرشیہ کھوئی ہوئی یادداشت کی مریضہ ہیں۔
میری اپنی رائے ہے کہ انہیں چوہدری صاحب کے حوالے کر دیا جائے، لیکن چوہدری

صاحب سے بھرپور ضمانت لی جائے کہ وہ محترمہ عرشیہ کو مکمل آزادی دیں گے اور ان کے ذہن پر تسلط جمانے کی کوشش نہیں کریں گے بلکہ ایک آزمائشی عرصے کے لیے وہ محترمہ عرشیہ کو اپنے ساتھ رکھیں گے اور کوشش کریں گے کہ انہیں پچھلی زندگی یاد آ جائے۔ اگر اس مقرر عرصے میں وہ ان کی یادداشت واپس لانے میں کامیاب نہیں ہو سکے تو انہیں واپس آپ کے پاس پہنچا دیں گے۔ ہم چوہدری شاہنواز کے ساتھ ان کے گھر جائیں گے۔ وہاں کا جائزہ لیں گے اور ان کا نکاح نامہ بھی حاصل کریں گے۔ اس کی ایک کاپی ہمارے پاس رہے گی، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ان کے پورے پورے تحفظ کی ضمانت دیں گے، انہیں ذہنی یا جسمانی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ بتایئے کیا آپ اس بات پر تیار ہیں چوہدری شاہنواز۔''

''دل و جان سے، میں اپنی لٹی ہوئی کائنات کو واپس لانے کی بھرپور کوشش کروں گا۔'' چوہدری شاہنواز نے کہا۔

''مس عرشیہ، کیا آپ اس سلسلے میں ہم سے تعاون کریں گی؟''

عرشیہ نے ایک گہری سانس لی اور بولی۔ ''ٹھیک ہے۔'' اور اس کے بعد باقی معاملات ہاشم علی کی موجودگی میں ہی طے ہوئے۔

ڈاکٹر حارث نے بڑے غم و اندوہ کے ساتھ عرشیہ کو اپنے گھر سے رخصت کیا تھا، وہ واقعی لٹے لٹے نظر آ رہے تھے۔

عرشیہ، ڈاکٹر حارث کے گھر سے رخصت ہو گئی اور چوہدری شاہنواز اسے لے کر لکڑ موڑ حویلی چل پڑا، ہاشم علی بھی سادہ لباس میں ان کے ساتھ تھا اور اس نے وعدہ کیا تھا کہ واپس آ کر ڈاکٹر حارث کو پوری رپورٹ دے گا۔ چوہدری شاہنواز، عرشیہ کو لے کر لکڑ موڑ حویلی ہی آیا تھا اور اس کے بعد اس نے نکاح نامہ ہاشم علی کے سپرد کر دیا تھا۔ اس نے ہاشم علی کو بتایا۔ ''اصل میں یہ دو عورتوں کی رقابت کا معاملہ تھا اور آپ جانتے ہیں کہ بیوی دنیا کی ہر چیز برداشت کر لیتی ہے لیکن ایک سوکن نہیں، ایک پراسرار اور انوکھی کہانی ہے یہ۔ خیر ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ میں آپ کو اپنی پہلی بیگم سے بھی ملواؤں گا تا کہ آپ اس مسئلے میں زیادہ متردد نہ ہوں۔''

پھر چوہدری شاہنواز نے ہاشم علی کو ہر طرح سے مطمئن کیا اور شاہینہ بیگم سے بھی ملاقات کرائی۔ ہاشم علی کچھ مزید ہدایات دینے کے بعد وہاں سے واپس پلٹا تھا اور چوہدری شاہنواز نے حمید خان کے ساتھ مل کر منصوبہ بندیاں شروع کر دی تھیں کہ کس طرح عرشیہ کو

کا ماضی یاد دلانے کی کوششیں کی جائیں۔

❀ ❀ ❀

راج گندل دوسری بار بھی پوری طرح ناکام رہا تھا، اس کی کوششوں اور اس کے جاپ نے اسے دھوکا نہیں دیا تھا، بس اس کے بھاگ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ یہاں نے کے بعد یہ بات اسے پتہ چل گئی تھی کہ وہ پراسرار وجود یہاں کافی عرصے رہا ہے اور نے پہلے گھر کی طرح یہاں کے لوگوں کے دل میں بھی اپنا ایک مقام بنا لیا تھا، لیکن پھر یہاں سے بھی غائب ہو گیا۔

راج گندل کو یہ احساس ہوا تھا کہ کوئی پراسرار قوت اس سے آگے آگے چل رہی ہے وہ دل ہی دل میں سوچتا تھا کہ بابا ادریس علی ایک بار موقع مل جائے جس طرح میرے ن میں مہان شکتی حاصل کرنے کا خیال آکاش تک پہنچا ہوا ہے اسی طرح اب دوسرا خیال بھی ہے کہ اگر مجھے مہان شکتی مل گئی تو ساری مہان شکتی بابا ادریس علی تیری تباہی میں لگا وں گا۔ تجھے اس طرح دربدر کروں گا کہ سنسار تیری حالت پر روئے گا۔ اب کیا کرنا چاہیے، سارے جاپ پورے ہو چکے تھے اور اب وہ ایک معمولی سے ناگ کے سوا کچھ نہیں تھا۔

ناگ سے انسان بننے کے لیے اسے ایک انوکھا جاپ کرنا تھا جو اس کے ذہن میں محفوظ تھا، لیکن یہ جاپ کرنے کے بعد مہان شکتی حاصل کرنے کا خیال یا کسی بھی طرح کی دوسری قوتیں حاصل کرنے کی طاقت اس کے اندر نہیں رہے گی اور وہ سنسار کے ایک عام باسی کی طرح جیون کے بقیہ دن کاٹنے پر مجبور ہو گا۔ تھو ہے ایسی زندگی پر، ایسے جیون پر جو انی شاندار حیثیتوں کے بعد گزارنا پڑے گا۔ نہیں میں ابھی ہار نہیں مانوں گا، اچھا تو یہ ہے کسی کونے کھدرے میں چھپ کر تھوڑا سا جیون بتاؤں اور اپنے گیان دھیان کو آواز دوں۔ حویلی میں رہنا تو اب بے کار ہی ہے، اگر حویلی والوں نے اس شکل میں دیکھ لیا تو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ چنانچہ اس نے ایک راستہ منتخب کیا اور حویلی سے باہر نکل آیا۔

شہری زندگی میں جو خطرات پیش آ سکتے تھے وہ اس کے سامنے تھے، کئی بار موٹروں کے نیچے کچل کر مرنے سے بچا۔ ایک جگہ کچھ لوگوں نے اسے دیکھ لیا اور سانپ سانپ کے نعرے لگاتے ہوئے اس کے پیچھے پڑ گئے وہ تو شکر تھا کہ ایک بھوسے کے ڈھیر میں گھسنے کا موقع مل گیا اور پھر اگر وہ خالی ایک سانپ ہی ہوتا تو اس کے جیون کی کہانی اسی بھوسے کے ڈھیر میں ختم ہو جاتی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے دیکھنے والے اسے بھوسے کے ڈھیر میں تلاش کر چھوڑیں گے، چنانچہ وہ دوسری طرف سے نکل کر ایک گھر کی نالی میں گھس گیا جو کیچڑ

اور بدبو سے بھرپور تھی، لیکن اس طرح اس کی زندگی بچ گئی کیونکہ کچھ ہی دیر بعد بھو
کے ڈھیر سے شعلے اٹھنے لگے تھے، اس کی جان کے گاہکوں نے بھوسے کے ڈھیر میں آ
لگا دی تھی۔

راج گندل دہشت زدہ نظروں سے بھوسے کے ڈھیر سے بلند ہوتے شعلوں کو دیکھ
تھا اگر وہ اس میں چھپا ہوتا تو اس کی چتا جل گئی ہوتی۔

"ہے مہا سابلی، جو کچھ میں نے کیا تیرے نام پر کیا۔ ساری کٹھنائیں جھیل کر جاپ پ
پھر میں ان مشکلوں کا شکار ہو گیا ہوں۔ اب میں کیا کروں۔" آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ جتنی
جلدی ہو سکے انسانوں سے دور نکل جائے۔ ان کے بیچ رہ کر ایک سانپ کو جیون بچانا بہت مشکل
ہو گا۔ چنانچہ وہ گندی نالی سے نکل کر سنسان راستے اختیار کرتا آبادی سے باہر نکل آیا۔

تاحد نگاہ ترکاریوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے بعض جگہ عورتیں زمین کھود کر آلو نکا
رہی تھیں۔ وہ ان سب سے بچتا ہوا آخر کار سنسان میدانوں میں آ گیا۔ تاحد نظر خشک جھاڑیاں
پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک سانپ کے جیون میں کیا ہوتا ہے اب اسے اس کا تجربہ ہو رہا تھا۔

لیکن میرے جیون کا اب کیا ہو گا۔ کیا میں جیون بھر کے لیے ناگ بنا رہوں یا پھ
اپنے من سے مہا شکتی مان بننے کا خیال نکال دوں اور پھر سے منش بننے کا جاپ کر لوں
لیکن اس کے بعد کوئی شکتی میرے پاس نہیں رہے گی اور میں ایک عام انسان رہ جاؤں گا
مگر وہ جیون کوئی جیون نہیں ہو گا۔ جس طرح میں ایک عام آدمی کو آسانی سے نقصان پہنچا
رہا ہوں، اسی طرح کوئی بھی عام آدمی مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ میں جو راج گندل ہوں کر
انسانوں پر راج کرتا رہا ہوں، اب ایک عام آدمی کی حیثیت سے جیون بتاؤں گا اور اگر ان
لوگوں نے مجھے پہچان لیا، جنہیں میرے ہاتھوں نقصانات پہنچے ہیں تو وہ میرا کیا حال کریں
گے۔ ہے مہا کالی، ہے مہا سابلی، تیرے راج میں مجھ پر یہ بیتے گی، میں یہ نہیں چاہتا مگر
کوئی دوسرا راستہ بھی تو نہیں ہے۔ راج گندل درحقیقت زندگی کی بہت بڑی مشکلات سے
گزر رہا تھا اور نجانے کس کس کو اپنا دشمن قرار دیتا تھا۔ اس وقت کو کوستا تھا جب وہ آدمی اس
کے پاس پہنچا تھا جس نے اسے شاہینہ کے پاس پہنچایا تھا۔

میدان میں نظر آنے والی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ میں اس نے پناہ لی اور کنڈلی مار کر
لیٹ گیا۔ سورج آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور زمین تپنے لگی تھی۔ جھاڑیوں میں پھر بھی
امن تھا۔ لیکن اس وقت ان جھاڑیوں سے نکل کر باہر جانا بڑا مشکل تھا۔ تپتی زمین پر سفر کا
تجربہ انوکھا ہی ہوتا۔ بری طرح تنہائی کا شکار تھا۔ لیکن یہاں اس کے ساتھ تقدیر نے تھوڑی

رعایت کی۔ اسے جھاڑیوں میں ایک سرسراہٹ سنائی دی اور اس کے بعد پھنکار۔ اس
نے پلٹ کر دیکھا تو چتر نندی پھن ڈالے، رینگتی ہوئی جھاڑیوں میں آ رہی تھی۔

راج گندل کو اپنے آپ پر ہنسی آنے لگی۔ اب اگر سنگ ساتھی بھی ہیں تو ناگ اور پھر یہ
چتر نندی جو کہہ رہی ہے وہ بھی بہت عجیب ہے، تاہم اس وقت اس نے خاموشی ہی اختیار کی۔

چتر نندی جھاڑیوں کی پناہ میں آ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی اور پھر اس کی آواز
ابھری۔ "تو سمجھتا تھا کہ مجھ سے چھپ کر دھرتی پر اپنے لیے کوئی اور جگہ بنا لے گا، نہیں مہا
شیش ایسا ممکن نہیں ہے۔ چتر نندی تیری پجی پریمیکا ہے۔ میں نے تو نجانے کتنا سمے صرف
تیری آرزو میں گزار دیا، تو نہیں جانتا مہا شیش کہ جب میرا تیرا ملاپ ہو جائے گا تو سنسار
میں کیسی انوکھی کہانی جنم لے گی، راج ناگ اور رانی ناگن، ہم لوگ ناگ بھون پر راج
کریں گے۔ ناگ بھون کے سارے ناگ ہمارے چرنوں میں اپنے شیش جھکائیں گے اور
ہم صدیوں ناگ بھون پر حکومت کریں گے۔ یہ کہا بہت بڑے ناگ کا ہے، کیا سمجھا تو۔"

راج گندل تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر اس نے ناگ کی زبان میں کہا۔ "چتر نندی!
یہ کہانی تو نے کہاں سے سنی؟"

"نہ مہا شیش، اسے کہانی نہ کہہ، یہ تو چتر لیکھا ہے، چتر نندی کی چتر لیکھا، اس میں کوئی
جھوٹ ہے ہی نہیں۔"

راج گندل خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "مجھے بھوک لگ رہی ہے۔"

"لے ان جھاڑیوں کی جڑوں میں ہمارے لیے خوراک ہی خوراک ہے۔ ہمیں ان
کی نمی بھی مل جائے گی اور اس کی گانٹھیں ہمارا سب سے پسندیدہ بھوجن ہیں۔ تجھے معلوم
تو ہے نہیں۔ ویسے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ باہر زمین تپتی جا رہی ہے۔ ہمیں
سورج کے چھپنے کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"جھاڑیوں کی جڑیں کیسے نکالی جاتی ہیں؟" راج گندل نے پوچھا۔

چتر نندی ہنس پڑی پھر بولی۔ "میں بتاتی ہوں تجھے۔" اور اس کے بعد وہ پھن سے
جھاڑیوں کے نیچے کی زمین کھودنے لگی۔

یہ ایک انوکھا تجربہ تھا، ناگ یہ بھی کر سکتے ہیں اور پھر واقعی جھاڑیوں کی جو جڑ نکال کر
اس نے راج گندل کو دی۔ راج گندل نے اسے کھایا تو وہ اسے بے حد لذیذ محسوس ہوئی اور
اسے اپنے بدن میں ایک تقویت کا احساس ہوا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ بھی
بھاگ میں لکھا تھا۔ ابھی تو آگے نہ جانے کیسی کیسی مشکلات راستے میں کھڑی تھیں۔

چتر نندی بہرحال اس وقت اس کے لیے بہترین ساتھی ثابت ہو رہی تھی۔ راج گندل سانپ تو تھا نہیں کہ اسے سانپوں کی ساری خصلتیں معلوم ہوتیں، وہ شاید پیٹ بھرنے کے لیے بھی صحیح چیزوں کا بندوبست نہ کر پاتا، لیکن چتر نندی اس پر دیوانہ وار عاشق تھی اور اس طرح اس کی خدمت کر رہی تھی جیسے اس کی خاص خادمہ ہو۔ یہ بوٹی کھانے کے بعد راج گندل کو یوں لگ رہا تھا جیسے اب تک بدن میں جو تھکاوٹیں تھیں وہ دور ہو گئی ہوں۔ وہ جھاڑی میں ہی کنڈلی مار کر لیٹ گیا اور اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ایک عجیب سے سرور کا احساس ہو رہا تھا اور سوچنے سمجھنے کی قوتیں گم ہوتی جا رہی تھیں۔

چتر نندی بھی اسی کیفیت کا شکار تھی اور پھر وہ گہری نیند سو گئے۔

پھر نجانے کتنی دیر سوتے رہنے کے بعد جب نیند پوری ہوئی تو آنکھ کھل گئی۔ راج گندل نے اپنے بدن کو سکوڑ کر پھن اٹھانے کی کوشش کی لیکن ابھی پھن تھوڑا سا اٹھا ہی تھا کہ سر کسی چیز سے ٹکرایا اور پھن نیچے ہو گیا۔ راج گندل کو حیرت ہوئی کہ یہ کیا چیز ہے جو سر کے اوپر آ گئی ہے۔ ہو سکتا ہے اسی جھاڑی کا کوئی ڈنٹھل ہو جو سر سے ٹکرایا ہو۔ اس نے پلٹ کر منہ اوپر اٹھایا تو کچھ نظر نہ آیا۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

اسی وقت اسے چتر نندی کی پھنکار سنائی دی اور پھر اس کی آواز راج گندل کے کانوں میں گونجی۔ ”ہے مہا ناگ! یہ کیا ہوا، کہاں ہیں ہم لوگ، مہا شیش، کیا تمہارے سر کے اوپر بھی کوئی چیز ہے۔“

”ہاں چتر نندی پتہ نہیں یہ کیا ہے؟“ راج گندل نے کہا اور اس کے بعد وہ منہ اوپر کر کے اپنی دو شاخی زبان سے اس چیز کو چاٹ کر محسوس کرنے لگا۔ تبھی چتر نندی کی آواز ابھری۔ ”ہے مہا شیش! یہ تو ہم کسی ٹوکری میں بند ہیں۔ آہ ضرور ہمیں کسی سپیرے نے پکڑ لیا ہے۔ اب پتہ چلا کہ جب ہم نیند کی آغوش میں جا رہے تھے تو ہمارے کانوں میں ایک مدھر آواز گونج رہی تھی جو ہمارے شریر میں نشہ اتار رہی تھی۔ مہا شیش وہ بین کی آواز تھی، ارے تم

محسوس نہیں کر رہے، ہم اب اس جھاڑی میں نہیں ہیں بلکہ کسی ٹوکری میں ہیں اور دیکھو یہ ٹوکری ہل رہی ہے، اس کا مطلب ہے کہ ہم کسی سپیرے کی پٹنگی میں ہیں۔“

راج گندل کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ اس کا دل غم و اندوہ میں ڈوب گیا۔ ہائے کیا زمانہ تھا جب دس بیس انسانوں کو ختم کر دینا اس کے لیے مشکل کام نہیں تھا اور آج وہ کتنی بے بسی سے لوگوں کے قبضے میں تھا۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ دل نہیں چاہتا تھا کہ انسان بننے کا جاپ کر ڈالے کیونکہ یہ بات اسے بتا دی گئی تھی کہ جب وہ جاپ کر کے انسان بن جائے گا تو اس کی حیثیت ایک کمزور تنکے جیسی ہو گی، کوئی شکتی اس کے پاس نہیں ہو گی اور اس کے بعد وہ جیون بھر شکتی حاصل بھی نہیں کر سکے گا۔ بہرحال اب جو کچھ ہوا تھا اس کا کوئی توڑ نہیں تھا۔

❀ ✿ ❀

بشیر بیگ اپنے گھر پہنچ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ بچی کو اماں تاجی لے گئی تھی۔ وہ اسی کے پاس تھی۔ بشیر بیگ نے بچی کا لایا ہوا سامان ایک طرف رکھا اور نوٹوں کی ان گڈیوں کو دیکھنے لگا جو سب کے سب اصلی تھے۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا تھا کہ اس شخص نے اپنے سر سے جعلی نوٹوں کی بلا ٹالی ہے، لیکن جب اس نے دو نوٹ چلا کر دیکھے اور خاص طور سے دکانداروں کو نشاندہی بھی کر دی تھی کہ ذرا نوٹوں کا جائزہ لے لیں، انہوں نے انہیں بالکل صحیح بتایا تو بشیر بیگ کی جیسے جان ہی نکل گئی۔ اتنے سارے نوٹوں کے تو اس نے خواب بھی نہیں دیکھے تھے۔

یقیناً اب یہ نوٹ اس کی ملکیت تھے، ایک نوٹ اور نکالا اور باقی نوٹوں کو ایک لکڑی کے چھوٹے سے صندوقچے میں رکھ کر زمین میں دفن کر دیا اور اس پر چارپائی بچھا دی تاکہ کسی کو شک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد وہ بازار گیا اور بہت سی کھانے پینے کی چیزیں لے آیا۔ کھانے پینے کی چیزیں جو اس نے پہلے کبھی نہیں کھائی تھیں۔ اس بازار سے گزرتے ہوئے سوچا تھا کہ اگر کبھی کوئی اچھا داؤ لگ گیا تو ضرور ان چیزوں کو کھائے گا، لیکن آج سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں تھا۔ البتہ اسے بچی اور اماں تاجی یاد آئیں اور وہ اماں تاجی کے گھر پہنچ گیا۔

اماں تاجی خوش نظر آ رہی تھیں، بشیر بیگ نے اس سے کہا۔ ”اماں جی کیا کر رہی ہو؟“

”اے بیٹے، بس تیری بھانجی سے کھیل رہی ہوں۔ ارے کیا بتاؤں تجھے، کیسی بھاگوان ہے یہ۔ میرے گھر کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک تھال میں کوئی کھانے

پینے کی بے شمار چیزیں دے گیا اور کہنے لگا کہ اس کے گھر نیاز ہوئی تھی۔ بیٹا اس محلے کا تو
نہیں کہیں دور سے آیا تھا۔ پتہ نہیں میرا پتہ اسے کس نے بتا دیا، میں نے ساری چیزیں
تیرے لیے سنبھال کر رکھی ہوئی ہیں، آجا کھا لے۔"

"لو اماں، میں تو خود تمہیں بلانے آیا تھا، آج میری تنخواہ ملی تھی۔ میں نے سوچا کہ
اماں تاجی کی دعوت کر دی جائے۔"

"تنخواہ ملی تھی، اے تو نوکری کب سے کرنے لگا؟"

"او اماں کیا کرتا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا، اب بتاؤ کیا کریں، میں اپنا کھانا ادھر ہی
لے آؤں یا تم اپنا کھانا لے کر چل رہی ہو؟"

"چل بیٹا تیرے ہی گھر چل رہی ہوں، ویسے اس بچی کا نام کیا بتایا تھا تو نے؟"

"میں نے تو کوئی نام نہیں بتایا تھا اماں، ویسے وہ لوگ جو اس بچی کے ماں باپ ہوں
گے، میرا مطلب ہے تھے۔ انہوں نے اس کا نام نینا رکھا تھا، کیسا نام ہے اماں تاجی؟"

"لے بیٹا...... نینا، نینوں کا سکھ چین۔"

"اماں میں اس کے لیے بہت ساری چیزیں لایا ہوں۔"

"بیٹا دن پھیر دیئے اس نے تو ہم سب کے۔ تم اسے لے کر چلو میں کھانا لے کر آتی
ہوں۔"

بشیر بیگ نے بڑے پیار سے بچی کو گود میں لیا اور اپنے گھر کی جانب چل پڑا، راستے
میں اس نے بچی سے پوچھا۔ "تیرا نام نینا ہے، تجھے پسند ہے نا؟"

جواب میں بچی بڑے پیار بھرے انداز میں مسکرا دی تھی اور اس نے اپنا سر بشیر بیگ
کے شانے پر ٹکا دیا تھا۔

"ارے واہ لگتا ہے یہ نام تجھے بہت پسند آیا۔"

بشیر بیگ خوشی خوشی گھر میں داخل ہو گیا اور پھر اس نے نینا کو ایک جگہ بٹھا کر اس کے
اردگرد وہ ساری چیزیں سجا دیں جو وہ اس کے لیے لایا تھا۔ نینا کے چہرے پر خوشی کے آثار
تھے، وہ خوشی خوشی ان چیزوں سے کھیلنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد اماں تاجی کھانا لیے ہوئے آ
گئی۔ بشیر بیگ نے بھی اپنی لائی ہوئی چیزیں نکال کر سامنے رکھ لیں تو اماں تاجی حیرت سے
بولی۔ "لے تُو، تو بہت ساری چیزیں لے آیا ہے۔"

"اور اماں تاجی تمہاری تھالی میں بھی تو کھانے پینے کی بہت ساری چیزیں ہیں۔"

"لے بیٹا! اللہ جب دینے پر آتا ہے تو اسی طرح دیتا ہے، اتنا کھانا تو چھ آدمی بھی

ہیں کھا سکیں گے، کیا کریں؟"

"اماں ہم لوگ کھاتے ہیں، باقی دو چار گھروں میں تھوڑا تھوڑا سا بانٹ دیں گے اللہ
لک ہے، جس نے آج دیا ہے، وہ کل بھی دے گا۔"

"تیری تنخواہ کا تو پہلی بار پتہ چلا ہے مجھے، تو کہاں نوکری کرتا ہے؟"

"اماں ایک بہت بڑے سیٹھ کے پاس ہوں بس یوں سمجھ لے اس نے بڑی تنخواہ لگا
دی ہے میری۔ بیٹا سمجھتا ہے مجھے۔ اصل میں اس کی کوئی اولاد نہیں ہے نا۔"

"یہ سب مولا کا کرم ہے، تو نے اچھے دل کے ساتھ اس بچی کو اپنی گود میں لیا ہے،
بچو اللہ نے تجھے کیا کیا دے ڈالا۔"

بشیر بیگ دل ہی دل میں ہنسنے لگا پھر بولا۔ "اماں، کس بچی کو گود لیا ہے میں نے، تجھے
کیا معلوم۔"

پھر اس کے بعد بشیر بیگ کئی دن گھر سے باہر نہ نکلا۔ بچی اس کے پاس ہی تھی۔ اماں
تاجی بھی دن بھر کے لیے اس کے پاس ہی آ جاتی تھی۔

بڑے مزے کی زندگی گزر رہی تھی، پڑوس کے لوگ بھی حیران تھے، ایک دن بشیر
بیگ نے کہا۔ "بڑے دن ہو گئے اماں گھر سے باہر نکلے ہوئے، اس طرح ہم تو اس نینا کے
جال میں پھنس گئے ہیں کہ اسے چھوڑ کر باہر نکلنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔"

"بیٹا وہ ہے ہی اتنی خوبصورت اور میں تجھے ایک بات بتاؤں کہ یہ آنکھوں ہی آنکھوں
سے باتیں کرتی ہے، دیکھ کیسی بڑی بڑی لگنے لگی ہے۔"

"ہاں اماں واقعی...... ایسا لگتا ہے جیسے کسی اور سیارے کی مخلوق ہو، میں ذرا باہر جا رہا
ہوں۔"

بشیر بیگ نینا کو تاجی کے حوالے کر کے باہر نکل آیا۔ آج وہ دنیا کو ایک نئی نگاہ سے
دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابھی کافی رقم ہے اس کے پاس کوئی ایسا کام کیوں نہ کر لے
جس کر کے اسے دوبارہ غلط کام نہ کرنے پڑیں۔ وہ نوٹوں کی تعداد سے رقم کا اندازہ لگا رہا تھا
اور اس وقت وہ ایک پارک کی بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔

ایک بھاری بھرکم خوبصورت سا آدمی جس کی عمر پچاس ساٹھ کے قریب ہو گی اس کے
پاس پہنچا اور بینچ پر اس کے برابر بیٹھ گیا۔ بشیر بیگ نے کسی قدر حیران نگاہوں سے اسے
دیکھا تھا، وہ شخص بشیر بیگ کو غور سے دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔ "تمہارا نام حاتم ہے نا؟"

بشیر بیگ ہنس پڑا پھر بولا۔ "نام تو حاتم نہیں ہے، لیکن آج کل حاتم طائی ہی بنا ہوا

ہوں۔"

"نہیں میرے بیٹے، مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم میرے بچے کے ہم شکل ہو۔" ب
بیگ نے تعجب بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ "بابا جی میرے لائق کوئی خدمت ہ
بتاؤ۔"

"میرے ساتھ چلو بیٹا؟"

"کہاں؟"

"جہاں میں لے جاؤں اگر تم مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہو تو کرلو۔"

بشیر بیگ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تمہاری ایک بھی بات میری سمجھ میں نہیں آئی بابا صاحب! آخر تم مجھے کہاں لے
جانا چاہتے ہو۔"

"بیٹے تم جوان آدمی ہو، زندگی میں انسان کو بہت برے برے حالات کا سامنا
پڑتا ہے۔ میرے خیال میں اتنا خطرہ تو مول لینا چاہیے۔"

"خطرہ......؟" بشیر بیگ نے غور سے اسے دیکھا۔

"میں زیادہ سے زیادہ تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں تم خود بتاؤ۔ ہاں اگر تم بز
انسان ہو تو دوسری بات ہے میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔"

بوڑھے آدمی کا یہ طعنہ کام کر گیا۔ بشیر بیگ نے اکڑ کر کہا۔ "میں کسی سے نہیں ڈرتا
چلو کہاں چلنا ہے۔"

بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ بشیر بیگ کو ساتھ لے کر چل پڑا
پارک کے گیٹ سے باہر ایک انتہائی قیمتی کار کے پاس جا کر بوڑھا رکا، کار کی ڈرائیونگ
سیٹ سے ایک باوردی ڈرائیور نیچے اترا اور اس نے جلدی سے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا

"آؤ...... بوڑھے نے بشیر بیگ سے کہا اور بشیر بیگ اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔

ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ اس قیمتی کار میں بیٹھ کر بشیر بیگ
بہت مزہ آیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کے ذہن میں شدید تجسس بھی تھا۔ کہیں کسی بڑ
مشکل میں نہ پھنس جائے۔

بوڑھے نے اسے اپنے بیٹے کا ہم شکل بتایا تھا پتہ نہیں جھوٹ ہے یا سچ۔ ایسے بہ
سے واقعات اخبارات میں چھپتے رہتے تھے، جن میں نوسرباز طرح طرح کے ہتھکنڈے
استعمال کر کے لوگوں کو لوٹتے تھے اور بھی دوسرے جرائم ہوتے تھے۔ بوڑھے کی قیمتی کار

اندازہ تو ہو جاتا تھا کہ کم از کم بوڑھا اسے کوئی مالی نقصان تو نہیں پہنچائے گا۔ ہاں کوئی
بات ہو تو نہیں کہا جا سکتا۔ بہرحال اب تو خطرہ مول لے ہی لیا ہے جو ہو گا دیکھا جائے
پھر اسے کچھ خیال آیا اور اس نے کہا۔ "آپ کا بیٹا میرا ہمشکل تھا۔"

"ہاں۔"

"کیا وہ آپ کے پاس نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"کہاں گیا؟"

"پتہ نہیں، بہت عرصہ گزرا۔ وہ ایک بار گھر سے گیا پھر واپس نہیں آیا۔ میں نے اسے
تلاش کیا لیکن......"

"میرا نام۔" بوڑھا جیسے کسی خیال میں کھو گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "میرا نام عالی جاہ
ہے۔"

"عالی جاہ...... یہ کوئی نام ہے بھلا۔ عالی جاہ تو کسی بڑے آدمی کو کہا جاتا ہے۔"

"میرے ماں باپ نے میرا یہی نام رکھا ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔"

بشیر بیگ خاموش ہو گیا۔ پھر اچانک گاڑی رک گئی۔ بشیر بیگ نے چونک کر دیکھا، یہ
ایک عالیشان بنگلہ تھا۔ وسیع و عریض گیٹ کے دوسری طرف ایک خوبصورت لان پھیلا ہوا
تھا۔ گیٹ سے پورچ تک سرخ بجری کی روش تھی۔ کار اس روش پر چلتی ہوئی پورچ میں جا کر
رک گئی، ایک نوکر نے دروازہ کھولا، ڈرائیور بھی اتر کر نیچے کھڑا ہو گیا تھا۔ بوڑھے نے ایک
بار پھر بشیر بیگ سے نیچے اترنے کے لیے کہا۔ شاندار کوٹھی، اتنے سارے ملازم، یہ شان و
شوکت دیکھ کر بشیر بیگ کو چکر آ رہے تھے۔ بوڑھا اسے لے کر اندر داخل ہو گیا۔ عظیم الشان
ڈرائنگ روم میں جو کچھ تھا وہ بشیر بیگ نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، پھر اس کی نگاہ
ایک طرف اٹھی۔ اور اس کے پورے بدن میں شدید سنسنی پھیل گئی جو کچھ اس نے دیکھا
ناقابل یقین تھا۔

❀ ❀ ❀

چوہدری شاہنواز نے عرشیہ کو اس کا ماضی یاد دلانے کی بھرپور کوششیں شروع کر دی
تھیں۔ لکڑ موڑ کی حویلی میں جو جو واقعات پیش آئے تھے ان کو دہرا کر بھی اسے اس کا ماضی
یاد دلایا جا رہا تھا لیکن عرشیہ کو کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ البتہ وہ شاہنواز کی محبت سے اور اس کی
کاوشوں سے بہت متاثر تھی اور کئی بار کہہ چکی تھی۔ "میں نہیں جانتی چوہدری صاحب کہ مجھے

کیا ہوا ہے لیکن آپ جس قدر مجھ سے مخلص ہیں اور جس طرح میری دلجوئی کر رہے
اسے دیکھتے ہوئے مجھے یقین ہونے لگا ہے کہ میرا آپ سے وہی رشتہ ہے جو آپ کہہ رہے
ہیں، لیکن میں ایک درخواست کرتی ہوں آپ سے۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"مجھے تھوڑا سکون لینے دیں، مجھے خود پر، حالات پر غور کرنے دیں، اب جب آپ
نے مجھے یہ سب کچھ بتایا ہے تو مجھے ایک اور احساس ہونے لگا ہے جو پہلے نہیں تھا۔"

"کیا......؟" چوہدری شاہنواز نے کہا۔

"مجھے یوں لگ رہا ہے چوہدری صاحب کہ...... کوئی اور بھی مجھ سے منسلک تھا۔ جیسے
کوئی چیز میرے وجود سے لپٹ گئی ہے۔ وہ کون ہے کیسا ہے مجھے یاد نہیں آ رہا...... لیکن ایک
کسک سی میرے دل میں پیدا ہو جاتی ہے جب میں اپنا ماضی یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

چوہدری شاہنواز کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اور عرشیہ نے حیرت سے کہا تھا

"آپ کیوں رو رہے ہیں۔"

"اس لیے عرشیہ کہ جس وجود کو تم خود سے بچھڑ جانے کی بات کر رہی ہو وہ ہم دونوں
کے دل کا ٹکڑا تھی۔"

"دل کا ٹکڑا۔"

"ہاں، ہماری بچی۔ ہماری بیٹی جسے ہم کوئی نام بھی نہیں دے سکے۔"

"میری بچی، ہماری بچی...... میں کچھ بھی نہیں سمجھی چوہدری صاحب۔"

"وہ ہماری بچی تھی لیکن ہم اسے دیکھ بھی نہ سکے۔ وہ ہم سے جدا ہوئی، ہمارے
دشمنوں نے اسے ہم سے چھین لیا۔"

"ہمارے دشمن کون تھے؟"

"جس دن ہمیں یہ پتہ چل جائے گا ہماری بچی ہمیں مل جائے گی۔"

"آہ، وہ دن کب آئے گا۔" عرشیہ نے حسرت سے کہا۔

چوہدری شاہنواز کو احساس ہونے لگا تھا کہ عرشیہ سنبھلتی جا رہی ہے۔ خاص طور سے
جب سے بچی والی بات اس کے علم میں آئی تھی، وہ بہت متاثر ہو گئی تھی اور اکثر بچی کو یاد
کرنے لگی تھی۔

شاہنواز نے حمید خان سے کہا۔ "اگر میں عرشیہ کو شاہینہ کی کارروائی کے بارے میں بتا
دوں تو ایک نئی کہانی کا آغاز ہو جائے گا، اس کے لیے کیا کروں۔"

"آپ انہیں نہ بتائیں صاحب جی! عرشیہ بیگم صاحب کی بڑی بیگم صاحب سے دشمنی
ہو جائے گی اور نئی الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔"

"یہی تو بات ہے۔ شاہینہ کو اگر سزا دینا ہوتی تو میں خود اسے دیتا مگر اس بے وقوف
نے بھی جو کچھ کیا میری محبت میں کیا، مجھے اس کا بھی احساس ہے۔"

"صاحب جی، میں آپ سے رفیق کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔"

"کیا......؟" شاہنواز نے چونک کر پوچھا۔

"وہ بہت سخت بیمار ہے، بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔"

"میرا خیال ہے اسے آزاد کر دو...... لیکن اس سے کہہ دو کہ اب وہ شاہینہ کی طرف
رخ بھی نہ کرے۔"

"جیسا آپ کا حکم...... مگر اس سے ایک خطرہ اور بھی ہے صاحب۔ آزاد ہو کر وہ
سیدھا شاہینہ بیگم صاحب کے گھر جائے گا اور نہ جانے کیا کیا کہانیاں سنائے گا، اس طرح
ساری خفیہ باتیں باہر نکل جائیں گی۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو۔ اب یوں کرو کہ اسے کسی ڈاکٹر کو دکھا دو اور اس کا علاج
کراؤ...... بعد میں دیکھیں گے کہ اس کے سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"بہت بہتر......"

پھر حمید خان نے ایک دن کہا۔ "صاحب جی ایک خیال میرے دماغ میں آیا ہے۔
مجھے تو حیرت ہے کہ ہم نے پہلے اس بارے میں کیوں نہیں سوچا۔"

"کیا خیال آیا ہے؟"

"بابا ادریس علی کے بارے میں اب تک کچھ پتہ نہیں چل سکا کہاں گئے، زمین نگل
گئی انہیں یا آسمان کھا گیا۔ مگر بابا سلامت علی بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔ انہوں نے جس
طرح بڑی بیگم جی کا علاج کیا وہ معمولی بات نہیں ہے، کیوں نہ ہم ان سے ملیں۔"

"تیرا خیال ٹھیک ہے، تیاریاں کرو، ہم بابا سلامت علی سے ملیں گے۔" چوہدری
صاحب نے کہا۔

تیسرے دن تیاریاں کر کے وہ بابا سلامت علی سے ملاقات کرنے چل پڑے۔ بابا
صاحب نے انہیں فوراً پہچان لیا تھا۔ پھر انہوں نے عرشیہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بی بی کون
ہے۔ یہ تو کالے سحر کے جال میں گرفتار ہے۔"

"جی بابا صاحب...... یہ میری دوسری بیوی ہیں۔ اس ناپاک سادھو نے انہی پر عمل کیا

تھا۔"

"اور تمہاری دوسری بیگم کا کیا حال ہے۔"

"وہ اب ٹھیک ہیں۔"

"تم نے ان سے کوئی انتقام تو نہیں لیا۔"

"نہیں...... میں نے اس کی نادانی کو معاف کر دیا۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا...... درگزر کا بڑا مقام ہے اور اس نیکی کا صلہ معبود الٰہی ضرو
دیتا ہے۔"

"بابا صاحب! میں آپ کو پوری تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔"

"عشاء کی نماز کے بعد ہم سے ملو۔ اس وقت سکون سے پوری تفصیل سنیں گے تم سے۔"

"بہتر ہے۔" چوہدری شاہنواز نے کہا۔ پھر اس نے حمید خاں اور عرشیہ کے ساتھ ایک ہوٹل میں قیام کیا اور اسی دن عشا کے بعد وہ بابا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

"ہاں اب بتاؤ۔" بابا سلامت علی بولے اور شاہنواز نے انہیں الف سے لے کر "ے" تک پوری کہانی سنا دی۔

سلامت علی سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ "ہمیں کچھ وقت درکار ہو گا۔ کم از کم تین دن۔ اب تم یہ بتاؤ کہ یہ تین دن تم کہاں گزرو گے؟"

"یہیں بابا صاحب۔ اسی شہر میں، آپ تین دن کیا تیس دن کہیں گے وہ بھی میں یہاں گزار لوں گا۔"

"ٹھیک ہے چوتھے دن مجھ سے ملو۔ میں تمہارے ہر سوال کا جواب تلاش کر کے رکھوں گا۔"

یہ تین دن بھی شاہنواز نے ہوٹل میں گزارے تھے۔ اس دوران اس نے عرشیہ کی خوب دلجوئی کی تھی، اسے سیر و سیاحت کرائی تھی۔ پھر چوتھے دن عشا کے بعد وہ سلامت علی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

"ہم نے یہ تین دن تمہارے لیے چلا کشی کر کے گزارے ہیں۔ اسے احسان نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ ہر انسان پر کچھ ذمے داریاں عائد کرتا ہے، ماں باپ کی اطاعت، بیوی بچوں کی پرورش، اللہ تعالیٰ جسے جو کچھ دیتا ہے اس کی ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، تین دن کی چلہ کشی کے بعد ہمیں جو نتائج موصول ہوئے ہیں وہ یہ ہیں کہ عزیزہ عرشیہ پر کالے سحر کا شدید ترین غلبہ ہے اور ان کے ذہن کو ایک خاص مسئلے میں ماؤف کر دیا گیا ہے، وہ بدبخت کالا ساحر

اپنے ہے۔ اگر ہمیں اس کی نشاندہی ہو جاتی تو ہم اسے اپنی گرفت میں لانے کی کوشش کرتے لیکن زمین کی وسعتوں میں اس کا انسانی وجود موجود نہیں ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اپنے سحر کے حوالے سے وہ پرندہ بن کر فضاؤں میں پرواز کر رہا ہو یا کسی غیر انسانی شکل میں اس نے اپنے آپ کو کہیں پوشیدہ کر لیا ہو، چنانچہ عزیز من جب تک وہ ظاہر نہ ہو جائے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ہاں ہمارا یہ تم سے وعدہ ہے کہ اگر وہ ظاہر ہو گیا تو ہم ضرور اسے اپنے شکنجے میں کس لیں گے اور پھر اسے اس کا سارا سحر واپس لینا پڑے گا اور عزیزہ عرشیہ مکمل طور پر ہوش میں آ جائیں گی۔ بہرحال ان کا دوسرا علاج وہ بچی ہے جس نے اسی جادو کے زیر اثر نمود پائی اور پھر نجانے کس کے پروں میں چھپ کر زندگی گزار رہی ہے۔ اس کا بھی کہیں نام و نشان نہیں ملتا اور یوں لگتا ہے جیسے اسے کسی پردے میں لپیٹ دیا گیا ہو، جس وقت حکم الٰہی ہو گا اور وہ بچی اپنی ماں کے پاس آ جائے گی تو عزیزہ عرشیہ سے ہر طرح کا سحر ختم ہو جائے گا۔ عزیز محترم چوہدری شاہنواز، آپ صبر سے کام لیں۔ بہرحال عرشیہ بیگم انسان ہیں اور انسانیت سے انسان ہمیشہ متاثر ہوتا ہے۔ آپ اپنی محبت کا عمل جاری رکھیں۔ وقت عرشیہ بیگم سے آپ کی بیگانگی کا سحر ختم کر دے گا، آپ اسے اپنی جانب راغب کریں۔ یہ دعویٰ میں کرتا ہوں کہ بہت جلد یہ آپ کو اپنا شوہر تسلیم کر لیں گی۔ معافی چاہتا ہوں میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا اور آپ بے فکر رہیں کہ ان واقعات کو میں ذہن سے نکالوں گا نہیں اور اگر کوئی اور درمیانی راستہ میرے علم میں آیا تو میں آپ کو اس سے ضرور آگاہ کروں گا۔"

چوہدری شاہنواز نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔ "بابا سلامت! بے شک میں نے زندگی میں بہت گناہ کیے ہیں اور اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے۔"

"سب کچھ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، لیکن مزید بہتر یہ ہو گا کہ آپ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے ایک سادہ زندگی گزاریں اور کوشش کریں کہ پریشان حال لوگوں کے کام آئیں۔ آپ نے اپنی پہلی اہلیہ کو معافی دے کر ایک ثواب تو کما لیا ہے۔ میرے لیے اور کوئی حکم ہو تو بتائیے؟"

"نہیں ٹھیک ہے۔ میں آپ کی ہدایت پر عمل کروں گا اور مجھے اجازت دیجیے کہ کبھی کبھی آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو جایا کروں۔"

"گناہ گار نہ کرو، انسان کا انسان پر بہت قرض ہوتا ہے، میرے لائق جب بھی کوئی خدمت ہو اس سے گریز نہ کرنا، یہ میرے لیے بھی بہتر ہے۔"

"بابا صاحب میں ایک بات اور کرنا چاہتا ہوں۔"

''نہیں بیٹے، وہ بات نہ کرو، سارا کیا دھرا مٹی میں مل جاتا ہے۔ مجھے کچھ دینے
پیشکش نہ کرنا ورنہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ بھی مجھ سے چھن جائے گا۔''
چوہدری شاہنواز نے مغموم انداز میں گردن جھکا لی تھی۔

❀❀❀

چنگیزو بستی کا سب سے خوبصورت جوان تھا۔ اپنے چھ فٹ قد اور چوڑی چھاتی کی
پر سبھی کا منظور نظر تھا۔ قبیلے کے لوگ اس سے بے پناہ محبت کرتے تھے، لیکن چنگیزو انتہا
سنجیدہ رہتا تھا۔ بستی کے جوان آپس میں بہت سی کہانیوں کے امین تھے۔ حسن و عشق کی
لاتعداد داستانیں تھیں۔ جنگ و جدل اور جسمانی قوتوں کے اظہار کے لیے سردار گونگا کی
طرف سے ہر تہوار کے موقع پر کھیل کود ہوا کرتے تھے، لیکن چنگیزو نے کبھی ایسے کاموں میں
دلچسپی نہیں لی تھی۔

وہ سنجیدگی سے ہر چیز کو دیکھتا تھا جبکہ سردار گونگا نے کتنی ہی بار اس سے کہا تھا کہ چنگیز
تم بستی اور قبیلے کے نام پر بٹہ کیوں لگا رہے ہو۔ صحت میں تم قبیلے کے ہر جوان سے زیادہ
طاقتور ہو، پھر تم جسمانی کھیلوں میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔

چنگیزو اس موقع پر سر جھکا کر رہ جاتا تھا جو کہانی اس کے سینے میں پروان چڑھ رہی تھی
اس کا اظہار اس نے کسی پر نہیں کیا تھا اور کہانی یہ تھی کہ چنگیزو کا دادا اس قبیلے کا سردار تھا۔
سپیروں کی یہ بستی کوئی چار پانچ سو افراد پر مشتمل تھی۔ سرسبز و شاداب پہاڑوں کے درمیان
ایک گلستان جیسی جگہ کو انہوں نے اپنے لیے جنت بنا رکھا تھا۔ سردار گونگا بھی ایک ذہین اور
اعلیٰ کارکردگی کا مالک سردار تھا۔ اس نے جوانوں کو سانپ پکڑنے اور ان کا زہر نکال کر بیچنے
سے کبھی منع نہیں کیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس نے ان سے یہ بھی کہا تھا۔

''سپیرے عام طور سے خانہ بدوش کہلاتے ہیں اور جگہ جگہ خیمہ زن ہو کر اپنا کام کیا
کرتے ہیں لیکن تم لوگوں کو ایک بات جان لینی چاہیے کہ خانہ بدوشی کوئی اچھی چیز نہیں
ہوتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس جگہ اس وقت ہم آباد ہیں۔ یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ تم لوگ
یہاں مستقل اپنی بود و باش اختیار کر لو اور جہاں چاہو اپنی ضرورتوں کے تحت نکل جاؤ لیکن
پھر واپس یہیں آ جاؤ۔ اس طرح تمہارا اپنا ایک مقام ہو گا، ان پہاڑوں اور جنگل بیابانوں
میں کسی کی اجارہ داری بھی نہیں ہو گی۔ تم اپنے لیے ایک بہتر دنیا آباد کر لو۔

سبھی کو یہ بات پسند آئی تھی اور نتیجے یہاں کچے پکے جھونپڑے اور مکانات تعمیر ہو گئے
تھے۔ سپیروں نے آس پاس کے وسائل درختوں اور زمین کی مٹی سے مدد لے کر یہاں اپنی

دنیا آباد کر لی تھی، اس کے ساتھ ہی سردار گونگا نے جوانوں کو ہدایت کی تھی کہ صرف سانپوں
سے ہونے والی آمدنی سے گزارہ نہ کریں، اپنے لیے کھیت لگائیں ان قدرتی وسائل سے
استفادہ حاصل کریں جو قدرت نے انہیں یہاں مہیا کر دیئے ہیں، نتیجے میں پہاڑوں کی یہ
بستی ایک حسین و جمیل آبادی قرار دی جا سکتی تھی۔

گونگا ایک اچھا سردار تھا اور بائیس تئیس سالوں سے برابر سردار چلا آ رہا تھا لیکن
اصلیت یہ تھی کہ چنگیزو کا پردادا کسی زمانے میں اس قبیلے کا سردار تھا۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا
اور چنگیزو کا دادا اپنے آپ کو سرداری کا اہل نہ ثابت کر سکا۔ باپ اس سے کہیں زیادہ نکما اور
ناکارہ نکلا، جس پر چنگیزو کی ماں سیرا کو بہت دکھ تھا، وہ چاہتی تھی کہ پردادا کے نقش قدم پر کم
از کم اور کوئی نہیں تو چنگیزو ضرور چلے اور اس نے ابتداء ہی سے چنگیزو کے ذہن میں یہ بات
ڈالی تھی کہ اسے اپنے پردادا کی سرداری واپس لینی ہے۔ اس کے دو طریقے ہوا کرتے تھے،
پہلا یہ کہ جسمانی طور پر موجود سردار کو شکست دی جائے اور اس طرح سرداری حاصل کی
جائے۔ دوسرا طریقہ کار یہ تھا کہ شیش ناگ کا جوڑا پکڑا جائے اور اسے لا کر بستی کے سامنے
پیش کیا جائے۔

شیش ناگ کا جوڑا پکڑنے والے کو بلا شک و شبہ بستی کا سردار چن لیا جاتا تھا لیکن
برسوں بیت چکے تھے قبیلہ کا کوئی بھی شخص شیش ناگ نہیں پکڑ پایا تھا۔ سردار گونگا بھی اس سے
پہلے والے سردار سے جسمانی طور پر مقابلہ کر کے سرداری کے لیے منتخب ہوا تھا لیکن ایسے
سردار کو وہ مقام نہیں ملتا تھا جو شیش ناگ پکڑنے والے سردار کو مل جاتا تھا۔

بستی میں کئی ایسے بزرگ تھے جو جادو ٹونوں اور پراسرار قوتوں کے مالک تھے،
لیکن انہیں سرداری وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، البتہ ان کا شمار بستی کے معززین میں
ہوتا تھا۔

جب بھی بستی میں کوئی الجھن پیش آتی تو معززین اس کا حل پیش کرتے تھے اور ان
کی بات ہر طرح سے تسلیم کی جاتی تھی، چنانچہ سردار گونگا جو اصل میں گونگا نہیں تھا بلکہ اس کا
نام گونگا تھا، خاص طور سے چنگیزو سے کہتا تھا کہ چنگیزو تجھے بستی کا سردار ہونا چاہیے۔ میں
تجھ سے جسمانی مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہوں، تو باآسانی مجھے شکست دے سکتا ہے۔ مجھے
للکار اور پہلی پورن ماشی کو مجھ سے مبارزت طلب کر، مجھے ہرانا تیرے لیے انتہائی آسان ہو گا
کیونکہ میں تجھ سے یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ تو شیش ناگ لے کر آ، یہ تو بہت مشکل کام ہے۔

تب اس وقت چنگیزو نے کہا تھا۔ ''میں تجھ سے کوئی مقابلہ نہیں کروں گا، سردار گونگا،

لیکن اگر تیری خواہش کہ میں تیرے بعد اس بستی کا سردار بنوں اور میری ماں کی بھی یہ آرزو ہے تو میں شیش ناگ کی تلاش میں نکلتا ہوں۔"

"پاگل، شیش ناگ کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا، ہمارے قبیلے میں صدیوں سے کوئی بھی شیش ناگ نہیں پکڑ سکا، تو اس الجھن میں نہ پڑ۔"

لیکن چنگیزو نے یہ چیلنج قبول کیا اور اپنی ماں اور سردار سے اجازت لے کر شیش ناگ کی تلاش میں چل پڑا۔ اس کا ایک بہت اچھا دوست اس کے ساتھ تھا اور وہ لوگ جنگلوں اور بستیوں میں شیش ناگ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ کچھ ایسے جادو منتر بھی چنگیزو کو آتے تھے جو شیش ناگ کی تلاش میں اس کے معاون ہو سکتے تھے۔

بہرحال چنگیزو نے کئی سال شیش ناگ کی تلاش میں گزار دیئے تھے، اس کا دوست ہارو اس سے کہتا تھا کہ وہ دوستی نبھانے کے لیے تیار ہے، لیکن جان لے کہ شیش ناگ ہے ضرور ہے لیکن ملتا نہیں ہے۔"

"میری بات کا برا مت ماننا ہارو، میں جانتا ہوں کہ ضرورت پڑنے پر تو میرے لیے جان بھی دے سکتا ہے لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری دو چھوٹی بیٹیاں اور بیوی ہے، انہیں تیری ضرورت ہے۔ اگر یہ کام آسان ہوتا اور اس بات کے امکانات ہوتے کہ شیش ناگ مجھے مل جائے گا تو میں تجھ سے بنتی کرتا کہ کچھ وقت اور میرا ساتھ دے...... لیکن اب میرا خیال ہے کہ تجھے جانا چاہیے۔"

ہارو نے گردن جھکائی۔ پھر افسردگی سے بولا۔ "میں سپنوں میں اپنی بچیوں کو دیکھتا ہوں، وہ مجھے بلاتی ہیں۔"

"تجھے جانا چاہیے میرے دوست۔"

چنگیزو نے ہارون کو واپس بھیج دیا اور تنہا جنگل گردی کرنے لگا۔ خاندانی سپیرہ تھا سانپوں اور ان کے بارے میں کافی معلومات رکھتا تھا، بے شک شیش ناگ اس نے بھی نہیں دیکھا تھا لیکن قبیلے کے بوڑھے سپیرے اسے بتاتے تھے کہ شیش ناگ یا ناگن کیا ہوتی ہے۔

وہ انہی نشانیوں کو ذہن میں رکھ کر جنگلوں اور بڑے بڑے میدانوں میں جہاں گھاس کی چادر بچھی ہوتی تھی شیش ناگ کو تلاش کرتا تھا۔ ہارو کو اس کے پاس سے گئے ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ایک دوپہر وہ ایک ایسے میدان میں جا نکلا جہاں تھوڑی تھوڑی بڑی جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں بھی اکثر سانپ پائے جاتے ہیں، لیکن

چنگیزو کو ذرا بھی امید نہیں تھی کہ ایسی جگہ شیش ناگ مل سکتا ہے۔ البتہ اس کی تجربے کار نگاہوں نے وہ دو لکیریں دیکھ لیں جو دور تک چلی گئی تھیں۔

یہ لکیریں بہت چوڑی تھیں اور ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ سانپ کی لکیریں ہوں۔ اتنے چوڑے چکلے سانپ کا تصور ذرا مشکل ہی تھا، اژدھوں کی چال دوسری ہوتی ہے۔ وہ عام طور سے سیدھے جاتے ہیں اور رک رک کر جاتے ہیں۔ ان کے رکنے سے تھوڑی سی مٹی ہٹ جاتی ہے، لیکن یہ لکیریں لہریئے دار تھیں اور لہریئے دار لکیریں صرف سانپ کی چال سے بن سکتی ہیں۔

وہ اچنبھے میں پڑ گیا اور پھر کافی دور تک اس نے لکیروں کا تعاقب کیا۔ چٹانی علاقے میں بہت زیادہ مٹی نہیں تھی۔ بس ہلکی ہلکی اڑنے والی گرد وہاں نشانات بنا دیتی تھی۔ جتنی گہری یہ لکیریں تھیں اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی وزنی سانپ ادھر سے گزرا ہے اور پھر ان لکیروں کا اختتام ایک بڑی جھاڑی پر ہوا تھا اور مزے کی بات یہ تھی کہ ایک جھاڑی سے باہر ایک کالی دم نکلی ہوئی تھی۔

نجانے کیوں چنگیزو کا دل زور سے دھڑکا اور اس نے بین نکال کر فوراً ہی بجانا شروع کر دی۔ اتنی مدھر بین بجاتا تھا، وہ کہ سانپ تو سانپ پورا قبیلہ ہی مست ہو جاتا تھا۔ بھلا کیا مجال کہ جب وہ بین کا آغاز کرے تو کوئی سانپ بے خود نہ ہو جائے۔

وہ بین بجاتا رہا اور نجانے کہاں کہاں سے پرندے اڑ اڑ کر اس کے پاس جمع ہونے لگے۔ وہ خود بھی بے خود ہوتا جا رہا تھا پھر جب وہ بین بجاتے بجاتے تھک گیا تو اسے ہوش آیا اور اس نے اس چوڑے پھن کو دیکھا جو چکی کے پاٹ جیسا تھا اور جھوم رہا تھا۔ اسے دیکھ کر چنگیزو کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی کیونکہ وہ پھن شیش ناگ کا نہیں تھا وہ ناگن تھی لیکن ایک ایسی ناگن جو عام طور سے ناگ رانی ہوا کرتی ہے۔

شیش ناگ اسے نظر نہیں آیا تھا، اگر شیش ناگ ہوتا تو وہ بھی جھوم رہا ہوتا، لیکن انہی جھاڑیوں میں اسے کچھ اور بھی نظر آیا۔ یہ ایک سوتا ہوا سانپ تھا اور اس مرتبہ چنگیزو ایک بار پھر دہشت زدہ ہو گیا۔ یہ شیش ناگ تھا لیکن وہ جس طرح پڑا ہوا تھا اسے دیکھ کر یہ احساس ہوتا تھا کہ شیش ناگ مردہ ہے۔

چنگیزو خوشی اور جذبات میں ناگن کو بھول گیا اور اس نے جھاڑیوں میں ہاتھ ڈال کر شیش ناگ کا پھن پکڑ لیا۔ شیش ناگ کسمسایا مگر ہوش میں نہیں آیا۔ تب چنگیزو نے وہ بڑی ٹوکری نکالی اور ناگ کو کھینچ کر ٹوکری میں ڈال دیا، جیسے ہی ناگ ٹوکری میں پہنچا ناگن نے

اپنا پھن سکوڑا اور خود بھی ٹوکری میں داخل ہو گئی۔

چنگیزو پھٹی پھٹی نگاہوں سے شیش ناگ کو دیکھ رہا تھا۔ یہ اندازہ اسے تھوڑی دیر میں ہو گیا کہ شیش ناگ زندہ ہے اور صرف بین کے زیر اثر بے خود ہے، پھر جب ناگ کے بدن میں کسمساہٹ ہوئی تو چنگیزو نے جلدی سے ٹوکری بند کر دی اور خوشی سے دیوانہ ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ سپیرو! میں تمہارا سردار ہوں، میرے پردادا، میں نے یہ کھویا ہوا منصب حاصل کر لیا ہے۔ میرے دادا اور میرے باپ اب تمہاری نسل کا ایک ز... سپیروں کا سردار ہے اور پھر اس نے وزنی ٹوکری بہنگی میں رکھی اور اپنے قبیلے کی جانب سفر کرنے لگا۔

جب وہ قبیلے میں پہنچا تو اس کا دوست ہارو اس سے دو دن پہلے ہی پہنچا تھا۔ چنگیزو سیدھا ہارو کے پاس گیا اور اس نے خوشی سے کپکپاتے لہجے میں بتایا کہ وہ شیش ناگ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

ہارو نے پورے قبیلے میں یہ خبر پھیلا دی اور چنگیزو کے گھر کے سامنے سپیروں کا ہجوم لگ گیا۔ یہاں تک کہ سردار کو بھی پتہ چلا اور سردار گونگا اپنے تمام جادو منتر لے کر چنگیزو کے پاس پہنچ گیا اور اس نے شیش ناگ کو دیکھ کر تصدیق کر دی کہ آخر کار چنگیزو نے وہ کر دکھایا جو صدیوں سے کوئی سپیرا نہیں کر سکا تھا۔ اس طرح اب بستی کی تقدیر کھلے گی۔ ہر شخص کو اتنا رزق ملے گا کہ اس کے پاس خرچ کرنے کی گنجائش نہیں ہو گی۔

ساری بستی میں چراغ روشن کر دیئے گئے اور جشن منایا جانے لگا۔ سولہ دن تک یہ جشن منایا گیا اور وہ تمام رسمیں دہرائی گئیں جو سپیروں کی بستی میں رائج تھیں اور پھر وہ منتر پڑھے گئے جن کی رو سے ناگوں سے معاہدہ کیا جاتا تھا کہ اتنے سال انہیں ان کے ساتھ رہنا ہو گا اور اس کے بعد انہیں آزادی دے دی جائے گی۔

شیش ناگ کی رہائش کے لیے ایک پہاڑی گپھا میں تیاریاں ہونے لگیں اور تمام تیاریوں کے بعد جادو ٹونوں کی آخری رسم ادا کی گئی۔ ناگ اور ناگن کو تیرہ سال کی قید دے دی گئی۔ اب انہیں تیرہ سال تک رہائی ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

چنگیزو کو قبیلے کا سردار بنا دیا گیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ چنگیزو قدرتی موت مر جائے یا پھر کوئی اتنا زہریلا سانپ ہو جو اسے ہلاک کر دے تبھی چنگیزو کی سرداری ختم ہو سکتی تھی۔

✿ ✿ ✿

ڈرائنگ روم میں ایک انتہائی حسین قد آدم فریم لگا ہوا تھا اور اس فریم میں بشیر بیگ کی

بہت ہی خوبصورت تصویر نظر آ رہی تھی۔ بشیر بیگ کو جس بات پر حیرت ہوئی تھی وہ اس کے نقوش تھے۔ کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ تصویر سو فیصد اسی کی تھی، لیکن اس تصویر میں جو لباس بشیر بیگ نے پہنا ہوا تھا ایسا لباس اس نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

بوڑھے شخص کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، اس نے کہا۔ "کیا سوچ رہے ہو حاتم؟"

"دیکھو بزرگو! بہت سی برائیاں کی ہیں زندگی میں لیکن جب سے نینا میرے پاس آئی ہے نجانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ برائیوں سے بچوں۔ میں نہیں جانتا بیوی کیسی ہوتی ہے اولاد کیا چیز ہوتی ہے، لیکن نینا کو دیکھ کر میرے دل میں خیال ابھرتا ہے جیسے میں اس کا باپ ہوں اور باپوں کا اپنی بیٹی کی موجودگی میں ایک فرض بن جاتا ہے کہ وہ بیٹی کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ دیکھو بزرگو میں تم سے سچ بولنا چاہتا ہوں کہ میں حاتم نہیں ہوں۔ میں ایک معمولی سا اچکا ہوں۔ پر تھوڑے دن پہلے قدرت نے میرا ہاتھ تھام لیا ہے اور وہ بھی میں سمجھتا ہوں کہ یہ نینا کی برکت ہے۔"

بوڑھا آدمی مسکرایا اور بولا۔ "اگر تم سمجھتے ہو تو پھر جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے تم اپنی بیٹی کی برکت سمجھو۔ دیکھو حاتم میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ سب کچھ میں تمہیں سونپ کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ نوکر چاکر مال دولت تمہارے نام ہے، کروڑوں روپیہ بینک میں پڑا ہوا ہے۔ جب تک بچی جوان نہ ہو جائے اور تم اس کی شادی کسی بہت اچھی جگہ نہ کر دو تم پر یہ ذمے داری ہے کہ تم بچی کی پوری نگہداشت کرو گے، اسے وہ سب کچھ دو گے جو اس کی طلب اور اس کی ضرورت ہے۔ میں تمہارے سارے قانونی معاملات پورے کر کے یہاں سے جاؤں گا تاکہ تمہیں بعد میں کوئی تکلیف نہ ہو۔"

"یہ کوٹھی اور یہ تمہارا سارا ساز و سامان۔"

"ہاں، اب تمہارا اور تمہاری بیٹی کا ہے۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں، ضروری کام کر کے تمہارے پاس واپس آؤں گا، کیا سمجھے؟"

"جیسا آپ پسند کرو۔" بشیر بیگ نے نڈھال لہجے میں کہا۔

اس تصور کے ساتھ کہ اب وہ اس شاندار کوٹھی میں مالک کی حیثیت سے رہے گا اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، بزرگ نے تمام ملازموں کو بلایا اور انہیں ہدایت کی حاتم ان کا آقا ہے اور وہ اپنا سب کچھ اسے سونپ کر یہاں سے جا رہے ہیں۔ سارے ملازمین پوری ایمانداری کے ساتھ حاتم کے احکامات کی پابندی کریں۔ بہرحال حاتم کو ایک کمرے میں منتقل

کر دیا گیا اور وہ اپنے دل و دماغ کو یہ تسلی دینے لگا کہ جو کچھ ہوا ہے وہ کوئی خواب نہیں
ہے، بلکہ خواب حقیقت بن گئے ہیں۔

پھر اسے تاجی اور نینا کا خیال آیا اور اس کا دل پھڑ پھڑانے لگا کہ ان کے پاس پہنچ
جائے اور انہیں یہاں لے آئے جبکہ بزرگ نے پہلے ہی اسے اجازت دے دی تھی لیکن وہ
فوراً ہی ان دونوں کو یہاں نہیں لانا چاہتا تھا۔ پہلے وہ اس بات کی تصدیق کر لینا چاہتا تھا کہ
جو کچھ ہوا ہے اس میں کوئی الٹ پھیر تو نہیں ہے، حالانکہ وہ بزرگ جس طرح کے تھے ان
کی کسی بات پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن بشیر بیگ چونکہ دوسری طرح کی زندگی گزار چکا
تھا، اس لیے اسے یہ سب کچھ خواب لگ رہا تھا۔

بزرگ نے تین دن اس کے ساتھ گزارے ان تین دنوں میں انہوں نے وہ تمام
کارروائی مکمل کر کے بشیر بیگ کے حوالے کر دی جس کی رو سے وہ اس کوٹھی اور اس بینک
بیلنس کا مالک تھا، جس کا تذکرہ بزرگ نے کیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے کہا۔ ”حاتم
میں تمہیں آخری ہدایت کر کے اب یہاں سے جانا چاہتا ہوں، آخری ہدایت یہ ہے کہ تم اپنا
نام حاتم ہی رکھ لینا۔ وہ شخص جو تمہاری یادداشت میں محفوظ تھا اسے بھلا دینا، کیا سمجھے؟“

”جی جناب، میں پوری پوری کوشش کروں گا۔“ بشیر بیگ نے جواب دیا اور بزرگ
نے گردن ہلا دی۔

بشیر بیگ کو یہ پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کب اور کہاں چلے گئے؟ سارے ملازمین ان
کے سامنے باادب رہتے تھے جب اسے پوری طرح اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس معاملے
میں کوئی کھوٹ کوئی گڑبڑ نہیں ہے تو آخر کار وہ اس عظیم الشان کوٹھی سے باہر نکل آیا۔

کوٹھی کے اندرونی حصے سے باہر نکلا ہی تھا کہ شاندار کار کا ڈرائیور اس کے پاس پہنچ
کر گردن جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

”حضور گاڑی تیار ہے۔“

”نہیں ڈرائیور، مجھے ایک ٹیکسی لا دو، میں اپنے خاندان کے دو افراد کو لے آؤں اس
کے بعد یہاں سے باقاعدگی کے ساتھ سارے کام ہوں گے۔“

ڈرائیور نے گردن خم کر دی۔ ٹیکسی آئی اور بشیر بیگ اس میں بیٹھ کر چل پڑا۔

اماں تاجی اور نینا سے رخصت ہوئے آج چوتھا دن تھا لیکن بشیر بیگ کو نینا کی طرف
سے مکمل اطمینان تھا۔ اماں تاجی بذات خود نینا پر مرمٹی تھی اور اس کا بہت خیال رکھتی تھی،
اسے اطمینان تھا کہ تاجی نے نینا کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دی ہو گی۔ باقی کسی چیز کی وہاں

نہیں تھی، وہ گھر پہنچ گیا اور اس کی توقع کے مطابق نینا اور تاجی بالکل خیریت سے تھیں۔
تاجی نے گردن اِدھر اُدھر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”بیٹا بشیرے تو نے تو مجھے مار ہی ڈالا تھا،
چھ دن آیا ہے تو نہ خیر نہ خبر۔ میرا دل کیسے کیسے ہول رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ اللہ
کرے، پتہ نہیں کیا بات ہو گئی کہ تو اطلاع دیئے بغیر اس طرح غائب ہو گیا۔“

”بس اماں تاجی یہ سمجھ لو کہ نینا کے آنے کے بعد زندگی میں ایک بہت بڑی تبدیلی
آ ہو گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ اللہ نے جب یہ بیٹی دی ہے مجھے تو اب ذرا باعزت زندگی
گزارنی چاہیے کیونکہ اماں تاجی! تمہیں معلوم ہے کہ بیٹیوں کا مسئلہ کیسا ہوتا ہے، ان کی اچھی
پرورش اور اس کے بعد عزت سے ان کی گھر سے رخصتی پھر سچی بات یہ ہے، اماں تاجی کہ
بچی کے میرے پاس آتے ہی میری تقدیر کھل گئی۔“

”ہاں بیٹا سو تو ہے، اب میں تجھے آج سے تو جانتی نہیں ہوں، تو سمجھتا ہو گا کہ اماں
بالکل بے وقوف ہے۔ ارے مجھے معلوم تھا تو کیا دھندے کرتا ہے۔ پر میں محسوس کر
رہی ہوں کہ اب تو تیری باتیں بھی بدل گئی ہیں۔ کیسی سمجھ داری کی باتیں کرنے لگا ہے۔
بیٹا یہ سچ ہے کہ جب انسان بیٹی کا باپ بن جاتا ہے تو اس کی جون ہی بدل جاتی ہے،
حالانکہ یہ تیری سگی اولاد نہیں ہے۔ پر اللہ نے تجھے اولاد ہی کی حیثیت سے دی ہے، کہاں رہ
تھا؟“

”میں نے کہا نا، اماں تاجی! کچھ کارروائیاں کر رہا تھا، اب کیسے میں تم سے کہوں کہ
سارا تام تباڑا اٹھاؤ بلکہ چھوڑ دو یہیں پر اور نئے گھر میں چلو تم نئے گھر کا نام سن کر ہی
حیران ہو گی۔“

”بیٹا حیرانی کی بات ہی ہے، ہمارے یہ گھر کیا برے ہیں؟“

”نہیں ماں برے تو نہیں ہیں، مگر جو میں تم سے کہہ رہا تھا تم نے اس پر غور نہیں کیا۔
جب انسان بیٹی کا باپ بن جاتا ہے تو ہر بات سوچنی پڑتی ہے، اب یہ بھی تو ہے نا کہ ہمیں
دور تک دیکھنا ہو گا۔ کم از کم گھر تو ڈھنگ کا ہونا چاہیے، بیٹی بیاہنی ہے آخر۔“

اماں تاجی ہنس پڑی پھر بولی۔ ”لے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اسے تیرے
پاس آئے ہوئے اور تو اسے بیاہنے کی سوچ رہا ہے۔ ارے بھیا، ابھی ہے کتنی چھوٹی سی۔
ایسے توتلے جملے بولتی ہے تو اتنی پیاری لگتی ہے کہ میں تجھے کیا بتاؤں؟“

بشیر بیگ خوش ہو کر بولا۔ ”یہ بولتی ہے اماں؟“

”لے پٹر پٹر باتیں کرتی ہے، ہاں نینا کون آ گیا بتاؤ؟“ نینا نے مسکرا کر بشیر بیگ کو

دیکھا اور بولی۔ ''تا تا جی۔'' بشیر بیگ خوشی سے سرشار ہو گیا اور مست لہجے میں بولا۔ ''ار
واہ میری بھتیجی تو نے مجھے پہلی بار ''تا تا جی'' کہا ہے، اتنا بڑا انعام دوں گا تجھے کہ تو بھی کیا
کرے گی۔ سمجھی اماں تاجی، اسے تا تا جی کہنے کا انعام دوں گا میں۔''

تاجی ہنسنے لگی اور بشیر بیگ نے چھوٹی موٹی تیاریاں کرنے کے بعد تاجی اور نینا
ساتھ لیا اور باہر آ گیا۔ پھر ایک ٹیکسی لے کر چل پڑا۔

ٹیکسی اس عالیشان کوٹھی کے سامنے رکی تو تاجی نے کہا۔ ''اے بیٹا یہ کس کا گھر ہے
''میری نینا کا۔'' بشیر بیگ مسکرا کر بولا اور بچی کو گود میں لے کر گیٹ سے اندر دا
ہو گیا۔ سب سے پہلے چوکیدار ہی نے اسے تعظیم دی تھی۔ تاجی حیران حیران بشیر بیگ
ساتھ اندر داخل ہو گئی۔ پھر کوٹھی کا اندرونی ماحول دیکھ کر تو تاجی کو غشی ہی آنے لگی۔

بشیر بیگ اسے لے کر اندر پہنچ گیا تھا، اس نے کہا۔ ''اماں، آؤ میں تمہیں تمہارا اور
کا کمرہ دکھا دوں۔''

''ہے تجھے خدا سمجھے، ہے تجھے خدا کی نیکی، کیا مذاق کر رہا ہے کس کا گھر ہے یہ؟''

''کہا نا اماں! یہ میری نینا کا گھر ہے۔''

اماں تاجی تو ایک ایک چیز کو دیکھ کر دیوانی ہو رہی تھی اور اس کی حالت بری تھی،
بار وہ بشیر بیگ سے پوچھتی تھی۔ ''کیا ہم یہیں رہیں گے۔''

''بس یہی سمجھ لو اماں تاجی، یہ سب کچھ اللہ نے ہماری نینا کو دیا ہے۔''

تاجی آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگی تھی اور نینا کو بری طرح چومنے لگی تھی۔

❀ ❀ ❀

بچوں کا بھی یہاں خوب دل لگ گیا تھا اور بابا ادریس علی خوش تھے۔ بیوی کا تو تھا
میکہ اور وہ بابا ادریس علی کے اس فیصلے سے بہت خوش تھی کہ اب وہ یہیں مستقل قیام کر
گے۔ بابا صاحب نے قالینوں کا کام چھوڑ کر مدرسی شروع کر دی تھی۔ ملازمت مل گئی تھی
رزق حلال جوان کی اولین ترجیح تھی، اکثر بیوی سے کہا کرتے تھے۔ ''جو لطف اس کام
ہے وہ کسی میں نہیں اور پھر سچی بات یہ ہے کہ پرانی قیام گاہ سے کچھ دل بھی اکتا گیا
یہاں ملنے جلنے والے بھی ہیں اور اچھے اور مخلص لوگ ہیں، چنانچہ بس میں تو اب یہیں
چاہتا ہوں۔''

''بڑا اچھا فیصلہ ہے آپ کا۔ سچی بات یہ ہے کہ مجھے بھی خوشی ہے، ماشاء اللہ
بڑے ہو رہے ہیں، ان کے لیے بھی بہت سے کام کرنا ہیں۔ یہاں کم از کم ہمدردی

والے تو موجود ہیں۔''

ادریس علی گردن ہلا کر خاموش ہو جاتے تھے۔ دل میں ایک تردد تھا تو بس یہ کہ بے
لی جاہ ان کی ایک فراخدلانہ کوشش کی وجہ سے الجھن میں پھنس گیا تھا۔ اب بھی کافی
ہیں آیا تھا۔ انہوں نے اس دن تنہائی میں عالی جاہ کو پکارا۔

''عالی جاہ! ہم نے تمہیں کبھی طلب کر کے زحمت نہیں دی اور صورت حال یہ ہے کہ
راتم سے وہ رشتہ بھی ختم ہو گیا لیکن تم سے ملاقات کرتے رہنے کو دل چاہتا ہے، ملو
ں۔''

اور جواب میں عالی جاہ کی آواز سنائی دی۔ ''میں حاضر ہوں بابا صاحب!'' ادریس علی
دگئے تھے انہوں نے کہا۔ ''حقیقت یہ ہے عالی جاہ کہ ہمارا تم سے ملتے رہنے کو دل
ہے اور ہمیں تم سے بات چیت کر کے بڑی خوشی محسوس ہوتی ہے۔''

''جی بابا صاحب! بس آپ کی تھوڑی سی سادگی نے مجھے الجھا دیا ہے۔''

''عزیزم! دوستی تو نبھائی جا سکتی ہے اور پھر غلام تو ہم نے تمہیں پہلے بھی کبھی نہیں سمجھا
گواہ ہو کہ ایک غلام کی حیثیت سے ہم نے تم سے کبھی کسی کام کے لیے نہیں کہا۔''

''خوش قسمتی تو وہی تھی میری بابا صاحب! ورنہ ایسے ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اپنے
دنا کوں چنے چبوا دیتے ہیں۔ بہرحال میں خود بھی حاضر ہو کر تفصیل بتانا چاہتا تھا، پہلی
یہ ہے کہ عرشیہ بیگم، چوہدری شاہنواز کے پاس واپس پہنچ گئی ہیں، لیکن ان کی یادداشت
ہے اور بابا صاحب اس یادداشت کی واپسی کے لیے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ رہا
اس بچی کا جس بے چاری کو اب تک بہت سے نام مل چکے ہیں اور جو بھٹک رہی
ہم نے آپ کو بتایا تھا کہ راج گندل نے جادو منتر کر کر کے اس کا پتہ لگایا تھا وہ اپنے
سے بہت دور ہو چکا ہے اور شاید کسی برے حال میں ہے۔ جب وہ خیر محمد کے پاس
اس سے پہلے ہم نے وہاں اس طرح کا ماحول پیدا کر دیا کہ خیر محمد کو اسے یتیم خانے
انا پڑا۔ مگر وہاں سے ہم نے بچی کو ایک اور خاندان میں منتقل کر دیا۔ اس کی وجہ سے
ان کو بہت کچھ ملتا رہا۔ راج گندل نے اپنا پورا جادو داؤ پر لگا کر سانپ کی شکل اختیار
ر وہاں جا پہنچا، لیکن اس سے پہلے ہی ہم نے ایک ایسا چکر چلا دیا کہ لڑکی وہاں سے
خصت ہو گئی اور اس کے بعد وہ ایک نیک دل لیکن برے حال نوجوان بشیر بیگ کے
پہنچا جس نے اسے کلیجے سے لگا کر رکھا تو ہم نے بشیر بیگ کو ایک اعلیٰ مقام دے دیا
اب وہ ایک شاندار کوٹھی میں رہتا ہے اور بچی کی پرورش کر رہا ہے۔ راج گندل

ہمارے علم کے مطابق کسی ایسے عذاب میں گرفتار ہو گیا ہے جس کے بارے میں ہمیں کچھ
معلوم، نہ ہم اس کا پتہ لگا سکتے ہیں کیونکہ بعض معاملات میں ہمارے اختیارات بھی محد
ہیں، بہرحال ابھی طویل عرصے تک بچی اور عرشیہ بیگم محفوظ ہیں۔ ہمیں ایک خدشہ ہے با
صاحب۔ وہ یہ کہ جیسا ہم نے آپ کو بتایا، کوئی بھی عامل اگر مکمل عمل کر لے تو کسی بھی جن
اس وظیفے کے تحت عامل کی تحویل میں جانا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک ترتیب ہوتی ہے ا
مخصوص کر دیا جاتا ہے کہ اس بار کس جن کو کس کے قبضے میں جانا ہوگا۔ ہمیں خدشہ ہے ک
شاید ہماری آزادی کے دن مختصر ہو جائیں اور ہمیں کسی عامل کی تحویل میں جانا پڑے۔
ایک دکھ ہمارے دل میں پیدا ہو گیا ہے، ہمارے لیے دعا فرمایئے کہ اگر کہیں جانا بھی پڑے
تو ایسے لوگ نہ ہوں جو ہمارا جینا حرام کر دیں۔"

بابا ادریس علی افسردہ ہو گئے تھے۔ "ہمارے اس عمل کا یہ پہلو افسوسناک ہے۔ بخدا
نے تو خلوص نیت سے ایک دوست کو غلام بنائے رکھنے سے گریز کیا تھا۔ بہرحال کہیں
تحویل میں جانے کے بعد بھی تمہیں وقت تو ملے گا۔"

"ہاں...... کیوں نہیں لیکن ایک مشکل پیش آ سکتی ہے۔ اگر صاحب عمل نے کوئی نا
حکم دے دیا تو...... ہم قیدی کی حیثیت بھی اختیار کر سکتے ہیں۔"

ادریس علی افسردہ ہو گئے تھے۔

وہ گہری سوچوں میں ڈوبے رہے، پھر بولے۔ "عالی جاہ! پریشان نہ ہو، تمہاری
ردگی ہمیں دکھ دے رہی ہے، بخدا یہ بات ہمارے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ بات صرف
ی ہے کہ اپنی ذات کے لیے کچھ کرتے ہوئے ایک خوف کا احساس دل میں رہتا ہے۔
ہیں کوئی نقصان نہ ہو جائے لیکن خیر پہلی بار اپنی ذات کے لیے بھی کچھ کریں گے کیونکہ
ہاری پریشانی ہماری پریشانی ہے اللہ مالک ہے۔"

"اور کیسی عجیب بات ہے بابا ادریس کہ عام طور سے لوگ جنوں کے لیے وظیفہ پڑھ
ر انہیں قابو میں کرتے ہیں اور پھر ان سے اپنے مفادات کے لیے کام لیتے ہیں لیکن میں
ہلا جن ہوں جو کسی بزرگ سے یہ درخواست کر رہا ہے کہ میرے لیے کچھ کریں، مجھے کسی
یے شخص کے قبضے میں نہ جانے دیں جو میرے لیے عذاب جاں بن جائے۔"

"اللہ بہتر کرے گا۔" بابا ادریس علی نے جواب دیا۔

❀ ❀ ❀

راج گندل لحہ لحہ مر رہا تھا۔ اس کے گناہوں کا حساب ہو رہا تھا۔ اپنا دھرم تو خیر کھو ہی
کا تھا، کالے دھرم میں آ گیا تھا، لیکن کالے دھرم میں آنے کے بعد اس نے جو زندگی
گزاری تھی وہ بہت عیش کی زندگی تھی۔ لوگوں کو نقصان پہنچانے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا
ھا، نہ جانے کس کس کے لیے کیا، کیا تھا، لیکن اب اس کے لیے کوئی کچھ کرنے والا نہیں تھا
ر نوبت یہاں تک آ گئی تھی کہ اب وہ سپیروں کا قیدی تھا۔ چنگیزو نے اسے تیرہ سال کے
لیے مفلوج کر دیا تھا۔ یہی شکر تھا کہ چتر نندی اس کے پاس موجود تھی۔ یہ ویران پہاڑ جس
کی ایک گپھا میں وہ قیدیوں کی زندگی گزار رہے تھے دور دراز کے علاقے میں تھا اور یہ ایک
راج سے جادو نگری تھی، جہاں سپیرے اپنے قیدی سانپوں کو رکھا کرتے تھے۔ یہ ناگوں کے
ہاری ناگ دیوتاؤں سے محبت کرنے والے اپنے الگ جادو منتر رکھتے تھے اور ان کے
ہارے کام بالکل مختلف ہوا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ راج گندل اس بارے میں کچھ

نہیں جانتا تھا، چتر نندی خوش تھی اور کہتی تھی۔ ''مجھے اس کی کوئی چنتا نہیں ہے۔ میرے شیش ناگ! کہ میں یہاں قیدی ہوں۔ ہاں میں اس وقت مر جاتی جب میں اکیلی ہوتی اور ا سپیروں کی قید میں ہوتی۔''

''چتر نندی تو ناگن ہے کوئی ایسی کوشش کر کہ ان کے چنگل سے نکل جائیں۔''

''شیش دیوتا تیرے آگے میں کچھ بھی نہیں ہوں، میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتی''

''افسوس تو یہی ہے چتر نندی کہ میں شیش ناگ نہیں ہوں۔''

''اگر تو ناگ نہیں ہے تو پھر کون ہے؟''

''بس یہ سمجھ لے کہ اپنی راجدھانی سے محروم ایک ایسا راجہ ہوں جس کا سب کچھ چھ گیا ہے۔''

چتر نندی حیرانی سے اسے دیکھتی رہی، پھر تعجب بھرے لہجے میں بولی۔ ''شیش ناگ تجھے ناگ دیوتا کی سوگند مجھے بتا تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟''

''ہاں چتر نندی میں ناگ نہیں ہوں انسان ہوں۔''

''...... انسان...... یہ کیسے ہو سکتا ہے، ناگ یا شیش ناگ اگر ہزار سال کی عمر پالے اس کے اندر جون بدلنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کوئی بھی صورت اختیار کر سکتا پر ایک منش ایک انسان جون بدل کر ناگ کیسے بن سکتا ہے اور ناگ بھی شیش ناگ۔''

''چتر نندی بس یوں سمجھ لے کہ مہاشکتی حاصل کرنے کے جنون میں اپنی ساری قوتیں کھو بیٹھا اور یہاں تک کہ اپنے ایک مقصد کے حصول کے لیے شیش ناگ بن گیا۔''

''ہے ناگ مہا دیو، یہ تو بڑی عجیب بات ہے، بہت ہی عجیب بات ہے یہ۔''

''ہاں بس ہے۔''

''عجیب بات یہ ہے میرے شیش ناگ کہ میں بھی مکمل ناگن نہیں ہوں۔''

''کیا؟'' راج گندل چونک پڑا۔

''ہاں اس کے پیچھے ایک انوکھی کہانی ہے۔''

''کیا؟'' راج گندل نے سوال کیا۔

''چتر نندی زمین پر بل کھانے لگی۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح زمین پر لوٹتی رہی، پھر بولی۔ ''میں پوری ناگن نہیں ہوں، میرا پتا انسان تھا اور ماں ناگن۔''

''چتر نندی اگر تو مجھے کوئی کہانی سنا رہی ہے تو ایسی جھوٹی کہانی مجھے مت سنا۔''

''نہیں میرے شیش میں تجھ سے کوئی جھوٹ نہیں بول سکتی یہ کہانی بہت پہلے شرو

تھی اس سے جب دریائے کوہلا میں زبردست باڑھ آئی تھی۔ کوہلا بہت وسیع و عریض تھا، بے شمار داستانوں کا امین، بستی سندالیہ کوہلا ہی کے کنارے آباد تھی، کوہلا نے اس علاقے کو مالا مال کر دیا تھا۔ قدرتی حسن اور ضروریات کی دوسری چیزوں سے آراستہ یہ علاقہ دیکھنے والوں کے لیے بہت ہی حسین تھا، کوہلا کی تاریخ صدیوں پرانی تھی۔ یہ دریا ہزاروں سال سے اس علاقے میں رہنے والوں کی کہانیوں سے واقف تھا۔ حسن و جمال میں بے مثال اس دریا کے کنارے آباد بستی سندالیہ کے لوگ کوہلا کی اسی طرح عزت کرتے جیسے کسی بوڑھے بزرگ کی۔ کوہلا کو پوجا جاتا تھا۔ طرح طرح کے جادو منتر اس کے کنارے ہوا کرتے تھے، سال میں ایک بار بہت بڑا جشن بھی منایا جاتا تھا۔ بستی سندالیہ میں کوہلا جہاں سے گزرتا تھا وہاں سے تھوڑے فاصلے پر پہاڑوں کی بلندیوں سے ایک عظیم آبشار بھی گرتا تھا اور جہاں یہ پانی کوہلا میں گرتا تھا وہاں پانی کی سفید دھند بیس پچیس فٹ اونچی اٹھتی تھی اور ہر وقت پانی کی سفیدی یہاں دیکھی جا سکتی تھی۔ پانی کی سفیدی کے اردگرد چٹانوں پر سبزہ نکل آیا تھا اور ایسی ہی ایک چٹان پر بیٹھا ہوا ہامون بڑی افسردگی سے ان دونوں بوڑھوں کی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اسی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہامون کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا، وہ اسی بستی میں پیدا ہوا تھا اسی میں پلا بڑھا تھا۔ اسی میں اس نے ہوش سنبھالا تھا۔ اسی میں اس کی آرزوئیں جوان ہوئی تھیں۔ لیکن بدقسمتی یہ تھی کہ اس بستی میں اس کا کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک تنہا درخت کی مانند تھا سب کو اپنا سمجھنے والا اور یہ احساس کرنے والا کہ ان میں سے اپنا کوئی بھی نہیں ہے۔ کہیں سے اسے محبت، کہیں سے پیار نہیں ملے گا محبت اور پیار کو ترسا ہوا یہ نوجوان لڑکا جس نے زندگی گزارنے کا ذریعہ جنگل کے درختوں کو ہی بنایا تھا۔ ہامون جنگل میں درختوں کو کاٹتا تھا اور ان کی مختلف چیزیں بناتا تھا۔ جھونپڑوں میں استعمال ہونے والے دروازے ایسی چوڑی چھتیں جو خوبصورت گھر بنانے کے کام آتی تھیں۔ یہی اس کا کام تھا، اپنے کام کے سلسلے میں اپنی بستی کے ایک بزرگ کے گھر پہنچا تھا وہاں دو بزرگوں کے درمیان اپنے بارے میں گفتگو ہوتے دیکھ کر رک گیا تھا۔ بزرگوں نے اسے نہیں دیکھا تھا ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔

''نہیں، مجھے اپنی بیٹی اس قدر بھاری نہیں ہے کہ میں اس کی شادی ہامون کے ساتھ کر دوں۔ تم ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو وہ لاوارث ہے، بہت چھوٹا سا جھونپڑا ہے اس کا، تنہا رہتا ہے اور کیا کر سکتا ہے وہ۔''

''ویسے تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن ایک بات سنو۔ بے شک وہ تنہا ہے لیکن کیا بستی

میں ایسا کوئی آدمی تلاش کر سکو گے جو یہ بات کہہ دے کہ ہامون ایک اچھا انسان نہیں
ہے۔"

"تمہارا یہ کہنا ٹھیک ہے، وہ بے شک ایک اچھا انسان ہے لیکن ہم لوگ اب ایسا تو
نہیں کر سکتے کہ اپنی بیٹیاں اسے دے دیں۔"

"اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو میں بے شک اسے ہامون کا گھر بسانے کے لیے آمادہ کر لیتا۔"

"لیکن میں نہ اپنی بیٹی کو آمادہ کر سکتا ہوں اور نہ خود اس کے لیے آمادہ ہوں۔"

ہامون نے یہ الفاظ سنے اور وہاں سے واپس چلا آیا۔ بے شک وہ اس کام سے نہیں
گیا تھا اور نہ ہی اس نے کبھی یہ سوچا تھا کہ وہ کسی سے اپنی شادی کا تذکرہ کرے۔ ایک چھوٹا
سا جھونپڑا تھا اس کا جس میں اس نے ہر چیز جمع کر لی تھی، وہ سب کچھ جو زندگی کی اہم
ضرورت ہوتی ہے۔ اسے دولت کی آرزو نہیں تھی، لیکن جوانی کے وہ سارے خواب اس کی
آنکھوں میں بھی آتے تھے جن میں ایک حسین وجود کروٹیں بدلتا رہتا تھا۔ اس حسین وجود کی
کوئی شکل نہیں تھی، وہ چہرہ دھند میں لپٹا ہوا سا محسوس ہوتا تھا اور یہ دھند کبھی اس کی آنکھوں
میں واضح نہیں ہوئی تھی، وہ نہیں جانتا تھا کہ اس چہرے کے نقش کیسے ہیں۔ اکثر اس کے
ذہن میں یہ بے نقش وجود کروٹیں بدلتا رہتا تھا اور اس وقت اس کی دلی آرزو ہوتی تھی کہ
کاش وہ اس چہرے کو دیکھ سکے اس وقت بھی وہ اس چٹان پر بیٹھا ہوا یہی باتیں سوچ رہا تھا،
میں نے تو نہیں کہا ہے کہ کوئی مجھے اپنی بیٹی دے دے، میں تو بستی کے ہر فرد کو اپنا سمجھتا ہوں
یہ لوگ مجھے اچھا کہنے کے باوجود مجھ سے اس قدر دور ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا میرا سینہ بستی کے
دوسرے جوانوں سے کم چوڑا ہے، کیا میرا قد ان کے قد سے چھوٹا ہے، کیا میری محنت ان کی
محنت سے کم ہے، پھر آخر کیوں مجھے یہ اتنا بیگانہ سمجھتے ہیں۔ ہامون کو یہ سوچتے ہوئے بہت
دکھ ہو رہا تھا اور وہ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس سفید دھند کو دیکھ رہا تھا جو باڑھ کے گزر
جانے کے بعد اور حسین ہو گئی تھی اور کبھی کبھی اس کی باریک باریک چھینٹیں ہامون کے بدن
پر آ پڑتیں تو ہامون کو یہ محسوس ہوتا جیسے کوئی اسے تھپک تھپک کر تسلیاں دے رہا ہو۔

اس وقت بھی موسم کافی سرد تھا اور فضا میں ایک عجیب اداسی طاری تھی کہ ہامون نے
ایک رنگ کو دیکھا ایک انوکھا رنگ جو اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ یہ رنگ اس سفید
دھند میں چمکا تھا۔ سفید دھند میں اس نے کبھی سرخی نہیں دیکھی تھی، یہ سرخی کیا اس کی آنکھوں
کا دھوکہ ہے۔ ایک لمحے کے لیے آنکھوں میں اتر جانے والا کوئی رنگ یا پھر کچھ اور لیکن
بات ایک لمحے کی نہیں تھی، وہ سرخ رنگ مسلسل لہرا رہا تھا۔ فطری تجسس کے تحت وہ دیر تک

اس رنگ کو دیکھتا رہا۔

ہامون کو جب دیر تک یہ سرخ رنگ نظر آتا رہا تو اس نے سوچا کہ ذرا اندر جا کر دیکھا
جائے۔ حالانکہ بہت کم لوگ اس دھند میں داخل ہوا کرتے تھے کیونکہ وہاں کپڑے بھیگ
جاتے تھے۔ وہ بہر حال ایک خطرناک جگہ تھی، لیکن ہامون آہستہ آہستہ اس دھند میں داخل
ہو گیا اور جیسے ہی وہ اس دھند میں داخل ہوا اس نے سرخی کا مرکز پا لیا یہ ایک بڑا کپڑا تھا جو
کسی انسانی جسم پر تھا اور یہ انسانی جسم جو کچھ بھی تھا اسے دیکھ کر ہامون کی جان کھنچ کر
آنکھوں میں آ گئی۔

گہرے لمبے سیاہ بال، سلگتا ہوا حسین چہرہ، لیکن سب سے خوفناک چیز اس کا وجود تھا۔
ہامون اسے دیکھ کر چکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ حیرانی سے یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کون ہے جو اس
طرح پانی میں پڑا ہوا ہے وہ یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ حسین وجود جو آبشاروں کی بلندی سے
زمین تک آیا ہے اپنے بدن کی کتنی ہڈیاں تڑوا چکا ہے۔ اس کے بدن میں زندگی کا کوئی
نشان باقی ہے یا پھر وہ صرف ایک لاش ہے، وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچا اور اس نے
جھک کر بغور دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ سانس لے رہی ہے۔ وہ زندہ ہے اور کسی
حادثے کا شکار ہوئی۔ اپنی بستی کے تقریباً تمام ہی افراد کو وہ جانتا تھا۔ اس لڑکی کو بھی اس
کے لیے اجنبی نہیں ہونا چاہیے تھا لیکن وہ اس بستی کی نہیں تھی۔ اس کے نقوش سانولے لیکن
بے حد پرکشش تھے۔ ہامون اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا اور کچھ دیر کے بعد
اس کی آنکھوں کے پپوٹوں میں جنبش ہونے لگی، پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے
ہونٹ کپکپائے اور اس کی مترنم آواز ابھری۔

"میں کہاں ہوں۔"

"بستی سندالیہ میں۔ کیا تم سندالیہ کو جانتی ہو۔"

"نہیں۔" اس نے معصومیت سے کہا۔

"کہیں اور سے آئی ہو، تمہاری بستی کا کیا نام ہے اور تم یہاں تک کیسے پہنچیں۔"

وہ جیسے ماضی کو یاد کرنے لگی، پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بولی۔ "انہوں
نے مجھے دریا میں پھینک دیا تھا، وہ مجھے مار دینا چاہتے تھے۔ وہ میرے دشمن تھے۔" وہ
سسکیاں لینے لگی۔

ہامون نے ہمدردی سے کہا۔ "لیکن اب تم دشمنوں میں نہیں ہو۔"

"میں لاوارث ہوں۔ نہ جانے یہاں کیسے پہنچ گئی۔ اب میں کہاں جاؤں گی۔"

"تم فکر مت کرو۔ سندالیہ کا سردار بہت اچھا ہے، وہ تمہیں ضرور پناہ دے گا۔ میں تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا۔ تمہارے دشمن ہماری بستی میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔" اور ہامون نے ایسا ہی کیا۔

سردار نے اس سے پوچھا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

"سائیکانا۔"

"کیا تم یہاں رہنا چاہتی ہو۔"

"ہاں۔ مجھے اس ہمدرد انسان کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں مجھے یہ پسند ہے۔"

سردار نے ہامون سے کہا۔ "ہامون تو اگر چاہے تو اس لڑکی کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔"

ہامون کا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔ اس نے گردن خم کر کے کہا۔ "عظیم سردار میں تیرے حکم پر گردن جھکاتا ہوں۔"

اس طرح سائیکانا ہامون کی زندگی میں شامل ہو گئی اور ہامون کا گھر آباد ہو گیا۔ سائیکانا کا حسن بے مثال تھا اور بستی کے لوگ ہامون کی تقدیر پر رشک کرتے تھے اور ہامون بے حد خوش تھا۔

سائیکانا ایک اچھی بیوی تھی۔

کافی دن اچھے گزر گئے۔ ہامون بے پناہ محنت کرتا تھا تاکہ اپنی بیوی کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھے لیکن ایک دن وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اس رات کسی سرسراہٹ سے اس کی آنکھ اس وقت کھل گئی جب وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ آنکھ کھلنے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے نگاہ اٹھا کر چاروں طرف دیکھا۔

تب اس نے اپنی جھونپڑی کے دروازے سے کسی سانپ کی دم کو باہر نکلتے دیکھا۔ اس کے حلق سے "سانپ" کی چیخ نکلتے رہ گئی کیونکہ اس کی نگاہ سائیکانا کے بستر پر پڑی تھی۔ وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ اس نے ایک لمبی کالی ناگن کو تیزی سے ایک طرف جاتے دیکھا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ حیرت اس بات پر تھی کہ سائیکانا کہاں گئی۔ اور ناگن یہاں جھونپڑے میں کہاں سے آ گئی۔

وہ واپس اندر آ گیا۔ کچھ دیر اندر بیٹھا انتظار کرتا رہا پھر جب خوب دیر ہو گئی تو دوبارہ باہر آیا اور آس پاس سائیکانا کو تلاش کرنے لگا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ بڑی پریشانی کے عالم میں وہ واپس جھونپڑے میں آیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ سائیکانا اپنے بستر پر موجود ہے اور گہری نیند سو رہی ہے۔

ہامون کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ سائیکانا کو جگا کر اس سے پوچھے کہ وہ کہاں چلی گئی تھی لیکن پھر اس نے یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔ سائیکانا جس طرح بے خبر سو رہی تھی ہامون اسے جگا نہ سکا اور اپنے بستر پر جا کر دراز ہو گیا لیکن دوسری صبح اس نے اس سے سوال کر ہی ڈالا۔ "رات کو تم کہاں چلی گئی تھیں؟"

"رات کو؟"

"ہاں...... ہمارے جھونپڑے میں ایک کالا ناگ یا ناگن گھس آئی تھی، میری آنکھ اس کی سرسراہٹ سے کھل گئی تو میں نے اسے باہر نکلتے دیکھا۔ تمہارے بستر پر نگاہ پڑی تو تم موجود نہیں تھیں۔ میں باہر دور دور تک تمہیں تلاش کرتا رہا۔"

سائیکانا تشویش سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔ "تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے ہامون پچھلے دنوں سے میں تمہیں بیمار محسوس کر رہی ہوں۔ تم شاید ڈراؤنے خواب بھی دیکھنے لگے ہو۔"

"خواب؟"

"تو اور کیا۔ میں ساری رات گہری نیند سوتی رہی ہوں اور میں نے کبھی اپنے جھونپڑے میں کوئی سانپ نہیں دیکھا۔"

"تو تمہارے خیال میں کوئی خواب دیکھا تھا میں نے۔"

"ہاں میں دید سے تمہارے لیے کوئی دوا لاؤں گی۔"

"تعجب ہے یہ کیسا خواب تھا۔" ہامون خاموش ہو گیا۔

"بہت دن گزرے۔ پھر ایک رات۔"

اچانک چتر نندی رک گئی اور راج گندل چونک پڑا۔ اسے اس پرسحر داستان میں بہت لطف آ رہا تھا۔ جب چتر نندی دیر تک کچھ نہ بولی تو راج گندل نے کہا۔ "تم خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"کوئی آ رہا ہے شیش، کیا تم آنے والوں کی آہٹیں نہیں سن رہے۔"

تب راج گندل نے غور کیا واقعی کئی افراد پہاڑوں کی بلندیاں طے کر رہے تھے۔ پتہ نہیں کون تھے۔

✿ ✿ ✿

رفتہ رفتہ عرشیہ کے اندر تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ پہلے اس کے انداز میں شاہنواز کے لیے ایک بے رخی سی تھی لیکن شاہنواز کا رویہ اسے موم کرتا جا رہا تھا۔

"پہلے میں بہت برا انسان تھا، میرے دل میں محبت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ پر عرشیہ

میں نے تمہیں دیکھا اور محبت کی پہلی کونپل میرے دل میں پھوٹی اور پھر میں نے تمہیں حاصل کر لیا اور اب...... اب تمہارے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

"میرے دل کا خالی گوشہ پر ہو جائے شاہنواز، میں تمہاری عرشیہ تمہیں واپس دلاؤں گی۔ عرشیہ تمہیں واپس دلاؤں گی۔" عرشیہ کہتی۔ اس کی واپسی شروع ہوئی تھی اس نے وقت سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

دوسری طرف شاہینہ اب مایوس ہو گئی تھی۔ اس نے سب کچھ کر لیا تھا، لیکن اس کی چھت اسے واپس نہیں مل سکی تھی۔ کیا کیا جتن نہیں کر لیے تھے اس نے۔ ایمان تک کھو بیٹھی تھی۔ سب کچھ برداشت ہو جاتا ہے لیکن محبت کا پیوند نہیں برداشت ہوتا تھا۔ نتیجے میں بیمار پڑ گئی اور کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکا۔

پھر ایک دن اس وقت جب شاہنواز، عرشیہ کے پاس بیٹھا اس کی دلجوئی کر رہا تھا اسے بڑی حویلی سے شاہینہ کی موت کی اطلاع ملی۔

"کیا؟" وہ حیرت سے چونک پڑا

"جی چوہدری صاحب جب ان کی خادمہ ان کے لیے چائے لے کر گئی تو وہ۔"

"اوہ۔" شاہنواز کے منہ سے افسوس بھری آواز نکلی۔

عرشیہ بھی دنگ رہ گئی تھی۔ اس نے غم بھری آواز میں کہا۔ "آپ جانتے ہیں چوہدری صاحب! میں بے قصور ہوں میں نے کبھی ان کے حقوق پامال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"شاید ٹھیک ہی ہوا۔ وہ مجھے نہیں بھول سکتی تھی اور میں تمہیں۔" چوہدری شاہنواز نے غم آلود لہجے میں کہا اور بڑی حویلی جانے کی تیاری کرنے لگا۔

✿ ✿ ✿

بشیر بیگ اب کلی طور پر حاتم علی ہو گیا تھا۔ عالی جاہ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، سارے کام کر دیئے تھے اور اب بشیر بیگ ایک دولت مند آدمی تھا۔ دولت جب آتی ہے تو عقل بھی ساتھ لاتی ہے۔ چنانچہ بشیر بیگ کو رہنے سہنے کا سلیقہ بھی آتا جا رہا تھا۔ وہ قیمتی سوٹ پہننے لگا تھا، شان سے گاڑی میں بیٹھتا تھا۔ تاجی بھی خوش تھی۔ نینا سے اسے بہت محبت ہو گئی تھی۔ تاجی نے ایک دن بشیر بیگ سے کہا۔ "بیٹا بشیر بیگ شادی کر لے۔"

"ارے اماں چھوڑ کیسی باتیں کرتی ہے۔ مزے کی زندگی گزر رہی ہے اسے یونہی رہنے دے۔"

"اے بیٹا کون سی عمر چلی گئی، بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ یہ عمر ہے تیری شادی کرنے

"سچ پوچھ تو اماں تاجی! ہمت نہیں پڑتی۔"

"کیوں۔"

"ارے اماں تاجی! تھے تو بشیر بیگ اچکے۔ نہ ذات پات کا پتہ، نہ ماں باپ کا ٹھکانہ۔ کسی اچھے گھر میں رشتہ تو مل جائے گا مگر تھوڑے ہی دن میں پول کھل جائے گی۔ آدھا شہر بشیر بیگ کو جانتا ہے، نام سنیں گے حاتم تو جوتے لے کر دوڑیں گے۔ پڑا رہنے دے اماں کونے میں، مزے کر رہے ہیں تو بھی اور میں بھی۔"

"ارے مجھے بھی تو اماں کہتا ہے تو۔"

"ہاں تو پھر؟"

"جہاں رشتہ لے کر جائے مجھے اپنی ماں بتا دینا۔" تاجی نے کہا۔

"ٹھیک کہا تو نے۔ کام وہیں سے شروع ہو جائے گا تو ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر روٹی پر دال رکھ کر کھانے والی۔ لوگ حاتم کی اصلیت آسانی سے سمجھ جائیں گے۔"

"ایک بات تجھ سے کہوں بشیر بیگ روٹی پر دال رکھ کر کھانے کا اپنا ہی مزا ہے۔ ساری روٹی دال میں سن کر چٹپٹی ہو جاتی ہے اور پھر۔"

اسی وقت ایک طرف سے نینا کے ہنسنے کی آواز ابھری اور دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ ان کی باتوں پر ہنس رہی ہے۔

بشیر بیگ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "اس کی سمجھ میں کیا آیا۔"

"ایسا نہ کہہ بشیر بیگ۔"

"کیوں؟"

"اللہ رکھے پوری سمجھ دار ہے یہ۔ ہر بات سمجھتی ہے بلکہ اب تو بولتی بھی ہے اور جو کچھ بولتی ہے وہ بڑی سمجھ داری کی بات ہوتی ہے۔"

"تو ہوگی نہیں۔ بڑی ہو گئی ہے پیروں چلتی ہے۔"

"یہ بات نہیں بشیر بیگ اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ میں تجھ سے ایک بات کہوں۔ کسی پیر فقیر کا "سایہ" ہے، اس پر۔ اپنی عمر سے بہت بڑی ہے۔ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کتنی بڑی ہو گئی ہے اور پھر بشیر بیگ خدا لگتی کہیو۔ کیا اس کے آنے کے بعد سے ہی ہمارے دن نہیں پھرے ہیں نا۔"

بشیر بیگ متاثر ہو گیا۔ اور بولا۔ "یہ بات تو ہے اماں۔"

"بیٹا میں تو اس کا بڑا خیال رکھوں ہوں۔ وضو سے رہتی ہوں اس کے ساتھ۔"
"اچھی بات ہے اماں۔" بشیر بیگ سوچ میں ڈوب گیا۔

❀ ❀ ❀

آنے والے کئی سپیرے تھے سپیروں کا سردار چنگیزو سب سے آگے تھا، لیکن اس کے آگے چار سپیرے تھے جو ایک خاص طرح کا جال تانے سردار کے سامنے چل رہے تھے تاکہ ناگ سردار پر حملہ نہ کر دیں۔ سردار کے ساتھ ایک عجیب الخلقت بوڑھا آدمی تھا جو بالکل سوکھے ہوئے ڈھانچے کی مانند تھا، اس کے گال پچکے ہوئے اور ناک طوطے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی، ہونٹ دھنسے ہوئے اور آنکھیں الو کی آنکھوں کی طرح گول تھیں۔

سردار چنگیزو کی آواز ابھری۔ "شیش دیوتا۔ آج ناگ پنچمی ہے۔ میں تیری آرتی اتارنے آیا ہوں۔ ہمارے سپیرے آج تیرے درشن کر کے ناگ پکڑنے جا رہے ہیں۔ ناگ پکڑ کے ان کا زہر نکال کر بیچنا ہمارا پیشہ ہے۔ اس سے ہمارے پریوار پلتے ہیں۔ انہیں آشیرواد دے تو ہمارا دیوتا ہے اور ہم تیرے سائے میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں۔"

راج گندل صورتحال کو سمجھ رہا تھا۔ تیرہ سال ان کی قید میں گزارنے تھے، ان سے اچھے تعلقات ضروری تھے، چنانچہ اس نے پھن کھڑا کیا اور پھنکاریں مارنے لگا۔ سپیرے خوش ہو گئے اور جے جے کار کرنے لگے۔ لیکن راج گندل نے اس سوکھے ہوئے بوڑھے کو عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھا تھا، اس کی گول گول آنکھوں میں ایک عجیب سی بے اعتباری تھی۔

سپیرے نعرے لگا رہے تھے خوش ہو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اب شیش ناگ ان کے قبیلے میں ہے۔ ان کی جے ہی جے ہے۔ پھر دوسری رسمیں ہونے لگیں۔ آخر میں دودھ کا ایک بڑا سا کونڈا رکھا گیا اور سپیرے اسی طرح جال سنبھالے الٹے قدموں واپس چلے گئے۔

جب آخری آدمی بھی باہر نکل گیا تو چتر نندی نے کہا۔ "منش بھی کیسا باولا ہے۔ بس اپنے حق کو شانتی دیتا ہے، اب تم بھلا یہاں قید رہ کر ان کی کیا سیوا کر سکتے ہو۔"

راج گندل نے اس بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا وہ گہری سوچ میں تھا پھر اس کے منہ سے نکلا۔ "وہ کون تھا؟"

"تم اس سوکھے بدن والے بوڑھے کے بارے میں سوچ رہے ہو۔"

"ہاں۔" راج گندل چونک کر بولا۔ "کون تھا وہ۔ تم جانتی ہو۔"

"لو میں کیا جانوں۔ میں تو خود تمہارے ساتھ یہاں آئی ہوں۔" چتر نندی نے کہا۔

"تو پھر تمہارا دھیان ادھر کیسے گیا؟"

"وہ مجھے عجیب سا لگا تھا۔ اس کی گول گول آنکھوں میں کوئی ایسی بات تھی جو من میں رہی تھی۔"

"بالکل ایسا ہی حال میرا بھی تھا۔ جب وہ آیا تھا تو دوسروں کی طرح تھا، پھر اس نے دیکھا اور اس طرح چونکا جیسے کوئی خاص بات دیکھ لی ہو پھر وہ پاپی ہمیں گھورتا ہی رہا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا وہ۔"

"کوئی پریشانی کی بات ہے کیا؟"

"نہیں۔ پریشانی کیسی بس یونہی کسی انوکھی بات کا خیال تو رہتا ہے۔"

"تو چلو آؤ دودھ پئیں۔"

"تو اپنی کہانی پوری کر۔ میں اس میں الجھا ہوا ہوں۔" راج گندل نے کہا۔

چتر نندی دودھ کے کونڈے کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے دعوت دینے والی نظروں سے راج گندل کو دیکھا پھر بولی۔ "میں تجھ سے پہلے دودھ میں منہ ڈالنا نہیں چاہتی تھی مگر میرا دودھ پینے کو چاہ رہا ہے۔"

"تو پی لے میں تجھے اجازت دیتا ہوں۔"

شکم سیر ہو کر چتر نندی اس کے پاس آ گئی۔ پھر بولی۔ "بات میں نے جہاں سے چھوڑی تھی کہ ہامون، سائیکانا کی طرف سے پریشان ہو گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سائیکانا انوکھی ہے، اس بستی کی نہیں ہے کہیں دور سے آئی ہے۔ اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں جانتا۔ وہ سائیکانا کی کھوج میں لگ گیا اور پھر ایک رات اس نے سائیکانا کو جھونپڑے سے باہر نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس نے ایک کالی چادر اوڑھ رکھی تھی تاکہ رات کی تاریکی میں اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ جیسے ہی وہ نکل کر دور گئی ہامون اپنی نیند سے اٹھا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

سائیکانا دنیا سے بے خبر چلی جا رہی تھی اور اس کا رخ بستی سے باہر تھا۔ ہامون کے دل میں چنگاریاں دوڑنے لگیں۔ وہ سائیکانا کو بے حد چاہتا تھا حالانکہ سائیکانا نے اسے اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا اور یہی کہتی رہی تھی کہ وہ اپنا ماضی بھول چکی ہے لیکن اب وہ کہاں جا رہی ہے۔ اس کا پیچھا کرتا رہا۔ سائیکانا بستی پیچھے چھوڑ آئی تھی اور اب دور دور تک پہاڑیاں پھیلی نظر آ رہی تھیں۔ آخر کار سائیکانا کا سفر ان پہاڑیوں کے قریب ختم ہو گیا۔ سائیکانا ایک غار کے سامنے رکی اور پھر غار میں داخل ہو گئی۔

کچھ لمحے انتظار کے بعد وہ دبے قدموں غار میں داخل ہو گیا۔ غار اندر سے خوب

کشادہ اور ہوادار تھا۔ اس میں بے شمار مشعلیں روشن تھیں اور تیز روشنی میں اس نے
دیکھا اس پر اسے یقین نہیں آیا۔ غار کے بیچوں بیچ پتھر کے بنے ہوئے ایک عظیم الشان
کا مجسمہ ایستادہ تھا۔ اتنا ہیبت ناک مجسمہ کہ جسے دیکھ کر ہی انسان کا پتہ پانی ہو جا
سائیکانا اس ناگ کے چرنوں میں بیٹھی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور
کی پوجا کر رہی تھی۔

سائیکانا ناگ کے قریب ہوئی اور اس نے مجسمے کے چرنوں میں سر رکھ دیا تب ا
سانپ کی آنکھیں روشن ہونے لگیں، ان سے سرخ تیز روشنی پھوٹ رہی تھی اور پھر اس
بھر لمبی دو شاخہ زبان باہر نکلی اور سائیکانا کو چھونے لگی۔ سائیکانا کے منہ سے نکلا۔

"جے شیش بھگوگی۔ جے شیش بھگونتی۔"

سانپ نے آنکھوں کا رخ بدلا اور پھر اس کی آنکھوں سے نکلنے والی سرخ شع
نے ہامون کی طرف رخ کیا اور ہامون نے محسوس کیا جیسے آگ کی دو تیز دہکتی لکیریں
چھونے کے لیے بڑھ رہی ہوں۔ دوسرے لمحے اس کے قدم اکھڑ گئے اور اس نے پل
غار کے دہانے سے باہر جانے کے لیے چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد اس کے قدم
جھونپڑے کے پاس آ کر ہی رکے تھے۔ لیکن اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

"آخر سائیکانا کون ہے۔"

سائیکانا واپس آ گئی۔ ہامون سوتا بنا پڑا رہا۔ سائیکانا خاموشی سے اپنے بستر پر
لیٹ گئی تھی۔ دوسری صبح وہ بالکل پرسکون تھی۔ یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اسے ہامون کے
کرنے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ اس کا رویہ ہامون کے ساتھ محبت بھرا ہی رہا
ہامون اب بے قرار رہنے لگا تھا اس نے راتوں کو اکثر سائیکانا کو جھونپڑے سے باہر
ہوئے دیکھا تھا لیکن اب اس کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ وہ سائیکانا کا پیچھا کرے۔ نہ ہ
نے سائیکانا سے اس بارے میں کچھ پوچھا تھا۔

پھر سائیکانا نے ایک گل کھلایا۔ یہ گل وہ بچی تھی جو سائیکانا کے ہاں پیدا ہوئی
سائیکانا بچی کو بہت پیار کرتی تھی لیکن ہامون نے ایک بار بھی اسے پیار کی نگاہ سے نہیں
تھا، اب ایک مستقل خوف نے اس کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ ایک انجان سا خوف
ہامون کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

اس رات اس نے سائیکانا کو جس روپ میں دیکھا تھا وہ اس کے لیے بڑا ہی د
ناک تھا۔ سائیکانا اس کی زندگی میں بہت گہری اتر چکی تھی، اگر وہ اندر سے کچھ اور نکلتی

ی زندگی کا بے حد بھیانک تجربہ ہو گا۔

ادھر سائیکانا ہامون کی بچی سے بے رخی دیکھ کر دل گرفتہ تھی۔ وہ ہامون سے سچے دل
یار کرتی تھی اور ہامون نے بھی اس کی محبت کا جواب محبت ہی سے دیا تھا، لیکن اب
ے اندر جو تبدیلی رونما ہو رہی تھی وہ سائیکانا کے لیے پریشان کن تھی۔ پھر کئی ایسے
ہوئے جنہیں دیکھ کر سائیکانا کو یہ احساس ہوا کہ ہامون بچی کو ہلاک بھی کر سکتا ہے۔
ائیکانا بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئی۔

ایک دن سائیکانا نے ہامون سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ اس وقت جب
اپنی باہر کی ذمہ داریاں پوری کر کے واپس آیا تو وہ ہامون کے سامنے آ کر بولی۔
ن مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

ہامون نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولا۔ "کیسی بات؟"

"ہامون میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ تم میری بچی سے نفرت کیوں کرتے

ہامون نے عجیب سی نگاہوں سے سائیکانا کو دیکھا پھر بولا۔ "اس لیے کہ یہ بچی میری
ری محبت کے درمیان ایک دیوار کی طرح آ کھڑی ہوئی ہے۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں بچی کی محبت میں تمہارے ساتھ انصاف نہیں کر رہی۔
اے ہامون تو یہ خوشی کی بات ہے۔ تم مجھے اتنا چاہتے ہو کہ تمہیں اپنی بچی بھی میرے
رے درمیان دیوار محسوس ہوتی ہے۔"

"چ بات پوچھتی ہو سائیکانا تو یہ بات نہیں ہے۔"

سائیکانا نے چونک کر ہامون کو دیکھا اور بولی۔ "تو پھر مجھے بتاؤ تو سہی۔"

"مجھے لگتا ہی نہیں ہے کہ یہ بچی میری ہے۔"

سائیکانا کے چہرے پر پتھریلے نقوش نمودار ہو گئے وہ ہامون کو دیکھتی رہی پھر بولی۔
م اسے قتل کر دینا چاہتے ہو؟"

"میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس طرح کا انسان نہیں ہوں، لیکن میرا یہ احساس
ٹل ہے۔"

"یہ تمہاری بہت مہربانی ہے ہامون! تم نے میری زندگی بچائی اور مجھے محبت دی، مجھے
رگی میں شامل کر لیا۔ ہامون! میں نے ہمیشہ تمہاری اس بات کی عزت کی ہے لیکن یہ
بت مختلف شخصیت رکھتی ہے، میں اسے شاید تم سے بھی زیادہ چاہتی ہوں اور اس کے

لیے کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتی۔"

"سائیکانا! میرے ذہن میں اور بھی کچھ باتیں ہیں، اچھا کیا تم نے آج مجھے موقع
کہ میں ان باتوں کی وضاحت کر دوں، سائیکانا! میں بستی کا ایک تنہا اور لاوارث انسان
پھر سائیکانا تم مجھے ملیں اور میں نے اپنی دنیا آباد کر لی۔ بہت خوش تھا میں تمہارے ساتھ
تمہارا ماضی میرے علم میں نہیں تھا۔ میں نے سوچا کہ کبھی نہ کبھی تم اپنی محبت سے سرشار
مجھے سب کچھ بتا دو گی۔ سائیکانا تم نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا۔ ایک رات میں نے گھر
ایک ناگن دیکھی جو ہماری جھونپڑی سے نکل کر ایک طویل و عریض سفر کر کے ایک پہا
تک پہنچی اور وہاں ایک غار میں پتھر سے بنے ایک سانپ کے سامنے پوجا کرتی ہوئی
گئی۔ سائیکانا وہ تم تھیں۔ تم خود سوچو اس کے بعد سے مجھ پر کیا بیتنی چاہیے تھی اور اس
کے بعد کیا میرے لیے اس بچی کی طرف سے شکوک و شبہات پیدا ہونا غلط تھے۔"

سائیکانا سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "اصل میں تمہارا کہنا بھی غلط نہیں ہے، تمہارا
بالکل ٹھیک ہے اور میں نے یہ بات صرف اس لیے چھپا رکھی تھی کہ جس دن تم پر اس
انکشاف ہو گا وہ دن شاید میری اور تمہاری رفاقت کا آخری دن ہو گا اور افسوس جس چیز
میں بچنے کی کوشش کرتی رہی تھی آخر وہ سامنے آ ہی گئی۔ ہاں تمہارا شبہ بالکل ٹھیک
میرے ماضی میں کوئی ایسی انوکھی بات نہیں ہے جو میں ضرورت سے زیادہ چھپاؤں۔ دراصل
اس خوف نے مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنے سے روک رکھا تھا کہ میرے بارے میں
جاننے کے بعد تم مجھ سے چھن جاؤ گے۔ اب جبکہ تم اس بات کا انکشاف چاہتے ہو تو مجھے
ہے، تمہیں مطمئن کرنا ضروری ہے، سنو! میرا تعلق ناگ بھون سے ہے۔ میں سانپوں
سلطنت میں رہنے والی ہوں اور خود بھی ناگن ہوں۔ ایک اچھا دھاری ناگن جو ہزار سال
عمر گزارنے کے بعد انسان کی جون میں آ گئی تھی۔ ہمیں یہ آسانی حاصل ہوتی ہے کہ جب
ہماری عمریں ہزار سال سے آگے بڑھ جائیں تو ہم اپنی پسند کی زندگی اختیار کر لیں۔ میں
نے اچھا دھاری بننے کی کوششیں شروع کر دیں، لیکن ناگ نہیں چاہتے تھے کہ میں انسان
جون میں آؤں، وہ مجھے روکتے رہے اور جب میں نے ان کی بات نہ مانی تو انہوں نے
اٹھا کر دریائے کوہلا میں پھینک دیا، اس وقت میں انسانی جون میں آ چکی تھی۔ دریائے کو
میں بہتی ہوئی میں یہاں اس آبشار کے کنارے آ کر رک گئی اور یہاں تم مجھے مل گئے۔
ناگوں کی دنیا سے دور نکل آنا چاہتی تھی۔ مجھے اس کا موقع مل گیا اور میں یہاں تمہارے
ساتھ رہنے لگی، میں نے تم سے بے پناہ محبت کی اور کبھی تم سے غداری کے بارے میں

لیکن میرا دھرم کچھ اور تھا اور یہ حقیقت ہے کہ جب کسی اچھا دھاری کی اصلیت کھل
ہے تو وہ اس کی نہیں رہ سکتی جس کی وہ ہے، یہ بچی سو فیصد تمہاری ہے، لیکن بدنصیب
تم نے مجھ پر شک کر کے میرے دل سے سب کچھ نکال دیا، میں نہیں چاہتی کہ اب میرا
تمہارا ساتھ رہے اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ میری کہانی منظر عام پر آئے، میں تمہاری
ار ہوں۔ یہ لڑکی بھی ناگن ہے کیونکہ میری اولاد ہے۔ میرے شریر کا ایک حصہ ہے یہ
کچھ تمہیں بتانے کے بعد مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے ہامون کہ اب تمہارا جیون
لیے نہیں رہا۔ تمہیں مرنا ہوگا تاکہ میری کہانی راز میں رہ سکے۔"

"میں اس لڑکی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"نہیں میں نے کہا نا میں نے ایک مرد کی حیثیت سے صرف اور صرف تمہیں چاہا ہے
تمہاری وفادار رہی ہوں اور ایک ماں کی حیثیت سے میں اس بچی کو چاہتی ہوں، تم سے
زیادہ۔"

اور پھر وہ ناگن کا روپ اختیار کرنے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد ہامون کے سامنے
ناگن کھڑی ہوئی تھی۔ ہامون دہشت زدہ ہو کر دروازے کی طرف بھاگا تو سائیکانا نے
پر حملہ کر دیا اور اسے کاٹ لیا۔

وہ زمین پر گر پڑا اور تھوڑی ہی دیر کے بعد پانی ہو کر بہہ گیا۔ میری ماں مجھے لے کر
پڑی۔ ہاں میں وہی لڑکی ہوں، میری ماں نے میرا نام چتر نندی رکھا، وہ وہاں سے
بھون بھی نہیں گئی بلکہ مجھے لے کر ایک ایسی جگہ جا کر آباد ہو گئی جو سنسان اور ویران تھی
جدھر سے انسانوں کا گزر نہیں ہوتا تھا۔

ہم نے سینکڑوں سال وہاں گزارے۔ میری ماں نے جنتر منتر پڑھ کر مجھے ناگن بنا دیا
ہدایت کی کہ میرے ہزار سال پورے ہو جائیں، تب بھی میں ناگن ہی رہوں۔ انسان
برے ہوتے ہیں، ناگن بن کر میں جنگلوں، پہاڑوں اور گپھاؤں میں آزادی سے
سکتی ہوں۔ انسان بنی تو انسانوں کے پھیر میں پڑ کر اپنا جیون نشٹ کر لوں گی۔ اس
کہا تھا کہ انسان بہت برے ہوتے ہیں۔ بس مہاشیش میں ناگن بنی رہی اور میں سچ مچ
بن کر بہت خوش ہوں۔ میں نے ناگوں کے درمیان جیون بتایا ہے۔ ناگوں کے بیچ
ہوئے مجھے پتہ چلا کہ اگر مجھے شیش ناگ مل جائے اور وہ مجھے اپنے چرنوں میں سویکار
لے تو میں رانی بن جاؤں گی۔ یہ خواہش میرے دل میں برسوں سے پل رہی تھی اور
ناگ کی تلاش میں بھٹکتی رہتی تھی۔ پھر تم مجھے نظر آئے اور مجھے شیش ناگ کے

بارے میں جتنی معلومات تھیں، انہوں نے مجھے بتایا کہ تم شیش ناگ ہی ہو اور مہاشیش ناگ میں تمہارے پیچھے لگ گئی۔ تم کہتے ہو کہ تم ناگ نہیں، انسان ہو اور انسان سے ناگ بنے بات سچ مچ میری سمجھ میں نہیں آئی ہے لیکن اگر تم کہتے ہو تو ٹھیک ہی ہو گی۔ پر مجھے اس بات کی حیرت ہے کہ اگر تم ناگ نہیں ہو تو پھر شیش ناگ جیسے کیوں لگ رہے ہو؟"

راج گندل حیران نگاہوں سے چتر نندی کو دیکھ رہا تھا۔ انوکھی کہانی تھی اس کی۔ بہت سے پہلو تشنہ تھے اور بہت سے ایسے جو سمجھ میں نہ آئیں، لیکن سمجھانے والا کون تھا اور سچی بات یہ ہے کہ سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ اپنی ہی مشکل میں گرفتار تھا۔ تیرہ سال پورے تیرہ سال۔ ٹھیک ہے مہا سابلی، مہا کالی، تم دونوں مہمان ہو میں تو تمہاری ایک معمولی سی سنتان ہوں۔ مجھے کیا ادھیکار ہے کہ تمہارے فیصلوں سے منہ موڑوں۔ میں نے سارا جیون تمہارے ساتھ ہی تمہارے چرنوں میں بتایا ہے، میرے ساتھ یہ سلوک نہیں ہونا چاہیے تھا، میں تو تمہارا ہی داس ہوں۔ تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میں یہاں ایک کیڑے کی حیثیت سے اس قید خانے میں جیون بتا رہا ہوں۔ تم جانو اور تمہارا کام۔ بتاؤں گا یہ تیرہ سال بھی۔ ہو سکتا ہے مر ہی جاؤں۔ پر افسوس رہے گا کہ میں نے جن شکتیوں کے لیے سارا جیون کام کیا انہوں نے اس طرح میرا ساتھ چھوڑ دیا کہ پلٹ کر میری خبر بھی نہ لی۔

اسی وقت چتر نندی کی پھنکار سنائی دی اور راج گندل چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ چتر نندی ایک طرف اشارہ کر رہی تھی۔ راج گندل نے چونک کر دیکھا۔ دو آنکھیں، گول گول الوؤں جیسی آنکھیں ایک پتھر کی دیوار میں جڑی ہوئی تھیں۔ یہ پہاڑی گپھا کی تاریک دیوار تھی اور اس میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں کوئی انسان چھپ سکے، لیکن وہ گول گول آنکھیں وہیں سے انہیں تک رہی تھیں۔

راج گندل نے ایک دم کنڈلی ماری اور پھن کاڑھ کر بیٹھ گیا، وہ عجیب سا انسان اسے اس سمے بھی عجیب لگا تھا، جب چنگیزو کے ساتھ یہاں آیا تھا۔ راج گندل کو صاف محسوس ہوا تھا جیسے اس منحوس انسان کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اور اس کی پراسرار آنکھوں میں جو چمک ہے وہ کسی خاص بات کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن چونکہ اپنی ہی مشکل کا شکار تھا اس لیے زیادہ توجہ نہیں دے سکتا تھا لیکن اب یہ آنکھیں دیکھ کر وہ چونکا تھا۔

یہ عام آنکھیں نہیں تھیں۔ اپنے تجربے کی بناء پر وہ کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی شکتی مان کی آنکھیں تھیں۔ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد ہی سوکھے شریر والا، بدشکل دیوار سے باہر آ گیا۔

"جے دھن بھوانی، نگر باسیو، جے دھن بھوانی۔"

چتر نندی کو تو اس کی بھنک بھی نہ ہوئی، لیکن راج گندل جانتا تھا کہ دھن بھوانی کیا ہے۔ شیطانی علم والوں کا کوئی ایک دھرم نہیں تھا۔ جادو منتروں کی ایک الگ دنیا ہے اور اس میں بہت سے پنتھ ہوتے ہیں۔ مہا کالی پنتھ، مہاسا کالی پنتھ، دھن بھوانی کالکا دیوی اور دوسرے۔ ان کے الگ الگ دوارج ہوتے ہیں، پدم سنکھی، گورسنگھ وغیرہ۔ نمودار ہونے والا بھوانی سنکھی تھا۔ چتر نندی بھی راج گندل کے ساتھ پھن کاڑھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بدشکل طوطے نے مکروہ مسکراہٹ سے کہا۔ "مجھے اس سمے شک ہو گیا تھا کہ کوئی گڑ بڑ ہے۔ چنگیزو شیش ناگ نہیں لایا ہے۔ بلکہ کوئی دھوکا کھایا ہے اس نے۔ چنانچہ مجھے یہ شبہ کیسے ہوا۔ یہ ناگوں کا قبیلہ ہے۔ شیش ناگ کی خوشبو پر ناگ اس طرح بے قابو ہو جاتے کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے مگر ناگ شانت ہیں۔ اس کا مطلب نہ تو سردار جانتا ہے نہ نیا بننے والا سردار چنگیزو۔ میں چاہوں تو قبیلے میں اس بات پر ایسی افراتفری پھیلا سکتا ہوں کہ سارا قبیلہ تتر بتر ہو جائے۔ مگر میں ایسا نہیں کروں گا جانتے ہو کیوں؟ ایسے کام اس سمے کرنے چاہئیں۔ جب اپنی کوئی گوٹھ پھنس جائے اور سردار سے کوئی بات منوانی ہو۔" طوطے کی شکل والا مکروہ آواز میں چیخنے لگا۔ پھر بولا۔ "چلو چھوڑو تمہیں اس سے کیا۔ میں نے تمہاری باتیں سنی ہیں، مجھے تمہاری اصلیت پتہ چل گئی ہے۔ وہ ناگن کی بیٹی ہے اور تم پورے کے پورے انسان ہو۔ تمہاری ساری باتیں، میں نے کیڑا بن کر سنی ہیں اور بل بنا کر چھپا رہا ہوں تمہاری گپھا میں۔ چلو چھوڑو۔ آؤ اصل بات کریں۔ میرا نام منکاری ہے گرو منکاری۔ یہ سب مجھے گرو مانتے ہیں اور قبیلے کا ہر سردار میری بڑی عزت کرتا ہے کیونکہ میں ان کی ہر مشکل میں مدد کرتا ہوں، ایک طرح سے یہ سمجھ لو، یہاں اصل سرداری میری ہے۔ یہاں سب کچھ میرے اشارے پر ہوتا ہے اور میں دھن بھوانی کا داس ہوں۔ جن پنتھی کا وردانی۔ تمہاری کہانی میں تمہاری زبان میں سن چکا ہوں، مجھے کیڑے مکوڑوں سے لے کر جنگل کے ہر جانور کی زبان آتی ہے۔ باتیں کر سکتا ہوں۔ تم سے تمہاری زبان میں بات کروں۔ مجھے میری بات کا جواب دو۔"

"جے گرو منکاری، جے منکاری مہاراج!" راج گندل اور چتر نندی نے احترام سے کہا اور گرو منکاری خوشی سے ناچنے لگا۔

"تو تم نے مجھے گرو مان لیا۔" وہ خوشی سے بولا پھر کہنے لگا۔ "اب سوچ سمجھ کر ایک جواب دو۔"

"جی گرو مہاراج۔" راج گندل بولا۔

"تم کون سے پنتھ میں ہو؟"

راج گندل کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ "اب میں کسی پنتھ میں نہیں ہوں مہاراج۔ ...
نے مہا سابلی کی پوری پوری سیوا کی، مہا کالی کے سولہ استھان پورے کیے۔ مگر جب مجھ
پتا پڑی تو کسی نے میرا ساتھ نہیں دیا اور دیکھ لو میں کس حال میں ہوں۔"

"تب پھر بھوانی پنتھ میں آ جاؤ۔"

"پیڑھی بدل لوں؟" راج گندل نے کہا۔

"استھان بدلو گے تو پیڑھی بدلنی ہو گی۔"

"مگر میں تیرہ برس کی قید میں ہوں مہاراج!"

"گر کی بات بتاؤں گا مگر اس سمے جب تم میرے پنتھ میں آ جاؤ گے۔"

"کیا اس گر کی بات سے میری تیرہ برس کی قید ختم ہو جائے گی۔"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"چالاکی مت کرو۔ گرو سے چالاکی نہیں کرتے۔ سب کچھ اس سے پتہ چلے گا جب
دھن پتی بن جاؤ گے۔"

"مجھے سے دو گے منکاری مہاراج!"

"دوں گا۔ اوش دوں گا۔ بلکہ دیا۔" بوڑھے شیطان نے کہا اور اچانک اس طرح
غائب ہو گیا جیسے چراغ بجھ جاتا ہے۔

چتر نندی دیکھتی رہ گئی تھی پھر اس کے منہ سے نکلا۔ "یہ کیا ہوا؟"

"وہ چلا گیا۔" راج گندل نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

چتر نندی حیران سی راج گندل کی سمت دیکھتی رہی پھر تعجب سے بولی۔ "انسانوں میں
بھی ایسے ایسے کھیل ہوتے ہیں۔ اس طرح تو میری ماں سچ کہتی تھی کہ چتر نندی ہزار سال
پورے ہونے کے بعد جب تیرے اندر جون بدلنے کی شکتی پیدا ہو جائے تو انسان بن کر
مت رہنا۔ سنسار میں انسان سے برا کوئی نہیں ہوتا۔"

"تو اپنے ہی گیت گائے جا رہی ہے مجھے سوچنے دے کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے۔"

"تو پریشان ہے مہا شیش؟"

"تو اور کیا۔ پنتھی بدلنا آسان کام تو نہیں ہوتا۔ مہا سابلی اور مہا کالی سے منہ موڑ...

...ے گا۔" راج گندل نے کہا۔

چتر نندی خاموش ہو گئی۔ وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ دھوکہ تو مجھے بھی ہوا ہے میں تو
...شیش ناگ سمجھ کر اس کے پیچھے لگی تھی، جب وہ شیش ہی نہیں ہے تو پھر مجھے اس کا کیا
...کرنا ہے۔ لیکن قید کے یہ تیرہ سال ان کا کیا ہو گا۔

راج گندل تین دن تک سوچتا رہا تھا۔ منکاری نے بھی اس دوران کوئی خبر نہیں لی
...تھی۔ چوتھے دن اس نے منکاری کو آواز دی اور ایک گوشے سے منکاری کی ہنسی سنائی دی۔

"میں گیا ہی کہاں ہوں بالک۔ اس بل میں پڑا ہوا ہوں۔" اس کی آواز ابھری اور
...ایک سوراخ سے وہ ایک عجیب و غریب کیڑے کی شکل میں نمودار ہو گیا۔ غار میں آ کر اس
...نے اپنے بدن کو کچھ جنبش دی اور انسان کی شکل میں اٹھ کھڑا ہوا۔

راج گندل اسے بغور دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ وہ کتنا بڑا شکتی مان ہے، نہ جانے
اس نے یہ شکتی کس طرح حاصل کی، اس کے حصول کے لیے تو راج گندل خوار ہوتا رہا تھا
اور اس نے اپنا سب کچھ گنوا دیا تھا۔

☆

راج گندل حیران رہ گیا تھا۔ دیر تک تو منکاری کے الفاظ ہی اس کی سمجھ میں نہیں آئے، لیکن جو کچھ منکاری نے کہا تھا وہ اس نے سنا ضرور تھا اور ان پر غور کر رہا تھا، البتہ چتر نندی کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا تھا۔ وہ حیرت سے چیخ پڑی۔

''یہ بھی شیش ناگ نہیں ہے اور میں بھی انسان زادی ہوں، بے شک میری ماں ناگن تھی، مگر اچھا دھاری، یہ بات تو سمجھ میں آ جاتی ہے۔ سنا تو نے، تو شیش نہیں ہے اور جو جادو منتر پڑھے گئے ہیں، وہ ہمارے لیے نہیں ہیں، پتہ نہیں یہ خوش ہونے کی بات ہے یا دکھی ہونے کی۔''

راج گندل بھی آہستہ آہستہ حقیقتوں پر غور کر رہا تھا، پھر اس نے حیرانی سے منکاری کو دیکھا اور کہا۔ ''گویا ہم لوگ میرا مطلب ہے ہم دونوں ان سپیروں کے قیدی نہیں ہیں۔''

''ہاں...... قبیلے کا نیا سردار چنگیزو تمہیں شیش ناگ سمجھ کر پکڑ کر لایا تھا کیونکہ تم شیش ناگ کی شکل میں تھے۔ پھر منتر وغیرہ پڑھے گئے اگر تم شیش ناگ اور یہ ناگن ہوتی تو تمہیں تیرہ سال ان کی قید میں رہنا ہوتا لیکن چونکہ تم منش ہو اس لیے آرام سے نکل سکتے ہو۔''

''تو ہمیں بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے منکاری؟''

''سب سے پہلے یہاں سے باہر نکلو، اب تو تم بھوانی پنتھی ہو گئے ہو اس لیے میرا فرض ہے کہ میں تمہاری ہر طرح مدد کروں۔''

''میں ابھی یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔''

''ارے بابا تو نکلو یہاں سے۔'' منکاری انہیں راستہ بتانے لگا۔

راج گندل اور چتر نندی منکاری کے پیچھے چل پڑے۔ انہیں باہر نکلنے میں کوئی وقت پیش نہیں آئی۔ وہ پہاڑ کے اوپر اوپر چڑھنے لگے۔ چتر نندی بالکل خاموش تھی اور تیز رفتاری سے ان کا ساتھ دے رہی تھی اور منکاری کے بارے میں یہ اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ وہ کوئی بہت ہی اونچی چیز ہے۔ راج گندل یہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کے پاس تو کچھ نہیں رہا، اگر

ںکاری کو گرو بنا لے تو شاید اسے کچھ حاصل ہو جائے۔

منکاری ان کی رہنمائی کرتا رہا اور وہ قبیلے سے اتنے دور نکل آئے کہ اب اگر قبیلے الے ان کے پیچھے دوڑ بھی پڑیں تو ان کی لکیر تک کو نہ پا سکیں۔ پھر جب رات کی سیاہی اسمان سے نیچے اترنے لگی تو انہوں نے اپنے آپ کو ایک دور دراز سرسبز و شاداب علاقے ں پایا۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی۔ آگے شاید کوئی بستی تھی کیونکہ قرب و جوار میں ترکاریوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔

منکاری نے ایک جگہ منتخب کی اور بولا۔ ''یہاں قیام کرتے ہیں۔ دیکھو گوبھی کے پھول کھلے ہوئے ہیں، ان کی جڑوں میں جو بوٹیاں پائی جاتی ہیں وہ ناگوں کی بہترین خوراک ہیں اور ابھی جب تک تم لوگ اپنی جون نہیں بدل لیتے تمہیں ناگوں ہی کی خوراک پر گزارا کرنا پڑے گا۔ چلو تم بھوکے ہو کچھ کھا لو۔''

چتر نندی تو واقعی شدید بھوک محسوس کر رہی تھی، بہرحال وہ دونوں شکم سیر ہوئے جس جگہ منکاری نے قیام کیا تھا وہ ایک ٹیلا تھا، کچی مٹی کا وہ ٹیلا جس کے نیچے بڑی جگہ بنی ہوئی تھی اور یہ جگہ دونوں ناگوں کے لیے بہت اچھی تھی۔ وہ اتنی دور تک اس قدر تیزی سے رینگے تھے کہ تھکن سے چور ہو گئے تھے۔ پیٹ بھرا تو نیند آ گئی اور وہ سو گئے۔ منکاری کے بارے میں پتہ نہیں کہ وہ سویا یا نہیں، لیکن وہ ان کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ وہ کیسا ہے، نہ راج گندل کو معلوم تھا نہ چتر نندی کو۔

دوسری صبح انہوں نے منکاری کو تلاش کیا تو وہ آس پاس نظر نہیں آیا، چتر نندی بولی۔ ''وہ چلا گیا، مگر ایک بات سچی ہے، اس نے ہمیں قید سے آزادی دلا دی، تیرہ برس پتہ نہیں کیسے گزرتے؟''

راج گندل کچھ نہ بولا وہ کسی قدر افسردگی کا شکار تھا، چتر نندی پھر کہنے لگی۔ ''تو شیش ناگ نہیں ہے، کس طرح ناگ کی جون میں آیا یہ بھی صحیح طرح تو نے بتایا نہیں، پر میں تو تیرے پاس تجھے ناگ سمجھ کر ہی آئی تھی۔ میرے من میں تو بس ایک ہی اچھا ہے کہ شیش ناگ کو تلاش کروں، بھلا تیرے ساتھ رہ کر مجھے کیا ملے گا، سو میں اب چلتی ہوں ویرانوں میں، پہاڑوں میں، گپھاؤں میں، جنگلوں میں شیش ناگ ہی کو تلاش کرتی پھروں گی اور میرے جیون کا کوئی مصرف ہی نہیں ہے، مجھے آ گیا دے۔''

راج گندل نے چتر نندی کو دیکھا اور بولا۔ ''ہاں تجھے جانا ہی ہے، میری اپنی منزل کہاں ہے یہ میں نہیں جانتا، لیکن اتنے دنوں تو نے میرا بڑا اچھا ساتھ دیا۔ کاش میں تجھے

کوئی تحفہ دے سکتا۔"

چتر نندی نے دکھ بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور اس کے بعد پھن ڈال کر اس جگہ سے باہر رینگ گئی۔

راج گندل کو واقعی تھوڑا بہت افسوس ہوا۔ پر جب وہ دور چلی گئی تو اس نے اس خیال دل سے نکال پھینکا۔ اس کا تو اپنا جیون ہی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ باہر نکلا تو ایک درخت کی جڑ میں منکاری بیٹھا ہوا نظر آ گیا۔

وہ رینگتا ہوا منکاری کے پاس پہنچ گیا، منکاری نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ راج گندل پھن کاڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر گوبھی کے کھیتوں پر مرد اور عورتیں کام کر رہے تھے۔ منکاری نے کہا۔ "نام کیا ہے تیرا۔"

"راج گندل تھا میرا نام۔"

"ہوں راج گندل تو اب ہماری پنتھی میں آ گیا ہے، بتا میں تیرے لیے کیا کروں۔ تیرے من کی سب سے بڑی منوکامنا کیا ہے؟"

"منکاری مہاراج! سب سے پہلے تو مجھ بھوانی پنتھی کے بارے میں بتائیے۔"

"ہاں سمے ہے کہ تو بھوانی پنتھی کے بارے میں سب کچھ جان لے۔ تو پہلے ہی کالے دھرم کا گیانی ہے ہماری الگ الگ پنتھیاں ہوتی ہیں۔ مہا کالی بہت بڑی ہے اور اس کا سلسلہ مہا سابلی سے جا ملتا ہے، مگر کالے دھرم کے بھی کچھ الگ الگ خانے ہیں اور ہر خانے کا اپنا ایک ودھاس ہے۔ اب تو بھوانی کا داس ہے، بھوانی ماں ہر جگہ تیری سہائتا کرے گی۔ تجھے اپنی جون بدلنے سے پہلے میرے کچھ کام کرنا ہوں گے اور میرے یہ کام کر لے گا تو تجھ پر سے میرا قرض اتر جائے گا۔ میں نے تجھے تیرہ برس کی قید سے بچایا ہے اور بھوانی پنتھی میں لایا ہوں کیونکہ تو خود کہتا تھا کہ تو نے جیون بھر مہا کالی اور مہا سابلی کی پوجا کی ہے مگر سمے پر انہوں نے تیرا ساتھ نہیں دیا۔ ایسی بات نہیں ہے ہر پنتھ کے ودھوان اپنے پنتھی کو کچھ نہ کچھ دیتے ہیں، پر کبھی کبھی ایسی تو تیں آڑے آتی ہیں جو راستے روک دیتی ہیں۔ ساری طاقت کالے دھرم والوں کے پاس ہی نہیں ہے، خاص طور سے یہ مسلمان عالم ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوتے ہیں۔ صرف یہ ہیں جو ہمارا کریا کرم کر دیتے ہیں ورنہ باقیوں سے تو ہم اچھی طرح نمٹ لیتے ہیں۔"

راج گندل کو فوراً بابا ادریس علی یاد آ گئے اور اس کے منہ سے پھنکاریں نکلنے لگیں۔ منکاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ضرور تیرے من میں بھی ایسی کوئی بات ہے۔"

"ہاں منکاری! میرے جیون کو نشٹ کرنے والا ایک مسلمان گیانی ہی ہے۔"

"میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ اگر ہمارا کوئی راستہ کاٹنے والا ہوتا ہے تو یہی ہوتے ہیں۔ خیر مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تیرا کس سے جھگڑا ہے، تیرے من میں جو کچھ ہے تو اسے پورا کر سکتا ہے، تو ناگ کیسے بنا؟"

"ایک جاپ کر کے جس میں مجھے ناگ بن کر کسی کو تلاش کرنا تھا۔ میری تین دفعہ کی کوششیں ناکام ہو گئیں اور میں ناگ بنا رہ گیا۔ اب میں اس سے اپنا اصل روپ حاصل کر سکتا ہوں، جب میں ایک آخری جاپ کروں۔ یہ جاپ مجھے ناگ سے انسان تو بنا دے گا پر اس کے بعد میرے پاس کوئی گیان نہیں رہے گا۔"

"پھر تو تُو بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ تجھے ایک عام انسان بننے سے پہلے ایک نئی پیڑھی مل گئی۔"

"منکاری مہاراج! آپ کی بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"سمجھا دوں گا میں تجھے، اب تو یہ بتا کہ میں نے جو تیرے لیے کیا ہے، کیا تو مجھے اس کا بدلہ دینے کو تیار ہے؟"

"ایک سانپ کی حیثیت سے میں جو کچھ کر سکتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو منکاری مہاراج!"

"ہاں تجھے ایک سانپ ہی کی حیثیت سے میرے تین کام کرنے ہیں اور اس کے بعد میرا تیرا حساب برابر ہو جائے گا۔ پھر میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے آگے کیا کرنا ہے، اگر تو مجھ سے پوچھے گا تو...... اور اگر نہیں پوچھے گا تو تیری مرضی، تو اپنے راستے میں اپنے راستے۔"

"آپ مجھے بتائیے کہ مجھے آپ کے لیے کیا کرنا ہے، اگر ایک ناگ کی جون میں رہ کر میں کچھ کر سکتا ہوں تو اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

منکاری اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس نے لمبے فاصلے طے کیے اور آخر کار ایک بستی میں داخل ہو گیا۔ یہاں بھی اس نے ایک سنسان سی جگہ قیام کیا اور پھر راج گندل کو اپنا مطلب سمجھانے لگا۔

راج گندل غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ منکاری نے جو کچھ کہا وہ اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ منکاری ہی نے اسے اس شاندار حویلی کا راستہ دکھا دیا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ حویلی میں کیسے داخل ہونا ہے۔ حویلی کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے میں ایسی جگہ تھی جہاں اینٹوں کے ڈھیر پر سے گزر کر راج گندل کو اندر داخل ہونے میں کوئی خاص

وقت پیش نہیں آئی۔ منکاری نے اس شخص کا نقشہ بتا دیا تھا جسے کاٹ کر اسے ہلاک کرنا تھا اور وہ شخص اسے نظر آ گیا، بڑی شان وشوکت والا کوئی پینسٹھ ستر سالہ آدمی تھا۔

حویلی میں بے شمار عورتیں نظر آ رہی تھیں۔ ہندو گھرانہ ہی تھا اور یہاں کی شان و شوکت دیکھنے کے قابل تھی۔ جس شخص کو اسے کاٹنا تھا وہ اس گھر کا سربراہ تھا اور اس کا نام ست پال سنگھ تھا۔ سارے معاملات سے فارغ ہو کر ست پال سنگھ جب اپنے کمرے کی طرف چلا تو راج گندل نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس کا پیچھا کیا اور یہ دیکھ لیا کہ وہ کون سے کمرے میں داخل ہوا ہے۔“

اس کے بعد راج گندل نے کمرے کی پشت سے ایک درخت کے ذریعے اس روشندان تک پہنچنے کی کوشش کی یہاں سے وہ کمرے میں اتر سکتا تھا اور جب رات گہری ہوئی تو وہ درخت پر چڑھ کر روشندان تک پہنچا، روشندان سے نیچے اتر کر اس بڑے چھپر کھٹ کے نیچے پہنچا، جس کے اوپر ست بال سنگھ موجود تھا۔

کمرے میں اس وقت کچھ اور افراد بھی بیٹھے ہوئے تھے، ست پال سنگھ کہہ رہا تھا۔“ دیکھو دولت کا پھیر بڑی بری چیز ہوتی ہے، جو کچھ میرے پاس ہے وہ میرے پرکھوں کا دیا ہوا ہے اور وہ سب تمہاری ملکیت ہے۔ میں انتظار کرتا رہا کہ وہ بھی آ جائے پر اس کے بھاگ میں وہ ہے نہیں جو میں اسے دینا چاہتا ہوں۔ بلاوجہ میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو کر برائی کے راستوں پر نکل گیا۔ مرنے کے بعد بھی میں اس کے لیے دکھی ہوتا رہوں گا۔ خیر اس کا حصہ محفوظ رکھنا اگر وہ کبھی جیون میں تمہارے پاس آ جائے تو اس کا حصہ اسے دے دینا، کیا سمجھے؟“

”بھگوان آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے بڑے مہاراج، آپ کے جیون میں ہی وہ آ جائے گا، آپ دیکھ لیجیے گا۔“

”جس طرح بگڑ کر گیا ہے مجھے یقین نہیں ہے کہ وہ واپس آئے گا۔“ ست پال سنگھ نے مغموم لہجے میں بولا۔ ”وکیل کل آ جائیں گے، میں وصیت نامے پر دستخط کر کے ان کے حوالے کر دوں گا، تم لوگ کل ذرا تیاریاں رکھنا، ہم ایک چھوٹی سی تقریب کر لیں گے تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں نے وصیت نامہ وکیل صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔“

”آپ کی جو آگیا مہاراج۔“

”بس اب تم لوگ جاؤ میں آرام کروں گا۔“ ست پال سنگھ نے کہا۔

تمام لوگ کمرے سے باہر نکل گئے اور ست پال سنگھ کمرے میں اکیلا رہ گیا، راج

گندل آہستگی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ بدل کر ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں سے وہ اپنا کام باآسانی کر سکتا تھا۔

ست پال سنگھ بستر پر لیٹ گیا اور راج گندل انتظار کرنے لگا کہ وہ نیم غنودہ ہو جائے تو وہ اپنا کام کر لے، پتہ نہیں ست پال سنگھ نیم غنودہ ہوا تھا یا نہیں لیکن اس کا ایک ہاتھ بستر سے نیچے ضرور لٹک گیا تھا اور ہاتھ کی پوری کلائی راج گندل کی زد میں تھی۔ راج گندل پھن اٹھا کر آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا، پھر اس نے بھرپور طریقے سے ست پال سنگھ کی کلائی پر منہ مارا اور اپنا زہر اس کی رگوں میں اتار دیا۔

ست پال سنگھ کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی تھی اور راج گندل روشندان کی طرف دوڑا تھا۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ روشندان سے باہر نکل آیا، اب اسے نہیں معلوم تھا کہ ست پال سنگھ پر کیا بیتی، لیکن یہ بات طے تھی کہ اس کا سارا وجود شیش ناگ کا تھا اور بھلا شیش ناگ کا کاٹا کیا بچ سکتا تھا۔

منکاری نے مسکراتے ہوئے اس کا سواگت کیا تو راج گندل نے اسے بتانے کی کوشش کی کہ اس نے اس کا کام کر دیا ہے، لیکن منکاری پہلے ہی بول اٹھا۔ ”معلوم ہے مجھے پہلے ہی معلوم ہے، اب تم دوسرا کام کر لو۔“

یہ دوسرا کام ایک سات سالہ بچے کو ڈسنے کا تھا۔ سو راج گندل نے ذہانت اور چالاکی کے ساتھ یہ کام بھی کر لیا اور تیسرا کام ایک لڑکی کا تھا۔ راج گندل اگر بذات خود ایک گندل اور کمینہ صفت انسان نہ ہوتا اور اس کی اپنی ضرورت نہ ہوتی تو شاید کوئی بھی صاحب دل ان تینوں افراد کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ ست پال سنگھ بہت ہی نرم خو انسان تھا، لیکن سب سے بڑی بات اس نوجوان لڑکی کی تھی جو بے حد خوبصورت تھی اور جب اس کی کلائی میں راج گندل نے اپنے دانت گاڑے تو لڑکی کے حلق سے نکلنے والی چیخ بڑی دلدوز تھی۔

راج گندل کو وہاں چھپنے کا موقع نہ مل سکا، بہت سے لوگوں نے اسے دیکھ لیا، اس کی جان بڑی مشکل سے بچی تھی، لیکن بہرطور کسی نہ کسی طرح راج گندل نکل آیا تھا اور منکاری نے معمول کے مطابق اس کا استقبال کیا تھا۔

”تمہارے تینوں کام پورے ہو گئے منکاری، اب مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے؟“

”میرے کام پورے ہو گئے، ایک بات کا خیال رکھنا جب تو بھوانی پتنی میں آ گیا تو اس سے غداری مت کرنا۔ مہا سابلی اور مہا کالی نے تیرے من کو الجھا دیا تھا اور جیسا

کہ تو بتاتا ہے وہاں سے تیری کوئی سہائتا نہیں ہوئی۔ میں تجھے ایک دوست کی حیثیت سے بتا رہا ہوں کہ دوش ان کا بھی نہیں تھا، کوئی بھی اپنی جگہ مکمل نہیں ہے۔ میں تجھے جو کچھ باتیں بتا رہا ہوں انہیں گرہ میں باندھ لینا، اب تجھے ناگ سے منش بننے کا جاپ کرنا ہے لیکن اب تو بے سہارا نہیں ہوگا، منش بننے کے بعد تجھے بھوانی دیوی کا وردان حاصل ہو جائے گا۔ بھوانی ماں تجھے جاپ بتائے گی اور وہ جاپ کر کے تو صحیح معنوں میں بھوانی کا داس بن سکے گا۔ جب تو بھوانی کا داس بن جائے تو بھوانی کے بیروں سے اپنے اس دشمن کا پتہ پوچھنا جس سے تیری لاگ لگی ہوئی ہے، وہ تیری رہنمائی کریں گے۔ جہاں تک میرا مسئلہ ہے تو میں بھی تیری سہائتا کروں گا، اس کے لیے تجھے ایک منتر پڑھنا ہوگا جو میں تجھے بتائے دیتا ہوں۔'' منکاری نے کہا اور منتر کے تین بول راج گندل کو بتا دیئے پھر بولا۔ ''اور کچھ پوچھنا چاہتا ہے تو مجھ سے پوچھ؟''

''منکاری مہاراج، سچی بات یہ ہے کہ میں نے جیون میں جو گیان دھیان کیے انہوں نے مجھے بہت کچھ دیا۔ مسلمانوں کی ایک بستی سے کچھ فاصلے پر میں نے اپنا ایک مٹھ بنایا تھا اور اس مٹھ میں ضرورت مند میرے پاس آتے تھے اور میں مہا سابلی کی ہدایت کے مطابق ان کے لیے بہت کچھ کر دیتا تھا۔ پھر میرے من میں سمائی کہ میں سنسار کی مہاشکتی حاصل کروں اور ایسا بن جاؤں کہ کوئی میرے مقابلے پر نہ ٹک سکے، بس وہیں سے مار کھا گیا اور وہ نہ کر سکا۔ سارے گیان میرے ہاتھ سے نکل گئے اور مجھے ناگ بن کر اپنا آخری کام کرنا پڑا، پر میرا دل خراب اس بات پر ہو گیا کہ میں نے مہا دیوی اور مہا سابلی کے لیے ہر کام کیا ان کی خوشی کے مطابق کئی بھینٹ دیں انہیں لیکن انہوں نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ سارے گیان دھیان مجھ سے چھین لیے مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔''

''نہیں تو نے ایک جیون بتایا ہے مہا سابلی اور مہا کالی کے داس کی حیثیت سے، میں تو بس شروع ہی سے بھوانی دیوی کا داس بن گیا اور اس کی بھی وجہ تھی، جن تین افراد کو تو نے ہلاک کیا وہ ایک مہان جوگی کے کرم میں تھے اور میں بھوانی کے داس کی حیثیت سے ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا، سب سے پہلا وہ آدمی جس کا نام ست پال سنگھ تھا میرا سب سے بڑا بھائی تھا، پتا جی کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں میرے دوسرے بھائیوں نے اپنا اپنا حصہ بانٹ لیا۔ وہ بھائی شادی شدہ تھے، بھائیوں نے چالاکی کر کے مجھے راستے سے ہٹا دیا اور بڑا بھائی بھی ان کے پھیر میں آ گیا۔ پتا جی ساری دولت اور جائداد کا محافظ اسے بنا گئے تھے اور انہوں نے ہدایت کر دی تھی کہ وہ ہم سب کو ہمارے حصے دے دے، پر بڑے بھائی کی نیت

خرابی آ گئی۔ میرے ساتھ وہ سلوک کیا گیا کہ آخر کار مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔ میں تلملاتا ہوا باہر نکل آیا۔ میرے من میں حصہ بڑھتا چلا گیا۔ میں گھر چھوڑ کر جنگل بیابان میں نکل گیا اور پھر جنگل میں مجھے ایک ٹوٹی پھوٹی سادھی نظر آئی۔ یہ سادھی ایک ایسے آدمی کی تھی جو بھوانی کا داس تھا اور اس کا نام ہی منکاری تھا۔ میں اس سادھی میں داخل ہوا تو مجھے منکاری کی آتما ملی اور اس نے مجھ سے بات چیت کی۔ اس نے کہا کہ وہ بھوانی کا چیتن ہے اور اپنی تمام آرزوؤں کے ساتھ مر گیا ہے اگر میں اس کے ادھورے کام کر دوں تو میں بڑا گیانی بن جاؤں گا۔ اس نے ہی مجھے منکاری کا نام دیا۔ یعنی اپنا نام اور مجھے بھوانی کا داس بنا دیا میں نے سوچا کہ چلو ٹھیک ہے۔ جو وہ کہتا ہے کر لو۔ میں نے اس کے کام کیے اور بھوانی دیوی کا پجاری بن گیا۔ میرا اصل نام جوگندر پال سنگھ ہے، بہرحال اس کے بعد میں گھومتا پھرتا ان سپیروں کی بستی کی طرف نکل گیا اور وہاں وہ لوگ میری بڑی عزت کرنے لگے۔ انہوں نے مجھے بڑا مان دیا، پھر تو مجھے ملا اور میں نے سوچا کہ اپنا وہ کام میں تجھ سے کراؤں، سب سے پہلا صلہ میں نے تجھے ہی دیا کہ تجھے اصل بات بتائی کہ تو شیش ناگ نہیں ہے اور ہزار برس کی قید تجھ پر لاگو نہیں ہوتی۔ یہ ان سپیروں کی بھول ہے اور اس کے بدلے میں نے تو سے اپنے کام کرائے، وہ میرا بڑا بھائی ست پال سنگھ تھا اور وہ سات سال کا لڑکا اس کی بیوی کا بھائی جسے ست پال سنگھ اپنا حصہ دینا چاہتا تھا اور وہ لڑکی پدمنی، وہ جسے میں بچپن سے چاہتا تھا پر یہ سب کچھ ہونے کے بعد وہ میرے لیے نہ رہی تو میں نے سوچا کہ سنسار میں وہ کسی کے لیے نہ رہے۔ اب تو نے میری بات سن لی۔ بھوانی کا پکا داس بن کر تجھے پھر شکتی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ بات تجھے بھوانی کا کوئی بیر ہی بتائے گا کہ آگے تجھے کیا کرنا ہے۔ اب منکاری کو جب تجھے بلانا ہو تو یہ تین بول بول دینا، مگر یہ بھی اس سے تیرے ہاتھ آئیں گے جب تو منکاری کا جاپ کر لے گا، بول مجھے گرو مانتا ہے؟''

''میں نے تو پہلے ہی آپ کو مہا گرو مان لیا ہے منکاری مہاراج!'' راج گندل نے کہا کیونکہ یہ بات وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کھو بیٹھا تھا اسے حاصل کرنے کے لیے اسے منکاری کا سہارا لینا ہی پڑے گا۔''

منکاری نے کہا۔ ''بس، اب تو سیدھا نکل جا اور اس سے تک جنگل میں چلتے رہنا جب تک کہ تجھے کالے رنگ کی ایک ٹوٹی پھوٹی عمارت نہ نظر آ جائے۔ پہچان اس عمارت کی یہ ہے کہ اس کے اوپری سرے پر ایسا لگتا ہے جیسے کوئی کوا بیٹھا ہوا ہو۔ پتھر کا بہت بڑا پرندہ جو انسانوں کے ہاتھوں کا بنایا ہوا نہیں ہے، وہی میرے گرو منکاری کا استھان ہے اور وہیں

تجھے بھوانی دیوی کا گیان ملے گا۔"

راج گندل نے پوری تفصیل سمجھ لی، ایک بار پھر اسے جدوجہد کی منزل میں داخل ہونا تھا، چنانچہ وہ وہاں سے چل پڑا اور لمبے فاصلے طے کرتا رہا۔

پھر اسے دور سے ہی وہ خوفناک عمارت نظر آ گئی، جس کے اوپری سرے پر اینٹوں اور سیمنٹ سے بنا ہوا ایک کنواں نظر آ رہا تھا مگر وہ سیدھا اس عمارت تک نہیں گیا بلکہ پہلے اس نے ایک جگہ منتخب کی، یہ نیم کا ایک درخت تھا جس کے نیچے بیٹھ کر اس نے وہ جاپ کرنا شروع کر دیا جو اسے ناگ سے انسان بنا سکتا تھا اور جب جاپ کا سمے پورا ہوا تو بہت عرصے کے بعد اس نے اپنے آپ کو انسان کے شریر میں پایا۔ جو کچھ راج گندل پر بیت رہی تھی وہ کالے علم کا شاخسانہ تھا اور وہ شیطانی علوم کا پیروکار ان تمام مصیبتوں کو بھگت رہا تھا۔ بہرحال اپنے انسانی جسم کو محسوس کر کے اسے خوشی بھی ہو رہی تھی اور دکھ یہ تھا کہ اب وہ راج گندل نہیں تھا۔ بہرحال انسان بن کر وہ اس عمارت کی طرف چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ گیا۔

ادھر راج گندل اپنی زندگی کے اس عذاب سے گزر رہا تھا اور اس کا غرور پاش پاش ہو گیا تھا۔ اِدھر دوسرے عوامل یہ تھے کہ عرشیہ نے سلامت علی کے انکشافات کے بعد صبر کر لیا تھا اور دونوں اداس زندگی گزار رہے تھے۔ چوہدری شاہنواز کی فطرت میں بڑی تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ عرشیہ کے ساتھ وقت گزارتا تھا اور اس کی دلجوئی کرتا تھا، دونوں اپنی بچی کے بارے میں باتیں کرتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ ان کی نور نظر انہیں مل جائے۔ ادھر نینا پرسکون زندگی گزار رہی تھی۔ بشیر بیگ کو جو کبھی دو کوڑی کا انسان تھا، اب معاشرے میں ایک اعلیٰ مقام مل گیا تھا۔ ہر طرف عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ کچھ پہچان والے بھی تھے جو اس کی شکل دیکھ کر گومگو کی کیفیت میں مبتلا ہو گئے تھے، اس کی شان و شوکت کی وجہ سے وہ اسے مخاطب بھی نہیں کر سکے تھے اور بشیر بیگ بھی اب اپنے ماضی میں نہیں جانا چاہتا تھا۔ اماں تاجی کہتی تھی۔

"ہائے بشیر بیگ تو اپنا نام بدل لے۔ میں تجھے اچھا سا نام بتاتی ہوں۔ تو راجہ چنگیز بخت رکھ لے اپنا نام۔"

"کیوں اماں تاجی؟"

"بہت بڑا نام ہے تجھ پر سجے گا۔"

"اماں...... اللہ نے ہماری تقدیر بدل دی ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم اپنی ماں کو

دیں۔"

"لے ماں کو گالی کیوں پڑی۔"

"تو اور کیا اماں۔ ہمارا نام راجہ چنگیز بخت تو ہمارے باپ کا کیا نام ہو گا۔"

"اس کا نام راجہ۔ کوئی بھی راجہ رکھ لے۔" اماں تاجی کی معلومات بس اتنی ہی تھیں۔

"اور میرے اصل باپ کا کیا ہو گا۔ لوگ مجھے کسی اور باپ کا بیٹا کہیں گے اور سمجھیں گے میرے باپ کی روح قبر میں تڑپے گی نہیں اماں۔"

"ہاں یہ تو ہے، چل پھر ٹھیک ہے بشیر بیگ ہی ٹھیک ہے۔"

بہرحال بشیر بیگ کی زندگی بہت عمدہ گزر رہی تھی اور اب اس نے اس بات کو اپنا ایمان بنا لیا تھا کہ نینا اس کی تقدیر میں شامل ہونے کے بعد اس کی اس حیثیت کا باعث بنی ہے۔ نینا کو وہ بڑی عزت و احترام دیتا تھا، ادھر بچی تھی کہ جنگلی بیل کی طرح بڑھ رہی تھی، سارے بچے جس طرح بڑھتے ہیں وہ ان سے چھ گنا آگے تھی۔ بولنے لگی تھی اور بڑی پیاری پیاری باتیں کرتی تھی۔

البتہ اماں تاجی دو چار بار بڑی پریشان ہوئی تھیں جب انہوں نے دیکھا تھا کہ بچی اپنے باغ کے درختوں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھی کسی سے باتیں کر رہی ہے۔ اماں کو وہ بالکل نظر نہیں آیا جس سے وہ باتیں کر رہی تھی، لیکن بچی کا انداز ایسا تھا جیسے وہ باتیں کرنے والے سے بہت زیادہ خوش ہو اور بڑے پیار سے اس سے باتیں کر رہی ہو۔ جب اماں تاجی کو کوئی نظر نہیں آیا تو وہ اس کے پاس پہنچ گئی۔

"بیٹا نینا! کیا کر رہی ہے یہاں؟"

"ارے اماں تاجی! آپ کدھر آ گئیں، میں ماموں جان سے باتیں کر رہی ہوں۔"

"لے...... یہ درخت تیرا ماموں ہے۔"

"تم جاؤ اماں مجھے باتیں کرنے دو۔"

"بیٹا مگر ہو بھی تو کوئی جس سے تو باتیں کر رہی ہے۔"

"اماں تم جاؤ، مجھے باتیں کرنے دو۔" بچی نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ یہاں اس کے ہر حکم کی تعمیل ہوتی تھی، چنانچہ تاجی وہاں سے چلی گئی لیکن آج وہ کچھ زیادہ ہی الجھ گئی تھی، یہ بچی کس سے باتیں کرتی ہے اور اس نے یہ بات بھی بشیر بیگ کو بتا دی۔

"اے بشیر بیٹا، مجھے اس کے دماغ میں تھوڑی سی لٹک نظر آوے ہے۔"

"کس کے دماغ میں اماں؟"

"ارے نینا کی بات کر رہی ہوں۔"

"اماں سکون سے وقت گزارو، بے کار باتیں نہیں کیا کرتے۔"

"تیری قسم بیٹا غلط نہیں کہہ رہی، اکیلے میں بیٹھی باتیں کرتی رہتی ہے۔"

"کوئی آواز سنی تم نے۔"

"نہیں آواز تو نہیں سنی۔"

"تو پھر...... بلاوجہ کی باتیں کرتی ہو۔" بشیر بیگ نے ڈانٹ پلائی۔

یوں نینا اس گھر میں پروان چڑھ رہی تھی اور بظاہر یوں لگتا تھا جیسے اسے ایک پرسکون زندگی نصیب ہوگئی ہو۔ ملازم اس کی عزت کرتے تھے۔ ملازموں کو اس سے بڑے فائدے تھے، وہ ملازموں کو انعامات بھی دیتی رہتی تھی اور کئی بار ملازموں نے یہ انعام اماں تاجی اور بشیر بیگ کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

"صاحب جی آپ کا نمک کھاتے ہیں، کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس میں ہماری نمک حرامی سامنے آتی ہو صاحب جی بٹیا ہمیں یہ چیزیں دیتی ہیں، پتہ نہیں آپ سے پوچھتی ہیں یا نہیں۔"

جو چیزیں ان ملازموں کو دی گئی تھیں وہ بے حد قیمتی تھیں، اماں تاجی نے ایک دم ہاتھ بڑھائے تھے لینے کے لیے۔

"اے بچی ہی ہے، تم نے بڑا اچھا کیا ہمیں بتا دیا یہ تو بڑی قیمتی چیزیں ہیں۔"

"اماں تاجی میں نے آپ سے کہا کہ یہ چیزیں آپ واپس نہ لیں۔" بشیر بیگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مگر؟"

"دیکھو...... نینا تمہیں جو کچھ دیتی ہے میں اجازت دیتا ہوں کہ وہ تم رکھ لیا کرو، تمہارا حق ہے۔ نینا کا بہت بڑا مقام ہے اس گھر میں، مالک ہے وہ اس گھر کی، اماں تاجی آئندہ آپ کبھی ان لوگوں سے یہ نہ پوچھیں کہ نینا نے انہیں کیا دیا اور نہ تم لوگوں کو بتانے کی ضرورت ہے۔"

ملازم خوش ہوگئے تھے۔

❀ ❀ ❀

راج گندل کی ساری تدبیریں الٹی ہوگئی تھیں۔ ہر شخص پرسکون زندگی گزار رہا تھا، جبکہ وہ مسلسل ذلیل وخوار ہو رہا تھا۔ آخر کار وہ اس کالے کھنڈر میں داخل ہوگیا جو انتہائی

...ناک تھا مگر راج گندل کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، کیونکہ راج گندل کی زندگی ...ہی پراسرار جگہوں پر گزری تھی۔

یہاں آنے کے بعد اس نے اپنے لیے ایک مناسب جگہ تلاش کی، اب جب بھوانی ...میں آ گیا تھا تو اسے وہی کرنا تھا جو اسے منکاری نے بتایا تھا، یہ جگہ اس کے لیے بہترین ...ی۔ اس نے سوچا کہ اب آگے کچھ کرنا چاہیے چنانچہ اس نے دو تین بول پڑھے جو منکاری ...بلانے کے لیے ہوا کرتے تھے اور منکاری اپنے وعدے کے مطابق وہاں آ گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے راج گندل کو دیکھا اور بولا۔ "تو نے یہاں تک سب کچھ ...اصل کر لیا۔ اب یہ بتا آگے کیا چاہتا ہے۔ جو کچھ تیرے من میں ہے، مجھے بتا دے میں ...ری پوری سہاتا کروں گا۔ بھوانی دیوی سے بھی میری بات ہوئی تھی۔ اس نے تجھے ...پنے پنتھ میں سویکار کر لیا ہے۔"

"آپ سے بہت سی باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں منکاری مہاراج! دیکھو میں بتا چکا ...وں کہ مہا سابلی پنتھ میں رہا، ساتھ ہی مہا کالی کا بھی پجاری رہا اور مجھے بڑی شکتیاں ملیں، ...نش کا من لالچ میں ڈوبا رہتا ہے، میں مہاشکتی مان بننا چاہتا تھا اور اس کے لیے میں نے ...ی ساری شکتی کھو دی، وہ ہی آرزوئیں تھیں میرے من میں اور انہی سے میرا جیون لپٹا ہوا ...ا شکتی مان بن جاؤں اور سنسار پر راج کروں۔ لیکن میرا راستہ روکنے والا ایک مسلمان عالم ...ا، جس نے میرے سارے کام خراب کر دیئے۔ میرے من میں یہ آرزو تھی کہ میں اس بچی ...و اپنے قبضے میں لے لوں جو میرے جادو کے زیر اثر ایک قبر میں جنم لے گی۔ سارے کام ...و گئے پر عین وقت پر اس مسلمان عالم نے میرا سارا کیا دھرا چوپٹ کر دیا، یہاں تک کہ ...ں دو کوڑی کا ہو گیا اور ایک کیڑے کا جیون بتاتے ہوئے بار بار موت کے ہاتھوں سے بچا، ...ر تم مجھے مل گئے منکاری مہاراج! اب میں تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے پاس ...کوئی گیان دھیان نہیں ہے، میں آگے کیا کروں۔"

"میں تجھے ایسے جاپ بتاؤں گا جنہیں کر کے تو اتنی شکتی حاصل کر لے کہ تیرے من ...کی جو منوکامنا ہے یعنی اس مسلمان عالم سے تو بھوانی کے منتر کے ساتھ مقابلہ کر اور اس ...سے اپنا بدلہ لے لے، کتنا بڑا عالم ہوگا وہ؟"

"اس میں کوئی ایسی بات ہے مہاراج جو وہ میرے قابو میں نہیں آتا۔ مہا سابلی اور مہا ...کالی کا علم بھی اس نے فیل کر دیا۔"

"اچھا، یہ بات ہے، میں بتاتا ہوں تجھے کہ اس کے پاس کون سی شکتی ہے، مجھے تھوڑا

سا سے دے گا تو؟"

"جی مہاراج! اس کے علاوہ وہ لڑکی جسے میں قابو میں کر کے مہا سابلی کو بھینٹ دینا چاہتا تھا۔ اسے بھی اس عالم ہی نے کہیں چھپا دیا۔"

"وہ اب تیرے لیے بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس کی بھینٹ دینے سے کوئی سابلی اور مہا کالی بھوانی پنتھ کے کسی پیروکار کا بلیدان سویکار نہیں کرے گی۔"

"پھر بھی میں اس مسلمان عالم کو شکست دینے کے لیے اس بچی کو اپنے قبضے میں کرنا چاہتا ہوں۔"

"پگلے تو ایک کام کر، پہلے اپنے جاپ کر لے جو چودہ دن کے ہیں، تو دیکھے گا کہ بیر تیرے قبضے میں آ جائیں گے۔ میں تجھے اس مسلمان عالم کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں جا یہاں سے ہٹ جا مجھے جاپ کرنے دے۔" یہ کہہ کر منکاری ایک چوکور لکیر بنا کر اس کے بیچ بیٹھ گیا اور راج گندل اس سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے پتھر پر بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

منکاری چوکور لکیروں کے بیچ بیٹھا ہوا کوئی منتر پڑھ رہا تھا اور بار بار اس کے درمیان سے مٹھی بھر کر اسی میں ڈال رہا تھا کہ اچانک ہی راج گندل نے دیکھا کہ چوکور لکیروں کے درمیان پانی کی لہریں اٹھنے لگی ہیں، یہ پانی لکیروں سے باہر نہیں بہہ رہا تھا بلکہ انہی میں گردش کر رہا تھا اور منکاری اس طرح اوپر نیچے ہو رہا تھا جیسے پانی اسے اوپر نیچے کر رہا ہو اچانک ہی راج گندل نے اس پانی سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا، منکاری اب بھی وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ دھواں اتنا اونچا اٹھا کہ اس نے منکاری کو ڈھک لیا، پھر آہستہ آہستہ یہ دھواں ختم ہوتا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پانی کی لہریں بھی ناپید ہو گئیں، تب منکاری نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا اور بولا۔ "اتر کر آ جا میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔"

راج گندل جلدی سے منکاری کے پاس پہنچ گیا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "جئے منکاری مہاراج۔"

"جئے بھوانی۔" منکاری نے ہاتھ اٹھا کر کہا پھر بولا۔ "میں نے سب کچھ معلوم کر لیا ہے، مسلمان عالم کے قبضے میں ایک جن تھا جو اس کی ہر طرح سے سہائتا کرتا تھا۔ مسلمان عالم نے اسی جن کے ذریعے وہ بچی غائب کرائی اور اس سے مختلف جگہوں پر پرورش کراتا رہا، مگر اس نے ایک بیوقوفی کی، اس نے محبت میں آ کر اس جن کو آزاد کر دیا اور اب وہ جن بے لگام پھر رہا ہے۔ اب کوئی اس کا مالک نہیں ہے، پر مسلمان عالم سے اس کی دوستی اور وہ اپنی دوستی کے ناتے ہی سب کچھ کر رہا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہو گیا تھا، مجھے پورا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی پراسرار قوت اس کے قبضے میں ہے، مگر اب میں کیا کروں منکاری مہاراج۔"

"بھوانی کے داس منکاری کو نہ جانے کیوں تجھ سے اتنا پریم ہو گیا ہے، میں تجھے ایسی ترکیب بتاتا ہوں کہ تو بھی جیون بھر یاد کرے گا اور اس مسلمان عالم سے نمٹنا تیرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہو گا۔"

"جئے منکاری مہاراج۔" راج گندل نے مسرت سے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

منکاری کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا، بہت دیر تک وہ غور و خوض کرتا رہا پھر اس نے کہا۔ "لمبا کھیل ہے، پر جو کھیلے وہی کھلاڑی، میں نے یہ گیان دھیان حاصل کرنے کے لیے بڑے پاپڑ بیلے ہیں۔ خیر اب میں جو تجھے بتا رہا ہوں اسے غور سے سن۔" منکاری نے کہا اور پھر آہستہ آہستہ وہ راج گندل کو تفصیل سمجھانے لگا۔

راج گندل عقیدت سے گردن جھکائے بیٹھا منکاری کی باتیں سن رہا تھا۔ تمام تفصیلات سننے کے بعد اس نے ایک بار پھر لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جئے منکاری مہاراج۔"

"میری جئے جئے کار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا جو کھیل میں نے تجھے بتایا ہے، تجھے خود بھی اندازہ ہو گا کہ وہ کتنا مشکل کھیل ہے، کوئی بھی مصیبت تیرے گلے پڑ سکتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تو مہا بھوانی کا داس ہونے کی حیثیت سے بھوانی ناتھوں کے لیے ایک بڑی ضرورت بن گیا ہے، کیونکہ مہا کالی اور مہا سابلی کے داسوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ بھوانی دیوی کے پجاری سنسار میں بہت کم ہیں۔ بھوانی دیوی اپنے کام سے کام رکھتی ہے، اس کے بیر ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرتے ہیں، لیکن وہ ضرورت مند جو صرف بھوانی کے داس ہوں، میں ضرورت پڑنے پر تیری مدد ضرور کروں گا۔ جہاں تجھے میری مدد کی ضرورت ہوئی میں تیرے پاس پہنچ جاؤں گا۔ اب میں چلتا ہوں، مجھے بلانے کے لیے تین شبدھ تیرے پاس ہیں۔ چنانچہ جب من چاہے گا مجھے اپنے پاس بلا لینا۔"

منکاری چلا گیا اور راج گندل کے پاس سوچوں کا سمندر موجزن ہو گیا وہ اپنے ماضی کو یاد کر رہا تھا، جن مشکلات میں پڑ گیا انہیں اس نے خود ہی اپنے گلے لگایا تھا۔ پرانے بیر رخصت ہو چکے تھے، جن جن سے اس کی شناسائی تھی، اب ان میں سے کوئی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اب نئی پیڑھی کے نئے بیر اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جن سے ابھی تک اس نے کوئی کام نہیں لیا تھا، منکاری نے جو تدبیر اسے بتائی تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ

کانٹوں کا بستر تھا۔

بڑے مختلف طریقے سے اسے کام کرنا تھا، بابا ادریس علی سے انتقام کا جذبہ اس کے سینے میں موجزن تھا جنہوں نے اس کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے تھے۔ وہ دل میں سوچتا تھا کہ اگر بابا ادریس کو خاک میں ملانے میں کامیاب ہو جاؤں تو سمجھوں گا کہ مجھے ہر طرح کی شکتی حاصل ہو گئی، جیون میں نفع نقصان تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس طرح ایک کالے دھرم والا ایک نیک عالم کے درپے ہو گیا تھا۔ راج گندل کو اس کا کوئی تجربہ نہیں تھا کہ کسی مسلمان کو کیسے بھٹکایا جا سکتا ہے۔ بہر حال منکاری نے جو نشاندہی کی تھی اس کی تصدیق کے لیے اس نے پہلی بار بھوانی کے بیر کو بلانے کا منتر پڑھا اور جو کوئی اس کے سامنے آیا اسے دیکھ کر راج گندل نے کہا۔ ”مجھے اس مسلمان کا پتہ بتاؤ جس کی نشاندہی منکاری نے کی ہے۔“

”میرے ساتھ ساتھ آ جاؤ مہاراج۔“ بیر نے کہا اور راج گندل تیاری کر کے بیر کے ساتھ چل پڑا۔

منکاری نے جو کام بتایا تھا وہ تھا تو بہت کٹھن اور مشکل لیکن اب زندگی بچانے کے لیے یہ ساری مشقتیں کرنا ہی تھیں۔ منکاری کی کہی ہوئی باتوں پر عمل کیے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ جس شخص کا پتہ منکاری نے خصوصی طور پر بتایا تھا اس کی بھی ایک لمبی کہانی تھی۔ باپ کا نام فرزند خاں تھا اور کچھ ایسے حالات تھے کہ زندگی میں اور کچھ کرنے کا موقع نہ نہیں ملا تھا، ساری عمر محنت مزدوری کرتے گزری نہ جانے کیا کیا کام دھندے کرتا رہا۔ مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ اس وقت گیارہ بچوں کا باپ تھا، ہر عمر کے بچے گھر میں موجود تھے، زندگی سے عاجز تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ سب سے بڑا بیٹا مٹھو خان تھا۔ مٹھو خان اپنی مثال آپ تھا۔ ساری بستی میں اس کی کہانیاں گونجتی تھیں۔ نکھٹو تھا اور کام دھندے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ لاٹریوں کی تلاش میں رہتا تھا اور پیروں فقیروں سے سٹے کے نمبر اور ایسے وظیفے پوچھتا رہتا تھا جس سے جنات قبضے میں آ جائیں، لیکن جنات بھلا ایسے قبضے میں کہاں آتے ہیں۔ ویسے اس کا بہترین مشغلہ کھیتوں سے اشیاء چرا کر انہیں استعمال کرنا تھا، خود بھی کھاتا دوستوں کو بھی کھلاتا، گھر میں نہیں لا سکتا تھا لیکن ایک بار تو اس نے گھر میں بھی پیش کش کر دی تھی۔ کہا تھا۔ ”بلاوجہ اتنی محنت کرتے ہو ابا، ان بچوں کو پالنے کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو۔“

”تیرا ستیاناس جائے کمینے، بے غیرت، بے شرم، کہاں سے کھلائے گا تو انہیں۔“

”ابا محنت مزدوری کروں گا اور کہاں سے کھلاؤں گا؟“

”تو اور محنت مزدوری کرے گا۔“

”کیوں ابا کرتا نہیں ہوں کیا؟“

”کیا کرتا ہے، ابے تو تو بھینس کا دودھ تک نہیں نکال سکتا، سارے بچے لگے رہتے ہیں تو بیٹھا دیکھتا رہتا ہے۔“

”ایسے چھوٹے موٹے کام مجھ سے نہ کرایا کرو ابا، گھر میں جتنی گندم کی ضرورت ہو گی پوری کر دوں گا، آخر یہ کھیت کھلیان کس لیے پھیلے ہوئے ہیں ہمارے آس پاس سب اپنے ہی تو ہیں۔ اب دیکھو نا آج کل چنوں کی فصل اگی ہوئی ہے، ساری بستی مجھ سے کہتی ہے مٹھو میاں ذرا تھوڑے سے چنے تو توڑ لاؤ بستی کے مختلف گھروں میں چنے کا ساگ تیار کرتا ہوں اور ابا......“

”چوری کر کے لاتا ہے نا۔ میں ابھی خود تجھے سپلائی کیے دیتا ہوں۔“ اور اس کے بعد لاٹھی کا وہ موٹا ٹکڑا جو مٹھو میاں ہی کے بدن پر پھٹا تھا فرزند خان کے ہاتھ میں آ جاتا تھا مٹھو میاں نے بھی اب وہ جگہ منتخب کر لی تھی جہاں سے وہ دروازے کے بغیر باہر جا سکتے تھے۔ دیوار کے اس کچے حصے کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے توڑا تھا اور وہاں سے نکلنے کی اچھی مشق کر لی تھی۔ بس تھوڑے سے اچکے ہاتھ دیوار پر رکھے اور دیوار کے باہر۔ کئی بار فرزند خاں اس دیوار کو مٹی سے بنا چکا تھا لیکن یہ دیوار ہی تو مٹھو میاں کا آخری سہارا تھی۔

بہر حال یہ سلسلہ جاری رہا، باپ کی طرف سے چوری کی اجازت نہیں تھی اس لیے بھائیوں کو کھلانے کی حسرت دل ہی میں رہی۔

فرزند خاں کچھ نہ کچھ کر کے کما ہی لیتا تھا، محلے کے دو چار گھروں کو بھینس کا دودھ بھی دیا کرتا تھا، بھینس کے لیے چارہ بھی لے آیا کرتا تھا۔ چھوٹے موٹے کام کر کے اسے بہت پیسے بھی حاصل کر لیا کرتا تھا، جس سے بچوں کے کپڑے اور دوسری ضرورتوں کا کام چل جاتا تھا۔ تنگ تھا تو بس مٹھو سے، یہاں تک کہ ایک دن بیوی کے مشورے سے اس نے آخری فیصلہ کر لیا۔

”میں اس نکھٹو کو نکالنا چاہتا ہوں، اب اس کا گزارا میرے گھر میں نہیں ہو سکے گا۔“

”نکالو کمبخت مارے کو، سب کا جینا حرام کر رکھا ہے، دوسرے بچے بھی سہمے سہمے رہتے ہیں۔“ ماں بھی مٹھو میاں سے عاجز تھی۔

پھر یہ فیصلہ مٹھو میاں کو سنا دیا گیا۔ ”بس اب تجھے اس گھر میں نہیں دیکھا جائے گا اور

اگر ضرورت پڑی تو میں چوہدری صاحب سے کہہ کر تجھے بستی سے بھی نکلوا دوں گا۔"

"ضرورت نہیں پڑے گی ابا، ظالم زمانہ اتنا ہی سنگدل ہوتا ہے، طاقتور کا ساتھ تو کو دیتے ہیں۔"

"سمجھ لے تو میری دولت اور جائداد سے عاق۔" فرزند خان نے کہا۔

"دولت جائداد ابا تمہاری، تمہاری دولت تو تمہارے یہ باقی دس بچے ہیں اور تمہاری جائداد یہ چھوٹا سا جھونپڑا، بھلا اس میں سے مجھے کیا حصہ ملے گا، غسل خانہ تک تو میرے حصے میں نہیں آئے گا جہاں تک رہی یہ بھینس تو ابا یہ تم سے پہلے ہی مر جائیں گی۔ ان کی عمر جتنی ہو چکی ہے تمہیں خود بھی پتہ ہے۔ لیکن میں تم سے کچھ مانگوں گا بھی نہیں۔ بس اب گھر سے نکلنے کا جنون مجھ پر سوار ہو گیا ہے اور وہ جو کہا جاتا ہے نا ابا کہ سفر وسیلہ ظفر تو میں اب سفر کروں گا اور ظفر کا وسیلہ تلاش کروں گا۔"

"دفع ہو جا یہاں سے بس، اب تو مجھے گھر میں نظر نہ آئے اور تو بھی سن لے تیری ماں مامتانہ پھٹنے لگے کبھی۔"

"ارے بھاڑ میں جائے ایسی مامتا جو اس نکھٹو کے لیے پھٹے، میں تو کہتی ہوں کہ گھر سے چلا جائے تو ہم لوگ بھی آرام سے جی لیں گے۔"

"ٹھیک ہے اماں ٹھیک ہے، اب تو ایسا کر کہ زاد راہ دے دے۔"

"کیا دے دوں؟"

"وہ چار روٹیاں پکا دے ہم تو چلے پردیس۔" مٹھو میاں نے کہا۔

"میں تجھے زاد راہ دیتا ہوں۔" فرزند خان غصے سے دھاڑتا ہوا بولا اور لپکا ڈنڈے کی طرف۔ ڈنڈا ہاتھ میں آیا تو مٹھو میاں نے پینترے بدلتے ہوئے کہا۔ "ابا یہ تو سد راہ ہے زاد راہ تو کچھ اور ہوتا ہے۔"

"تو دفع ہو جا یہاں سے بس۔"

"خیر اب اتنی جلدی بھی نہیں تھوڑی بہت رقم تو دے دو ابا تا کہ کہیں پہنچوں تو کام آئے۔"

"تو جاتا ہے کہ نہیں۔" اس بار فرزند خان نے ڈنڈا پھینک کر مارا تھا جو صحیح نشانے پر نہیں لگ سکا تھا۔ اس کے بعد وہ گھر سے نکل گیا، لیکن رات کو اس نے اطمینان کے ساتھ دیوار کود کر فرزند خاں کا حقہ اٹھایا اور پھر بستی میں رکنا مناسب نہیں سمجھا تھا، البتہ حقہ اس نے بستی ہی کے کونے پر حلوائی کو بیچ دیا تھا اور اس طرح باپ کے ورثے میں سے تھوڑی سی رقم حاصل کرنے کے بعد وہ سچ مچ وہاں سے چل پڑا۔ اب اسے نئی زندگی کی تلاش تھی۔ تھوڑے

پیسے جیب میں تھے۔ سفر جاری رہا اور اس کے بعد ایک طویل فاصلہ طے کر کے وہ بستی کے قریب پہنچا۔

رات کا وقت تھا۔ دور سے روشنیاں نظر آ رہی تھیں اور بستی کے راستے کے بارے میں معلومات نہیں حاصل تھیں۔ سڑک ناہموار تھی۔ برگد کے ایک درخت کے نیچے ایک چبوترا بنا ہوا تھا، غالباً پوجا پاٹ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ کیوں نہ اسی چبوترے پر رات گزاری جائے۔ صبح کو ذرا اہتمام کے ساتھ بستی میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ چبوترے پر گیا اور جو کچھ پاس تھا اسے کھا پی کر سر کے نیچے اینٹ رکھی اور لیٹ کر یہ سوچنے لگا کہ وہ خاصا لمبا چوڑا جوان تھا اور شکل و صورت بھی بری نہیں تھی، اس کی خواہش تھی کچھ عرصے کے بعد ہی اپنی بستی کا رخ کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ویسے اپنی بستی سے اتنا دل بھر گیا تھا کہ اب ادھر کا رخ کرنے کو دل چاہتا بھی نہیں تھا، لیٹے لیٹے تمام باتیں سوچتا رہا اور پھر آنکھوں میں نیند اترنے لگی تھی۔

☆

دوسری صبح اس وقت جاگے جب درخت پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور صبح کی را
نمودار ہوتی جا رہی تھی۔ الجھن ہونے لگی کہ آگے کیا کرنا چاہیے۔ یہ اجنبی جگہ تھی اللہ تعالیٰ
جگہ انسان کے لیے کچھ نہ کچھ بندوبست کر دیتا ہے۔ وہ بزرگ صورت آدمی خود قریب آ
گئے تھے۔

”آپ مسافر ہیں عزیزی۔“

”جی...... جی۔“ مٹھو میاں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میرا نام حکیم سعادت ہے، چھوٹا سا دوا خانہ ہے، اگر تم مسافر ہو تو میرے ساتھ
جاؤ، کسی مسافر کی خدمت کرنا عین سعادت ہے۔“

”آپ کو تکلیف ہوگی قبلہ۔“

”نہیں، یہاں تکلیف کیسی آ جاؤ۔“ اور حکیم سعادت، مٹھو میاں کو اپنے گھر لے آئے
ڈیوڑھی میں چارپائی ڈال دی اور کہنے لگے۔ ”یہاں تمہیں زیادہ تکلیف نہیں ہوگی، آرا
سے بیٹھو، کچھ کھاؤ پیو، اس کے بعد تم سے باتیں کریں گے۔“ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں
قدرت نے کیا اچھا انتظام کیا ہے۔ مٹھو میاں نے سوچا۔ حکیم سعادت نے دواخانہ گھر کے
برابر ہی ایک چھوٹی سی جگہ میں کھولا ہوا تھا، بیوی مر چکی تھی، جوان بیٹی کے باپ تھے، نگاہ
ڈھونڈتی رہتی تھیں کہ کوئی شریف زادہ ملے تو بیٹی کی خوشیاں سمیٹ لیں، بس اسی حسرت
آرزو میں مٹھو میاں کو دیکھ کر ان کے دل میں ایک عجیب سا احساس ابھرا تھا۔ لیکن مٹھو میاں
کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ کون تھے، کہاں سے آئے تھے بہرحال جو کچھ گھر
میں پکا تھا لا کر سامنے رکھ دیا اور بولے۔ ”لو بیٹے کھاؤ۔“ کھانے کے بعد پھر انہوں نے
کہا۔ ”اب ذرا کچھ اپنے بارے میں بتاؤ۔“

”بس جناب تنہا ہیں، لاوارث ہیں، دنیا میں کوئی نہیں ہے ہمارا۔ دور بستی میں رہ
تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے یہاں پہنچے ہیں۔ خیال ہے کہ کچھ دال دلیے کا بندوبست

ہو جائے تو ڈیرے جما دیں، بس یہ ہے ہماری کہانی۔“

”بہت اچھی بات ہے، سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ دال دلیہ چلا ہی دیتا ہے،
ویسے ہم حکمت کرتے ہیں، ایک بات بتاؤ، تمہیں حکمت سے کوئی دلچسپی ہے؟“

”دلچسپی تو ہمیں دنیا کی ہر چیز سے ہے، مگر زیادہ جانتے نہیں ہیں اس بارے میں۔“

”ہم سکھا دیں گے اگر سیکھنا چاہو تو۔“ حکیم سعادت کے ذہن میں کچھ اور ہی کھچڑی
پک رہی تھی۔ مٹھو میاں کو اور کیا چاہیے تھا۔ دل و جان سے تیار ہو گئے اور آخر کار حکیم
سعادت صاحب نے انہیں اپنی شاگردی میں لے لیا۔ حکمت تو خیر انہیں بھی نہیں آتی تھی،
بس الٹی سیدھی دوائیں اور شربت بنا کر کام چلا لیا کرتے تھے۔ جو کچھ وہ جانتے تھے وہی
انہوں نے مٹھو میاں کو بھی سکھانا شروع کر دیا۔ ہاں ایک بات دونوں میں مشترک تھی۔ ادھر
مٹھو میاں چلے وظیفے کرنے کے شوقین تھے تو حکیم سعادت نے بھی زندگی اسی میں گزار دی
تھی۔ دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی اور ایک دوسرے سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا، حکیم
سعادت کہنے لگے۔ ”میاں متعدد بار کیمیا گری کی کوشش کی، مگر بس ایک تاؤ کی کسر رہ جاتی
ہے، بہت سے چلے کاٹے، جنوں کو قبضے میں کرنے کا عمل کیا، مگر سب کچھ تقدیر سے ہوتا
ہے۔“

”جی ان تمام چیزوں سے دلچسپی تو مجھے بھی ہے، دولت آسانی سے ہاتھ نہیں آ جاتی،
اگر ایسا ہے تو آپ مجھے بھی کچھ وظیفے بتائیے، میں پڑھوں گا۔“

”ضرور ضرور، یہ بات جان کر تو مجھے اور بھی خوشی ہوئی، ہماری تمہاری خوب گاڑھی
چھنے گی۔“ حکیم سعادت واقعی مٹھو میاں کے آ جانے سے خوش تھے۔ ذہن میں بیٹی کا بھی
خیال تھا، لیکن اس سے آگے بھی اور سوچ رہے تھے۔ دلاری بیگم، حکیم سعادت کی نور نظر
تھیں۔ اکلوتی بیٹی تھیں نہ کچھ آگے نہ پیچھے۔ حکیم سعادت، شربت، مربے اور خمیرے بنایا
کرتے تھے جن میں سے آدھی چیزیں دلاری بیگم کے معدے میں منتقل ہو جاتی تھیں۔ حکیم
سعادت نے انہیں کبھی کھانے پینے سے منع نہیں کیا، چنانچہ دلاری بیگم کھا کھا کر کپا بلکہ کپی
ہو گئی تھیں۔ مٹھو میاں سے رفتہ رفتہ بے تکلف ہوتی جا رہی تھیں۔ حکیم سعادت خود بھی یہی
چاہتے تھے لیکن کچھ دن کے بعد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ مٹھو میاں کافی ٹیڑھی کھیر ہیں۔
کوڑھ مغز، نکمے، کاہل، بات کو نہ سمجھنے والے۔ ایک دن حکیم سعادت نے کہا۔ ”مٹھو میاں
ایک مشورہ کرنا چاہتے ہیں ہم آپ سے۔“

”ارشاد عالی۔“ مٹھو میاں ایک استاد کی حیثیت سے حکیم سعادت کی کافی عزت کیا

کرتے تھے۔

''اصل میں ہم اپنی صاحبزادی کے ہاتھ پیلے کرنا چاہتے ہیں، آپ اس سلسلے میں کوئی مشورہ دیجیے گا۔''

''یہ کون سا مشکل کام ہے، میں اس سلسلے میں آپ کی پوری مدد کروں گا۔ کل ہی لیجیے۔''

''کیا مطلب؟'' حکیم صاحب حیران رہ گئے۔

''مشورے دینے میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے، آپ ہمیں بس کل تک کا وقت دے دیجیے۔'' حکیم سعادت مسکرانے لگے پھر بولے۔ ''چلیے ٹھیک ہے، دیکھیں کل آپ کیا کر سکتے ہیں۔'' دوسرے دن مٹھو میاں نے جو کچھ کیا اسے دیکھ کر حکیم سعادت ششدر رہ گئے۔

مٹھو میاں کہیں سے پیلا رنگ لے آئے تھے۔ دلاری بیگم کے دونوں ہاتھوں پر پیلا رنگ پھیر دیا اور اس کے بعد انہیں حکیم سعادت علی کی خدمت میں پیش کر دیا۔

''یہ لیجیے، آپ اپنے اور ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔''

''کک...... کیا مطلب؟'' حکیم صاحب نے حیرانی سے کہا۔

''دیکھ لیجیے ان کے ہاتھ پیلے ہو گئے ہیں۔''

''آپ نہایت ہی نامعقول آدمی ہیں مٹھو میاں، ہر چیز کا مذاق اڑانا اچھی بات نہیں ہے۔''

''قبلہ آپ ہی نے فرمایا تھا کہ ہاتھ پیلے کرنے ہیں، ہم نے ہاتھ پیلے کر دیئے، آپ خود ملاحظہ فرما لیجیے، بھلا اس میں ہمارا کیا قصور؟''

''احمق آدمی وہ ایک محاورہ تھا۔''

''جج...... جی......'' مٹھو میاں تعجب سے بولے۔

''ہاتھ پیلے کرنے کا مطلب ہے کسی کی شادی کر دینا۔''

''مگر آپ سیدھی سیدھی بات کیوں نہیں کرتے کہ ان کی شادی کرنی ہے آپ کو۔''

''چلو اب کہے دیتے ہیں۔''

''تو پھر میں آپ کو مشورہ دوں۔''

''وہی تو مشورہ مانگا تھا ہم نے آپ سے۔''

''مشورہ یہ ہے کہ آپ ان کی شادی کر دیجیے۔'' مٹھو میاں نے رازداری سے کہا۔

حکیم صاحب پھر چراغ پا ہو گئے۔

''لاحول ولاقوۃ...... بھئی کہاں کر دیں؟''

''جہاں آپ کا دل چاہے۔''

''خوب خوب...... حکیم سعادت کو یہ جملہ کام کا محسوس ہوا تھا۔''

''کیا مطلب؟'' مٹھو میاں نے کہا۔

''یعنی آپ کہتے ہیں کہ جہاں ہمارا دل چاہے۔''

''تو اس میں حرج کی کیا بات ہے؟'' مٹھو میاں نے سادگی سے کہا۔

''تو پھر بسم اللہ ہم آپ سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کر دیں گے۔''

''جج...... جی......'' مٹھو میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''کیوں کوئی خرابی ہے ہماری بیٹی میں، اچھی شکل و صورت کی مالک ہے، تندرست ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ اکلوتی ہے۔ ہمارے بعد جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے۔''

مٹھو میاں سوچ میں ڈوب گئے، پیشکش تو اچھی ہے، گھر بار بھی مل رہا ہے، بیوی بھی رہی ہے اور اس پر جما جمایا کاروبار۔ تھوڑی بہت حکمت سیکھ ہی چکے تھے۔ کام چلانا آ گیا چنانچہ سعادت مندی سے سر جھکایا اور بولے۔ ''ہم تو آپ کے قدموں میں آئے پڑے جیسے مناسب سمجھیں۔'' اور اس کے بعد قاضی صاحب کو بلا کر مٹھو میاں کا نکاح دلاری سے کروا دیا گیا۔ دلاری بیگم مسز مٹھو بن گئیں اور اس کے بعد زندگی گزرنے لگی۔ وقت آہستہ اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ ادھر حکیم سعادت بھی خوش تھے اور داماد کے ساتھ اچھی ہی بسر ہو رہی تھی۔ حکیم سعادت نے ایک دن کہا۔ ''بھئی مٹھو میاں، آنے والے وقت لیے اگر کچھ کر لیا جائے تو اچھا نہیں ہو گا؟''

''بتائیے کیا کرنا ہے؟'' مٹھو میاں بولے۔

''میاں شادی شدہ ہو، آنے والے وقت میں بال بچے بھی ہوں گے، اس حکمت کی میں کیا رکھا ہے اور پھر سچی بات ہے اب لوگوں نے آنا جانا بھی بہت کم کر دیا ہے اور بات تو یہ ہے کہ حکمت ہم جانتے ہیں نہ آپ۔''

''تو پھر بتائیے کیا کیا جائے؟''

''بھئی کچھ چلّے وظیفے کا سلسلہ شروع ہونا چاہیے، پہلے تو میں تنہا تھا اب تم میرے ہو۔ ایسے کئی وظائف میرے علم میں ہیں جنہیں دو افراد مل کر کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی قبضے میں آ جائے تو سمجھ لیجیے کہ زندگی بن جائے گی۔ دولت کے انبار لگ جائیں'' مٹھو میاں کے منہ میں پانی آ گیا بولے۔ ''واقعی میں بھی پچھلے کئی دنوں سے سوچ رہا

ہوں کہ اماں ابا سے یہ کہہ کر نکلا تھا کہ کچھ بن کر آؤں گا۔ اب تک صرف شوہر بن
ہوں۔ باقی کچھ نہیں۔"

"تو پھر کیا کہتے ہیں؟"

"ایسے کسی وظیفے کی تلاش کیجیے جو ہم دونوں مل کر کر سکیں۔"

"ہاں اصل میں ہم نے وظائف تو بہت سے کیے لیکن ایک کمی رہی اور وہ کمی تھی
مرد کامل کی تلاش، وظیفہ ہمارے علم میں ہے مگر اجازت ضروری ہوتی ہے، اس طرح
پشت پناہی رہتی ہے، خیر ہم تلاش کرتے ہیں کسی مرد کامل کو۔" حکیم سعادت نے کہا۔

❀ ❀ ❀

راج گندل اس بستی میں پہنچا تھا جہاں حکیم سعادت اور مٹھو میاں موجود تھے۔ را
گندل نے اب منکاری کو اپنا گرو مان لیا تھا اور وہ کچھ کرنے سے پہلے اپنے گرو سے مشو
کر لینا چاہتا تھا۔ بستی میں اس نے ایک ایسی جگہ قیام کیا جو آبادی سے کچھ فاصلے پر تھی
یہاں انگریزوں کے زمانے کی کوئی عمارت تھی، جو اب ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گئی تھی۔ ا
اس کھنڈر میں لوگ اکثر رفع حاجت کے لیے آ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ گندگی کے ڈھیر ا
غلاظت کے انبار یہاں لگے ہوئے تھے۔ عام طور سے کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا تھا۔ را
گندل کے لیے اس سے اچھی جگہ اور کون سی ہو سکتی تھی۔ اس نے وہیں آ کر قیام کیا اور پ
اس نے ان دونوں کا جائزہ لیا جن میں سے ایک کی نشاندہی منکاری مہاراج نے کی تھی۔
مٹھو میاں ہی تھے مگر راج گندل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مٹھو میاں سے کیسے رابطہ قائم کیا جائے۔

جب دو تین دن وہاں قیام کر چکا اور کوئی ایسی بات ذہن میں نہ آئی تو اس نے د
تین شبدھ پڑھے جو گرو منکاری کو بلانے کے لیے ہوا کرتے تھے۔ فوراً ہی گرو منکاری ایک
طرف سے آتا ہوا نظر آ گیا۔

راج گندل نے کہا۔ "جے مہا منکاری، اب تو آپ ہی میرے گرو ہیں، آپ کے ب
مجھے سارے راستے بند لگتے ہیں۔"

"میں نے تجھ سے کوئی گرو دچھنا نہیں لی سوائے اس چھوٹے سے کام کے جو تو نے
میرے لیے کیا۔ ہو سکتا ہے کبھی میں تجھ سے کوئی گرو دچھنا مانگ لوں۔ خیر چھوڑ بتا، میرے
بتائے ہوئے پتہ پر تو پہنچ گیا، آگے کیا کیا تو نے۔"

"منکاری مہاراج، تین دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے کچھ بھی نہیں کر سکا، ابھی مجھے
آپ کی انگلی پکڑ کر ہی چلنا ہو گا، میری سہائتا کیجیے۔"

یہاں تک پہنچا دیا تجھے، اب آگے تجھے خود بھی تو کچھ کرنا چاہیے۔"

"ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں مہاراج ابھی مجھے آپ کی مدد کی ضرورت پیش آئے گی۔"

"دیکھ ابھی گرو دچھنا باقی ہے تجھ پر۔ سمے آنے پر ہم تجھ سے جو کچھ مانگیں گے تجھے
ا ہو گا، وچن دیتا ہے؟"

"بھلا میں مہاراج سے منہ کیسے موڑ سکتا ہوں۔"

"سوگند کھا بھوانی ماں کی؟"

"سوگند کھاتا ہوں بھوانی ماں کی۔"

"اور اب تو اگر اپنی اس سوگند سے پھرا تو جانتا ہے کیا ہو گا۔ بھوانی ماں جھوٹی سوگند
انے پر کبھی نہیں چھوڑتی۔ تیرے سارے شریر سے کوڑھ پھوٹ پڑے گا اور تجھے موت بھی
ں آئے گی، سنسار تجھ سے گھن کھائے گا اور دنیا والے تجھے دھکے دے کر آبادی سے
لوں میں نکال دیں گے، جہاں جانور بھی تیرے قریب نہیں آئیں گے، سمجھا؟" راج
دل کا پورا بدن خوف سے لرز گیا۔ اس نے خوف سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مہاراج،
جھوٹی سوگند نہیں کھاؤں گا، جو گرو دچھنا آپ مانگیں گے وہ میں آپ کو دوں گا۔"

"ٹھیک۔" منکاری ہنسنے لگا اور پھر بولا۔ "ہم بھی تیرے لیے بہت کچھ کرتے رہے
، بہت سے پتے لگا لیے ہم نے، جانتا ہے کیا کیا؟"

"نہیں جانتا مہاراج۔"

"اس لڑکی کا پتہ لگا لیا ہے ہم نے کہ وہ کہاں پل رہی ہے۔"

"کیا؟" راج گندل اچھل پڑا، پہلے اس کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہوئے اور
آہستہ آہستہ اس کے چہرے کی خوشی بجھ گئی، پھر مردہ لہجے میں بولا۔ "مگر اب تو وہ میرے
ے بیکار ہو چکی ہے مہاراج! اب مجھے اس کا کیا کرنا ہے۔"

"باؤلے اب تو اپنی عقل سے مت سوچ، جو وچن تو ہمیں دے چکا ہے اس کے بعد
رکی ہر چنتا ہمیں ہے۔"

"مگر مہاراج سابلی پنتھ میں تو مجھے یہ ادھیکار حاصل تھا کہ اگر اس لڑکی کی بھینٹ اس
ے جب وہ اپنے منہ سے اپنے دین دھرم کا اقرار کرے میں مہا سابلی کو دے دوں تو وہ
ھے سنسار کی سب سے بڑی شکتی بخش دیں گے مگر اب تو میری پنتھ ہی بدل چکی ہے۔"

"سو تو ہے، پر تو نے کہا نا کہ تیرے من میں بدلے کی بھاؤنا ہے اور تو اس مسلمان
لم سے بدلہ لینا چاہتا ہے۔"

ہاں مہاراج، بس یہی ہے میرے من میں۔"

"میں نے اس مسلمان عالم کا بھی پتہ لگا لیا ہے کہ وہ کہاں ہے، وہ اب اپنے گھر میں نہیں رہتا، بلکہ گھر چھوڑ چکا ہے وہ۔" راج گندل کے چہرے پر نفرت کے شدید آثار نظر آنے لگے وہ بولا۔ "وہ جہاں بھی ہے شکتی مان بن کر میں اسے تباہ کر دوں گا۔"

"اور ہم نے تجھے یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے قبضے میں ایک جن تھا، اس جن کے بارے میں بھی ہم نے معلوم کر لیا ہے، عالی جاہ ہے اس کا نام اور مزے کی بات یہ ہے کہ اس سے وہ جن اس مسلمان عالم کے قبضے میں بھی نہیں ہے جس کا نام ادریس علی ہے۔"

"کیا......اب وہ جن اس کے قبضے میں نہیں ہے؟"

"ہاں......وہ اس کے قبضے میں نہیں ہے، اس نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ ہم نے تجھے جو کچھ بتایا تھا وہ معمولی باتیں نہیں تھیں۔ یہ دونوں مسلمان حکیم سعادت اور مٹھو میاں بہت سے چلے وظیفے جانتے ہیں، اگر ان کے کانوں میں یہ بات ڈال دی جائے کہ وہ عالی جاہ نامی جن کو اپنے قبضے میں کر لیں تو سمجھ لے کر وہ جن جو ادریس علی کی مدد کرتا تھا ان کے قبضے میں چلا جائے گا۔ وہی جن اس لڑکی کو بھی پال رہا ہے اس کا ماما بن کر۔ سارے کھیل ساری شکتی ختم ہو جائے گی۔ ان کے پاس سے اور پھر جن ان لوگوں کے قبضے میں بھی نہیں رہے گا۔ اب تو ایک مسلمان درویش بن کر انہیں مشورہ دے گا کہ جن کو بوتل میں بند کر کے بوتل تجھے دے دیں تو ان کی ہر طرح کی مدد کرے گا بلکہ انہیں شروع ہی سے کچھ دینا شروع کر دے۔ دھن لوگوں کی آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ تو کوئی ایسی چال چل جس سے وہ دونوں سسر داماد تیرے قریب آ جائیں۔ اس طرح جن کی مدد بند ہو جائے گی۔ ساری شکتی تیرے ہاتھ میں آ جائے گی اور پھر تو اس عالم سے بھرپور بدلہ لینا۔"

راج گندل کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا پھر اس نے کہا۔ ٹھیک ہے مہاراج وہ تو نہیں ہوا جو میرے من میں تھا پر میرے من کی اگن تو بجھ جائے گی۔ میں اس مسلمان عالم کو برباد کر سکوں گا۔

"بھوانی ماں تجھے شکتی بھی دے دے گی جس کا تو خواہشمند ہے۔ تو نے دیکھ لیا کہ اس کا داس بننے میں تجھے پھر سے کامیابی حاصل ہونے لگی۔"

جے ہو مہاراج کی مگر مہاراج ایک بات میرے من میں کھٹک رہی ہے۔"

"وہ کیا......؟"

"آپ کو معلوم ہے کہ میں بڑا شکتی مان تھا، مگر میری ہوس پوری نہیں ہوتی تھی اور میں

ہا شکتی مان بننا چاہتا تھا۔ جس کی وجہ سے میرا کریا کرم ہو گیا۔ مہاراج آپ اتنے بڑے شکتی مان ہو کر بھی اپنا کوئی استھان نہیں بناتے۔ آپ کو تو سنسار کی بہت بڑی شکتی حاصل ہے۔ آپ نہ صرف کالے گیان کے ماہر ہیں، بلکہ مسلمانوں کے چلے وظیفوں کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتے ہیں۔ اتنا بڑا گیان آپ نے کیسے حاصل کیا اور جب حاصل کر لیا ہے تو اس سے کوئی فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے۔" راج گندل کے اس سوال پر منکاری کا چہرہ کچھ بجھ سا گیا، یوں لگا جیسے کسی خیال نے اسے مغموم کر دیا ہو، راج گندل اس کی اس کیفیت کو محسوس کر رہا تھا، اس نے کہا۔ "میں نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے مہاراج جو آپ کے من کو بری لگی ہو، اگر ایسا ہے تو مجھے شما کر دیں۔"

"نہیں، تیرا سوال ایسا ہے جس کا جواب ہمیں دکھی کر رہا ہے۔"

"شما چاہتا ہوں مہاراج! اگر ایسی بات ہے تو میں اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔"

"نہیں رے پاگل! تو نے من کے تار چھیڑ دیئے ہیں تو اب تجھے کچھ بتائے بغیر ہمیں بھی سکون نہیں ملے گا۔" منکاری سوالیہ نگاہوں سے راج گندل کو دیکھنے لگا، پھر بولا۔

"بھرا پرا پریوار تھا ہمارا، ماتا پتا کی موت کے بعد حویلی کا سارا نظام ہمارے بڑے بھیا نے سنبھال لیا تھا، بڑے بھیا کو تو تو دیکھ ہی چکا ہے۔ ست پال سنگھ کی بات کر رہے ہیں، اپنا نام ہم نے تجھے بتا دیا کہ ہمارا نام جوگندر پال سنگھ تھا۔ منکاری ہم کیسے بنے یہ بھی تجھے بتا چکے ہیں، بڑے بھائی ست پال سنگھ نے بھاوجوں کے ساتھ مل کر جائیداد ہتھیانے کے لیے ہمارے ساتھ سازش کی اور ہم نے گھر بار چھوڑ دیا پھر سنسار میں مارے مارے پھرتے رہے۔ بڑا دکھ تھا ہمیں اپنوں سے بچھڑ جانے کا، پریم بھی کرتے تھے اس لڑکی سے جسے ہم نے تیرے ہاتھوں مروا دیا۔ جیون گزارنے کے لیے ایک طریقہ سوچا ہوا تھا ہم نے، انہوں ہی نے ہمارے ساتھ غداری کی اور سنسار سے من اچاٹ ہو گیا ہمارا۔ پھر ہمیں مہا شکتی ملی اور ہم نے سوچا کہ ست پال سنگھ کو بتا دیں گے کہ ہم کیا تھے اور کیا ہیں، پر بھاگ ہمارا ساتھ نہ دے سکے۔ بھوانی ماں نے ہماری بھینٹ لے لی۔ ایک دن ایک ایسی جگہ سو رہے تھے جس کے اوپر پتھر کی چٹانوں کی چھت تھی کہ زلزلہ آ گیا اور وہ چھت ہمارے اوپر گر پڑی۔ ہمارا شریر چور چور ہو گیا، پر ہمارے پاس آتما شکتی تھی۔ ہماری آتما اس چٹان کے نیچے سے اگی، منکاری کے داس تھے اور بھوانی ماں کے زیر سایہ، شریر تو وہیں دب کر چور چور ہو گیا، مگر آتما کی شکتی برقرار رہی اور ہم اپنی اسی آتما کے سہارے اپنے من کی شانتی تلاش کرنے لگے۔ ہمیں بڑا دکھ تھا ہم سے ہمارا جیون چھیننے والے ہمارے اپنے تھے۔ کسی آتما کو

یہ شکتی نہیں حاصل ہوتی کہ وہ کسی زندہ انسان کو ہلاک کر دے، ہاں وہ اسے ذرا دھمکا کر اس
کا جیون چھین سکتی ہے، آتما کے ہاتھ نہیں ہوتے، تو نے کبھی ہمیں چھو کر دیکھا۔"

راج گندل خود کالی دنیا کا کالا آدمی تھا، نجانے کیسے کیسے جادو منتر کر چکا تھا۔ بھوت،
چڑیلیں، پچھل پیریاں اور نجانے کیا کیا اس کے میت رو چکے تھے، پر نجانے کیوں اس وقت
اس کے پورے بدن میں خوف کی سرد لہریں دوڑ گئیں۔

منکاری نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ذرا چھو کر دیکھ ہمارے ہاتھ کو، اب
جب تو نے ہمارے بارے میں سب کچھ جاننے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو یہ بھی جان لے،
ارے پاگل، ڈر کیوں رہا ہے ہم سے۔ دوست ہیں تیرے۔ ہاتھ آگے بڑھا۔" راج گندل
نے اپنا لرزتا ہوا ہاتھ اوپر اٹھایا اور منکاری کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی، لیکن وہاں ہوا کے
ایک جھونکے کے سوا اور تھا ہی کیا۔ اس کا ہاتھ منکاری کے ہاتھ سے گزر گیا۔ منکاری آگے
بڑھا اور اس کے بدن سے گزرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا، راج گندل تھر تھر کانپ رہا تھا۔

منکاری ہنسنے لگا پھر بولا۔ "ارے کیا تھرتھری ڈال لی ہے تو نے اپنے شریر میں، کوئی
نقصان تو نہیں پہنچے گا، ہماری ذات سے تجھے، اب تو یہ جان گیا ہوگا کہ ست پال سنگھ اور
دوسرے دو انسانوں کو ہم نے تیرے ہاتھوں کیوں مروایا، یہ کام ہم نہیں کر سکتے تھے، پر تو نے
ہماری آتما شانت کی اور ہمیں تجھ سے پریم ہو گیا۔ ہم نے تجھے تیری ان کوششوں کا بدلہ
دینے کی بھرپور کوشش کی ہے، کیا سمجھا؟"

"جے ہو منکاری مہاراج! آپ نے میرا من روشن کر دیا ہے، میں آپ کے لیے دکھی
ہوں منکاری مہاراج! بہت دکھی ہوں میں آپ کے لیے کہ آپ زندہ نہیں ہیں۔"

منکاری ہنسنے لگا پھر بولا۔ "تجھ سے پکی دوستی ہو گئی ہے ہماری، چیلا بن گیا ہے تو ہمارا،
بہت کچھ مانگیں گے ہم تجھ سے۔ گرو دچھنا کا وچن دیا ہے تو نے۔"

"پران بھی دے سکتا ہوں مہاراج آپ کے لیے، میں صحیح معنوں میں آج آپ کا
چیلا بنا ہوں پورے تن من دھن سے۔"

منکاری پھر اسی انداز میں ہنسا اور بولا۔

"دیکھ آتما کالی ہوتی ہے نہ گوری، کیونکہ سنسار پر اس کا کوئی ادھیکار نہیں ہوتا۔ پر آتما
کو ہر بات معلوم ہوتی ہے۔ چل چھوڑ بہت ساری باتیں ہو گئیں، اب تو اپنا کام کر، دیکھ
یہاں سے تھوڑے فاصلے پر پیپل کا ایک درخت ہے اس کے نیچے آسن مار کر بیٹھ جا۔ حلیہ
بدلنا پڑے گا تجھے۔ لمبی داڑھی، کالا کفن، لمبی ٹوپی اور اس کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں کشکول،

سلطان عالم بنا پڑے گا اور یہاں بیٹھ کر اپنی مشہوری کرنا ہوگی جیسا کہ میں تجھے پہلے
چکا ہوں۔"

"دھنے واد مہاراج، دھنے واد۔"

"بڑی دیر ہو گئی چلتا ہوں میں۔" منکاری نے کہا، پہلے وہ ہمیشہ اپنے قدموں سے چل
راج گندل کے سامنے سے جاتا تھا، لیکن اب اچانک وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور اس طرح
ہو گیا جیسے جلتا چراغ بجھ جاتا ہے۔

✿ ✿ ✿

شرف الدین کی بھینس کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور اس کی حالت کافی خراب ہوتی جا
تھی، شرف الدین دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا، پاس پڑوس کے لوگوں نے مشورہ دیا کہ
جلدی ہو سکے بھینس کو جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے، ہو سکتا ہے اسے
لگا کر بچا لیا جائے۔ شرف الدین تیار ہو گیا۔ گھر میں ہاہا کار مچی ہوئی تھی۔ ایک ہی
تھی شرف کی جو اس کے چھ بچوں کی کفالت کرتی تھی۔ اگر وہ مر گئی تو شرفو خود بھی بے
مر جائے گا۔ بہرحال دوستوں اور ہمدردوں کی مدد سے وہ بھینس کو لے کر چل پڑا۔
لڑکھڑا رہی تھی۔ منہ سے نیلے نیلے جھاگ نکل رہے تھے۔ اب اسی میں بہتری تھی کہ
جلد سے جلد جانوروں کے ہسپتال پہنچ جائے جو بستی کے آخری سرے پر واقع تھا۔ اس
علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ بھینس چند قدم چلتی اور اس کے بعد بیٹھنے لگتی تو سب لوگ
اسے سہارا دیتے اس طرح چلتی ہوئی وہ بستی کے مشرقی علاقے میں پہنچی جہاں پیپل کا
ت تھا جس کے نیچے ایک بابا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ لمبے لمبے بال، لمبی داڑھی، لمبی ٹوپی،
لے رنگ کی کفنی، بستی میں پہلی بار ہی نظر آیا تھا۔ نجانے شرف الدین کے دل میں کیا
دھاڑیں مارتا ہوا پیپل کے درخت کے نیچے پہنچ گیا اور بابا کے پاؤں پکڑ لیے۔

"بچالو میاں جی، بچالو بابا جی، میرے بچوں کا سہارا ہے، یہ مر گئی تو میرے بچے بھی
ئیں گے۔ کچھ نہیں ہے ہمارے پاس میاں صاحب میری بھینس کو بچالو۔" اس نے
ت کی جڑ سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور شرفو کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے بولا۔ "جاؤ بھینس
دو، ٹھیک ہو جائے گی۔" شرفو نے عقیدت سے دونوں ہاتھوں میں مٹی لے لی اور
کی طرف دوڑا اس نے تھوڑی سی مٹی بھینس کے زخم پر ڈالی اور باقی اس کے اوپر
دی، اس کے ساتھ آنے والوں نے کہا۔ "شرفو، اٹھا بھینس کو، دیر ہو گئی اور زہر نے
کر لیا تو مر جائے گی۔"

"بابا صاحب نے یہ مٹی دی ہے کہتے ہیں ٹھیک ہو جائے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے پھر بھی بھینس کو اٹھا تو سہی۔" وہ لوگ پھر وزنی بھینس کو کھڑا کرنے کی کوشش کرنے لگے، لیکن وہ کھڑی نہ ہوئی البتہ اس کے منہ سے نیلے جھاگ نکلنا بند ہو گئے تھے اور پہلے جو اس کی گردن جھکی ہوئی تھی، وہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی، پھر اس نے گردن سیدھی کر لی اور دم کو اِدھر اُدھر مارنے لگی۔ پھر کچھ ہی لمحوں کے بعد بھینس اٹھ کر کھڑی ہو گئی، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے اندر نئی زندگی دوڑ گئی ہے۔ وہ اِدھر اُدھر دم مارنے لگی اور لوگوں کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا کوئی کچھ۔

شرفو بابا کی طرف دوڑا اور اس نے ان کے پاؤں پکڑ لیے۔ "آپ نے مجھے نئی زندگی دے دی ہے بابا۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اللہ نے آپ کو میرے لیے ہی بھیجا تھا، بچا لیے آپ نے میرے بابا صاحب!"

تمام لوگ دنگ رہ گئے تھے۔ ہر طرف دھوم مچ گئی۔ اس کے ساتھ ہی کچھ اور کام بابا صاحب نے کیے اور پھر تو انہیں جان بچانا مشکل ہو گئی۔ لوگ دوڑے چلے آرہے تھے اور بابا کے انداز میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ بہرحال شروع کے تین یا چار دن ان سے جو کچھ ہو سکا انہوں نے کیا اور جب یہ بھیڑ بڑھتی چلی گئی تو انہوں نے ایک آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "سنو! شفا ہر شخص کے لیے نہیں ہوتی۔ یہ سارے کام کہیں اور سے ہوتے ہیں، میں ایک کنڈل بنائے دیتا ہوں، اگر کوئی آسانی سے اس کنڈل کو پار کر لے تو میرے پاس آ سکتا ہے اور اگر اسے اندر آنے میں مشکل پیش آئے اور یوں لگے جیسے دیواریں اسے روک رہی ہیں تو وہ خاموشی سے واپس چلا جائے۔" یہ ترکیب کارگر ہوئی، راج گندل کے لیے بھلا کیا مشکل تھا کہ وہ اپنے جادو منتروں سے بنائے ہوئے اس گھیرے سے آنے والوں کا راستہ روک دے۔ جن کا انتظار تھا وہ ابھی تک نہیں آئے تھے۔ البتہ اس کی شہرت بہت دور دور تک پھیل گئی تھی، حکیم سعادت علی اور مٹھو میاں نے بھی ان کی کہانی سنی۔ کافی دنوں سے حکیم سعادت کے مطب میں کوئی مریض نہیں آیا تھا، جسے دیکھو بابا کے پاس بھاگا جا رہا ہے اور کچھ نہیں تو کنڈل کے اس طرف کی مٹی ہی اٹھا کر لوگوں نے اپنا علاج شروع کر دیا تھا کیونکہ یہ بات انہیں معلوم ہو چکی تھی کہ بابا نے ایک مٹھی مٹی کی بھر کر دی اور بھینس بھلی چنگی ہو کر کھڑی ہو گئی۔ مٹھو میاں نے حکیم سعادت سے کہا۔ "آپ نے ان بابا کے بارے میں سنا ہے۔"

"ہاں آج کل بڑی خبریں آرہی ہیں ان کے بارے میں۔"

"ساری خلقت پہنچ گئی ہے، بس ہم نہیں پہنچے، ہمارا بھی کچھ کام بن جائے تو اس سے اچھی بات بھلا اور کون سی ہو سکتی ہے؟"

"تو پھر چلتے ہیں آج ہی۔" دونوں سسر، داماد تیار ہو کر چل پڑے۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا، جب وہ درخت کے نزدیک پہنچے تو انہوں نے بے شمار لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ لوگ درخت سے دور تھے اور ایک عجیب تماشا ہو رہا تھا، لوگ آگے بڑھتے اور پھر بے بسی سے کھڑے ہو جاتے۔ بس اکا دکا افراد ہی تھے جو آگے بڑھ کر درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے بابا تک پہنچ جاتے اور وہاں سے کچھ لے کر واپس آجاتے۔ حکیم سعادت نے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس طرح جو شخص اس کنڈل کو عبور کر جاتا ہے بس وہ پاس پہنچ سکتا ہے حکیم سعادت نے داماد کی طرف دیکھا اور مٹھو میاں بولے۔ "چلیے قسمت آزماتے ہیں۔"

انہوں نے کنڈل کے دوسری طرف پاؤں رکھا تو کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوئی اور دونوں بابا کے بتائے ہوئے گھیرے کے دوسری طرف پہنچ گئے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بابا کے نزدیک آگئے۔ بابا نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ بیٹھو کیا چاہتے ہو؟"

"بس، آپ کی شہرت سن کر چلے آئے، ہم بھی ضرورت مندوں میں سے ہیں اور آپ کی دعائیں چاہتے ہیں۔ حکمت کی دکان ہے جو بالکل نہیں چلتی، پریشانیاں گھر گھیرے ہوئے ہیں۔"

"تمہارے پاس تو خزانہ ہے، دوسروں سے کیا مانگتے ہو، رات ڈھلے آنا میرے پاس، اس وقت روشنی ہے اور خلقت ادھر ہی دیکھ رہی ہے۔ چاند نکلنے سے پہلے میرے پاس پہنچ جانا، ان دنوں آخری رات کا چاند ہے، جاؤ۔"

حکیم سعادت خوش خوش وہاں سے اٹھ گئے، زمین پر پاؤں نہیں پڑ رہے تھے، کنڈل سے باہر آکر داماد سے بولے۔ "بیٹا بات بن گئی، بڑے پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔"

مٹھو میاں بھی خوش تھے۔ بابا کے حکم کے مطابق رات کے وقت درخت کی طرف چل پڑے۔ اندر داخل ہونے میں انہیں اب بھی کوئی دقت نہیں ہوئی جبکہ ہجوم وہاں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا، لوگوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیئے تھے۔ بابا جاگ رہا تھا اور اسی طرح درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں، سب سے پہلے تو یہ لو۔" بابا نے جھولی میں

ہاتھ ڈال کر دونوں مٹھیاں بھریں اور ایک ایک مٹھی ان دونوں کی طرف بڑھا دی جو
کے ہاتھ میں آیا اسے دیکھ کر ان کے سانس رک گئے۔ یہ اشرفیاں تھیں۔ سونے کی
رات کی تاریکی میں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ تعداد میں کافی تھیں۔ اگر اس سونے کو
جائے تو اچھی خاصی رقم حاصل ہو سکتی تھی۔ ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ بابا نے کہا۔
اپنے لباس میں پوشیدہ کر لو، یہ میری طرف سے تمہارے لیے ایک چھوٹا سا تحفہ ہے،
جو بات کرنا چاہتا ہوں وہ تمہاری پیشانی کی تحریر دیکھ کر میرے دل میں آئی ہے۔
رسیدہ شخص تم چلے وظیفوں کے ماہر ہو۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کیا تمہیں جنات کو قابو میں کرنے
وظیفے آتے ہیں۔

''بہت سے، بابا صاحب۔''

''تم نے کبھی کسی جن کو قابو میں کرنے کی کوشش کی ہے؟''

''زندگی میں اور کچھ کیا ہی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ چلہ پورا ہونے والا تھا تو جن نے
کرندی میں پھینک دیا۔ تیرنا نہیں آتا ہمیں، بڑی مشکل سے جان بچائی، دوسری مرتبہ
چلہ تقریباً پورا ہو گیا تھا تو ایک بھینسے نے آکر زوردار ٹکر ماری آج تک کولہا ٹیڑھا ہے،
کے بعد کبھی ہمت نہیں ہوئی۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ وظیفہ کرنے کے لیے کسی بزرگ سے اجازت لینا پڑتی ہے۔''

''بعد میں معلوم ہوا بابا صاحب! پھر کوئی ایسا مرد کامل ملا ہی نہیں۔''

''جاؤ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں مگر ایک کام کرنا ہوگا تمہیں۔''

''جی بابا صاحب بتایئے میں حاضر ہوں۔''

''چلہ اسی جگہ بیٹھ کر کرنا ہوگا یا پھر کوئی ایسی جگہ جو آبادی سے دور ہو۔ تمہارا یہ لڑ
تمہاری حفاظت کرے گا اور تم چلہ کرو گے، اگر جن تمہارے قبضے میں آجائے تو یہ بوتل اپنے
پاس رکھو۔ اسے اس میں بند کر لینا ہے، لوگ جنوں کو آزاد کر دیتے ہیں اور نقصان اٹھاتے
ہیں۔ اس وقت تک تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا جب تک جن کو اس بوتل میں بند نہیں کر لو
گے، جیسے ہی جن اس بوتل میں جائے، بوتل بند کر دینا، جب تم اپنا چلہ مکمل کر لو گے تو پھر
میں تمہیں بتاؤں گا کہ آگے تمہیں کیا کرنا ہے۔''

حکیم سعادت کی تو باچھیں کھل گئی تھیں، چلے وظیفوں کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ بس
دو چار مرتبہ تجربات الٹے ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تھی، لیکن اس بار ایک
پہنچا ہوا بزرگ انہیں اجازت دے رہا تھا۔ اب تو کوئی مشکل ہی نہیں تھی، بوتل سنبھال کر

ں میں رکھی۔

بابا نے کہا۔ ''تمہیں ایک خاص بات کا خیال رکھنا ہے، اپنے وظیفے میں تم جس جن کا
لبہ کرو گے اس کا نام عالی جاہ ہے۔ خیال رکھنا، تمہیں عالی جاہ کو قبضے میں کرنا ہے۔''

پھر بہت سی ہدایتیں دیں بابا نے اور اس کے بعد وہ وہاں سے خوش خوش واپس چل
ے۔

حکیم سعادت نے مٹھو میاں کو شہر بھیج دیا کہ ذرا سونے کے کھوٹے کھرے کی تمیز ہو
ے۔ ایک جوہری نے بڑی خوشی سے وہ اشرفی خرید لی اور مٹھو میاں ساز و سامان سے
ے پھندے گھر آگئے۔

''وہ تو میں پہلے ہی کہتا تھا نا کہ بابا کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں۔ میں چلے کی
ں کرتا ہوں، ہوشیاری سے سارے کام کرنے ہیں۔''

بابا تو دوسرے ہی دن وہاں سے غائب ہو گئے تھے۔ لوگوں کا ہجوم انہیں تلاش کرتا رہ
تا، لیکن بہرحال حکیم سعادت نے ایک ایسی جگہ منتخب کر لی جو آبادی کے آخری سرے پر
ں کے ہسپتال کے تھوڑے سے فاصلے پر تھی۔

ایک درخت کا انتخاب کیا گیا اور آخرکار حکیم سعادت نے چلہ کشی شروع کر دی۔ مٹھو
کی ڈیوٹی تھی کہ لٹھ لے کر سر صاحب کا پہرہ دیں، اشرفیاں ہاتھ آچکی تھیں، سوچا کہ
حب کی عنایت سے اگر جن بھی قبضے میں آجائے تو پھر تو بات ہی کیا ہو گی جو کچھ
ہو گا انہیں کا تو ہو گا۔ بیوی کو لے کر مال و دولت کے ساتھ ماں باپ کے پاس
گے اور انہیں بھی نہال کر دیں گے۔

چلے کے دن گزرنے لگے۔ حکیم سعادت وظائف کے ماہر تھے۔ عالی جاہ کو قبضے میں
کے لیے کام شروع ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ چالیسواں دن بھی آگیا۔ اس دوران
ب و غریب وارداتیں ہوتی رہی تھیں۔

چالیسویں دن کا آخری لمحہ پورا ہوتے ہی ایک بے نقش ہیولا سامنے آیا اور پھر اس
ں اختیار کر لیے۔

''فرمایئے حکیم صاحب کیا حکم ہے۔ میرا نام عالی جاہ ہے۔''

کیم صاحب نے دہشت زدہ آنکھوں سے اس وجود کو دیکھا اور اس کے خدوخال میں
لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔ ''عزیزی اس بوتل میں آجاؤ۔''

تا نے حیرت بھری نگاہوں سے حکیم سعادت کو دیکھا اور اس کے بعد وہ ایک دھویں

کی لکیر کی شکل اختیار کر گیا۔ یہ لکیر چند لمحے گردش کرتی رہی اور پھر بوتل کے کھلے منہ
اندر داخل ہو گئی۔ اس کے بعد حکیم سعادت نے فوراً ہی بوتل میں ڈاٹ لگا دی۔ ان کا
خوشی سے کانپ رہا تھا۔

مٹھو میاں کو اس صورت حال کا کوئی اندازہ نہیں تھا، وہ تو ڈنڈا لیے بیٹھے سو رہے تھے
حکیم سعادت نے بوتل کو اچھی طرح بند کیا اور ان کے کانوں میں جن کی آواز ابھری
"میرے آقا! میں آپ کی غلامی میں آ چکا ہوں، لیکن بوتل کی قید میری سمجھ میں نہیں آئی
آپ مجھے حکم دیجیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں، مجھے اس بوتل سے باہر نکال لیجیے۔"

"اب تو یہ کام ہمارے مرشد ہی کریں گے کیا سمجھے؟" حکیم سعادت نے کہا اور اپنی
جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

بوتل کو انہوں نے لباس میں محفوظ کیا اور چلہ گاہ سے باہر آ گئے، مٹھو میاں کو شانہ جھنجھوڑ
کر جگایا تو مٹھو میاں اچھل پڑے اور ڈنڈا لے کر تیار ہو گئے۔

"کک...... کیا ہوا؟"

"آ جا میرے ساتھ گھر چلتے ہیں۔" وہ دونوں ویران رات میں آگے بڑھنے لگے
لیکن ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ انہیں وہی بابا نظر آیا۔ وہ اس طرح راستہ روکے کھڑا
ہوا تھا جیسے انہیں آگے بڑھنے سے روکنا چاہتا ہو۔

"لا وہ بوتل مجھے دے دے، مجھے معلوم ہے کہ تو کامیاب ہو چکا ہے۔"

"جی آپ کی محبت اور آپ کی مہربانیوں سے جن میرے قبضے میں آ گیا ہے اور میں
نے اسے بوتل میں بند کر لیا ہے، یہ لیجیے۔"

اچانک ہی بوتل سے باریک باریک آوازیں ابھرنے لگیں۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں
حکیم صاحب! یہ شخص کالے علم کا ماہر ہے، خدا کے لیے مجھے اس کے حوالے نہ کیجیے،
جادوگر ہے، اس کا نام راج گندل ہے۔ یہ سب کچھ نہ کریں آپ، آپ کو خدا کا واسطہ
میرے ساتھ یہ ظلم نہ کریں۔ میں نے آپ کے غلام کی حیثیت سے آپ کا حکم مانا ہے۔ حکیم
صاحب یہ نہ کیجیے، آپ کو......"

لیکن حکیم سعادت بوتل راج گندل کے حوالے کر چکے تھے۔ راج گندل کے حلق سے
ایک قہقہہ نکلا اور دوسرے لمحے وہ پلٹ کر واپس چل پڑا۔ حکیم سعادت اور مٹھو میاں کھڑے
اس کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔

"کیا کہہ رہا تھا یہ جن؟"

"قبلہ جو کچھ کہہ رہا تھا مجھے تو وہ سچ ہی لگ رہا تھا، آپ بتائیے جن کو آپ نے قابو
کیا، بوتل میں بند کیا اور بوتل وہ لے گیا، وہ جن جو کچھ کہہ رہا تھا وہ بھی سن لیا ہو گا آپ
نے۔"

"مگر کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا نہیں ہو گیا ہے، آئیے۔"

بہر حال دونوں گھر پہنچے۔ دوسرا سنگین حادثہ ان کے ساتھ یہ ہوا تھا کہ جب انہوں نے
اشرفیوں کو دیکھا تو وہ سونے کی نہیں تھیں بلکہ مٹی کی ٹھیکریاں تھیں۔ حکیم سعادت نے سر
پکڑ لیا اور بولے۔ "چوٹ ہو گئی، مگر وہ اشرفی تو چل گئی تھی جو تم لے کر بازار گئے تھے۔"

"وہ اس لیے چل گئی تھی قبلہ کہ اس وقت تک اس جادوگر کا کام پورا نہیں ہوا تھا، وہ
آپ کے ذریعے صرف اس جن کو قابو میں کرنا چاہتا تھا۔"

"گویا ہم وہیں کے وہیں ہیں۔" حکیم سعادت نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"بس یہی کہا جا سکتا ہے بھاگتے بھوت کی لنگوٹی مل گئی آپ کو، یعنی وہ اشرفی جو بازار
میں چلا دی تھی، اب ادھر کا رخ بھی نہ کریں، ہو سکتا ہے وہ وہاں بھی ٹھیکری ہو گئی ہو۔"

"ابے تو اشرفی تو تم نے بھنائی تھی۔" حکیم سعادت سخت لہجے میں بولے۔

"تقدیر بھی چھین لیجیے میری، ویسے تو سب کچھ چھین لیا ہے آپ نے اور یہ موٹی
بھینس میرے حوالے کر دی ہے۔"

"چراغ لے کر ڈھونڈتا تو ایسی اللہ میاں کی گائے نہ ملتی، تیری تقدیر کھل گئی بچو۔"

"یہ گائے نہیں اللہ میاں کی بھینس ہے جو چرنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتی۔" مٹھو
میاں نے کہا۔ دونوں دیر تک لڑتے رہے تھے۔

✿ ✿ ✿

راج گندل کا اب کوئی مخصوص ٹھکانہ تو رہا نہیں تھا۔ پرانی جگہ وہ جانا نہیں چاہتا تھا۔
اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو اس کی پنتھ بدل گئی تھی، دوسرے اس جگہ اس کی کافی بے
عزتی ہوئی تھی اور لوگوں کو علم ہو گیا تھا کہ راج گندل کا قلع قمع ہو گیا ہے اور وہ اپنے کالے
کرتوتوں کے ساتھ فنا ہو گیا ہے۔

بہر حال بستی سے نکل کر اس نے ایک ویرانے میں پہلا پڑاؤ کیا اور پھر گرو منکاری کو
بلانے کے شعبدے دہرائے۔ منکاری آ موجود ہوا تھا۔ راج گندل بولا۔ "آپ کی کرپا سے
میں کامیاب ہو گیا۔"

"مجھے معلوم ہے، کہاں ہے تیرا شکار دکھا۔" منکاری بولا اور راج گندل نے لباس سے بوتل نکال کر منکاری کے سامنے کر دی۔

منکاری غور سے بوتل دیکھنے لگا پھر بولا۔ "یہ آگ کی مخلوق ہے، اسے انسان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی لیکن اس لمحے یہ ایک قیدی ہے اور اس کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"یہ نڈھال نڈھال کیوں ہے مہاراج۔ کہیں اس بوتل میں اس کا دم تو نہیں گھٹ جائے گا۔"

"نہیں...... یہ نڈھال اس لیے ہے کہ گندگی میں ہے۔"

"گندگی، بوتل میں گندگی کہاں ہے مہاراج۔"

"تو اس قبرستان میں کیوں نہیں گھس سکا جہاں اس عورت کو دفن کیا گیا تھا؟"

"وہاں...... تو پاک روحیں تھیں مہاراج...... میں وہاں کیسے جا سکتا تھا۔"

"کیونکہ تو ناپاک تھا۔"

"میں تو کالے دھرم کا داس تھا۔"

"یہ پاک شریر ہے اور تجھ جیسے ناپاک کے کپڑوں میں چھپا ہوا ہے اس لیے یہ نڈھال ہے۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ ایک بات اور بتائیں منکاری مہاراج! یہ اس بوتل سے آزاد کیسے ہو سکتا ہے۔"

"بوتل کی ڈاٹ کھلنے سے۔"

"ڈاٹ تو میں نے مضبوطی سے لگائی ہے، مگر یہ بوتل ٹوٹ تو نہیں جائے گی۔"

"خود بخود تو نہیں ٹوٹے گی۔"

"کوئی اسے توڑے تو؟"

"یہ زخمی ہو جائے گا۔"

"بس یہی پوچھنا تھا، اب مجھے یہ بتایئے مہاراج کہ میں کروں کیا؟" منکاری عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔ "سب کچھ مجھ سے ہی پوچھے گا یا خود بھی کچھ کرے گا۔"

"برا نہ مانیں مہاراج! تو ایک بات کہوں۔ جیون بڑائی میں گزارا کسی کو خود سے بڑا نہیں مانا، بس ایک آپ ہیں جسے خود سے بڑا مان کر گرو بنا لیا۔ اس لیے سب کچھ آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔"

"مجھے کیا دے گا اس کے بدلے میں۔"

"یہ جان کر من اداس ہو گیا کہ آپ خود ایک آتما ہیں۔ آتماؤں کو بھلا کیا چاہیے ہوتا ہے آپ کے اپنے من میں کوئی اچھا ہے مہاراج......؟"

"ہاں ہے۔"

منکاری نے کہا اور راج گندل چونک پڑا پھر بولا۔ "آتماؤں کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہے مہاراج؟"

"کبھی کبھی۔"

"تو بتایئے میں آپ کو کیا دوں؟"

"گرو دچھنا۔"

"اس کے لیے میں نے آپ کو کب منع کیا ہے، جب آپ مجھ سے کہیں۔"

"ٹھیک ہے، سمے آنے پر تجھ سے مانگ لیں گے۔"

"میں بھی آپ کو وچن دیتا ہوں کہ اب مجھ سے جو کچھ مانگیں گے میرے بس میں ہوا ضرور دوں گا۔"

"ابھی یہ وچن کافی ہے۔ چل چھوڑ ان باتوں کو تو کہتا ہے کہ اب تیرے من کی سب بڑی بھاؤنا اس عالم سے بدلہ لینا ہے۔"

"جی مہاراج...... یہ کام میں کیسے شروع کروں۔"

"پہلے تو نے ایسا کیا تھا تو تجھے ناکامی ہوئی تھی۔"

"ہاں...... اس جن نے مجھے کامیاب نہ ہونے دیا تھا، مگر اب یہ میرے قبضے میں ہے۔"

"ٹھیک ہے اب تو ایسا کر کہ خود اس عالم کا روپ اختیار کر کے اس بستی پہنچ جا۔"

"اس کا روپ اختیار کر کے......" راج گندل نے ایک خوشگوار حیرت سے کہا۔

"ہاں، لمبے عرصہ سے وہ عالم اپنے گھر میں نہیں ہے تو اس کی شکل میں وہاں پہنچ جا خود کو دنیا کے سامنے عالم ظاہر کر۔ وہ بلبلا کر تیرے پاس آئے گا اور خود کو اصل عالم ظاہر کرے گا۔ اس کے پاس اب اس جن کی شکتی تو ہو گی نہیں تو اسے چت کر لے گا۔"

"یہ تو بڑی اچھی تجویز ہے مہاراج! میں اسے تکلیف ہی تو دینا چاہتا ہوں۔"

"اس سے بڑی تکلیف اور کیا ہو گی کہ وہ اصل سے نقل رہ جائے گا اور تو اصل۔"

"اس کی خوب بدنامی کرنا۔ یہ تجھ پر ہو گا کہ تو اپنا کام کیسے کرتا ہے۔"

"سو تو آپ چنتا ہی نہ کریں مہاراج!"

"بس آخری بات تجھے اور بتا دوں۔ اس گھر میں گھسنے سے پہلے اس کی خوب صفائی کرا دینا، وہاں سے ہر پاک چیز نکلوا دینا...... ورنہ تو وہاں نہ رہ سکے گا۔"

"اور میں اس کا روپ کیسے اختیار کروں گا۔"

"بھوانی ماں کی شکتی سے، میں تجھے اس کا منتر بتاتا ہوں۔" منکاری نے کہا اور راج گندل تیار ہو گیا۔ منکاری اسے منتر بتاتا رہا۔

"منتر پڑھنے کے بعد راج گندل نے کہا۔" ہے بھوانی ماں...... مجھے اس عامل بابا کا روپ دے دے۔" تب ہی راج گندل کا چہرہ بدلنے لگا۔

☆

نکاری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ وہ راج گندل بدلنے کا عمل دیکھتا رہا پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لے اب تیرا چہرہ بدل گیا، اب تو شکل سے مسلمان رہا ہے۔"

"جے مہا منکاری! جے مہا گرو، اب تو یہی کہوں گا کہ تم نے مجھے نیا جیون، نیا سنسار ہے۔"

"کہنے میں کچھ نہیں جاتا بالک، گرو دچھنا یاد رکھنا۔"

"کیا لو گے منکاری مہاراج۔ دیا ہوا تو سب کچھ تمہارا ہی ہے، ورنہ میں کیا رہ گیا

"کہا نا سمے آنے پر مانگ لوں گا تجھ سے گرو دچھنا۔ اور سنو کسی شیشے میں منہ مت لہنا۔ ورنہ سب کچھ بھسم ہو جائے گا۔ کوئی گندا جوہڑ نظر آئے تو صورت اسی میں دیکھنا، کا شکل اختیار کی ہے تم نے اس کے پاس بھی کچھ نہ کچھ تو ہو گا۔ چلتا ہوں۔" منکاری ہا اور کچھ قدم آگے بڑھ کر فضاؤں میں تحلیل ہو گیا۔

وہ راج گندل کے ذہن میں ایک کرید چھوڑ گیا تھا۔ اسے اب یہ تو پتہ چل ہی چکا تھا نکاری کوئی جیتا جاگتا انسان نہیں ہے بلکہ صرف ایک آتما ہے۔ پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے یا آتماؤں کو بھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ راج گندل اپنے اندر ایک انوکھی کیفیت ماکر رہا تھا، وہ کبھی کبھی سوچتا تھا کہ جیون کس طرح بدل گیا ہے بہر حال جو کچھ مل گیا تھ ہت سمجھتا تھا۔

بھوانی پنتھ میں کیا کیا کچھ ہے، ابھی سب کچھ اس کے علم میں نہیں تھا، بہت ساری ہوچتا رہا اور اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ یہ بھی ایک نا سمجھ میں آنے والی ی تھا جو منکاری نے کہی تھی کہ کسی آئینے میں اپنا منہ نہ دیکھے۔ پتہ نہیں اس میں کیا راز ہوا تھا۔

پھر وہ وہاں سے چلتا ہوا ایک آبادی تک پہنچ گیا۔ نہ جانے کون سی جگہ تھی وہ سے پہلے اپنا جائزہ لینا چاہتا تھا، چنانچہ ایک ایسا جوہڑ مل گیا جہاں گائے بھینسیں پانی پیا تھیں۔ اس نے جوہڑ کے گندے پانی میں اپنی شکل دیکھی اور خود حیران رہ گیا، بابا ادری کا چہرہ اسے یاد تھا اور اس وقت وہی چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اس کے حلق بے اختیار ایک قہقہہ نکل گیا۔

"اس شکل میں چاہوں تو تیرے سارے پریوار کو گندا کر سکتا ہوں، پر یہ میری نہیں۔ مجھے تو کام ہی کچھ اور کرنا ہے۔"

پھر وہ اس بستی سے نکل کر سبحان گلی پہنچ گیا جہاں بابا ادریس کا ٹھکانہ تھا، چونکہ وہ بھی یہاں آ چکا تھا اور یہاں کے ماحول سے واقف تھا، اس لیے سبحان گلی میں براہ را بابا ادریس علی کے گھر جانے کے بجائے وہ اس درخت کے نیچے پہنچ گیا جہاں بابا ادریس سے اس کا پہلا مقابلہ ہوا تھا اور اس مقابلے میں اسے بھرپور شکست سے دوچار ہونا پڑا درخت کے نیچے اس نے دھونی رمالی۔ اپنے کام کا آغاز وہ جس طرح کرنا چاہتا تھا یہ سلسلے کا پہلا قدم تھا۔ اسے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ گزرتے ہوئے لوگوں نے ا دیکھا اور اس کی جانب دوڑ پڑے اور پھر انہوں نے اس سے بڑی محبت کا اظہار شرو دیا۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ بابا ہمیں اکیلا چھوڑ کر۔ ہم نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ اب آ واپس نہیں آئیں گے۔ آپ کے بغیر ساری بستی سونی سونی ہو گئی تھی، کتنے لوگ آپ تلاش میں آتے تھے اور مایوس ہو کر واپس چلے جاتے تھے، آخر آپ نے اپنا گھر کیوں دیا بابا، بستی والوں سے کوئی غلطی ہو گئی تھی تو ایک بار انہیں بتا تو دیتے۔ ہم سب سچی بات ہے کہ بڑے اداس ہو گئے تھے، بال بچے کہاں ہیں گھر میں تو تالا پڑا ہوا ہے۔ آپ کو ا ہم کہیں نہیں جانے دیں گے۔"

ہر شخص اپنی کہانی سنا رہا تھا اور بستی میں جا کر دوسروں کو اطلاع دے رہا تھا کہ ادریس علی واپس آ گئے ہیں، ان لوگوں کی باتوں سے راج گندل نے ایک نتیجہ اخذ کیا تھا۔

پھر شام کو جب بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے تو پہلی بار راج گندل نے زبا کھولی۔ "بھائیو! بس کچھ ایسے واقعات اور حالات پیش آ گئے تھے کہ مجبوراً مجھے گھر چھوڑ جانا پڑا۔ آپ سب لوگوں نے میرے ساتھ ہمیشہ بڑا اچھا سلوک کیا ہے، میں خود بھی آ سے دور نہیں رہنا چاہتا تھا، لیکن جو کچھ مجھ پر بیت رہی تھی آپ لوگوں کو بتا کر شرمندہ

نہیں چاہتا تھا، میرے بال بچے کہیں اور رہ رہے ہیں، میں آپ لوگوں کی محبت میں آ گیا ہوں۔"

"اور وعدہ کیجیے بابا کہ اب کہیں نہیں جائیں گے۔"

"آپ حکم دے کر تو دیکھیں۔ ہم نے تو زندگی بھر آپ سے یہی درخواست کی کہ آپ ب کے کام آتے رہے ہیں، کبھی ہمیں بھی اپنی کسی خدمت کا موقع دیں۔"

"آپ لوگ براہ کرم میرے گھر کی صفائی کر ڈالیے، کچھ وجوہات ہیں اس کی، میں تا ہوں کہ میرے گھر میں ماضی کی ایک کیل بھی نہ رہے۔ در و دیوار، زمین، اس گھر میں ہوز سارا ساز و سامان، سب نکال کر براہ کرم آپس میں تقسیم کر لیں۔ اگر آپ نے وہاں کیل بھی لگی ہوئی چھوڑ دی تو اس گھر میں میرا گزارا نہیں ہو گا۔ اس کی دیواروں سے روغن بھی اتار دیجیے۔ میں نہیں چاہتا کہ ماضی کا ایک نقش بھی وہاں قائم رہے، اگر لوگ میرے لیے یہ سب کچھ کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔"

"نہیں بابا آپ صاحب علم ہیں جو خدمت ہے وہ ہم خوشی کے ساتھ سرانجام دیں آپ آرام سے یہاں قیام کیجیے۔ ہم یہ سارے کام کیے دیتے ہیں۔"

راج گندل نے ادریس علی سے سبحان گلی والوں کی والہانہ محبت کے مناظر دیکھے، بہت ے لوگ دوسرے دن صبح ہی سے اس گھر میں مصروف ہو گئے تھے اور انہوں نے واقعی رچے بسے گھر کو کھنڈر بنا دیا۔ دیواروں کا رنگ و روغن کھرچ دیا گیا ایک ایک کیل اکھاڑ ئی۔ لوگ حیران تھے کہ بابا ادریس علی اب اس ویران گھر میں رہیں گے۔ بہرحال انے ادریس علی کی ہدایت کے مطابق عمل کیا اور راج گندل اس گھر میں منتقل ہو گیا۔ ت اس مہا شکتی حاصل کرنے کا تصور اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ مہا شکتی کے ا کے لیے جو کچھ وہ گنوا بیٹھا تھا، وہ اس کی زندگی کا المناک ترین واقعہ تھا۔ اب اس کو وہ دہرانا نہیں چاہتا تھا۔ اس گھر میں منتقل ہونے کے بعد اس نے اسے نفرت بھری ل سے دیکھا اور بولا۔ "ادریس علی! دیکھ میں نے تیرے گھر کو اجاڑ دیا ہے، آ میرے نے تو نہ آیا تو میں خود تلاش کر لوں گا تجھے۔ اب مجھے بھوانی ماں کی شکتی حاصل ہے۔ یرے ساتھ جو سلوک کروں گا، وہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، کیا سمجھا۔" راج گندل رح طرح کی منصوبہ بندیاں شروع کر دی تھیں۔

❀ ✺ ❀

عالی جاہ نے جب سے بچی کی ذمہ داری قبول کی تھی وہ بھرپور طریقے سے اس کا تحفظ

کر رہا تھا۔ اسے خود بھی اس بچی سے محبت ہو گئی تھی۔ خیر محمد کے گھر میں وہ بچی کے حوالے
سے خوشحالی لے آیا۔ گلاب خاں خود اپنی جان بچانے کے لیے اسے چھوڑ گیا تھا۔ اگر
وہاں رہتی تو نہ جانے اس کے گھر کے حالات کیا ہوتے۔ عالی جاہ یقیناً وہاں بھی اس کے
تحفظ کا بندوبست کرتا لیکن اچھا ہی ہوا اس وقت شاہینہ پوری طرح باعمل تھی۔ صورت حال
علم ہونے کے بعد نہ جانے وہ وہاں کیا کرتی۔ بہرحال جب راج گندل نے خیر محمد کے
میں بچی کا پتہ لگا لیا تو عالی جاہ نے اسے وہاں سے بھی ہٹا دیا۔ بچی کے نام بدلتے رہے
اب وہ نینا بن گئی تھی۔ یہاں جو کام ہوا وہ یہ کہ خود راج گندل کی خواہشوں کا جنازہ نکل
اور وہ اپنا سارا کالا گیان گنوا بیٹھا۔ عالی جاہ نے بشیر بیگ کی حیثیت ہی بدل دی۔ بشیر بیگ
کے تو دن ہی پھر گئے تھے، ساتھ میں اماں تاجی بھی عیش کرنے لگی تھی۔ عالی جاہ نے ہر اس
شخص کو مالا مال کر دیا تھا جس نے بچی کے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا، لیکن اب صورت حال
میں ایک اچانک تبدیلی ہوئی تھی۔ راج گندل کو ایک بار پھر برتری حاصل ہو گئی تھی، جبکہ
عالی جاہ مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ وہاں جو ہو رہا تھا ہو رہا تھا لیکن بشیر بیگ اور اماں
تاجی نے نینا کی خدمت سے منہ نہیں موڑا تھا۔ وہ بیوقوف نہیں تھے۔ انہیں احساس تھا کہ
جب سے نینا ان کے پاس آئی تھی ان کے دن پھر گئے تھے۔ اماں تاجی پرانے زمانے کی
عورت تھی ویسی ہی باتیں کرتی تھی۔

"ارے تمہیں نہیں پتہ بشیر بیگ، ہندو لوگ دیوالی کی رات دیئے جلا کر لچھمی دیوی کا
انتظار کرتے ہیں۔ جس کے گھر میں لچھمی دیوی اترتی ہے وہ مالا مال ہو جاتا ہے۔"

"تو پھر؟" بشیر بیگ نے کہا۔

"مجھے تو لچھمی دیوی ہی لگے ہے۔"

"اماں تیرا دماغ خراب ہے۔"

"کیوں؟"

"وہ مسلمان ہے اس کا نام نینا ہے۔"

"ارے مجھے بتا رہا ہے یہ سب کچھ۔ تجھے معلوم ہے تو سوتے میں بولتا ہے۔ ایک دن
خواب میں بڑبڑاتے ہوئے تو نے بتایا تھا کہ ایک گاڑی چرائی تھی میں نے اس میں یہ بچی
ملی تھی۔ کس کی تھی۔ کیا تھی۔ کچھ نہیں پتہ، پر تو نے جب بچی کے وارثوں سے رابطہ کیا تو
انہوں نے کہا کہ بچی کو مار دو، ایک پیسہ بھی نہیں ملے گا۔"

بشیر بیگ کا منہ اتر گیا، خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا بولا۔ "میں نے یہ کہا تھا؟"

"اماں، سوتے میں انسان بڑے بڑے خواب دیکھتا ہے اور ان خوابوں کے کوئی سر پاؤں
نہیں ہوتے۔ بس ایسے ہی میری کھوپڑی میں کوئی بات اتر گئی ہو گی جو میں نے بک بک کر
دی۔ یہ بچی میری بہن کی ہے، میرے کرتوتوں کی وجہ سے میری بہن مجھ سے نہیں ملتی تھی۔ مر
گئی تو اس بچی کا میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔"

"ہو گی جو کچھ بھی ہے پر بھیا ایک بات کہوں تجھ سے، یہ خوش قسمت، دولت برسی
آسانی سے، یہ عیش و عشرت، یہ کوٹھی، یہ گاڑی اور روپیہ ہی روپیہ، بھیا میری نگاہ میں تو وہ
مقدر والی ہے، اور پھر سچی بات بتاؤں کچھ ہے اس بچی میں۔ اکیلی کسی سے باتیں کرتی
ہے، ہنستی بولتی ہے، مسکراتی ہے۔ میں نے تو کبھی آنکھ ہی نہیں دھری، بس جیسے بھی بن
پڑا اس کی خدمت کرتی رہی ہوں اور مجھے اللہ نے اس کا صلہ دیا ہے۔" یہ بات بشیر بیگ
پہلے بھی سن چکا تھا، لیکن اب اس کے ذہن میں ایک ذرا سی الجھن سی پیدا ہو گئی تھی،
اگر واقعی بچی کا تعلق ہندو دھرم سے ہے، وہ اب اکثر بچی کو دیکھتا رہتا تھا اور سوچتا رہتا تھا
اگر یہ ہندو ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے، پھر اس نے خود ہی دل کو سمجھایا اور سوچا کہ
معصومیت کا ایک ہی دھرم ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے معصومیت، اس بچی کو یہ بتاؤ کہ وہ مسلمان
ہے تو وہ سمجھ دار ہوتے ہوتے اپنے آپ کو مسلمان سمجھنے لگے گی، اگر بتاؤ کہ ہندو ہے تو وہ
سوچے گی کہ وہ ہندو ہے، اب فیصلہ تقدیر پر چھوڑ دینا چاہیے، البتہ اس نے نہ جانے
کیوں بچی کی نگرانی شروع کر دی۔

وہ اماں تاجی کی باتیں سنتا رہتا تھا اور ہنستا رہتا تھا۔

ان دنوں بچی کچھ اُداس رہنے لگی تھی۔ وہ اب بولنے بھی لگی تھی، بڑی پیاری اور معصوم
معصوم باتیں کرتی تھی، پھر ایک دن رات کو اس نے بچی کو اپنے کمرے سے باہر جاتے
ہوئے دیکھا۔ کوٹھی کے مغربی حصے میں ایک خوبصورت لان تھا۔ اس لان میں لیموں کے
کافی تعداد میں لگے ہوئے تھے اور جب درختوں پر لیموں نکلتے تو ان کی بھینی بھینی خوشبو
پھیل جاتی۔ ان دنوں بھی یہی موسم تھا۔

چھوٹے چھوٹے جھاڑ جو بچی کے قد کے برابر ہی تھے لان پر پھیلے ہوئے تھے۔ بچی
کمرے سے نکل کر جھاڑ کے نیچے پہنچ گئی اور پھر وہاں بیٹھ گئی۔ بشیر بیگ اس کے پیچھے چھپ
گیا تھا۔

بچی کے منہ سے آواز نکل رہی تھی۔ "ماما جی، ماما جی کہاں چلے گئے تم۔ میں تمہیں یاد
آتی ہوں، ماما جی تم مجھے بہت یاد آتے ہو، ماما جی، مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔" اور پھر وہ منہ

بسور بسور کر رونے لگی۔

بشیر بیگ کا دل دکھ گیا۔ وہ برداشت نہ کر سکا اور بچی کے سامنے آ گیا۔ "بیٹا...... بیٹی۔"

"ماما جی کہاں ہیں، میرے ماما کو بلا دو۔"

"کک...... کون ماما جی، کس کی باتیں کر رہی ہو تم؟"

"میرے ماما جی، میرے ماما جی۔" بچی بسور بسور کر رونے لگی اور بشیر بیگ اسے کلیجے سے لگا کر اندر آ گیا۔ اس وقت تو اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا، لیکن بعد میں اسے اندازہ ہو گیا کہ ان دنوں وہ بہت اداس ہے۔ پہلے وہ ہنستی بولتی مسکراتی رہتی تھی، لیکن اب وہ مسکراتی تھی نہ ہنستی بولتی تھی۔ کیا کروں میں اس کا، تاجی سے مشورہ کیا تو وہ کہنے لگی۔ "سیدھی سیدھی سی بات ہے سکول میں داخل کرا دو۔"

بشیر بیگ اس بارے میں سنجیدگی سے غور کرنے لگا۔

❀ ❀ ❀

بابا ادریس کے گھر بیٹھ کر راج گندل نے اپنے جاپ شروع کر دیئے۔ بھوانی دیوی کو خوش کرنے کے لیے اس نے خفیہ طور پر ایک کمرے میں بھوانی دیوی کا مجسمہ سجایا۔ گھر کا ماحول ویسے ہی بدل دیا گیا تھا۔ لوگ اسے بابا ادریس سمجھتے تھے لیکن در پردہ وہ بھوانی دیوی کا پجاری تھا۔ اسے تین بیر مل گئے تھے جنہیں وہ طلب کر لیتا تھا اور ان سے اپنے آئندہ عمل کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا، ایک دن اس نے اپنے بیر سے کہا۔ "بستی میں بہت سارے لوگ رہتے ہیں، یہ سب زیادہ تر مسلمان ہیں، میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ ان کا دین دھرم خراب کروں اور بھوانی دیوی کو خوش کروں۔"

"جئے مہاراج کی، اچھا خیال ہے، دھرم ایمان چھیننے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں دھن کی چمک دکھائی جائے۔ آپ ان میں سے کسی کو منتخب کر کے پیسے والا بنا دیں، پھر دیکھیں تماشا۔"

"ہوں، میرا اصل جھگڑا تو ادریس علی سے ہے، دیکھیں وہ کب سامنے آتا ہے۔" راج گندل نے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا شروع کر دیئے۔ کوئی کسی بھی ضرورت سے اس کے پاس آتا وہ اس کا کام کر دیتا، لیکن دوسرے طریقے سے اور بعض اوقات کام کرانے والے سوچتے کہ بابا ادریس علی کافی بدل گئے ہیں پہلے وہ کسی دکھی انسان کو پانی پڑھ کر دیا کرتے تھے۔ تعویذ گنڈے دیتے تھے، لیکن اب ان کا انداز بدل گیا تھا، کوئی بیمار اس کے

پہنچا تو وہ اس کے سراپا بدن پر تھوک دیا کرتے تھے۔ بیمار تو بے شک ٹھیک ہو جاتا تھا، اس کے اندر ایک عجیب بدبو پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر سادہ لوح لوگ ایسی باتوں پر غور نہیں کرتے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ یہ بھی کوئی کرامت ہو گی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ بھوانی ماں کی بھی سب کچھ تھا اور پھر راج گندل کی اپنی سازش بھی تھی۔

اس نے اس گھر کو بھوت گھر بنا دیا تھا۔ کالے علم کا پہلا اصول یہی ہے کہ ہر طرف پھیلاتا جا رہا تھا۔ یہ خواہش بھی تھی اس کے دل میں کہ بستی کے لوگ جو بابا ادریس کی میں ڈوبے ہوئے ہیں، آہستہ آہستہ ان سے نفرت شروع کر دیں اور جب کبھی اصل لیں یہاں پہنچیں تو لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت کے سوا کچھ نہ ہو۔ وہ باتوں پر غور کر رہا تھا، آہستہ آہستہ اس پر عمل بھی کر رہا تھا۔ پہلی کامیابی اس نے یہ کر لی تھی کہ لوگ بابا ادریس کے بارے میں چہ میگوئیاں کرنے لگے تھے۔

"وہ نور نہیں رہا ان کے چہرے پر جو پہلے کبھی تھا، اب وہ درخت کے نیچے بیٹھ کر بھی نہیں کرتے، بلکہ اپنے گھر میں گھسے رہتے ہیں۔ بیوی بچوں کو نہ جانے کہاں چھوڑ ۔ کچھ عجیب سا لگنے لگا ہے۔ حالانکہ وہ ایک اچھے آدمی رہے ہیں، پر نہ جانے کیوں میں ان کے لیے طرح طرح کے خیالات آنے لگے ہیں۔"

جتنے منہ اتنی باتیں یہی راج گندل کا اصل مقصد تھا، اس نے اپنے طور پر منصوبہ بنایا آہستہ آہستہ بابا ادریس کو اتنا بدنام کر دے کہ لوگ اس کے خلاف ہو جائیں اور پھر ان کر کے ان کے گھر پہنچا دے، کیا مزہ آئے گا جب ادریس علی لوگوں کی نفرتوں کا لگے۔ تب وہ ان سے کہے گا کہ کہا تھا نا میاں جی میں نے تم سے کہ راج گندل بھی چھوٹے نہیں ہیں، بدلہ لے گا اور ایسا لے گا کہ تم بھی یاد رکھو گے۔

اس نے اپنا کام بڑی مہارت سے جاری رکھا تھا، ہر طرح کے لوگ اس کے پاس تھے اور وہ ان کی مدد بھی کرتا تھا لیکن درحقیقت وہ ان سے ان کا ایمان چھینتا تھا، ایسے بتاتا تھا کہ بعض اوقات تو لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ یہ عمل دین کے ہے بھی یا نہیں۔

راج گندل بڑی مہارت سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ایک دن شکن پہلوان اس کے پاس ے کوئی مشکل در پیش تھی۔ شکن پہلوان مسلمانوں کی بستی میں خاصی مقبول شخصیت کا تھا۔ پہلوان تو خیر کیا تھا بس لوگوں پر رعب ڈالے ہوئے تھا۔ ایک رام پوری چاقو رکھتا تھا اور شغل کے طور پر کھول کر اس کی دھار پر انگلی پھیرتا رہتا تھا اور کچے دل والے

لوگ اسے دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتے تھے کیونکہ چاقو بہت خوفناک تھا۔ ذریعہ آمدنی نہ ہو
کے برابر، لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کرا دیئے اور کسی نے کچھ دے دیا تو کام بن
ایک بیٹے کا باپ تھا اور بیٹے کی عمر انیس سال تھی۔ جب اس نے اس کی شادی کر دی
پندرہ سال کی ایک چھوٹی سی پیاری سی لڑکی کو اپنے گھر لے آیا۔ بیٹا تو ابھی خود بچہ تھا وا
خود ان کی کفالت کر رہا تھا۔ لیکن سوچتا رہتا تھا کہ ایسا کونسا کام کیا جائے کہ بیٹے کو
مستقبل ملے۔ مشکل اسے یہ درپیش تھی کہ جس گھر میں وہ رہتا تھا اس گھر میں بقول اس
بیوی کے آسیب تھے۔ بظاہر کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو باعث پریشانی ہوتی لیکن
ضرور وہم کا شکار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے گھر میں ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں جیسے
سکے چھنک رہے ہوں، یہ چھنچھناہٹ اسے گھر میں جگہ جگہ سنائی دیتی تھی اور رات کو سو
میں اسے کچھ آوازیں بھی آتی تھیں۔ یہ آوازیں اس سے کہتی تھیں کہ میں مایہ ہوں، پہلا
اور پہلی بہو مجھے دے دو اور مجھے نکال کر زندگی عیش سے گزارو، شکن سے اس نے کئی با
اس کا تذکرہ کیا تھا لیکن شکن پہلوان نے اسے وہم قرار دے دیا تھا۔ پھر ایک دن
پہلوان نے خود وہ آواز سن لی، بیوی کے ساتھ صحن میں بیٹھا کیاری ٹھیک کر رہا تھا کہ چو
پڑا، ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے دھات کی کسی چیز کا آبشار سا بہہ رہا ہو۔ چھنن چھنن کی آ
سن کر اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر اسے بیوی کے الفاظ یاد آ گئے۔ آج پہلی بار ا
اس بات کا یقین آیا تھا کہ بیوی جو کچھ کہتی ہے اس میں صداقت ضرور ہے، ورنہ وہ ا
جاہل گنوار کہہ کر بات ختم کر دیا کرتا تھا۔

بیوی نے اسی وقت بازو کو پکڑ کر کہا۔ ”سنی تم نے یہ آواز؟“

شکن پہلوان خاموش ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اس جگہ جہاں اسے چھنن چھنن کی آ
سنائی دی تھی، گہرا گڑھا کھود ڈالا، مگر اس سے کچھ برآمد نہیں ہوا تھا۔

پھر جب اس نے دوسری بار بھی یہ آواز سنی اور وہاں بھی گڑھا کھود کر دیکھا تو ا
احساس ہو گیا کہ کوئی ایسی پر اسرار بات ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ گڑھے تو دونوں بن
دیئے گئے تھے کیونکہ بچے ان کے بارے میں سوالات کرتے، لیکن شکن پہلوان سوچ
ڈوب گیا تھا اور پھر اسے سبحان گلی کے بابا ادریس یاد آ گئے۔ ایک دو دفعہ ان سے مل بھی
تھا اور پچھلے دنوں اقبال بیگ نے اس کا تذکرہ بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ بابا ادریس واقعی
گئے ہیں اور لوگوں کے بڑے کام کر رہے ہیں۔ بہت سوں کو انہوں نے بڑی مشکلات
نکال دیا ہے، چنانچہ شکن پہلوان، سبحان گلی میں بابا ادریس کے پاس پہنچ گیا۔

راج گندل نے شکن پہلوان کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور بولا۔ ”ہاں بولو، کیسے آنا ہوا؟“

”بابا جی میرا نام شکن ہے، پہلے بھی آپ سے مل چکا ہوں۔“

”ہاں صورت یاد آ رہی ہے، مگر اتنے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں کہ صورتوں کو یاد
بھی مشکل ہو جاتا ہے۔“

”میں آج تک آپ کے پاس کسی کام سے نہیں آیا بابا! لیکن آج ایک کام سے آپ
پاس آیا ہوں۔“

”بولو ہم تمہاری خدمت کے لیے موجود ہیں۔“

”اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں بابا صاحب۔“

”ٹھیک ہے تھوڑی دیر انتظار کرو۔“ پھر جب اور ضرورت مند چلے گئے تو راج گندل
کہا۔ ”ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے؟“

”ایک عجیب مشکل کا شکار ہوں بابا صاحب!“ شکن پہلوان نے ساری روداد راج
ل کو بتا دی۔

راج گندل کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے پھر اس نے کہا۔ ”کب سے
گھر میں رہتے ہو؟“

”گھر میں تو کوئی گیارہ سال سے رہتا ہوں بابا صاحب۔“

”میرا مطلب ہے اس سے پہلے کون رہتا تھا؟“

”خالی پڑا ہوا تھا بلکہ ٹوٹ پھوٹ چکا تھا، پرانے زمانے میں کسی کنہیا لعل ہندو کا گھر
کنہیا لعل بے اولاد تھا مر گیا، پر گھر ایسا بدرونق تھا کہ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی۔
گھر کی ضرورت تھی، میں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کے در و دیوار ٹھیک کیے۔ کسی
اعتراض نہیں کیا، لوگوں کا کہنا تھا کہ کنہیا لعل کی روح وہاں بھٹکتی ہو گی۔ میں نے بابا
جب اس بات کی کوئی پروا نہیں کی اور اس وقت سے میں اسی گھر میں رہتا ہوں۔“

”میں رات کو تمہارے پاس آؤں گا مجھے اپنے گھر کا پتہ دے دو۔“ راج گندل نے کہا۔

اسی رات وہ شکن پہلوان کے گھر پہنچ گیا۔ پھر اس نے پورے گھر کا جائزہ لیا اور اس
بعد شکن پہلوان سے کہنے لگا۔ ”شکن! یہاں مایہ دفن ہے، یہ ایک پرانی روایت ہے کہ
لوگ بھی اور کنجوس لوگ جن کے پاس بے پناہ دولت ہوتی تھی، اپنی دولت تانبے کے
ں میں بھر کر دفن کرتے تھے اور اس پر آٹے سے بنایا ہوا ایک سانپ جنتر منتر پڑھ کر
ظ کے طور پر بٹھا دیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصے کے بعد جادو کے زیر اثر اس سانپ میں

جان پڑ جاتی تھی اور وہ سانپ اس دولت کی حفاظت کرتا تھا، لیکن دولت لوگوں سے کہتی بھی تھی کہ مجھے نکال لو۔''

''میری بیوی سے وہ یہی کہتی ہے بار بار۔ رات کو سونے میں ایک آواز اس کے کانوں میں چھنکتی ہے کہ پہلا بیٹا پہلی بہو دے دو، مجھے نکال لو۔''

''ضرور چھنکتی ہو گی بہر حال میں تمہیں کچھ چیزیں دوں گا، تمہاری مدد ہو جائے گی۔'' راج گندل نے شکن پہلوان کو اطمینان دلایا۔

شکن پہلوان بڑے عجیب سے انداز میں سوچ رہا تھا، وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ دولت کسی طرح ہاتھ لگ جائے تو مزہ ہی آ جائے گا۔ بیٹے کا مستقبل بھی بن جائے گا اور عیش بھی ہو جائیں گے۔

''بابا جی، آپ تو اللہ والے ہو کوئی ایسا عمل بتا دو کہ وہ دولت میرے ہاتھ آ جائے۔''

''ہوں...... تو اپنی بیوی سے بات کر، اس سے کہہ دے کہ اب جبکہ خواب میں بھی مایہ اس سے اولاد کی بھینٹ مانگے تو کہہ دے کہ ٹھیک ہے مجھے منظور ہے، پھر دیکھ کیا ہوتا ہے۔''

''مگر بابا صاحب، میں تو اپنے بیٹے کو دنیا کی سب سے بڑی دولت سمجھتا ہوں، اسے کوئی نقصان تو نہیں پہنچے گا۔''

''بیوقوف ہم جو ہیں۔'' راج گندل نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''تب ٹھیک ہے میں کہہ دوں گا۔'' اور شکن پہلوان نے یہ بات اپنی بیوی کے کانوں میں ڈال دی۔

''لو جھاڑو پھرے ایسی دولت پر جس کے بدلے مجھے اپنا بیٹا بہو دینا پڑے۔''

''اری پاگل سنا ہے تو نے آج تک کبھی، کہنے میں کیا ہرج ہے، دیکھتے ہیں کیا تماشا ہوتا ہے اور پھر میں نہیں مانتا ایسی باتوں کو۔ یہ تو بس انسان کے اپنے دماغ کی اختراع ہوتی ہے۔'' بیوی نے بظاہر اقرار نہیں کیا تھا لیکن یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ گئی، پانچ چھ دن کے بعد ایک بار پھر رات کو مایہ اس کے کانوں میں چھنچھنائی اور اسے آواز سنائی دی۔ ''مجھے نکال لو، پہلی اولاد مجھے دے دو، پہلی بہو، پہلا بیٹا اور مجھے نکال لو۔''

''جھاڑو پھرے تیری شکل پر مجھے تیری ضرورت نہیں ہے۔'' شکن کی بیوی نے غصے سے کہا اور چھنچھناہٹ بند ہو گئی۔

شکن نے بیوی کے یہ الفاظ سن لیے تھے وہ پوچھنے لگا۔ ''کیا ہوا؟''

''تم نے سنی تھی آواز؟''

''ہاں میں باہر تھا چھنن چھنن کی آواز ابھری تو تجھے تلاش کرتا ہوا اس طرف آ گیا۔''

''وہی مایہ کی آواز تھی۔''

''کیا کہا تو نے؟''

''ارے تھو کو ایسی دولت پر جس سے اولاد کو کوئی نقصان پہنچتا ہو۔''

''پھر وہی پاگل پن کی باتیں، ارے میں نہیں مانتا ان باتوں کو کچھ نہیں ہو گا۔''

''نہیں مہا نتے تو پھر یہ کیوں مانتے ہو میرے ایسا کہہ دینے سے کوئی دولت تمہیں مل جائے گی، ماں ہوں، کیسے کہہ سکتی ہوں کہ دولت کے بدلے اولاد دے دوں گی۔''

دماغ بڑی عجیب چیز ہوتا ہے، کوئی بات دماغ میں بیٹھ جائے تو پھر اسے جھٹکنا مشکل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات خیالات خوابوں کی شکل میں انسان کو بہت پریشان کرتے ہیں۔ رات شکن کی بیوی کو پھر وہی خواب آیا، مایہ کی چھنکار اور اس کے الفاظ اس کے کانوں میں ابھرے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی شوہر کی آواز بھی۔ اس نے بے خیالی کے انداز میں کہہ دیا۔ ''لے لے میرا بیٹا بہو اور نکل آ باہر، میں نے تیری بات مان لی۔'' یہ الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے اپنے دماغ میں ایک عجیب سی سنسناہٹ محسوس ہو رہی تھی۔

تھوڑے فاصلے پر شکن بستر پر سویا ہوا تھا۔ کمرے میں لالٹین جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی آس پاس پھیلی ہوئی تھی دفعتہً اس نے کمرے کے ایک گوشے میں ایک عجیب سا منظر دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے زمین کی مٹی فوارے کی شکل میں اچھل رہی ہو اور اس کے بعد اس نے کوئی چیز چمکتی ہوئی دیکھی، لالٹین کی مدھم روشنی میں چمکتی ہوئی چیز کی پیلاہٹ بڑی عجیب لگ رہی تھی۔

شکن کی بیوی اٹھ کر بیٹھ گئی، اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ شکن چونک کر اٹھ گیا تھا۔ لالٹین کی بتی اونچی کی اور بیوی کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس طرف دیکھ رہی تھی جہاں سونے کے سکے مٹی کے ساتھ اچھل رہے تھے۔ باریک مٹی ایک فوارے کی شکل میں زمین سے نکل رہی تھی اور سونے کے سکے اچھل اچھل کر جمع ہوتے جا رہے تھے۔

شکن کا منہ دہشت سے کھل گیا وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اس عجیب و غریب منظر کو دیکھنے لگا۔ بیوی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آ گئی تھی۔

''ہے ذرا دیکھو تو یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہے میرے مولا، یہ کیا ہو رہا ہے۔''

شکن نے بیوی کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، دوسرے کمرے میں اور لوگ بھی سو رہے تھے، وہ اس عجیب و غریب منظر کو دیکھتا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے نیچے اتر آیا۔ لالٹین ہاتھ میں پکڑی اور آگے بڑھ کر اس عجیب و غریب منظر کو دیکھا۔ سونے کی اشرفیاں جمع ہوتی جا رہی تھیں اس نے لرزتے ہاتھوں سے ایک اشرفی اٹھائی اور دیکھنے لگا کہ واقعی سونے کی ہے یا نہیں۔ خالص سونے کی تھی۔ اس کا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ ادھر بیوی پلنگ پر پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ شکن نے پلٹ کر کہا۔ ''مایہ...... مایہ ابل رہی ہے۔''

دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس کے بعد مٹی ابلنا بند ہو گئی لیکن سونے کی جتنی اشرفیاں اس کے قرب و جوار میں جمع ہو گئی تھیں وہ اس قدر تھیں کہ شکن کے وارے نیارے ہو سکتے تھے۔ وہ دہری کیفیت کا شکار تھا، ایک طرف خوف دامن گیر تھا، دوسری طرف اتنا سارا سونا دیکھ کر حیرت زدہ تھا، پلٹ کر بیوی سے کہا۔ ''کک...... کیا کیا مایہ کی آواز ابھری تھی؟''

''ہاں ہاں۔'' بیوی نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

''تو نے اس کی بات مان لی تھی؟''

''ہاں ہاں۔'' بیوی اسی انداز میں بولی۔

شکن پریشان نگاہوں سے اس دولت کو دیکھنے لگا پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا اور ہمت کر کے اس نے مٹی کریدنی شروع کر دی۔

اسی وقت باہر سے بیٹے کی آواز سنائی دی۔ ''ابا تم ٹھیک تو ہو نا۔''

دونوں میاں بیوی اچھل پڑے ایک لمحے تک سوچتے رہے پھر شکن اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس پہنچا اور بولا۔ ''ہاں بیٹا ٹھیک ہیں ہم دونوں۔''

''اماں کی چیخ ابھری تھی۔'' باہر سے شکن کے بیٹے نے کہا۔

''خواب دیکھ رہی تھی، اب ٹھیک ہے سو رہی ہے۔''

''اچھا ابا سو جا آرام سے۔'' بیٹا بولا اور واپس چلا گیا۔

شکن کچھ لمحے دروازے کے پاس کھڑا رہا اس کے بعد اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''کہا تھا نا میں نے سارا وہم ہے، ہمارا بیٹا بالکل ٹھیک ہے۔ آ اب ذرا اٹھ کے آ، ہمت کر۔''

شکن کی بیوی پلنگ سے اٹھ گئی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی شکن کے پاس پہنچ گئی۔ ''یہ یہ سونے کی ہیں۔''

''ہاں خالص سونے کی ہیں، میں دیکھ چکا ہوں۔''

''ارے میری میا، ان میں سے ایک ہی ہزاروں کی ہو گی۔''

''تو اور کیا۔ ارے دیکھ کتنی تعداد ہے ان کی، چادر اٹھا چادر، چادر میں بھرا نہیں۔''

دونوں میاں بیوی مصروف ہو گئے۔ خوف آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ ہاتھ بھر بھر کر اشرفیاں اٹھانے لگے اور شکن کی بیوی انہیں چادر پر ڈالتی رہی، خاصی بڑی گٹھری بن گئی تھی۔

جب ساری دولت سمٹ گئی تو شکن آگے بڑھا اس نے دوبارہ مٹی کریدنا شروع کر دی، پھر اچانک ہی اس کے ہاتھ کسی لجلجی شے سے ٹکرائے تو اس نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیے۔ لالٹین اونچی کر کے دیکھا تو پیتل کا ایک کلسہ نظر آیا۔ کلسے کے اوپر ایک سانپ مرا ہوا پڑا تھا۔

پہلے تو شکن اسے زندہ ہی سمجھا تھا، لیکن جب سانپ کے بدن میں کوئی تحریک نہ ہوئی تو ایک بار پھر اسے چھو کر دیکھا پھر تھپتھپایا اور آخر کار اسے مٹھی میں بھر کر اوپر کھینچ لیا کوئی گز بھر لمبا کالا سانپ تھا۔ شکن نے اسے ایک طرف ڈال دیا۔ بیوی اشرفیوں کی گٹھری باندھ رہی تھی۔ پھر شکن نے پیتل کے اس کلسے میں ہاتھ ڈالا اور اسے اس میں کچھ محسوس ہوا اس نے مٹھی بھر کر اوپر کھینچا تو یہ سونے کے قیمتی زیورات تھے۔ جن میں سے بعض میں ہیرے اور سچے موتی جڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

''ارے جمن کی ماں ہمارے تو وارے نیارے ہو گئے۔ ذرا دیکھ یہ۔''

غرض یہ دونوں میاں بیوی بے خودی کے عالم میں یہ قیمتی خزانہ نکالنے لگے اور جب کلسہ خالی ہو گیا تو شکن نے بیوی کی مدد سے زر و جواہر اور سونے کی گٹھری باندھی۔

''کوئی بیس بائیس کلو تو ہو گا اور پھر یہ ہیرے الگ، ارے باپ رے باپ، اگر سچ مچ یہ ساری دولت ہماری ہو جائے تو پھر یہ سمجھ جمن کی ماں کہ ہم تو بستی کے امیر ترین لوگ ہوں گے۔''

''لو تو ہماری ہی ہے اب، ہمارے پاس ہے، ہم تو کسی کو بتائیں گے تک نہیں۔''

''جمن کو بھی نہیں اور خاص طور سے اس کی جورو کو مت بتانا۔''

''لو کیا میرا دماغ خراب ہے، وہ تو آگ لگانے والی ہے۔ سارے محلے میں پھیلا دے گی اور ہمیں جو کچھ ملا ہے وہ چھن جائے گا۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔''

''نہیں ہو گی، تم فکر مت کرو۔''

شکن نے کلسے میں آخری ہاتھ ڈالا اور اسے خالی پا کر اس نے مرا ہوا سانپ کلسے
کے اندر ہی ڈال دیا اور ابلنے والی مٹی کو گڑھے میں ڈال کر اسے برابر کرنے لگا۔ تھوڑی دیر
کے بعد مٹی برابر ہو گئی تو شکن نے کہا۔ "اب یہ بتاؤ یہ اشرفیاں چھپائیں کہاں؟"
"سوتو ہے میں بھی اسی سوچ میں ہوں۔"
"کھتی میں ڈال دیں؟"
"نا بابا نا، وہ ناگن تلاش کر لے گی کتنی چالاک ہے تمہیں کیا پتہ۔" شکن کی بیوی نے
بہو کے بارے میں کہا۔
"الماری کے نیچے چھپا دیں؟"
"کیسی باتیں کر رہے ہو؟"
"ارے تو پھر کریں کیا۔"
"میں یہی سوچ رہی ہوں کہ کیا کریں۔ فی الحال تو اس گٹھری کو پرانے کپڑوں میں
چھپائے دیتے ہیں، بعد میں دیکھیں گے کہ کیا کیا جائے، کہاں رکھی جائے۔"
"چل اٹھا" شکن نے کہا۔
شکن کی بیوی گٹھری اٹھانے لگی پھر ہنس کر بولی۔ "مجھ سے نہیں اٹھتی تم اٹھاؤ۔ میں
کپڑے ہٹاتی ہوں۔"
کپڑوں کا ڈھیر ایک کونے میں لگا ہوا تھا۔ گٹھری کو اس کے نیچے چھپا دیا گیا اور
دونوں آ کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔
"ارے باپ رے، میری تو عقل خراب ہوئی جا رہی ہے، اب یہ بتا کریں گے کیا؟"
"کچھ دن تک بالکل خاموش بیٹھیں گے، کسی کو شبہ بھی نہیں ہونا چاہیے اس کے بعد
تھوڑی تھوڑی کر کے اشرفیاں بیچنا شروع کریں گے اور پیسے جمع کرتے رہیں گے۔ جب
بہت سارے پیسے ہو جائیں گے تو یہ گھر بنوائیں گے اپنی پسند کا بنواؤں گی میں، بڑے
بڑے کمرے اور دیواریں اور خوب سجاؤں گی اسے۔"
"ارے ایک بات تو بتا؟"
"ہاں پوچھ۔"
"اگر بہو کو پرانے کپڑوں کی ضرورت ہوئی تو وہ ضرور اس ڈھیر کو ٹٹولے گی، اکثر
یہاں سے پرانے کپڑے نکالتی رہتی ہے۔"
"سوتو ہے، ارے اٹھو کل ہی کہہ رہی تھی کہ پرانے کپڑوں میں سے کچھ کپڑے نکال

کر انہیں ٹھیک کرنا ہے۔"
دونوں میاں بیوی گھبرا کر اٹھے اور کپڑوں کے ڈھیر سے گٹھری نکال لی۔
"الماری کے اوپر رکھ کر اگر کپڑا ڈال دیں تو۔"
"ہاں میں کسی کو آنے نہیں دوں گی۔" گٹھری الماری پر رکھ کر اس پر کپڑے ڈال کر
اسے چھپا دیا گیا، لیکن صبح ہونے سے تھوڑی دیر پہلے اچانک شکن کی بیوی کو یاد آیا کہ الماری
کے اوپر کچھ سامان رکھنا ہے، جمن کہہ رہا تھا کہ اماں میرا کچھ سامان الماری کے اوپر رکھ لو۔
"چل چل اتار جلدی سے، تیرا تو دماغ ہی خراب ہو گیا ہے۔"
"پھر اسے کہاں رکھیں؟"
"ایسا کرتے ہیں شکن اسے مٹکے میں ڈال کر مٹکا صحن میں دفن کر دیں گے۔"
"لو آئی دولت کو اس طرح گنوا دو گے۔ یہ کہیں اور سرک گئی تو کیا ہو گا۔"
غرض ساری رات میاں بیوی یہی سب کچھ کرتے رہے، جمن کے بارے میں یہ
اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ بخیر ہے کیونکہ جمن نے خود آ کر ان سے ان کی خیریت معلوم کی تھی۔
میاں بیوی خوشی سے نہال تھے، ان سے اپنی خوشی دبائے نہیں دب رہی تھی۔
پھر خوب سورج چڑھ آیا تو اچانک شکن کی بیوی بولی۔ "یہ آج گھوڑے بیچ کر سو رہی
ہے، ابھی تک صبح کے کام نہیں شروع کیے۔ سورج کتنا اوپر ہو گیا ہے بس یہی تو ہے ان
لوگوں میں، ذرا سی چھوٹ دے دو پھر دیکھو ان کے تماشے، میں دیکھتی ہوں ذرا۔"
شکن کی بیوی نے غصے سے بہو بیٹے کے کمرے کا دروازہ پیٹ ڈالا۔
"اے میں کہتی ہوں رات سونے کے لیے ہوتی ہے اور دن جاگنے کے لیے، یہ صبح
اٹھنے کا وقت ہے، ناشتا کون بنائے گا، صفائی کون کرے گا، اے اٹھتی ہے یا دوں اندر آ کر
ایک لات۔" شکن کی بیوی ایک روایتی ساس تھی۔
بیٹا بے شک اکلوتا تھا لیکن بہو تو آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہی ہے۔ اسے بھلا
ستائے بغیر زندگی کا مزہ ہی کیا، مگر آج بہو سن ہی نہیں رہی تھی۔ جمن کی ماں غصے سے
پھنکارتی ہوئی دروازہ اندر دھکیل کر اندر داخل ہو گئی اور پھر اس نے جو منظر دیکھا اسے دیکھ کر
اس کے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔
جمن اپنے پلنگ پر آدھا نیچے لٹکا ہوا تھا، اس کے منہ سے جھاگ ٹپک ٹپک کر نیچے جمع
ہو گیا تھا۔ ادھر اس کی بیوی بھی سرہانے کی طرف الٹی ہوئی تھی۔ شکن کی بیوی کے حلق سے
ایک دلدوز چیخ نکلی۔ "ہائے میرا بچہ۔" یہ کہہ کر وہ بیٹے کی طرف دوڑی۔

چیخ سن کر شکن بھی اندر گھس آیا اور چیخنے لگا۔ ''کیا ہوا کیا ہو گیا؟''

''ارے دیکھو شکن کیا ہو گیا میرے بچے کو ارے دیکھو۔''

شکن اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کے پاس پہنچے لیکن اس کا بدن برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا، آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں اور منہ سے جھاگ نکل کر پورے منہ کو گندا کر گیا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے سینے میں سانس نہیں ہے۔

پہلا بیٹا اور پہلی بہو مایہ کی بھینٹ چڑھ گئے تھے۔ وہ دونوں دھاڑیں مارتے ہوئے جمن سے لپٹے ہوئے تھے۔ اپنی غلطی کا ابھی تک انہیں احساس نہیں ہوا تھا۔ بس بہو اور بیٹے کی لاش نگاہوں کے سامنے تھی اور وہ یہ سوچ رہے تھے کہ یہ کیا ہوا رونے پیٹنے کی آوازوں پر پڑوسی جمع ہو گئے تھے، سب حیران تھے کہ تندرست و توانا جمن کو اچانک ہی کیا ہو گیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ان دونوں نے کوئی زہریلی چیز کھا لی ہے مگر زہر کے آثار بھی نہیں تھے۔ غریب غرباء کا علاقہ تھا کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا تھا۔ سوائے اس کے کہ بے چارے شکن کا اکلوتا بیٹا اور بہو موت کی آغوش میں سو جائے۔ بہر حال یہ ساری دکھ بھری باتیں تھیں اور ہر شخص اپنے اپنے طور پر کچھ کر رہا تھا۔ بہو کے گھر والے بھی آ گئے، تلخ باتیں ہوئیں مگر اس سے کوئی نتیجہ کہاں نکلتا ہے۔ دونوں کی تدفین ہو گئی۔ شکن اور اس کی بیوی ویران بیٹھے اپنے بہو بیٹے کے بارے میں سوچتے رہے۔ پھر شکن نے بیوی سے کہا۔ ''تو نے بہو بیٹے کو مایہ کی بھینٹ چڑھانے کا وعدہ کر لیا تھا؟''

''ہاں، میں اپنے بہو بیٹے کی قاتل ہوں۔ مایہ ہمیں اسی لیے ملی کہ ہم نے پہلا بیٹا اور پہلی بہو مایہ کے حوالے کرنے کی بات کر لی۔ ارے شکن اب کیا کریں گے اس دولت کا۔''

''اپنے بچوں کے مقبرے بنوائیں گے۔ اس کے علاوہ اور کیا کریں گے۔'' شکن نے روتے ہوئے کہا۔

شکن اور اس کی بیوی بری طرح اجڑ گئے تھے، پاگلوں کی طرح بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہتے تھے۔ زمین سے نکلنے والی اشرفیاں اور زیورات بے قدری سے ایک جگہ پڑے ہوئے تھے۔ ایک دن اچانک شکن کی نظر ان اشرفیوں پر پڑی تو اس کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ''یہ قاتل ہیں، آؤ انہیں پھر زمین میں دفن کر دیں، یہ ہمارے کس کام کی جب ہمارا باغ ہی اجڑ گیا۔''

شکن دیوانگی کے عالم میں زمین کھودنے لگا جہاں سے اسے دولت کا یہ کلسہ حاصل ہوا تھا، کلسہ اپنی جگہ موجود تھا، شکن نے وہ تمام اشرفیاں اس کلسے میں بھر دیں اور پھر چیخ

کر بولا۔ ''مجھے نہیں چاہیے یہ مایہ، میری بیوی نے غلطی سے سوتے میں یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اپنا بیٹا اور بہو دے دے گی، چلو میرا بیٹا بہو مجھے واپس کر دو، بھاڑ میں جائیں یہ اور رات، ارے مجھے کچھ نہیں چاہیے، کیا سمجھے؟'' اس نے کلسے کا منہ ڈھک کر مٹی سے برابر دیا اور اور بیوی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''مایہ کا لوبھی باپ ہوں میں اور مایہ کی لوبھی ماں تو، مگر نہیں ایک بات بتا، بابا ادریس نے کہا تھا کہ مایہ نکال لو میں ہوں نا۔ ارے ہاں ان گلی چلتے ہیں، ہمارا کام بابا ادریس ہی کرے گا۔''

دونوں تقریباً نیم دیوانے ہو چکے تھے محلے والے پوری طرح صورت حال سے واقف ہو سکے تھے، بس یہ سوچتے تھے کہ گھر اجڑ گیا ہے بے چارے شکن کا، جو کچھ کر رہا ہے دیوانگی کے عالم میں کر رہا ہے۔ چنانچہ خاموش ہو جاتے۔

شکن اپنی بیوی کو لے کر چل پڑا اور پھر سبحان گلی پہنچ گیا، راج گندل بابا ادریس کے گھر میں بیٹھا اپنے کاموں میں مصروف تھا، شکن اور اس کی بیوی نے اینٹیں اٹھا کر دروازے پر مارنا شروع کر دیں اور قرب و جوار سے لوگ دوڑ پڑے۔

''ارے یہ کیا کر رہے ہو، کون ہو تم لوگ کیا ہو گیا؟''

''اندر ایک جادوگر بیٹھا ہوا ہے، اس نے میرے بہو اور بیٹے کو مروا دیا ہے، نکالو اسے ورنہیں تو میں سر پھوڑ کر مر جاؤں گا یہاں پر۔''

لوگوں نے شکن اور اس کی بیوی کو قبضے میں کیا اور پھر بابا ادریس کا دروازہ بجایا، راج گندل باہر نکل آیا تھا۔

''کیا ہوا، کیا بات ہے، کیا ہو رہا تھا یہ؟''

''اب پوچھ رہے ہو کہ کیا ہو رہا تھا، بڑے ولی اللہ بنتے ہو تم۔ کہاں ہے میرا بیٹا اور کہاں ہے میری بہو؟ ارے تم نے کہا تھا نا کہ دولت نکال لو، واپس رکھ دی وہ دولت میں نے۔ واپس دبا دی ہے، میرا جمن مجھے واپس دے دو، تم نے کہا تھا کہ میں سب ٹھیک کر دوں گا۔''

''کیا کہہ رہا ہے یہ میری سمجھ میں ایک لفظ نہیں آیا۔'' راج گندل نے معصومیت سے کہا۔

''ارے اب بن مت، جادوگر، تو رنگا سیار ہے، ڈھونگی ہے ڈھونگی۔ بچہ مروا دیا اس نے میرا۔ ارے مجھے نہیں چاہیے دولت۔ اس کا ایمان کھو گیا ہے لوگو! یہ جادوگر ہو گیا ہے، کہاں ہیں تیرے بچے؟ جس طرح تو نے میرے بچوں کو ختم کر دیا اسی طرح میں بھی تیرے بچوں کو مار دوں گا۔ مجھے میرا بیٹا واپس دے دے۔''

شکن، راج گندل کی طرف دوڑا تو لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔

"کیا کر رہا ہے تو، پاگل ہے، دونوں پاگل ہو۔"

"نہیں بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے میرا شوہر، انہوں نے کہا تھا کہ زمین سے دولت نکا... میں سب ٹھیک کر دوں گا۔"

"ایمان کھو گیا ہے اس کا، پہلے یہ ولی تھا درویش تھا اور اب اب اب......" شکن نے کہا۔

"آپ لوگ دیکھ رہے ہیں جس شخص کو میں جانتا بھی نہیں ہوں، وہ پتہ نہیں کیا کہہ رہا ہے میرے بارے میں۔ کیا آپ لوگوں کے دلوں سے میری عزت رخصت ہو گئی، اگر ہے تو میرا یہاں رہنا بے کار ہے۔"

"ارے تیرا ستیاناس، ایک تو میرے بچے کو مروا دیا اور اوپر سے بکواس کر رہا ہے۔"

بہر حال لوگ کسی نہ کسی طرح شکن اور اس کی بیوی کو وہاں سے ہٹا کر لے گئے راج گندل مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا، اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔ "آغاز ہو گیا ادریس علی، ہو گیا تیرا آغاز، یہی تو چاہتا تھا میں، ابھی دیکھ بیٹا کیا کیا کرتا ہوں۔" راج گندل اپنے طور پر بہت خوش ہو گیا تھا۔

لوگ آہستہ آہستہ بابا ادریس علی سے منحرف ہوتے جا رہے تھے، وہ آپس میں میگوئیاں بھی کرتے تھے۔

"بس جی ہمیں تو یوں لگتا ہے جیسے بابا صاحب نے اپنا راستہ چھوڑ دیا ہے، پہلے تو اللہ والے تھے اور اب تم ذرا حالات دیکھو۔ کئی لوگوں کو ان سے شکایت ہو چکی ہے۔ ا... تھوڑے دن پہلے لڑکی مر گئی، بعد میں پتہ چلا تھا کہ انہوں نے آٹے کا ایک پتلا بنا کر دیا اور کہا تھا کہ اسے سوتے وقت لڑکی کے سینے پر رکھ دو۔"

"بھلا دین کے کاموں میں کسی پتلے وغیرہ کی کیا گنجائش؟ ہمیں لگتا ہے کہ ا... عرصے تک جو بابا ادریس غائب رہے ہیں، تو کچھ نہ کچھ کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ پہلے ان کے ہاتھ میں کتنی شفا تھی، اللہ کے نام کے تعویذ دیا کرتے تھے اور ان کے پاس جا... والے کو شفا مل جاتی تھی، پر اب کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" جتنے منہ اتنی باتیں۔

یہ کہانی چوہدری شاہنواز تک بھی پہنچ گئی۔ حمید خاں کہیں سے سن کر آیا تھا، اس... چوہدری صاحب کو بتایا۔

"چوہدری صاحب، نئی خبر ہے ایک، وہ یہ کہ بابا ادریس علی سبحان گلی اپنے گھر واپ...

...ہیں۔"

"اچھا کب؟"

"یہ تو پتہ نہیں، آج کل ان کے بارے میں بڑی کہانیاں سننے کو مل رہی ہیں۔"

"کیسی کہانیاں ان کی کرامات کی؟"

"کہنے کو آپ کہہ سکتے ہیں، لیکن کچھ اور باتیں بھی سنی ہیں۔"

"کیا؟"

"یہی کہ بابا ادریس کچھ جادو ٹونے کرنے لگے ہیں، پہلے تو وہ تعویذ دیا کرتے تھے، ...پڑھ کر دیتے تھے لیکن اب ان کے بارے میں سنا ہے کہ بیماروں پر تھوک دیتے ہیں، ...ریاں تو ٹھیک ہو جاتی ہیں لیکن بیماروں کے بدن سے ایسی بدبو پھوٹنے لگتی ہے کہ پڑوسی ...ان سے گھن کھانے لگتے ہیں، اس کے علاوہ بھی اور بہت سی کہانیاں سننے کو ملی ہیں۔"

"میں یقین نہیں کرتا۔" چوہدری شاہنواز نے کہا پھر بولا۔ "حمید خاں چلو سبحان گلی ...کی تیاری کرو، میں بابا صاحب سے اپنی بیٹی کے بارے میں معلومات حاصل کروں گا۔ ...لگتا ہے وہ ہماری مدد کریں۔ باقی جہاں تک کہانیوں کی بات ہے تو لوگوں کو تو کہانیوں کی ...ائی ہوتی ہے، کوئی کیسی ہی کہانی کیوں نہ گھڑ لے، تم تیاریاں کرو میں ابھی عرشیہ کو ساتھ ...لے جا رہا، لیکن اگر بابا صاحب آ گئے ہیں تو نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ میری ...کلات کا حل انہی کے پاس ہے۔ ہماری بچی کا پتہ چل جائے گا لیکن میں ابھی عرشیہ کو نہیں ...ا چاہتا، ورنہ وہ جذباتی ہو جائے گی۔"

"جیسا آپ کا حکم۔" حمید خاں نے کہا اور سبحان گلی جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

تیاریاں مکمل ہونے کے بعد چوہدری شاہنواز سبحان گلی چل پڑا۔ حمید خاں اس کے ...تھ تھا۔ آخر کار وہ بابا ادریس کے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ شاہنواز نے عجیب سے ...میں کہا۔ "کچھ بدلا بدلا سا نظر آ رہا ہے۔ عجیب سی ویرانی پھیلی ہوئی ہے۔"

یہ بات حمید خاں کو بھی محسوس ہو رہی تھی۔ بہر حال بابا ادریس کے گھر کا دروازہ بجایا ...ا اور راج گندل نے دروازہ کھول کر نئے آنے والوں کو دیکھا۔

چوہدری شاہنواز نے فوراً ہی سلام کیا تھا۔ راجت گندل ٹکر ٹکر انہیں دیکھتا رہا۔ چوہدری ...احب نے کہا۔ "کیا بات ہے، بابا ادریس پہچانے نہیں آپ مجھے۔ میں چوہدری شاہنواز ...ا، خیریت تو ہے بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں آپ؟"

راج گندل نے فوراً ہی اپنا رویہ بدلا اور کسی قدر پرتپاک لہجے میں بولا۔ "آیئے

چوہدری صاحب، میری بینائی کچھ کمزور ہو گئی ہے، چہرے دھندلے نظر آتے ہیں، انداز
نہیں لگا سکا۔"

چوہدری شاہنواز، حمید خاں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا تھا، حمید خاں ایک
چوہدری شاہنواز کے ساتھ پہلے بھی یہاں آ چکا تھا، لیکن اندر کے بدلے ہوئے ماحول کو ا
نے خاص طور سے محسوس کیا اور عجیب سی نگاہوں سے راج گندل کو دیکھنے لگا۔ راج گندل
نے انہیں بیٹھنے کے لیے چارپائیاں پیش کیں۔

چوہدری شاہنواز نے پوچھا۔ "بچے وغیرہ کہاں ہیں کوئی آواز نہیں آ رہی اور یہ گھر
کیا حال کر ڈالا ہے آپ نے۔ ویسے آپ اتنے طویل عرصے کہاں غائب رہے۔"

"بہت سے سوالات ایک ساتھ کر ڈالے تم نے چوہدری شاہنواز آہستہ آہستہ سارے
سوالوں کا جواب دوں گا بیٹھا جاؤ۔" راج گندل نے مکاری سے کہا۔

دل ہی دل میں وہ سوچ رہا تھا کہ اچھا تو تم ہو چوہدری شاہنواز۔ میرا تمہارا بھی اچھا
خاصا کھیل ہے جو مجھے تمہارے ساتھ کھیلنا ہے۔ چوہدری شاہنواز حقیقت سے بے خبر چارپائی
پر بیٹھ گیا۔ پہلے بھی وہ بابا ادریس کی بہت عزت کرتا تھا اور آج بھی اسی عزت و عقیدت
کے ساتھ یہاں آیا تھا، لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے اردگرد کیا کیا خطرات منڈلانے
لگے ہیں۔

☆

چوہدری شاہنواز بے چارا حقیقتوں سے ناواقف تھا، اس نے لمبی لمبی سانسیں لیتے
کہا۔ "کچھ عجیب سا لگ رہا ہے بابا صاحب! جب بھی میں نے آپ کو دیکھا آپ
ر بڑی نفاست پائی، آپ بہت صاف ستھرے رہا کرتے تھے اور خوشبوؤں میں بسے
بھی، لیکن اب جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ صفائی ہے نہ
ا۔ دیواریں بدرنگ ہو رہی ہیں۔"

راج گندل نے بدستور مکاری سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے پہلے بھی کہا
ہدری شاہنواز کہ بہت سے سوالات تم نے ایک ساتھ کر ڈالے، بہرحال میں ان کا مختصر
دیتا ہوں۔ بدروحیں اور کالے علم اپنے اندر کیا نحوستیں رکھتے ہیں اس کے بارے میں
ہیں یقیناً نہیں معلوم ہو گا۔ تم جانتے ہو کہ ہم لوگ جو نیک عمل کرنے کے لیے اپنی
اوقف کر دیتے ہیں۔ کتنے دشمنوں سے نمٹ کر اپنا کام کرتے ہیں۔ کچھ عرصے قبل کچھ
کالا میرے پیچھے لگ گئی تھیں۔ وہ مجھے اور میرے خاندان کو تباہ و برباد کر دینا چاہتی
ا۔ ان کی چیرہ دستیوں سے بچتا رہا۔ بحالت مجبوری میں اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے
با ایک ایسی جگہ محفوظ کر دیا جہاں بری روحیں انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں۔ پھر میں بڑی
ت کے ساتھ ان روحوں سے نمٹتا رہا۔ یہاں انہوں نے میرے گھر پر اپنی نحوستوں کے
ڈالنا شروع کر دیئے ہیں۔ ان بری روحوں سے جنگ کرتا رہا، جنگلوں میں، صحراؤں
پہاڑوں میں، میں نے ان کا مقابلہ کیا اور یہ مقابلہ آج تک جاری ہے۔ بس یوں سمجھ
ہدری شاہنواز کہ برا وقت کسی پر بھی آ سکتا ہے اور خاص طور سے وہ جو دوسروں کے لیے
ندگی ترک کر دیتے ہیں بس یہ تھی میری روداد۔ آخر کار مجھے اپنے گھر واپس آنا پڑا۔ اتنا
رصے دور رہا تھا، گھر بھی دیکھنا ہی تھا، لیکن میں تنہا آیا اور اپنے بیوی بچوں کو ساتھ نہ
کر پہلے یہاں کی صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لے لوں۔ اس کے بعد انہیں یہاں
یہ سب جو تم دیکھ رہے ہو یہ انہی گندی روحوں کا کیا دھرا ہے۔ ظاہر ہے جہاں بری

روحیں ہوتی ہیں، وہاں صفائی ہوتی ہے اور نہ ہی خوشبوئیں، چونکہ بری روحوں کو صفائی اور
خوشبو سے نفرت ہوتی ہے۔ بہت تنگ کیا ہے ان بدروحوں نے مجھے۔ بس یوں سمجھ لو کہ میں
اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی بستی والوں کے لیے یہ جگہ چھوڑ گیا تھا تاکہ میری وجہ سے میری بستی
کے لوگ کسی مشکل کا شکار نہ ہوں۔" راج گندل نے بڑے پُر تاثر لہجے میں چوہدری شاہنواز
کو اپنی کہانی سنائی۔

چوہدری شاہنواز اور حمید خاں عقیدت میں ڈوب گئے ان کے تمام گلے شکوے دور ہو
گئے تھے اور وہ ایک بار پھر بابا ادریس کے دل سے قائل ہو گئے تھے۔ چوہدری شاہنواز نے
کہا۔ "حقیقت یہ ہے بابا صاحب کہ آپ کی ذات ہمارے لیے بڑی بابرکت ہے اور آپ
سے دوری ہمارے لیے عذاب کا باعث، مجھ پر آپ کی غیر موجودگی کے دوران کیا بیتی ہے،
میں آپ کو کس طرح بتاؤں۔"

"نہیں چوہدری شاہنواز مجھے بتاؤ کیا ہوا۔ کیا بات ہے، میں تمہارے لیے جو کچھ بھی
بن پڑے گا کروں گا۔"

"بڑی مدد کی ضرورت تھی مجھے آپ کی بابا صاحب! ایک طویل عرصہ میں نے جس
عذاب میں گزارا ہے میں آپ کو کیا بتاؤں، یہ بات تو میں آپ کے علم میں پہلے لے آیا تھا
کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ میری پہلی بیگم اس بات پر مجھ سے ناراض ہو گئیں
پہلے انہوں نے آپ کو بلایا کہ آپ ایسا تعویذ وغیرہ دیں جو مجھے عرشیہ بیگم سے دور کر دے
لیکن آپ نے انکار کر دیا تو مرحومہ شاہینہ نے ایک ہندو سفلی عمل کرنے والے کو بلایا جس
نے شاہینہ بیگم کو پہلے اپنی غلاظتوں میں ڈبویا اور اس کے بعد عرشیہ کے خلاف کام کرنے لگا
وہ مردود بھیس بدل کر عرشیہ کے پاس پہنچا اور اس نے اپنے جادو منتروں سے عرشیہ کو اپنے
قابو میں کر لیا، اسے زندہ قبر میں دفن کر دیا اور نہ جانے کیا کیا عمل کرتا رہا۔" چوہدری شاہنواز
نے جو کچھ اس کے علم میں تھا راج گندل کو بتا دیا۔

راج گندل صبر و سکون کے ساتھ یہ سب کچھ سنتا رہا۔

وہ جب راج گندل کو اپنی کہانی سنا چکا تو اس نے کہا۔ "واقعی تمہارے ساتھ تو بہت
بری بیتی ہے۔"

"بس بابا صاحب، شاہینہ اس دنیا سے چلی گئی، مجھے اس کا بھی دکھ ہے، لیکن اب
بہرحال اپنے برے عمل کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ میں اس کی مغفرت کی دعا کے سوا اور کیا کر سکتا
ہوں، لیکن عرشیہ ابھی تک اپنے حواس میں واپس نہیں آئی۔ وہ بظاہر اس بات کو تسلیم کرتی

ہے کہ وہ میری بیوی ہے لیکن اس نے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ مکمل طور پر اس وقت مجھے اپنا
شوہر تسلیم کرے گی جب اس کی بچی اسے واپس مل جائے۔ بابا صاحب میرا دل بھی اپنی
بچی کو دیکھنے کے لیے تڑپتا ہے، میں نے سبحان گلی کے اتنے چکر لگائے ہیں کہ آپ سوچ بھی
نہیں سکتے، پر آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، اب جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ واپس آ گئے
ہیں تو میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ بابا صاحب آپ ہی میری مشکل حل کر سکتے ہیں۔
میری بچی کا سراغ لگائیے اور اسے مجھ تک پہنچانے میں میری مدد کیجیے، میں آپ کے ہر حکم
کی تعمیل کروں گا۔"

راج گندل پُر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ وہ سوچنے کی اداکاری کر رہا تھا کہ اس
دوران چوہدری شاہنواز نے کہا۔ "اور میں سمجھتا ہوں سارا کیا دھرا اسی ناپاک ہستی کا ہے
جس کا وجود مٹانے کے لیے میں نے اسے گوشے گوشے میں تلاش کیا ہے۔ راج گندل تھا
اس بے غیرت کالے علم کے ماہر کا نام، میں نے اس کا ڈیرہ تباہ کر دیا، اس نے ایک مٹھ بنا
رکھا تھا، شاہ پور کے قریب، وہ وہیں کا رہنے والا تھا، میں نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اس
کا مٹھ تباہ کرایا اور اس کے ایک ایک فرد کو قتل کرا دیا۔ آج تک پولیس کو اس بارے میں کچھ
معلوم نہیں چلا مگر راج گندل بچ کر نکل گیا۔ میں اب بھی اسی کی تلاش میں ہوں مجھے مل جائے
تو آپ یقین کریں اسے زندہ جلا دوں۔ اتنی ہی نفرت ہے مجھے اس کے وجود سے۔ اس نے
میرا مستقبل تباہ کر دیا، بابا صاحب! اب آپ آ گئے ہیں تو میں اس بات کا آرزومند ہوں کہ
میری بچی مجھے واپس مل جائے اور عرشیہ ٹھیک ہو جائے۔"

راج گندل نے آنکھیں بند کر لی تھیں، اس کے اندر الاؤ دہک اٹھا تھا، یہ معلوم کر کے
کہ اس کا مٹھ اس کی کائنات چوہدری شاہنواز نے تباہ کی۔ اس کے سارے اہم آدمیوں کو
مارا تو یہ شخص ہے ان کا قاتل۔ میرا مقابلہ تو بابا ادریس سے تھا مگر اب میں تجھ سے اپنے
آدمیوں کا انتقام لوں گا، ہاں تو میرا دشمن نمبر دو ہے۔

شاہنواز مسلسل اپنی کہانی سنائے جا رہا تھا اور راج گندل اپنی سوچوں میں مصروف تھا،
اس نے گردن اٹھا کر کہا۔ "تو بے فکر رہ، ہم عمل کریں گے، تیری بچی تجھ تک پہنچا دیں
گے اور تیری بیوی کا علاج بھی کریں گے، تو بے فکر ہو جا کیا سمجھا، سات دن کے بعد اپنے
آدمی بھیج دینا، ہم اس دوران عمل کریں گے اور تجھے دل کا سکون دیں گے۔"

"بابا صاحب! آپ کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"نہیں یہ کوئی احسان نہیں ہے، آنے والے وقت میں ہم بھی تجھ سے کچھ مانگیں گے

اور ہمیں پتہ ہے کہ تو ہمیں دے گا۔"

"وہ تو میں آج بھی دینے کے لیے تیار ہوں، آپ حکم کریں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔" شاہنواز بڑی عزت و احترام کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوا اور راج گندل کے ذہن میں بدستور شیطانی منصوبوں کا بسیرا تھا۔

❀ ❀ ❀

شکن پہلوان اور اس کی بیوی رفتہ رفتہ دماغی توازن کھوتے جا رہے تھے۔ اپنے گھر میں ہی بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھا کرتے تھے۔ کوئی آ جاتا تو بڑے درد بھرے انداز میں اسے اپنی کہانی سناتے۔

"بس اماں کریمن ایک غلطی ہی بعض اوقات ساری زندگی برباد کر دیتی ہے۔ اب ہمارا جمن بے چارا، کیا دیکھا تھا اس نے۔ اچھا ایک کام کرو، میں تمہیں ایک چیز لا کر دیتا ہوں، رکو۔"

وہ اندر گیا اور کلسے میں سے ایک مٹھی بھر اشرفیاں نکال لایا۔

"جھولی پھیلاؤ۔" اور اشرفیاں پڑوسن کی جھولی میں پہنچ گئیں اور اس کا سر چکرانے لگا۔

"جاؤ بھاگ جاؤ۔"

محلے میں کہرام مچ گیا۔ لوگ شکن پہلوان کی طرف دوڑ پڑے۔ "شکن پہلوان! ہمیں بھی کچھ دو۔"

"لائن لگاؤ، لائن لگاؤ۔" شکن نے کہا اور اس کے گھر کے سامنے لائن لگ گئی۔ بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا، جہاں جہاں خبر پہنچ رہی تھی وہاں سے لوگ دوڑے چلے آ رہے تھے اور شکن پہلوان خوشی خوشی انہیں گن گن کر اشرفیاں دے رہا تھا۔

بات پولیس تک پہنچ گئی۔ پولیس والے آ گئے، انہوں نے لوگوں کا مجمع ہٹایا اور شکن پہلوان کو پکڑ لیا۔

"لائن میں آ جاؤ، لائن میں آ جاؤ، بغیر لائن کے کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔" وہ بولا لیکن پولیس گھر کے اندر گھس آئی اور کلسے کی بچی ہوئی اشرفیاں قبضے میں لے لی گئیں۔ ساتھ ہی شکن پہلوان اور اس کی بیوی کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ تین چار دن تھانے میں رکھا گیا اس دوران نہ صرف آس پاس کے لوگ بلکہ دور دور تک کے لوگوں نے شکن کے گھر میں حملہ کر دیا تھا اور ایک ایک کونے کھدرے کو کھنگالتے پھر رہے تھے کہ کہیں سے اشرفیاں ان کے ہاتھ لگ جائیں، یہاں تک کہ پولیس کو پہرہ لگانا پڑا۔ شکن پہلوان اور اس کی بیوی اب بھی نیم دیوانوں جیسی باتیں کرتے تھے۔

"کچھ نہیں، تم دیکھ لو کتنوں کا بھلا ہو گیا، مگر ہمارا برا ہو گیا۔ ارے اب میں تم لوگوں کو بات بتاؤں۔ اگر مایہ تم سے پہلا بیٹا اور اس کی بہو مانگے تو صاف منع کر دینا بھائی۔ بھلا کے کام آنے والی چیز ہوتی ہے اسی کے کام نہ آئے تو کیا فائدہ۔ ٹھیک کہتا ہوں نا میں۔"

شکن کی بیوی کہتی۔ "بس اکیلا بیٹا اکیلی بہو تھی، میں اسے تنگ نہ کرتی تو اور کیا کرتی تھا بھی تو نہیں، چلو اچھا ہوا چلی گئی۔"

بس یہ زندگی رہ گئی تھی ان کی جس پر بہت سے لوگ غم کا اظہار کرتے اور بہت سے دانتوں میں انگلیاں دبا کر رہ جاتے، خاص طور سے وہ لوگ بڑے دکھی تھے جو وقت پر اشرفیاں حاصل کرنے کے لیے نہیں پہنچ سکے تھے۔ پولیس نے بھاگ دوڑ بھی کی، لیکن مجال ہے کہیں سے ایک اشرفی بھی برآمد کر سکی ہو۔ ہاں کلسے میں سے جو کچھ قبضے میں کر لیا گیا تھا ابھی تک پولیس کے مال خانے میں موجود تھا۔

شکن پہلوان کو جو بھی دیکھتا اس پر ترس کھاتا تھا، اس کی باتیں بھی لوگ غور سے سنتے تھے، پھر ایک دن وہ اور اس کی بیوی بابا ادریس کے گھر پر جا نکلے۔

شکن نے پتھر اٹھا اٹھا کر اس کے دروازے پر مارنا شروع کر دیے۔

"باہر نکل او جھوٹے بڈھے، سب کچھ تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ کہتا تھا مایہ نکال لو، میں جو ہوں، اب مروا دیا میرے بچوں کو اور خود گھسا ہوا ہے اپنے گھر میں، باہر نکل، میں تجھے نہیں چھوڑوں گا نکل باہر۔"

دونوں میاں بیوی بابا ادریس کے گھر پر پتھر برساتے رہے، بڑی مشکل سے لوگوں نے پکڑا تھا۔

"کیوں پکڑ رہے ہو مجھے، تمہارا بیٹا اور بہو مرتی تو پھر میں دیکھتا کہ تم کیا کرتے، اس نے کہا تھا کہ مایہ نکال لو، تمہارے بہو بیٹے کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں جو ہوں۔ اور بابا گھر میں گھسا بیٹھا ہے، پوچھو ذرا اس سے کہ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں، ماروں گا چھوڑوں گا نہیں اسے۔"

راج گندل بابا ادریس کے روپ میں اس وقت بھی گھر میں موجود تھا اور دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا بیٹا ادریس! یہ سب کچھ میرے خلاف نہیں بلکہ تیرے خلاف ہو رہا ہے اور یہی تو میں چاہتا بھی ہوں۔ وہ اس تمام ہنگامے پر مسکراتا رہا تھا۔

❀ ❀ ❀

بابا ادریس کے اپنے گھر واپس آ جانے سے چوہدری شاہنواز کو بڑی خوشی ہوئی تھی۔ دادا اب زیادہ تر عرشیہ بیگم کے پاس رہتا تھا اور اس کی حویلی میں وقت گزارتا تھا۔ پرانی حویلی

بہت کم جاتا تھا کیونکہ وہاں جاتے ہوئے اسے ہمیشہ شاہینہ کی یاد آتی تھی۔ شاہینہ نے برا
کچھ کیا تھا اس کے خلاف، لیکن اس نے شاہینہ کو معاف کر دیا تھا اور بہت کچھ برداشت کر
کے شاہینہ کو اس کا مقام دے دیا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے شاہینہ خود ہی اپنے اندر شرمسار
ہو کر دنیا چھوڑ گئی۔ بہرحال یہ ایک الگ مسئلہ تھا، اس دوران اس نے سات دن تک انتظار
کیا۔ عرشیہ سے کوئی خاص بات نہیں کہی تھی۔ بس اتنا دلاسہ دیتا رہا تھا کہ عرشیہ شاید قدرت کو
ہم پر رحم آ گیا ہے۔ ہم جو گنوا بیٹھے ہیں وہ ہمیں واپس ملنے والا ہے۔ خاص طور سے ہماری
بچی۔ عرشیہ اب بالکل سمجھ داری کی باتیں کرتی تھی اور چوہدری شاہنواز کا مکمل طور پر احترام
کرتی تھی۔ بس ایک اخلاقی دیوار ان دونوں کے درمیان حائل تھی، جس کی قدر چوہدری
شاہنواز بھی کرتا تھا لیکن بہت سی آرزوئیں اس کے دل میں تھیں۔ اگر عرشیہ ذہنی طور پر
بالکل درست ہو جائے اور اسے اپنا شوہر تسلیم کر لے تو ان کی بچی تو انہیں مل ہی جائے گی۔
قدرت مزید اولاد بھی دے سکتی ہے۔ ساتویں دن اس نے بے چینی سے حمید خاں سے کہا۔

''حمید خاں! بابا صاحب نے سات دن کے بعد بلایا تھا ہمیں۔ میرا خیال ہے ہمیں جانے
کی تیاریاں کرنی چاہئیں۔''

''تیاریاں مکمل ہیں چوہدری صاحب۔''

چوہدری شاہنواز نے ممنون نگاہوں سے حمید خاں کو دیکھا ایک مخلص اور سچا ساتھی تھا وہ۔

بہرحال دونوں چل پڑے۔ حمید خاں گاڑی چلا رہا تھا اور چوہدری صاحب اس کے
برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ فاصلے طے کر کے وہ سبحان گلی پہنچ گئے، کچھ لوگ چوہدری شاہنواز کو
جانتے تھے، چوہدری شاہنواز بھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ کچھ لوگ ان کی گاڑی کے آگے آ
گئے اور حمید خاں نے گاڑی روک دی۔ ان میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر چوہدری
صاحب کو سلام کیا اور بولا۔ ''معافی چاہتے ہیں ہم چوہدری صاحب، کیا آپ بابا ادریس علی
کے پاس جا رہے ہیں۔''

''کیوں خیر تو ہے؟''

''چوہدری صاحب ہم لوگ آپ کے پاس آنے والے تھے۔ آپ سے کچھ بات کرنی
ہے ہمیں، معافی چاہتے ہیں جناب کہ اس طرح راستہ روکا آپ کا، لیکن بات ہی کچھ ایسی
ہے۔''

''کوئی بات نہیں آپ مجھے بتائیے کہ کیا بات ہے؟'' دو تین آدمی اور چوہدری
صاحب کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

''چوہدری صاحب! ہم آپ سے بابا ادریس کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں،
صاحب کافی دن تک اپنے گھر سے غائب رہے بیوی بچوں کو بھی لے گئے تھے۔ ہم
چتے رہے کہ پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں، اللہ خیر کرے، پھر ابھی تھوڑے دن پہلے بابا
حب واپس آ گئے۔ انہوں نے بستی والوں سے درخواست کی کہ ان کے گھر کی صفائی کر
ی جائے، ساری چیزیں نکال دی جائیں، وہ اس گھر سے نحوستوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ ہم
نکہ ان سے محبت اور عقیدت رکھتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے سارے کام ان کی مرضی
مطابق کر دیئے۔ چوہدری صاحب! نہ جانے کیوں ہمیں لگتا ہے کہ بابا صاحب نے
نے راستے بدل دیئے ہیں۔ وہ سچائی کے راستوں سے ہٹ گئے ہیں۔ کچھ اور شروع کر دیا
ہے انہوں نے۔ ہم آپ سے اسی بارے میں بات کرنا چاہتے تھے۔''

''بھائی اگر بابا صاحب نے کچھ شروع کر دیا ہے تو آپ اس بارے میں مجھ سے
کیوں بات کرنا چاہتے ہیں؟''

''نہیں چوہدری صاحب! آپ سب سے زیادہ اختیار رکھتے ہو، آپ ہم سب سے
زیادہ سمجھ دار ہو، ہم تو دیہاتی قسم کے لوگ ہیں، بابا صاحب کے ذریعے بہت سوں کو فائدہ
ہوا ہے تو کچھ کو نقصان بھی پہنچ چکا ہے۔ اب آپ دیکھیے یہ جواد ہے، اسے جوڑی کا بخار
آنے لگا تھا۔ کوئی چھ مہینے سے یہ اس بخار میں مبتلا تھا۔ دوا علاج بہت کیا پھر بابا صاحب آ
گئے اور یہ ان کے پاس پہنچا، بابا صاحب نے اس پر تھوک دیا اور کہا کہ جا تو ٹھیک ہو جائے
گا۔ چوہدری صاحب یہ ٹھیک ہو گیا اس دن کے بعد سے اسے کبھی بخار نہیں آیا لیکن آپ ذرا
محسوس کریں اس کے پورے بدن میں بدبو پھیل گئی ہے اور یہ اس بدبو سے پاگل رہتا ہے
سڑاند پڑ گئی ہے جی اس کے بدن میں۔''

''تو پھر۔''

''دیکھیں جی، یہ اسی تھوکے ہوئے کا اثر ہے۔''

''تمہارا دماغ صحیح ہے یا نہیں، کسی بزرگ پر یہ الزام لگاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں
آتی۔'' چوہدری شاہنواز نے سخت غصے سے کہا۔

''نہیں چوہدری صاحب ناراض نہ ہوں آپ اسے سونگھ کر دیکھ لیں۔''

''اگر بابا ادریس کے خلاف آپ نے ایک لفظ بھی کہا تو میں تمہاری زبان نکلوا لوں
گا۔ اس شخص سے کہو نہائے دھوئے اپنے آپ کو پاک صاف کرے، یہ بدبو کسی اور وجہ سے
بھی ہو سکتی ہے۔''

''صاحب جی بات یہ نہیں ہے اور بھی کئی ایسے ہیں جو پہلے ٹھیک تھے اور پھر با
صاحب کے طور طریقے ہی بدل گئے ہیں صاحب جی کل ہی نبے چارا شکن پہلوان ادھر آ
تھا، پاگل ہو گیا ہے پتھر مار رہا تھا ان کے گھر کے دروازے پر، اس کی دنیا لٹ گئی ہے۔''

''کیوں اسے کیا ہوا؟''

جواب میں لوگوں نے کہانیاں سنائیں۔ اس مایہ کا قصہ بتایا۔

''آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجیے چوہدری صاحب جنہیں شکن پہلوان نے اشرفیاں بانٹی تھیں، باقی مال پولیس لے گئی۔''

''دیکھو جو واقعات تم لوگ بتا رہے ہو نا، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جس میں بابا ادریس کی کوئی برائی سامنے آتی ہو، کسی بزرگ پر اس طرح کے الزامات لگانا بری بات ہے۔ پھر بھی اگر تم کہہ رہے ہو تو میں بابا صاحب سے بات کروں گا اس بارے میں۔''
چوہدری شاہنواز نے لوگوں کو سمجھایا بجھایا اور اس کے بعد حمید خاں سے گاڑی آگے بڑھانے کے لیے کہا، حمید خاں نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

''لوگ بھی بس، کیا کہا جائے انہیں، کسی کو سر پر چڑھاتے ہیں تو آسمان پر بٹھا دیتے ہیں اور اگر کسی کو گراتے ہیں تو پھر اسے ملیا میٹ کر دیتے ہیں، کمال ہے بابا ادریس جیسے نیک انسان پر کوئی الزام تراشی کرے۔''

''مگر ایک بات آپ نوٹ کیجیے چوہدری صاحب، عام طور سے بستی والے بابا ادریس کے خلاف نظر آ رہے ہیں۔ ان سر پھروں کا سر کسی بات پر اور پھر گیا تو کہیں یہ انہیں نقصان نہ پہنچا دیں۔''

ف''میں بات کروں گا بابا صاحب سے۔'' گاڑی ادریس علی کے گھر پہنچ کر رک گئی۔ دستک دی تو راج گندل بابا ادریس کے روپ میں باہر آیا اور اس نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ انہیں اندر آنے کی اجازت دی۔

دونوں اندر پہنچ گئے، ایک بار پھر انہیں گھر میں عجیب سی ویرانی کا احساس ہوا، حمید خاں نے شاہنواز کی طرف اور شاہنواز نے حمید خاں کی طرف دیکھا، شاہنواز نے بات چھیڑی۔

''آپ نے ہمیں سات دن کے بعد طلب کیا تھا۔''

''ہاں...... اور میں انتظار کر رہا تھا تمہارا۔'' راج گندل نے پر رعب لہجے میں کہا۔

''یقیناً آپ کی شفقت ہے ویسے بابا صاحب معذرت کے ساتھ ایک سوال کرنا چاہتا

دل آپ سے؟''

''بستی والوں نے تمہیں بھی ہمارے خلاف بھڑکایا ہوا ہوگا۔'' راج گندل نے چالاکی سے کہا۔

''ہاں...... وہ لوگ آپ کی مخالفت میں بہت سی باتیں کر رہے تھے۔''
راج گندل تھوڑی دیر تک سر جھکائے بیٹھا رہا پھر بولا۔ ''تم نے مجھے بتایا تھا چوہدری شاہنواز کہ راج گندل نامی ایک ہندو سادھو نے تمہیں نقصان پہنچایا تھا۔''

''جی۔''

''دیکھو دشمن بہرحال وار کرتا ہے اور دشمن کے وار سہنا پڑتے ہیں۔ برائی ہمیشہ نیکی کے خلاف کمر بستہ رہی ہے۔ میرے مخالف کون ہیں ابھی تک ان کا پتہ نہیں چل سکا، لیکن بہرحال مجھے بدنام کرنے کے لیے بہت کچھ کیا جا رہا ہے۔ اب کیسے سمجھاؤں ان لوگوں کو؟ خیر وقت آئے گا ان کی بددلی دور ہو جائے گی۔ میری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہوں گا۔''
چوہدری شاہنواز کو ایک دم یقین آ گیا کہ بابا ادریس سچ کہہ رہے ہیں، واقعی اللہ والوں کے لیے بہت سی مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں، چوہدری شاہنواز نے کہا۔ ''میں لوگوں کو سمجھاؤں گا اور آپ بے فکر رہیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اگر آپ کہیں تو میں یہاں اپنے کچھ آدمیوں کا پہرہ لگا دوں۔''
راج گندل ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''نہیں میرے پہرے دار موجود ہیں جو میری حفاظت کرتے ہیں اور تمہیں لوگوں سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے چوہدری شاہنواز! وقت انہیں خود سمجھا دے گا، بہرحال تمہارا کام میں نے کر لیا ہے، ابھی آتا ہوں۔'' راج گندل اندر آ گیا۔ اس نے ایک گلاس میں پانی بھرا اور اس پانی میں تھوک دیا۔ پھر اس پانی کو اچھی طرح ہلا کر اس نے ایک بوتل میں بند کیا اور بوتل لے کر چوہدری شاہنواز کے پاس آ گیا۔

''اس بوتل میں جو پانی ہے اسے ایک گلاس میں ڈال کر تم اپنی بیوی کو پلا دینا اسے اپنا ماضی صحیح طرح سے یاد آ جائے گا، یہ میری پہلی کاوش ہے اس کے بعد میں تمہاری بچی کے لیے کام کروں گا یہ بنیادی چیز ہے۔''

''جی بابا صاحب!'' چوہدری شاہنواز نے بڑی عقیدت سے وہ بوتل لے کر اپنے لباس میں محفوظ کر لی پھر تھوڑی دیر تک اور باتیں ہوتی رہیں اور اس کے بعد چوہدری نے واپسی کی اجازت طلب کر لی۔

راج گندل نے چوہدری سے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش نہ کرے، خود ہی سب کچھ ٹھیک کر لے گا اور پھر جب چوہدری شاہنواز، حمید خاں کے ساتھ باہر نکل گیا تو راج گندل نے اپنا بھیانک قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''لے...... چوہدری شاہنواز، تیری بیوی تیرے ہاتھ سے گئی، شاہینہ تو مرگئی اور اس وقت میرے پاس سے بھی نہیں تھا کہ میں اس سے اپنے کام لوں، لیکن اب بھوانی کا پرچار ہوگا اور وہ بھوانی دیوی کی داسی بن جائے گی اور اس کے بعد تماشے ہی تماشے۔''

راج گندل نے پھر ایک بھیانک قہقہہ لگایا تھا۔

❀ ❀ ❀

ادریس علی دین دنیا دونوں نبھا رہے تھے۔

لوگوں کی بھلائی کے لیے وہ جو کچھ کر سکتے تھے اس سے گریز نہیں کرتے تھے، خود کو کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتے تھے۔ اپنے منصبی فرائض پورے کرنے کے بعد جو وقت ملتا اسے یادِالٰہی میں گزارتے تھے۔ کبھی روشن ضمیری کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

عالی جاہ کو بھی انہوں نے کسی وظیفے کے ذریعہ قابو میں نہیں کیا تھا، بلکہ اس کے بابا ادریس سے منسلک ہو جانے کا واقعہ بھی دلچسپ تھا۔ بابا ادریس کی رہائش گاہ اس وقت بھی سبحان گلی میں تھی، لیکن وہ اکثر سسرال آتے رہتے تھے اور ان کی سسرال نور پور میں تھی سسرال کے گھر کے قریب ایک اور شاندار گھر تھا جو ان کے ایک سسرالی رشتے دار کا تھا، جن صاحب کا یہ گھر تھا ان کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی بیوہ اپنے دو بچوں کے ساتھ کسی اور جگہ رہتی تھی، یہ گھر عموماً کرائے پر چڑھا رہتا تھا بہت ہی قیمتی اور شاندار گھر تھا، لیکن اس کے بارے میں کچھ عجیب سی افواہیں اڑ گئی تھیں۔ اس گھر میں آنے والے کرائے دار زیادہ عرصے یہاں قیام نہیں کرتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ یہاں کا ماحول کچھ آسیبی ہے اور ایسا واقعی تھا۔

نہ جانے کب سے یہ گھر بدروحوں کا مسکن تھا اور یہاں کچھ شیطانی اجسام نظر آیا کرتے تھے۔ لیکن بہرحال یہ تینوں جوڑے جنہوں نے یہ گھر نیا نیا کرائے پر لیا تھا اس میں آ کر بہت خوش تھے یہ تینوں آپس میں رشتے دار تھے، حسن علی اور نیاز علی دونوں سگے بھائی تھے حسن علی کی بیگم کا نام نائلہ تھا اور نیاز علی کی بیوی کا کوثر، تیسرا جوڑا نیاز علی کا برادر نسبتی حمزہ اور اس کی بیوی فرزانہ کا تھا۔ تینوں انتہائی خوش مزاج اور ایک دوسرے سے مانوس تھے، یہ مکان ان کی توقع سے کہیں زیادہ حسین تھا اور اس کے حصول میں انہیں کافی دشواری پیش آئی

حسن علی اور نائلہ کی شادی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، ان تینوں کی یگانگت اس حد تک انہوں نے سوچا کہ کوئی ایسا مکان لے لیا جائے جس میں سب مل کر رہ سکیں، چنانچہ تلاش کے بعد یہ مکان کرائے پر حاصل ہوا۔

ہر جوڑے کے لیے اس مکان میں ایک کمرہ موجود تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کرایہ ان کی توقع سے کہیں کم تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ مکان آسیب زدہ مشہور تھا تینوں جوانوں نے یہ حقیقت معلوم ہونے کے بعد بھی اسے لینے کا فیصلہ کیا کیونکہ ان کی تھی۔ یہ گھر ایک سڑک کے اختتام پر کھیتوں کے بیچوں بیچ واقع تھا اور تھوڑا سا آبادی ہٹ کر تھا۔ بہرحال وہ سب انتہائی خوش تھے کہ ایک اچھا مکان ان کے قبضے میں آ گیا۔

کے ساتھ اس کے والد اور والدہ بھی تھے اور وسیع ہال کے سرے کا ایک کمرہ انہیں دے یا۔ مکان کافی بڑا تھا۔ ہر طرح کی سہولتوں کو مدنظر رکھ کر اسے بنایا گیا تھا، ان کا سامان وہاں آسانی سے آ گیا تھا اور سامان کو ترتیب دینے اور مکان کی آرائش میں انہوں نے محنت اور سمجھ داری سے کام لیا تھا۔ ویسے مکان پہلے سے ہی کافی حد تک سجا ہوا تھا۔ اوقات ان لوگوں کو حیرت ہوتی تھی کہ مالکوں نے اس قدر شاندار مکان چھوڑنا کیوں را کر لیا، خاص طور سے اس مکان میں پرانی چیزوں کا ایک خزانہ تھا۔

سامنے کی خوابگاہ میں شاندار ٹائلوں کی انگیٹھی بنی ہوئی تھی، کمرے عام طور سے بیضوی اور چھت گنبد دار، بہرحال اس مکان کی خوبصورتی نے انہیں بہت متاثر کیا تھا اور انہوں اس میں اپنی مرضی کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ جہاں جہاں ضرورت تھی وہاں ضرورتیں پوری بھی کرتے رہے تھے۔ سیڑھیوں پر نیا رنگ کیا گیا تھا۔

ایک دن جب نائلہ اور فرزانہ کسی کام میں مصروف تھیں تو انہوں نے بل کھاتی ہوئی سیڑھیوں پر کسی کے دوڑنے کی آواز سنی اور دونوں حیرت سے چونک پڑیں۔ سیڑھیاں کی نگاہوں کے سامنے تھیں، لیکن پیروں کی چاپ اب بھی سنائی دے رہی تھی، چونکہ ھیاں لوہے کی بنی ہوئی تھیں اس لیے ان پر کھن کھن کی آواز نمایاں محسوس ہو رہی تھی، دونوں کے چہرے خوف سے سکڑ گئے۔ نائلہ نے کوثر کو بھی آواز دے لی اور سرگوشی کے از میں اسے اس طرف متوجہ کیا۔ کوثر نے بھی دوڑنے کی آواز صاف سنی تھی۔

بہرحال تینوں عورتیں دہشت زدہ ہو گئیں اور گوشے میں سمٹ گئیں، نائلہ نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ''کچھ عجیب سی کیفیت ہے یہاں، میں تمہیں کیا بتاؤں۔ مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوتا ہے۔'' مردوں نے جب یہ مکان کرائے پر لیا تھا تو پراپرٹی ڈیلر نے مالکہ کی

ہدایت کے مطابق انہیں یہ بتا دیا تھا کہ اس مکان کو لوگ آسیب زدہ سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں
چونکہ ان لوگوں کو مکان کی سخت ضرورت تھی، اس لیے حسن علی، حمزہ اور نیاز علی نے یہ طے کیا
تھا کہ عورتوں کو اس بارے میں کچھ نہ بتایا جائے یہی وجہ تھی کہ اس وقت ان تینوں خواتین کو
یہ آواز سنائی دی تھی، لیکن انہیں صحیح صورتحال کا اندازہ نہیں تھا، البتہ نائلہ نے کہا۔ ''کیا
احساس؟''

''کئی بار مجھے یوں لگا ہے جیسے پراسرار قدموں کی چاپ ادھر سے ادھر آ جا رہی ہو۔
یقین کرو کئی بار میں نے ایک پراسرار سی عورت کو اس سامنے والے صحن میں گردش کرتے
دیکھا ہے بس ایک سایہ سا نظر آتا ہے اور کچھ نہیں۔''

''خدا کی پناہ اتنا خوبصورت مکان، اگر یہ آسیب زدہ ہوا تو، کیا وہ ہمیں یہاں رہنے
دیں گے؟'' یہ سوال پہلی بار ان کے ذہن میں پیدا ہوا تھا البتہ رات کو جب فرزانہ نے حمزہ کو
یہ تفصیل بتائی تو حمزہ مسکرا دیا۔

''بھئی خواتین کے لیے ظاہر ہے کوئی نہ کوئی کہانی گھڑنا ضروری ہوتا ہے، ان خیالات
کو دل سے نکال دو اور خبردار کسی سے اس کا تذکرہ مت کرنا۔ تمہیں اندازہ ہے کہ کتنی مشکل
سے ہمیں یہ مکان حاصل ہوا ہے، اگر تم نے ان لوگوں کو یہ بات بتا دی تو وہ خوفزدہ ہو کر
کہیں مکان چھوڑنے کی فرمائش نہ کر دیں۔ کیا سمجھیں۔''

''اس وقت وہ دونوں بھی وہاں موجود تھیں۔''

''کون؟''

''نائلہ اور کوثر۔''

''اچھا وہ دونوں بھی تھیں۔'' حمزہ نے کسی قدر پریشانی سے کہا۔

''ہاں۔''

''اس کا مطلب ہے انہوں نے اپنے شوہروں سے اس کا تذکرہ کیا ہوگا۔ دیکھیں کیا
ہوتا ہے؟''

دوسرے دن حمزہ نے حسن علی اور نیاز علی سے بات کی تو وہ دونوں بھی مسکرا دیئے۔

''یار زندگی میں ہر طرح کے نشیب و فراز سامنے آتے ہیں، ذرا دیکھیں کہ آسیبوں
کے ساتھ رہائش کیسی ثابت ہوتی ہے ویسے کہیں تم خوفزدہ تو نہیں ہو حمزہ؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو۔ پریشانی سب سے بڑا آسیب ہے، اس گھر کو حاصل کرنے
کے لیے ہمیں جو جو پاپڑ بیلنا پڑے ہیں انہیں نگاہوں میں رکھتے ہوئے یہ سوچا بھی نہیں جا

سکتا کہ اس گھر کو آسیب زدہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔ بہرحال جو کچھ بھی ہے اتنا
ضرور کرنا ہے کہ ان خواتین کو سنبھالے رکھنا ہے۔ ان کا خوف ان کے دل سے نکالنا ہوگا۔
ہم اس خوبصورت مکان کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے۔ چاہے اس میں ہمیں کتنی ہی مشکلات
کا سامنا کرنا پڑے۔ بس ہماری کوشش یہ ہوگی کہ عورتوں کے دلوں سے خوف نکال دیں۔''

تینوں نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کرلیا۔ پھر چند دن پرسکون گزر گئے۔

پھر ایک اور واقعہ پیش آ گیا، اس دن کوثر اپنے کمرے میں آرام کی نیند سو رہی تھی کہ
اچانک ہی نیاز علی نے کوثر کی گھٹی گھٹی آوازیں سنیں۔ وہ چونک پڑا۔ اس نے جلدی سے اپنی
جگہ سے اٹھ کر روشنی جلائی اور کوثر کو دیکھا۔ کوثر اس وقت خوفزدہ انداز میں بستر پر تڑپ رہی
تھی اور یوں لگ رہا تھا، اس کی آنکھیں نکل پڑی ہوں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے
اس کا گلا دبوچ رکھا ہو اور وہ ان نادیدہ ہاتھوں سے اپنا گلا چھڑانے کی کوشش کر رہی ہو نیاز
علی اس کے پاس پہنچ گیا اور اسے زور زور سے پکارنے لگا۔

بمشکل تمام کوثر کی گھٹی گھٹی آواز نکلی۔ ''بچاؤ بچاؤ مجھے، مجھے بچاؤ۔''

کوثر کی کیفیت دیکھ کر نیاز علی خود بھی چیخنے لگا اور اس کی چیخیں سن کر تمام لوگ دوڑ
پڑے اور اندر گھس آئے، سبھی نے محسوس کیا کہ کوثر اس وقت کسی نادیدہ قوت سے نبرد آزما
ہے۔ وہ وحشیانہ انداز میں ہاتھوں کو فضا میں لہرا رہی تھی، جیسے ہوا سے لڑ رہی ہو۔

نیاز علی سے بیوی کی یہ کیفیت نہ دیکھی گئی اور وہ جھک کر اسے اٹھانے کی کوشش کرنے
لگا لیکن اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سینے پر لات رسید کی ہو، وہ زمین سے تقریباً دو
فٹ اوپر اچھل کر دور جا کر گرا۔ اس کے ساتھ ہی کوثر بھی بستر سے اچھل کر نیچے آ گری اس
کے بدن پر کافی زور سے چوٹ لگی تھی، باقی تمام لوگ شدت خوف سے کپکپا رہے تھے۔ بہر
حال کوثر اور نیاز علی کو زمین سے اٹھایا گیا۔ نیاز علی تو پھر بھی ذرا بہتر حالت میں تھا لیکن کوثر
پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اسے بستر پر لٹا دیا گیا اور پھر ساری رات ان سب لوگوں
نے اسی کمرے میں گزاری۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے یہ رات صدیوں پر محیط ہو۔

دوسری صبح ڈاکٹر کو بلانے کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ کوثر کی حالت مسلسل خراب تھی۔ جو
واقعہ رات کو پیش آیا تھا اس نے کوثر کو بری طرح نڈھال کر رکھا تھا اور وہ نیم غشی کی سی
کیفیت میں تھی۔

حمزہ ڈاکٹر کو بلانے کے لیے چل پڑا، تھوڑے فاصلے پر انہوں نے ایک ڈاکٹر کا کلینک
دیکھا تھا۔ ادھر کوثر اب کچھ بہتر حالت میں آتی جا رہی تھی، رات کے تجربے کو اب وہ خوفزدہ

لہجے میں ان سب کو سنا رہی تھی اس نے کہا۔ ''میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو کوثر! اس گھر کو چھوڑ کر ہم کہاں جائیں گے، ہمیں ہمت سے کام لینا ہوگا۔'' باقی لوگوں نے بھی یہی باتیں کہی تھی، جبکہ ان کی بیگمات کے چہرے خوف سے زرد ہو رہے تھے۔

کچھ دیر کے بعد ڈاکٹر آ گیا وہ اس علاقے کا پرانا رہنے والا تھا اور شاید اسے اس مکان کے بارے میں تفصیلات معلوم تھیں، اس نے کوثر کو ایک دو طاقت کے انجکشن لگائے اور پھر بولا۔ ''میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' لیکن پھر اچانک اس نے زبان بند کر لی۔

''جی ڈاکٹر۔ بتائیے کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟''

''نہیں کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے، میں نے انجکشن دے رہا ہے، آپ ان کا خیال رکھیے۔'' ڈاکٹر فیس لے کر چلا گیا۔

ایک دو دن اسی خوف کے عالم میں گزرے۔ مرد اپنے کاموں پر چلے جاتے تھے اور عورتیں ایک دوسرے کی ہمت بندھاتی رہتی تھی۔

پھر کچھ دن کے بعد ایک دن اچانک سیڑھیوں سے کسی کے اوپر جانے کی آواز سنائی دی۔ یہ چاپ سیڑھیوں کے سرے پر جا کر کچھ لمحوں کے لیے رک گئی۔ پھر جب دوبارہ سنائی دی تو غسل خانے کا دروازہ زور سے بند ہوا اور پانی گرنے لگا۔

گھر کے ایک بزرگ سیڑھیوں کی طرف لپکے اور غسل خانے میں جا پہنچے، اندر کوئی نہیں تھا، لیکن پانی پوری تیزی سے گر رہا تھا۔ انہوں نے اسے بند کر دیا اور واپس آ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ کسی کے اوپر جانے کی آواز سنائی دی اور بزرگ اس کے تعاقب میں چل پڑے۔ کوثر کی کیفیت کا انہیں بھی علم تھا اور جو کچھ تصورات اس گھر کے بارے میں قائم کیے گئے تھے ان بزرگ نے اس کی تردید کی تھی اور اس تردید کی تصدیق کے لیے ہی وہ یہ کوششیں کر رہے تھے۔ وہ آواز غسل خانے کی طرف بڑھی اور پھر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز ابھری، لیکن دروازے پر کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی، پھر نہانے کے ٹب میں پانی گرنے کی آواز سنائی دی حالانکہ پانی بالکل بند تھا۔ بہرحال یہ صورت حال جاری رہی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔

شام کو جب گھر کے تمام لوگ کھانے کی میز پر جمع ہوئے تو تو سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آواز بڑی نمایاں تھی۔ سب چونک پڑے اس وقت بالکل یہی محسوس ہوا جیسے کوئی گھر میں داخل ہوا ہو اور سیڑھیوں سے نیچے جا رہا ہو۔ وہ سب کے سب اپنی جگہ سے اٹھ

ے ہوئے اور سامنے والے ہال کی جانب دوڑے۔ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھلا
ئی باہر نکل گیا۔ حالانکہ اس دروازے میں پہلے تالا لگا ہوا تھا، حسن علی کی خوفزدہ آواز
ری۔

''شاید کوئی، کوئی اوپر موجود ہے۔''

''آؤ ذرا دیکھیں۔'' نیاز علی نے ہمت کرتے ہوئے کہا۔

حمزہ اس کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا، وہ آگے بڑھنے لگے، ابھی انہوں نے چند ہی
میاں طے کی تھیں کہ اچانک انہیں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ کوئی نیچے آ رہا تھا،
کی نگاہیں آنے والے کا جائزہ لینے کے لیے بھٹکنے لگیں، لیکن کوئی نظر نہیں آیا۔ البتہ ایک
ے کے لیے انہیں محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے جسم کو چھوتا ہوا گزر گیا ہو۔ اس کے علاوہ
س کی ہوا بھی حمزہ کے چہرے سے ٹکرائی تھی۔ پھر ساری سیڑھیوں پر ایسی بدبو پھیل گئی کہ
ے کے لیے وہاں رکنا مشکل ہو گیا۔

وہ تیزی سے واپس نیچے اتر آئے اور عورتوں کے پاس پہنچ گئے۔ فرزانہ نے خوفزدہ
ے میں کہا۔ ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔''

''یہ بدبو کیسی آ رہی ہے؟'' کوثر نے سوال کیا۔

''پتہ نہیں۔'' اب سبھی متاثر ہو گئے تھے۔ ان واقعات کے بعد مکان چھوڑ دینا انتہائی
اری تھا لیکن وہی بدنصیبی، کرایہ کم تھا اور اب تک وہ اپنے آپ کو اس دھوکے میں رکھے
ئے تھے کہ یہ صرف وہم ہے، لیکن اب خوف سب کے دلوں میں جاگزیں ہو گیا تھا۔
تون کی تو بڑی بری حالت تھی۔ وہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ اب کیا کرنا
ئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑا نقصان پہنچ جائے۔

کوثر خاص طور سے خوفزدہ تھی، اس نے کہا۔ ''میں نے کہہ دیا ہے کہ اگر تم لوگوں نے
مکان نہ چھوڑا تو ہم لوگ تو اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے۔''

''تھوڑا سا وقت اور گزارو کوثر، ہو سکتا ہے ہماری غلط فہمی دور ہو جائے۔'' نیاز علی نے
ے سمجھانے کی کوشش کی۔

لیکن وہ سلسلہ مسلسل جاری تھا، ایک رات جب وہ گہری نیند سو رہے تھے تو اچانک
ں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی۔ کوئی تانگہ تھا جس کے پہیوں کی کھڑکھڑاہٹ
ے ایک عجیب سا شور پیدا ہو رہا تھا۔ یہ شور آہستہ آہستہ مکان کے پیچھے جا کر بند ہو گیا پھر

انسانوں کے باتیں کرنے کی آوازیں آنے لگیں اور یوں لگا جیسے تانگے سے کچھ اتارا جا رہا
ہو، یہ ہنگامہ تقریباً ساری رات جاری رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے تختے اتار اتار کر رکھے جا
رہے ہوں، پھر جیسے ہی اجالے کی پہلی کرن پھوٹی گھوڑا گاڑی وہاں سے آگے بڑھ گئی
باہر کچھ بھی نہیں تھا۔

ایک دن ایک اور افتاد پیش آئی، مکان کے عقب میں ایک پرانا کنواں تھا جو خشک
اور اس کے اردگرد جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں، اس دن سورج طلوع نہیں ہوا تھا اور گھر کے
بہت جلدی جاگ گئے تھے کہ اچانک انہیں کنویں کے اندر سے چیخنے چلانے کی آوازیں
دیں، کوئی بدحواسی سے چیخ رہا تھا۔ ''بچاؤ بچاؤ۔''

ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی کنویں میں گر پڑا ہو۔ حمزہ ذرا بہادر آدمی تھا، وہ اکیلا ہی
پڑا اور کنویں کے کنارے پہنچ گیا۔

''کون ہے، کون ہے؟'' اس نے چیخ چیخ کر پکارا لیکن کچھ نظر نہ آیا اور نہ ہی اس
بعد آواز سنائی دی۔ بہت دیر تک وہ وہاں کھڑا رہا اور جب واپس پلٹا تو ایک بار پھر
سنائی دیں۔ ''بچاؤ بچاؤ۔''

اتنی دیر میں حسن علی اور نیاز علی بھی وہاں پہنچ گئے، انہوں نے بمشکل تمام حمزہ کو
سے واپس ہٹایا لیکن نہ جانے کیوں حمزہ کی حالت کچھ خراب سی ہو رہی تھی، اس کی گردن
رگیں پھولی ہوئی تھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

کچھ وقت اور آگے بڑھا یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ لوگ اس کے عادی ہوتے جا
تھے۔ خاص طور سے عورتیں بھی وہاں سے واپسی کے تقاضے نہیں کرتی تھیں جو ہنگامہ آ
ہو رہی تھی اس کا پس منظر ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا۔ وہ واقعی بہادر تھے اور مجبور یا
شکار بھی، بہرحال وہ اپنے معاملات میں مصروف رہے۔

ایک دن حسن علی اپنے کمرے سے باہر نکلا اور باورچی خانے میں داخل ہو گیا
باورچی خانے میں اونچی اونچی الماریاں بنی ہوئی تھیں اور ان الماریوں پر ان لوگوں کا سا
بھی چنا ہوا تھا، چنانچہ اس نے ایک چھوٹے سے بکس پر کھڑے ہو کر ایک اونچے خانے
کوئی چیز اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک زمین حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوئی
اور وہ ایک دھماکے سے سر کے بل گرا۔ تاریک کمرے سے کسی کی آہیں سنائی دینے
جیسے کوئی گہری گہری سانسیں لے رہا ہوں۔ بمشکل تمام وہ مرتبان اٹھا کر واپس پلٹا دروازے
تک پہنچا ہی تھا کہ آہیں دوبارہ سنائی دینے لگیں۔ اب یہ آہیں غصے اور اضطراب کی کیفیت

کرتی جا رہی تھیں۔ پھر تاریک کمرے کا دروازہ زور سے بند ہو گیا اور دروازہ بند ہونے
بعد شور بھی رک گیا۔

جب اس نے یہ بات دوسروں کو سنائی تو انہوں نے اسے اس کا احساس اور وہم قرار
ب وہ لوگ ان باتوں کا مذاق کیا کرتے تھے۔ ایک دن نیاز علی کی والدہ تیسری منزل پر
والی سیڑھیاں طے کر رہی تھیں۔ موسم بہت خوبصورت تھا۔ آسمان پر صبح ہی سے بادل
ئے ہوئے تھے وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر چھت پر چلی گئیں۔ جب وہ چھت پر پہنچیں تو
ایک جھٹکے سے بند ہو گیا۔ انہوں نے بہت کوشش کی لیکن دروازہ نہ کھل سکا اور اس
انہیں کئی گھنٹے وہاں گزارنا پڑے۔

وہ دروازہ پیٹتی رہیں لیکن نیچے موجود لوگوں کو ان کے دروازہ پیٹنے کی آواز نہیں سنائی
بہرحال جب دروازے پر غور کیا گیا تو اس کی چٹخنی لگی ہوئی تھی اور اسے اس طرح دبا
اتھا کہ دروازہ آسانی سے نہ کھل سکے، یہ واقعہ بھی برداشت کر لیا گیا۔

پھر کچھ دن کے بعد ایک خاندان ان سے ملاقات کے لیے آیا۔ یہ ان کے کچھ رشتے
، نائلہ کی دادی اس سے ملنے آئی تھیں وہ ایک چھوٹے سے قد کی عورت تھیں لیکن بلا
بوط ارادہ رکھتی تھیں، ان کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جس کے تمام افراد
نیت کا علم رکھتے تھے۔

لوگ عموماً دادی اماں کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتے تھے اور ان سے مدد چاہتے،
بھی کوئی کیفیت ہوتی تو وہ کسی تالاب کے پاس جا بیٹھتیں اور اپنی توجہ آسمان کی جانب
دیتیں۔ تھوڑی دیر کے بعد بارش ہونے لگتی وہ اپنی قوت ارادی سے بے جان چیزوں
ہ میں گھومنے اور ناچنے پر مجبور کر دیتیں۔ یہ ان کی ایک خوبی تھی۔

پھر اس دن جب سب وہاں بیٹھے ہوئے تھے تو حمزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دادی
آپ کی آمد ہمارے لیے سکون کا باعث بھی ہوتی ہے، کیا آپ اس گھر میں موجود بری
سے ملاقات کر سکتی ہیں؟''

''اس کے بارے میں معلوم کرنا ہو گا۔'' بہرحال دادی اماں کے بارے میں یہ بات
تھی کہ وہ روحانی قوتوں کی حامل ہیں، لیکن لوگ ذرا اس بات کو مشکل ہی سے تسلیم
تے، چنانچہ انہوں نے دادی اماں سے کہا۔ ''آپ یہاں معلومات حاصل کر
کیا اس عمارت میں کوئی ہے۔ کیا یہ آسیب زدہ عمارت ہے یا صرف ہم اپنے وہم کا
رہے ہیں۔'' حالانکہ جتنے واقعات یہاں پیش آ چکے تھے اس کے بعد ان کو وہم قرار

دینا بھی ایک حماقت کی بات تھی، لیکن وہ لوگ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے تھے۔

دادی اماں نے تھوڑی دیر تک خاموشی اختیار کی، پھر اس کے بعد کہنے لگیں۔ "ہاں اس وقت کمرے میں ہمارے علاوہ اور بھی کچھ اور لوگ موجود ہیں۔" ان کے سامنے بنے ہو ایک آتش دان پر سنہرے بالوں والی ایک خاتون کی تصویر لٹک رہی تھی، یہ خاتون دلکش خدوخال کی مالک تھیں، دادی اماں نے کہا۔ "میں یقین سے کہتی ہوں کہ اس عورت کی مو طبعی نہیں ہوئی تھی، اسے کسی طرح ہلاک کر دیا گیا تھا۔"

اچانک ہی دادا ابا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔ انہوں نے گھو دادی اماں کو دیکھا اور بولے۔ "تمہیں اپنا وعدہ یاد رکھنا چاہیے۔" دادی یہ سن کر خاموش گئیں۔

دوسری صبح نائلہ نے دادی سے کہا کہ وہ مزید کچھ بتائیں۔ اس وقت دادا ابا شہر ہوئے تھے۔ دادی اماں اور نائلہ وغیرہ وہاں موجود تھیں، کچھ دیر کے بعد دادی اماں نے کہ "اگر تم واقعی اس بارے میں جاننا چاہتی ہو تو آؤ میرے ساتھ۔ ایک کمرے میں ہم خاموشی سے کچھ وقت گزاریں گے اور ان کا انتظار کریں گے جو یہاں ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں۔"

دادی اماں نائلہ کو لے کر خالی کمرے میں جا بیٹھیں۔ نائلہ کا دل تیزی سے دھڑک تھا۔ دادی اماں کے بارے میں اسے معلوم تھا کہ وہ انتہائی عالم فاضل قسم کی خاتون ہیں وہ یقیناً کوئی اہم انکشاف کریں گی۔ کمرے کے عین درمیان پہنچ کر دادی اماں ایک کر بیٹھ گئیں انہوں نے آنکھیں بند کر لیں ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھنا شروع کر دیا۔ نا ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ نہ جانے کیوں نائلہ کو اس وقت ایک عجیب سے خو احساس ہو رہا تھا۔ دادی اماں کچھ دیر پڑھتی رہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آہستہ آ آنکھیں کھول دیں۔ ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اور ضرورت سے زیادہ معلوم ہو رہی تھیں۔ نائلہ یہ سب کچھ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئی، تب دادی اماں کی آواز ابھر "وہ ایک عورت ہے، ایک خوبصورت عورت لیکن افسوس وہ کوئی بدروح نہیں ہے بلکہ"

دادی اماں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک شور کی آواز سنائی دی اور یہ شور بلند اور کئی آوازوں میں بدلتا چلا گیا۔ نائلہ نے گھبرا کر دروازہ کھول دیا، مگر کمرے میں خو شور جاری تھا۔ ہوا اتنی تیز اور سرد تھی کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔

دادی اماں کے ہونٹ بند ہو گئے اور سکتے کے سے عالم میں کرسی پر بیٹھی بے حرکت ہو گئیں، نائلہ گھبرا کر آگے بڑھی اس نے دادی اماں کا ہاتھ چھو کر دیکھا۔ ان کا

کی مانند سرد ہو رہا تھا۔

پھر اچانک ہی دادا ابا اور دوسرے افراد کمرے میں داخل ہو گئے۔ دادی اماں کی یت دیکھ کر وہ بھی گھبرا گئے۔ بمشکل تمام انہیں اٹھا کر دوسرے کمرے میں لایا گیا۔ کافی کوششیں کرنے کے بعد دادی اماں کو ہوش آیا، لیکن ہوش میں آتے ہی وہ بری طرح نے لگیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی ان کے جسم میں سوئیاں چبھو رہا ہو، لیکن ان کے ے کوئی آواز نہیں نکلی تھی۔

بہت دیر تک ان پر یہ کیفیت طاری رہی اُس کے بعد نڈھال ہو کر وہ گہری نیند سو یں۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ انہیں دنوں بابا ادریس علی اپنے سسرال آئے ہوئے تھے، یہ ر چونکہ ان کے سسرال کے قریب تھا، چنانچہ اس گھر کے رہنے والے اکثر بابا ادریس کے سرال والوں سے ملاقات بھی کرتے رہتے تھے۔

بابا ادریس کے بارے میں ان کے سسرال والوں کو معلوم تھا کہ وہ روحانیت کے بہت ب ہیں اور چلے وظیفے کرتے رہتے ہیں۔ پوری تفصیل کسی کو نہیں معلوم تھی کہ بابا ادریس ے خاصے عالم ہیں۔ بابا ادریس کو یہ تمام صورت حال معلوم ہوئی تو انہیں خود بھی دلچسپی ی اور آخر کار ایک دن انہوں نے اس گھر کے ایک بزرگ سے ملاقات کی۔

بزرگ نے بابا ادریس کو اندر آنے کی دعوت دی۔

بابا ادریس نے فضا میں سونگھتے ہوئے کہا۔ "یہ بدبو کیسی ہے؟"

"بس جناب! ہم لوگ ایک عذاب میں گرفتار ہیں۔"

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں یہاں کچھ پڑھنا چاہتا ہوں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے جناب! اگر آپ ہماری کچھ مدد کرنا چاہتے ہیں تو بھلا انکار کی کیا گنجائش ہے۔"

بابا ادریس نے وہاں پڑھنا شروع کر دیا، پہلے ہی دن جب انہوں نے پڑھنے کا آغاز ا تو پورے گھر میں کہرام مچ گیا، ہر طرف چیخ و پکار، بھاگ دوڑ سنائی دینے لگی۔ بابا یس صبر و سکون کے ساتھ بیٹھے اپنا عمل کرتے رہے، البتہ جو ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی اس ے ایک بار پھر گھر کے تمام لوگ بے حد خوفزدہ ہو گئے تھے۔

بابا ادریس اپنا عمل جاری رکھے ہوئے تھے اور چیخم دھاڑ اور ہنگامہ آرائی مسلسل ہو رہی
تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی وزنی چیزیں اٹھا اٹھا کر ادھر پھینک رہا ہو۔ شیشوں کے ٹوٹنے
کی آوازیں ابھر رہی تھیں، لیکن کوئی چیز گرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی، نہ شیشوں کے ٹکڑے
بکھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ انسانی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ گھر کے لوگ جو
بے چارے پہلے ہی اتنے دنوں سے عذاب میں گرفتار تھے اب مزید سہم گئے تھے اور آپس
میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

”یہ بابا صاحب ہیں تو بے شک زبردست انہوں نے اس گھر میں رہنے والی بدروحوں
سے ٹکر لے لی ہے، لیکن اب یہ سوچو کہ اگر یہ ہار گئے تو اس کے بعد بدروحیں ہم سے انتقام
لینے پر تل جائیں گی، وہ یہی سوچیں گی کہ ہم نے اس بابا کو بلایا ہے۔“

”بیٹے اللہ سے دعا کرو کہ ان بزرگ کو بری روحوں کے مقابلے میں کامیابی عطا
فرمائے، اسی میں ہماری بقا ہے، فضول باتیں نہ کرو۔“

کئی گھنٹے یہ ہنگامہ جاری رہا، بابا ادریس نے آج کا عمل ختم کیا اور پھر ہر طرف سکوت
پھیل گیا جب وہ اٹھ کر چلنے لگے تو گھر کے تمام لوگ ان کے سامنے آ گئے۔

”بابا صاحب! آپ نے یہ کام شروع تو کر دیا ہے اور ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ آپ
نے ان ارواح خبیثہ کو ہلا کر رکھ دیا ہے، لیکن اب آپ یہ بتایئے کہ ہمارا کیا ہوگا؟“

”یہ بری روحیں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ میں نے ان کے راستے بند کر
دیئے ہیں۔ یہ شور شرابہ کتنا ہی کریں، لیکن فی الحال یہ زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہیں جنہیں یہ
توڑ نہیں سکتیں۔ آج پہلا دن ہے، مجھے مزید دو دن پڑھنا ہوگا، چوتھے دن ان شاء اللہ کوئی نہ
کوئی نہ کوئی نتیجہ نکل آئے گا۔

”اور وہ نتیجہ ہم پر نازل ہونے والے عذاب کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے۔“

بابا ادریس نے پہلی بار ان لوگوں کو ناگوار نگاہوں سے دیکھا اور بولے۔ ”اگر آ

ں کو اللہ پر بھروسہ نہیں ہے تو پھر آپ جانیں اور آپ کا کام۔ میں یہاں موجود ارواح
جھگڑا مول لے چکا ہوں، مجھے تو اپنا عمل کرنا ہی ہوگا، آپ چاہیں تو یہاں سے بھاگ
، لیکن یہاں سے بھاگنے کے نتیجے میں آپ کو اگر کوئی نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار
خود ہوں گے کیونکہ یہ بری روحیں جانتی ہیں کہ میں آپ ہی کے لیے یہاں آیا ہوں۔“

بزرگ نے نوجوانوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ ”عجیب بے وقوف ہو تم، ایک شخص بے
ہماری مدد کر رہا ہے اور تم اسی پر نکتہ چینی کیے جا رہے ہو۔ نہیں بابا صاحب! مجھے آپ پر
ل اعتماد ہے اور میں آپ کو بھی یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ چاہے ہم پر کچھ بھی گزرے ہم
یہاں سے بھاگیں گے نہیں، ہم میں سے کوئی بھی نہیں جائے گا، جو انجام ہوگا ہمارا وہ
پ ہی کے ساتھ ہوگا۔“

”شکریہ۔“ بابا ادریس نے کہا اور پھر دوسرے دن وہ پھر پڑھنے پہنچ گئے۔ انہوں نے
ے گرد کوئی حصار قائم نہیں کیا تھا اور ان لوگوں کو اس بارے میں بتا دیا تھا۔

”خصوصی طور پر اپنے تحفظ کے لیے مجھے ایک حصار قائم کر کے پڑھنا چاہیے تھا تاکہ
ل کے دوران مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے، لیکن میں اپنے آپ کو آپ لوگوں سے الگ نہیں
ر رہا، البتہ میری ایک درخواست ہے، آپ سب اکٹھے کسی کمرے میں بند ہو جائیں، میں
ں کے دروازے کے سامنے حصار قائم کیے دیتا ہوں تاکہ مفرور روحیں آپ کو کوئی نقصان
پہنچانے کی کوشش نہ کر سکیں۔“

انہوں نے بابا ادریس کی درخواست پر عمل کیا اور ایک ایسے کمرے کو منتخب کر لیا جہاں
ے وہ اس جگہ کا جائزہ بھی لے سکیں جہاں بابا صاحب وظیفہ پڑھنے بیٹھے تھے۔ انہوں نے
وچا کہ اگر کوئی ناگزیر صورتحال ہوئی تو کم از کم وہ فرار تو ہو سکیں گے۔

بابا ادریس نے آخر کار عمل کا آغاز کیا اور جیسے ہی وہ شروع ہوئے ہنگامہ آرائی پھر
ے جاری ہو گئی، وہی طریقہ کار بڑی بڑی وزنی چیزیں زمین پر گرنے کی آوازیں، شیشوں
کے ٹوٹنے کی چھنچھناہٹ اور کسی کے چیخنے کی آوازیں، ساتھ ہی ساتھ کسی عورت کی سسکیاں،
پھر کچھ تبدیلی رونما ہوئی اور ایک واضح آواز سنائی دینے لگی۔

”تیرا ستیاناس، تیرا بیڑہ غرق ہو جائے۔ کیوں ہمارے لیے مصیبتیں پیدا کر رہا ہے،
تجھے معلوم نہیں میں بھی چندر ناتھ جوگی ہوں، وہ حال کروں گا تیرا کہ دیکھنے والے دیکھیں
گے۔ میں نے بھی جیون بھر جھک نہیں ماری۔ وہ تو میرے بھاگ خراب تھے کہ میں وہ نہیں کر
سکا جو کرنا چاہتا تھا، جا چلا جا یہاں سے یہ گھر میرا ہے، میں یہاں کسی کو نہیں رہنے دوں گا۔“

"یہ تو نے اچھا کیا کہ مجھے اپنا نام بتا دیا چندر ناتھ، سن میرے دوست، یہ گھر ہوگا کبھی زمانے میں تیرا، لیکن اب ان معصوم اور غریب لوگوں کی رہائش گاہ ہے، اسے چھوڑ دے، تجھے کسی گھر کی ضرورت نہیں ہے تو کہیں بھی رہ سکتا ہے۔"

"ارے جا جا۔ اپنا مشورہ اپنے پاس رکھ۔ میں ان لوگوں کو نہیں چھوڑوں گا۔"

"ٹھیک ہے چندر ناتھ، تو اپنی کوشش کر لے میں اپنی کوشش کرتا ہوں۔" بابا ادریس نے کہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

ایک خوفناک پھنکار سنائی دی، لیکن پھر اس کے ساتھ ہی یوں لگا جیسے کوئی زنجیر کھڑکی ہو۔ زنجیر کے کھڑکنے کی آواز زیادہ زور دار تھی۔ پھر مختلف آوازیں آنے لگیں اور اچانک ہی یوں لگا جیسے کسی نے بابا ادریس کے بال پکڑ کر انہیں زمین پر گرا دیا ہو۔ ان کی گردن ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ کمرے میں بند خوفزدہ لوگ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ پھر دوبارہ ایک زور دار آواز سنائی دی جیسے کوئی اچھل کر زمین پر گرا ہو۔ بابا ادریس نے کھڑے ہو کر اپنے بال ٹھیک کیے، اب ان کے چہرے پر شدید جلال نظر آ رہا تھا انہوں نے کہا۔ "وار تو نے کیا ہے چندر ناتھ اور اب جو کچھ ہوگا اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

اچانک ہی زمین سے ایک شعلہ سا لپکا اور یوں لگا جیسے کسی کے بدن میں آگ لگ گئی ہو، وہ انسانی ہیولہ اچھلتا پھر رہا تھا۔ آگ نظر آ رہی تھی لیکن یہ نظر نہیں آ رہا تھا کہ آگ کس کے جسم کو چاٹ رہی ہے۔ پھر آگ زمین پر لوٹنے لگی اور دھواں ابلنے لگا، پھر آواز سنائی دی۔ "چھوڑ دے۔ معاف کر دے، دیکھ چھوڑ دے مجھے، آہ مجھے معاف کر دے۔"

عورت کی سسکیاں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں اور ساتھ ہی آگ کے شعلے کی تڑپ دیکھنے کے قابل تھی۔ کوئی چیخ چلا رہا تھا اور فضا میں آگ کے ساتھ ہلکا ہلکا دھواں بھی بلند ہو رہا تھا۔ پھر یوں لگا جیسے کوئی دم توڑ رہا ہو، اس کے بعد رونے کی آواز ابھری کوئی مرد تھا جو رو رہا تھا۔

"چھوڑ دے معاف کر دے۔ ایک بار معاف کر دے، تیرا بھلا ہوگا۔"

"بیٹھ جا اٹھ کر بیٹھ جا۔" بابا ادریس نے کہا اور آگ اس طرح ساکت ہو گئی جیسے کسی کا جسم خاکستر کر چکی ہو، آوازیں اب بھی آ رہی تھیں، لیکن یہ کراہنے کی آوازیں تھیں۔

"بھسم کر دیا تو نے مجھے تباہ کر دیا۔"

"بڑا طاقتور تھا تو تو اب بول کیا کہتا ہے۔"

جواب میں خاموشی طاری رہی پھر وہ آواز سنائی دی۔ "کیا کروں میں؟ بول کیا کروں؟"

"مقابلہ کر مجھ سے چندر ناتھ اور بتا کیا کر سکتا ہے؟"

"رہنے دے جانے دے۔ تو میری کہانی سننا چاہتا ہے میں تجھے سناتا ہوں۔ چل اٹھ، وہ جو سامنے چھوٹا کمرہ نظر آ رہا ہے اس میں داخل ہو جا۔ جس دیوار پر ایک تصویر نظر آ رہی ہے اس پر ہاتھ رکھنا وہاں دروازہ پیدا ہو جائے گا پھر تو ان سیڑھیوں سے نیچے اتر جانا میں تجھے اپنی کہانی سنا دوں گا۔"

"اگر تو میرے ساتھ کوئی چال چل رہا ہے چندر ناتھ تو بے فکر رہ، میں وہاں بھی تیرا مقابلہ کروں گا۔"

"ارے چل تجھے اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں بس اور کیا کہوں۔" چندر ناتھ کی آواز ابھری۔

یہ ساری آوازیں وہ لوگ سن رہے تھے، انہوں نے وہ کمرہ دیکھا تھا جس میں ایک عجیب سی تصویر بنی ہوئی تھی۔ کسی جانور انسان کی ملی جلی تصویر، مگر کسی نے اس پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ تو شروع ہی سے اس مکان کے آسیب زدہ ہونے سے خوفزدہ تھے، بس مکان کوئی اور نہیں ملا تھا اس لیے یہاں گزارہ کر رہے تھے۔ بہرحال بابا ادریس تنہا ہی اس کمرے میں پہنچے تھے۔

کمرے میں وہ تصویر موجود تھی جس کے بارے میں چندر ناتھ نے بتایا تھا۔ بابا ادریس نے بے خوفی سے تصویر پر ہاتھ رکھا اور وہ دبتی چلی گئی۔ وہیں ایک دروازہ نمودار ہو گیا تھا جس کے دوسری طرف سیڑھیاں تھیں۔ بابا ادریس نے بسم اللہ پڑھ کر سیڑھیوں پر قدم رکھ دیا۔ پھر وہ نیچے اترتے چلے گئے، دس بارہ سیڑھیاں تھیں وہ نیچے پہنچ گئے۔ گھپ اندھیرا تھا۔ نادیدہ وجود نے وہاں دیواروں پر لگی مشعلیں روشن کر دیں اور تہہ خانے میں روشنی پھیل گئی۔ گرد اور مٹی کی تہیں نظر آ رہی تھیں۔ سیلن کی بو پھیلی ہوئی تھی اور زمین پر کیڑے مکوڑے رینگ رہے تھے۔ پورے قید خانے میں دو انسانی ڈھانچے پڑے نظر آ رہے تھے۔

"آؤ...... آگے آؤ۔" چندر ناتھ کی آواز ابھری اور بابا ادریس علی آگے بڑھ کر ان انسانی ڈھانچوں کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ پریتا ہے۔ میری اکلوتی بیٹی۔ چھ مہینے کی تھی جب اس کی ماتا مر گئی، میری دھرم پتنی پورنیما میرا سنسار تھی۔ پریم کر کے دواہ کیا تھا۔ سارے سنسار سے جھگڑا مول لیا تھا۔ جان دیتے تھے ہم دونوں ایک دوسرے پر، پھر بھگوان نے ہمیں سنتان دی۔ پریتا اس سنسار

میں آئی، مگر میری دھرم پتنی اس کی پیدائش کے بعد سے ہی بیمار ہوگئی تھی۔ بس ایک ہی بات کہتی تھی کہ وہ اپنی پریتا کو شہزادیوں کی طرح پالنا چاہتی تھی۔ اب ان کے بعد نہ جانے اس کا کیا ہوگا۔ ہاتھ جوڑ جوڑ کر میری بنتی کرتی تھی کہ چندر ناتھ میری پریتا کو میرے بعد کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ اسے کوئی کشٹ نہ اٹھانا پڑے۔ پھر وہ سنسار سے چلی گئی اور میں نے اپنا جیون پریتا کے لیے تیاگ دیا۔ سنسار میں میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ میں پریتا کو خوش رکھوں۔ میری پریتا بڑی ہوتی گئی، وہ اتنی سندر تھی کہ مجھے اسے سنسار کی آنکھوں سے چھپانا مشکل ہوگیا۔ میں اسے سنسار سے چھپائے چھپائے پھرتا تھا، میں نے اس کے لیے بہت کچھ کیا، بہت کچھ سیکھا اور چندر پال جوگی کے نام سے مشہور ہوتا گیا میرے جیون کا ایک ہی مقصد تھا کہ میں اپنی پریتا کو اچھا سنسار دوں اور اس کی ماتا کی آتما کو شانتی دوں۔ بابا جی! بڑی مشکل سے میں اسے سنار کی نگاہوں سے بچاتا رہا تھا اور اس کے بعد ایک دن ایک ہوائی مخلوق کا ادھر سے گزر ہوا وہ جن تھا مگر اس سمے وہ انسانی روپ میں تھا۔ میری پریتا نے اسے دیکھا اور اپنا من ہار بیٹھی۔ یہ نہیں اس کے من میں میری پریتا کے لیے کچھ تھا یا نہیں تھا، لیکن وہ اس سے ملتا رہتا تھا اور پریتا اس کے پریم میں دیوانی ہو گئی تھی۔ پھر ایک دن میں نے ان دونوں کو دیکھ لیا، پریتا اس کے چرنوں میں بیٹھی تھی، یہ دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا، میں نے کہا کہ وہ ایک دوسرے سے نہ ملیں۔ ورنہ میں ان کا برا حال کروں گا، لیکن وہ جن اس سے ملتا رہا۔ تب میں نے ایک منتر پڑھا اور اس کے بعد دھوکے سے اس جن کو اس کنویں تک لے آیا جو اس عمارت کے مشرقی حصے میں بنا ہوا ہے۔ منتر پڑھ کر میں نے جن کو کنویں میں دھکا دے دیا اور اوپر سے منتر کا جالا تان دیا، وہ بے بس ہوگیا اور اب بھی وہ اسی کنویں میں قید ہے، پر جب پریتا کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے میرے چرن پکڑ لیے اور رو رو کر مجھ سے اس جن کی رہائی مانگی۔ پر یہ کیسے ممکن تھا، ہم ہندو دھرم کے لوگ تھے اور وہ مسلمان اور وہ بھی جن۔ میں نے پریتا کی بات نہ مانی اس نے مجھے اسی کنویں میں کودنے کی دھمکی دی تو میں نے اسے یہاں لا کر تہہ خانے میں بند کر دیا۔ میں سنگدل ہوگیا تھا۔ چھ دن میری پریتا بھوکی پیاسی اس تہہ خانے میں بند رہی اور آخر کار اس نے دم توڑ دیا۔ اتنا سنگدل ہوگیا تھا میں کہ چھ دن تک میں نے اس کی خبر نہیں لی تھی، پھر جب میں چھٹے دن وہاں پہنچا تو میری پریتا......" آواز سسکیوں میں ڈوب گئی، چندر ناتھ روتا رہا پھر بولا۔

"وہ مر چکی تھی، میں غم سے پاگل ہوگیا اور میں نے کہا کہ پریتا جس موت نے تجھے

مارا ہے اسی موت میں بھی مروں گا اور پھر میں نے پران دے دیئے، یہ پریتا کا ڈھانچہ ہے اور یہ میرا۔ بابا جی! میں اس جن کو اس کنویں سے نکلتے نہیں دیکھ سکتا جس کی وجہ سے میری پریتا کی جان گئی۔"

"یہ ساری باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں چندر ناتھ، لیکن ان لوگوں نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"مسلمان ہیں یہ اور مجھے سارے مسلمانوں سے نفرت ہے اور پھر یہ گھر میرا ہے، میں نے اسے بنایا تھا، کسی دوسرے کو اس میں کیسے رہنے دے سکتا ہوں جبکہ میری اور میری پریتا کی آتما یہاں رہتی ہیں، کیا تم نے اس کے رونے کی آواز نہیں سنی؟"

"چندر ناتھ! اب جبکہ تم اس دنیا سے جا چکے ہو تو اپنے انتقام کی آگ سرد کیوں نہیں کر دیتے، میری رائے ہے کہ اس جن کو آزاد کر دو اور خود اپنی آتما کو شانتی دو۔"

"نہیں ہو سکتا، بابا جی یہ نہیں ہو سکتا۔ جس کی وجہ سے میری پریتا اس سنسار سے گئی، ارے بھوک سے مری ہے وہ، بھوک سے۔" چندر ناتھ پھر رونے لگا۔

"مگر اس جن نے تو اسے نہیں مارا چندر ناتھ! تم غلطی پر ہو، دنیا سے جا چکے ہو، اپنی روح کو سکون دو اور اگر تم نے ایسا نہ بھی کیا تب بھی میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ میں بہر حال اس جن کو آزاد کرا لوں گا اور تمہیں یہاں قید کر دوں گا۔"

"ظلم نہیں کرو گے۔"

"چاہے تم میرے لوگوں پر ظلم کرتے رہو، کیا حشر کر دیا ہے تم نے ان لوگوں کا۔ دیکھتے نہیں ہو۔ یہ وہ تو نہیں ہیں جنہوں نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا ہو۔"

چندر ناتھ کی آواز نہ ابھری البتہ اس کے رونے کی مدھم مدھم سسکیاں سنائی دے رہی تھیں، پھر اس نے نڈھال لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے بابا جی! پر ایک کام تو کر سکتے ہو تم ہمارا۔"

"ہاں بولو۔" ادریس علی نے کہا۔

"ہماری چتائیں جلا دو ہمیں مکتی دے دو، ہماری آتمائیں بھٹک رہی ہیں، جب تک ہماری چتائیں نہیں جلیں گی، ہماری آتمائیں اسی طرح بھٹکتی رہیں گی۔"

"مجھے کچھ وقت دو، اس دوران تم اسی تہہ خانے میں رہو۔" پھر اس کے بعد بابا ادریس تہہ خانے سے باہر نکل آئے۔

انہوں نے نہ جانے کیا کیا جتن کیے۔ اس تہہ خانے میں ان لوگوں کے ڈھانچوں کو

لکڑیوں اور کاغذ کے ڈھیر میں دبا کر ان میں آگ لگا دی۔ تہہ خانے میں آگ بھڑک اٹھی۔ دھوئیں کے بادل فضا میں بلند ہونے لگے۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہاں رہنے والوں کو کچھ نہیں بتایا تھا، البتہ جب انہوں نے مکان کے مختلف حصوں سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا تو وہ خوفزدہ ضرور ہوئے تھے، لیکن اس دوران انہیں بابا ادریس پر اعتماد ہو گیا تھا کیونکہ اب انہیں آوازیں سنائی دی تھیں اور نہ ہی کوئی اور ایسا واقعہ ہوا تھا جو باعث خوف ہوتا۔ آخر کار دھواں ختم ہو گیا تو بابا ادریس اپنے دوسرے کاموں کی جانب متوجہ ہوئے۔

انہوں نے سات دن اس کنویں کے کنارے بیٹھ کر کچھ عمل پڑھا، یہ عمل وہ راتوں کو کیا کرتے تھے اور یہاں رہنے والے حسن علی، حمزہ اور نیاز علی بڑی عقیدت سے بابا ادریس کی کارروائیوں کو دیکھتے رہتے تھے۔

ساتویں دن کنویں سے ایک دھوئیں کی لکیر بلند ہوئی اور پھر کسی نے بابا ادریس کے پاؤں پکڑ لیے، وہ نادیدہ ہاتھ تھے، ساتھ ہی آواز ابھری۔ ”حضور عالی! میرا نام عالی جاہ ہے، آپ نے جو احسان مجھ پر کیا ہے اس کا صلہ میں آپ کو کبھی نہیں دے سکتا، لیکن آج سے میں اپنے آپ کو آپ کی غلامی میں دے رہا ہوں، میں آپ کا غلام ہوں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا، آپ کے سارے مفادات کی نگرانی کروں گا۔“

”ہم تم سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں عالی جاہ۔“ بابا ادریس نے کہا۔

”ارشاد فرمایئے۔“

”کیا تمہیں واقعی اس ہندو لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔“

”ہرگز نہیں۔ میں بالکل اتفاقیہ طور پر اس تک پہنچا تھا اور میرے ہاتھ سے میری عہد والی انگوٹھی نکل کر گر گئی تھی جس کے تحت میں ہر اس شخص کی تحویل میں جا سکتا تھا جس کے ہاتھ میں یہ انگوٹھی ہو، وہ سادہ لوح لڑکی میری بات نہیں مانتی تھی۔ اس نے وہ انگوٹھی اپنے ہاتھ میں پہن رکھی تھی اور جب وہ مجھے بلانا چاہتی انگوٹھی سے مدد لیتی۔ مجھے حاضری دینا ہوتی۔ لیکن میرے دل میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی۔“

”پھر کیا؟“

”بس اس کے باپ نے میرے ساتھ یہ عمل کیا۔“

”اور وہ انگوٹھی کہاں گئی؟“

”آپ نے غور نہیں کیا، جس انسانی ڈھانچے کو آپ نے نظر آتش کیا اگر آپ اس کی انگلی پر غور کر لیتے تو انگوٹھی آپ کو مل جاتی، لیکن اب وہ خاکستر ہو چکی ہے، آپ چاہیں تو اس

پگھلا ہوا وجود اس چتا کی راکھ میں سے نکال سکتے ہیں۔“

”عالی جاہ! تم آزاد ہو گئے، میں تمہاری ضرورت محسوس نہیں کرتا، تمہارا جو دل چاہے کرو، اصل میں لوگ چلے وظیفے کر کے جنات کو قابو میں کرتے ہیں، صرف اپنی ہوس کی تسکین کے لیے۔ وہ ان سے طرح طرح کے تمام عمل کراتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے اس کی ضرورت نہیں۔“

”حضرت آپ کچھ بھی کہیں، میں اپنے آپ کو آپ کی غلامی میں دے چکا ہوں، جب بھی آپ مجھے طلب فرمائیں گے یا میں آپ کے پاس آنا چاہوں گا تو حاضری دوں گا۔“

”خیر کسی مہمان کو آمد سے نہیں روکا جا سکتا، البتہ تم میری طرف سے کسی تردد کا شکار نہ ہونا۔“

یہ تھا عالی جاہ اور بابا ادریس کا قصہ جس کے تحت عالی جاہ بابا ادریس تک پہنچا تھا۔ اور پھر ایک دن اپنی نیک نفسی کے تحت بابا صاحب نے عالی جاہ کو اس کے عہد سے آزادی دے دی تھی لیکن یہ آزادی خود عالی جاہ کے لیے بہتر نہیں ثابت ہوئی تھی، بس کچھ عوامل ہوتے ہیں جنوں کی نگری کے بھی اور اسی سے راج گندل کو کامیابی حاصل ہو گئی تھی اور عالی جاہ مکاری کی مدد سے جال میں پھنس گیا تھا۔

بابا ادریس نے مصلحتاً اپنا گھر چھوڑا تھا، لیکن اب وہ یہاں رہنے کے عادی ہو گئے تھے۔ بیوی بچے بھی خوش تھے۔ انہوں نے کبھی اپنے قبضے میں ہونے والے جن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں راج گندل کی حرکتوں کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ لیکن اس دن ایک عجیب واقعہ پیش آ گیا۔ بابا ادریس بازار سے سودا سلف لینے نکلے تھے۔ اور اس وقت وہ بازار سے گزر رہے تھے کہ انہیں اپنے ایک پڑوسی حاجی حیدر علی شاہ نظر آئے۔ یہ بہاں گلی میں بابا ادریس کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہتے تھے اور بابا ادریس سے ان کی اچھی خاصی سلام دعا تھی۔ حاجی حیدر اپنے داماد امتیاز احمد کے ساتھ کسی کام سے اس شہر آئے ہوئے تھے۔ جہاں بابا ادریس کی سسرال تھی۔ بہت عرصے کے بعد اپنے ایک پڑوسی کو دیکھ کر بابا ادریس تیزی سے ان کی جانب بڑھے اور ان کے سامنے پہنچ گئے۔

”حاجی صاحب السلام علیکم! خوب نظر آئے آپ۔“

حاجی حیدر نے چونک کر بابا ادریس کو دیکھا اور ان کی پیشانی پر ناگواری کی شکنیں پھیل گئیں، تاہم انہوں نے بڑے خشک اور سرد لہجے میں کہا۔ ”کہیے ادریس علی صاحب کیسے

مزاج ہیں آپ کے؟''

''ارے، گلے نہیں ملیں گے حاجی صاحب! اتنے عرصے کے بعد ملاقات ہوئی ہے، کیسے امتیاز میاں آپ خیریت سے ہیں۔'' بابا ادریس ہاتھ پھیلا کر حاجی حیدر کی طرف بڑھے تھے لیکن ان کے گریز سے کسی قدر خجل ہو کر پیچھے ہٹ گئے تھے اور اپنی خجالت مٹانے کے لیے ان کے داماد امتیاز احمد سے مخاطب ہوئے تھے۔

''ٹھیک ہوں بابا صاحب۔''

''یہ حیدر علی کو کیا ہو گیا، لگ رہا ہے مجھ سے کچھ ناراض ہیں، آخاہ میں سمجھ گیا کس بات پر ناراض ہو گئے۔''

''بھئی معاف کرنا ادریس علی......'' حاجی حیدر نے بابا ادریس کی بات درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا۔ ''تم اب وہ نہیں رہے جو تھے۔ مجھے معاف کرنا، بستی والے تمہارے بارے میں جو زبان بول رہے ہیں وہ سبھی جانتے ہیں۔ یہ اللہ کی دین ہے جسے چاہے عزت اور ایمان دے اور جسے چاہے راستہ بھٹکا دے، چلو امتیاز!'' حاجی حیدر نے اپنے داماد سے کہا اور بابا ادریس ہکا بکا رہ گئے۔ حاجی حیدر کی باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں، وہ تیزی سے آگے بڑھے اور حاجی حیدر کے سامنے پہنچ گئے۔

''بھئی میری بات تو سنیے حاجی صاحب۔''

''جی فرمائیے۔''

''آپ کی برگشتگی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کس بات پر ناراض ہیں آخر آپ؟ بتائیے تو سہی۔''

''دیکھو معاف کرنا ادریس علی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمہارا پڑوسی ہونے کی حیثیت سے میں نے یا میرے اہل خانہ نے تم سے کبھی کوئی کام نہیں لیا، لیکن میں مخلصانہ طور پر تم سے ملتا بھی رہا اور تمہاری عزت بھی کی، اب جو کچھ بستی والے تمہارے بارے میں کہہ رہے ہیں، میں زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھتا ہوں۔ بھائی! میں نے ساری زندگی سادگی سے گزاری ہے اور اب بھی سادہ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ اس لیے مجھے معاف کرنا، میں کسی ایسے شخص سے ربط نہیں رکھ سکتا جو بدنام ہو گیا ہو۔ آؤ امتیاز۔'' حاجی حیدر ایک بار پھر اپنے داماد کو اشارہ کر کے آگے بڑھ گئے اور ادریس علی ہکا بکا کھڑے رہ گئے۔

ان کی نگاہیں حاجی حیدر کا تعاقب کر رہی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ حیدر علی کا داماد تھوڑی ہی دور چل کر بھیڑ میں ایک طرف کھسک گیا ہے۔

حیدر علی کی باتوں نے ان کو سخت پریشان کر دیا تھا۔ انہوں نے گردن ہلائی اور وہاں سے آگے بڑھ گئے، بازار سے جو سودا سلف خریدنا تھا وہ خریدا اور سامان کا تھیلا لٹکائے الجھے الجھے ہوئے انداز میں واپس چل پڑے۔

تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ ''بابا صاحب!''

انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو حیدر علی کا داماد امتیاز احمد تھا۔

بابا ادریس نے سوالیہ نگاہوں سے امتیاز کو دیکھا اور بولے۔ ''کہیے امتیاز میاں! خیریت ہے؟''

''آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں، کہیں بیٹھنے کا انتظام کیجیے۔''

''میرا گھر تو یہاں سے کافی دور ہے۔ وہ سامنے چائے خانہ نظر آ رہا ہے، ویسے بھی تم اس شہر میں میرے مہمان ہو، آؤ میں تمہیں چائے پلاؤں، جو بات کہنی ہے وہاں بیٹھ کر کہہ دینا۔''

چائے خانے کی میز پر بیٹھ کر بابا ادریس نے چائے طلب کی اور پھر امتیاز سے بولے۔ ''حیرانی کی بات یہ ہے کہ حاجی صاحب میری سمجھ میں نہیں آئے، ہمارے درمیان تو بڑی اچھی یاد اللہ تھی۔''

''اسی وجہ سے تو میں چھپ کر آپ کے پاس آیا ہوں، اب وہ ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ اصل میں مجھے آپ سے بات کرنی تھی بابا صاحب۔''

''سبحان گلی کی خیریت بتاؤ، سب لوگ ٹھیک ہیں نا۔''

''ارے چھوڑیے سب لوگوں کو آپ مجھ سے بات کیجیے۔ دیکھیے بابا صاحب! اس دنیا میں نیکیوں کا گزر نہیں رہا ہے اور پھر حاجی صاحب نے مجھے گھر داماد بنا رکھا ہے، لیکن میری حیثیت ایک اٹھائی گیرے کی سی ہے، کچھ بھی نہیں ملتا گھر سے روٹی کپڑوں کے سوا۔ بیگم صاحبہ الگ میری بے عزتی کرتی رہتی ہیں، یہ کہہ کر کہ میں ساس سسر کے ٹکڑوں پر پڑا ہوا ہوں۔ اب دیکھیے حاجی صاحب کے کہنے سے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ دوسرے بھائیوں نے خوب بھڑکایا تو ابا نے مجھے عاق کر دیا، اخبار میں خبر چھپوا دی۔ چلیے وہ بھی برداشت کر لیا میں نے یہ سوچ کر کہ حاجی صاحب بھی میرے باپ کی طرح ہیں، اکلوتی بیٹی کے لیے انہوں نے شوہر خریدا ہے تو چلو میری بھی عزت آبرو ہو گی، مگر گھر میں آتے ہی باپ بیٹی نے اس طرح آنکھیں بدل لیں کہ کیا بتاؤں آپ کو اور اب میں بھی خود غرض ہو گیا ہوں۔ جمیلہ جائے بھاڑ میں، میں تو اپنے لیے ایک اچھی زندگی چاہتا ہوں، ماں باپ کو چھوڑا، یاد آتے

ہیں، منا لوں گا انہیں مگر حاجی صاحب کے کاروبار پر میرا قبضہ ہونا چاہیے، بابا ادریس یہ کام
آپ کریں گے آپ۔"

"کیا؟" بابا ادریس اچھل پڑے۔

"ہاں بس کہہ دیا ہے میں نے۔ یہ کام آپ کو کرنا ہو گا میرے لیے ایسا کوئی تعویذ
کریں کہ حاجی صاحب کی عقل چوپٹ ہو جائے۔ کاغذات میرے حوالے کر دیں اور خود اللہ
اللہ کریں، یا پھر چیڑ غوں ہو جائیں، بہت جی لیے دنیا میں۔"

بابا ادریس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا۔ "تمہارا دماغ
خراب ہو گیا ہے امتیاز احمد! میں نے آج تک انسانوں کی بھلائی کے لیے کام کیا ہے۔ یہ تم
مجھ سے کیسی فضول باتیں کر رہے ہو؟ حاجی صاحب کو نقصان پہنچانے کی کوشش اور میں
کروں، تمہیں معلوم ہے وہ میرے کیسے دوست رہے ہیں؟"

"اماں چھوڑو بابا ادریس! کماؤ کھاؤ عیش کرو۔ بیس پرسنٹ کمیشن دے دوں گا ان کی
جائیداد میں سے۔ سوچ بھی نہیں سکتے بیس پرسنٹ کمیشن کتنا بنے گا اور جہاں تک پارسائی
کی بات ہے بابا صاحب! تو ان دنوں آپ جو کچھ کر رہے ہو وہ سب کو معلوم ہے۔"

"کیا کر رہا ہوں میں بھائی، میں تو محنت مزدوری کر رہا ہوں۔"

"تو ہم بھی تو آپ سے مزدوری ہی کرا رہے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو نہ جانے کیا کیا
کچھ دے دیا، وہ سسرا شکن پہلوان شور مچاتا پھر رہا ہے کہ آپ نے اسے مایہ دے دی اور
اس کا بیٹا اور بہو چھین لی۔ آپ ایسا کرو مجھے بھی کسی مایہ کا پتہ بتا دو۔ وہ مایہ میرا سسر اور
بیوی چھین لے اولاد تو میرے ہاں کوئی ہے نہیں۔"

"تمہاری بکواس کا ایک لفظ میری سمجھ میں نہیں آ رہا امتیاز احمد۔"

"اماں چھوڑو کائے کو نخرے کر رہے ہو بابا صاحب! اب تم وہ تو نہیں رہے جو پہلے
تھے۔ سبحان گلی میں، ہر گھر میں تمہارے بارے میں چرچے ہو رہے ہیں کہ اب تم نے
دوسرے دھندے شروع کر دیے ہیں۔"

"کیسے دھندے؟"

"کالے دھندے، سیدھی سیدھی بات کروں۔"

"امتیاز احمد بیٹے! دیکھو میں تمہارا بزرگ ہوں، مجھ سے بدتمیزی کے بغیر مجھے صورت
حال بتاؤ۔"

"دیکھو جی! ہم کیا صورت حال بتائیں، آپ یہ بتاؤ آپ تعویذ گنڈے کرتے ہو نا

لوگوں کے لیے، پہلے آپ کسی سے کچھ نہیں لیتے تھے لیکن اب خفیہ طور پر مال بھی وصول
کرتے ہو، بیوی بچے آپ نے ادھر چھوڑے ہوئے ہیں اور ادھر آپ نے سارے چکر
چلائے ہوئے ہو، میں نے تو خیر اندر سے آپ کا گھر نہیں دیکھا لیکن لوگ کہتے ہیں کہ آپ
نے اپنے گھر کو بھی بھوت خانہ بنا رکھا ہے۔ بابا ادریس میرا کام کر دو۔ آپ دیکھنا آپ کے
وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

"کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ ہم اب سبحان گلی میں نہیں رہتے۔"

"اماں تو کیا ساتویں آسمان پر رہتے ہو، پرسوں ترسوں ہی میں نے تمہیں تمہارے گھر
سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔"

"کیا؟"

"ہاں، بالکل صحیح کہہ رہا ہوں۔"

بابا ادریس پریشان نگاہوں سے امتیاز احمد کو دیکھتے رہے، پھر بولے۔ "جو کچھ تم کہہ
رہے ہو میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا، کیا تمہیں اس بات کا علم ہے کہ میں طویل عرصے سے
اس شہر میں رہ رہا ہوں اور بہت عرصے سے سبحان گلی نہیں گیا ہوں۔"

"تو گھر میں کیا تمہارا بھوت رہتا ہے۔ رہتا ہو گا بابا! تم جیسا سڑک چھاپ بابا کوئی
بھی چکر چلا سکتا ہے۔ بہر حال میری بات کسی سے کہنا مت ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔ میرے
پاس بھی چار چھ چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں۔ کریا کرم کر دیں گے تمہارا اور اگر میرا کام کرنا
چاہو تو ایک دو دن میں تمہارے گھر کا چکر لگاؤں گا، مجھے بتا دینا۔ ساری تفصیل تمہارے
سامنے رکھ دوں گا کیا سمجھے، لو چائے کے پیسے بھی میں ہی دے رہا ہوں۔" امتیاز احمد نے
جیب سے پیسے نکال کر میز پر رکھے اور اپنی پیالی کی چائے حلق میں انڈیلی اور وہاں سے باہر
نکل گیا اور بابا ادریس سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے تھے۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح بیٹھے
رہے۔ پھر چونکے، چائے کے پیسے ادا کر کے سامان اٹھائے باہر نکل گئے، قدم من من بھر
کے ہو رہے تھے اور ذہن نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھان رہا تھا۔ گھر پہنچے تو چہرہ اترا ہوا
تھا، بیوی نے جلدی سے سامان لیتے ہوئے کہا۔ "خیر تو ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں، اللہ کا فضل ہے بس ایسے ہی باہر ذرا موسم سخت تھا۔"

بیوی نے ٹھنڈا پانی پلایا تو بابا ادریس نے کہا۔ "تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتے ہیں، ذرا
سکون اور خاموشی کی ضرورت ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں کمرے میں لیٹ جائیے، سر دبا دوں۔"

"نہیں بس تھوڑی سی تنہائی اور سکون درکار ہے۔"

نیم تاریک ماحول میں بستر پر لیٹ کر بابا ادریس تمام تر صورت حال کا جائزہ لینے لگے۔ حاجی حیدر تو بہت اچھے آدمی تھے، نیک خو اور ملنسار۔ کاروباری تھے اور اچھی خاصی حیثیت کے مالک تھے، اکلوتی بیٹی کی شادی کر کے بیٹی کے شوہر کو گھر داماد رکھ لیا تھا۔ اس وقت ان کی بے رخی سمجھ میں نہیں آئی اور پھر امتیاز احمد نے جو فضول باتیں کی تھیں وہ ناقابل فہم تھیں، آخر قصہ کیا ہے۔ خاص طور سے اس کے یہ الفاظ کہ پرسوں ہی انہیں سبحان گلی میں دیکھا تھا بڑے حیرت ناک تھے۔ انہوں نے تو طویل عرصے سے سبحان گلی کا رخ نہیں کیا تھا۔ جب بہت ہی زیادہ الجھ گئے تو پہلی بار انہوں نے عالی جاہ کو آواز دی۔ "عالی جاہ! جہاں بھی ہو ہمارے پاس پہنچ جاؤ، کچھ ایسی الجھن کا وقت آ گیا ہے کہ ہمیں تمہاری ضرورت درپیش ہے۔ ذرا ہم سے ملاقات کرو۔" کچھ توقف کے بعد پھر انہوں نے عالی جاہ کو آواز دی لیکن چار پانچ آوازیں دینے کے باوجود عالی جاہ نہ پہنچ پایا تو بابا ادریس نے حیرت سے کہا۔ "بھئی کیا تم بھی ناراض ہو گئے ہو، پہلے تو تم ہمارے بغیر وقت ہی نہیں گزارتے تھے۔ ذرا دیر ہوئی اور تم پہنچ گئے اب ہم تمہیں پکار رہے ہیں تو تمہارا کوئی نشان نہیں ہے۔ خیر جس وقت بھی فراغت ہو ہم سے آ کر ملو، ہم الجھے ہوئے ہیں۔"

وہ دن گزرا، دوسرا دن اور جب تیسرا دن بھی گزر گیا اور عالی جاہ نہ آیا تو بابا ادریس سخت پریشان ہو گئے۔ انہوں نے بیوی سے کہا۔ "ہم ذرا سبحان گلی جانا چاہتے ہیں، عرصے سے وہاں کی خبر نہیں لی۔"

"میرا بھی دل بڑا چاہ رہا ہے اپنا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے، کب سے میں نے اپنے گھر کو نہیں دیکھا۔ اب تو بری طرح گرد اور مٹی میں اٹا ہوا ہوگا، میں بھی چلوں اگر نہیں آنا ہے تو گھر صاف ستھرا کر کے چلے آئیں گے۔"

"نہیں ابھی مجھے تنہا ہی جانے دیجیے کچھ کام ہیں، بعد میں اگر مناسب ہوا تو آپ کو بھی لے چلوں گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" بیوی نے خوشدلی سے کہا اور بابا ادریس سبحان گلی جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

❀ ❀ ❀

بابا ادریس نے جو پانی بوتل میں دیا تھا اسے بڑی عقیدت اور احترام کے ساتھ لے کر چوہدری شاہنواز اپنے گھر پہنچ گیا۔ خوش تھا کہ اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا حمید خاں

بھی انتظار کرتا ہوا آیا تھا۔

"عرشیہ کی یادداشت مکمل طور پر واپس آ جائے اور ہمیں ہماری بچی مل جائے حمید خاں ہمیں بھی نئی زندگی مل جائے گی، چوٹ پڑی ہے تو ہوش آ گیا ہے، انسان جب تک چوٹ نہیں کھاتا سنبھلتا نہیں ہے۔"

حمید خاں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

پھر عرشیہ کو گلاس میں وہ پانی پینے کے لیے دیا گیا۔ عرشیہ نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے چوہدری صاحب؟"

"عرشیہ! قدرت پر بھروسہ تو ہے کہ شاید ہمیں ہماری امیدوں کا مرکز مل جائے، ہماری بچی جسے ہم کچھ بھی نہیں دے سکے۔ ہم ایسے مفلس ماں باپ ہیں کہ اپنی بچی کو کوئی نام بھی نہ دے سکے۔ عرشیہ! انہی تمام چیزوں کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں۔ بے شک اس کمبخت جادوگر نے تمہارے ذہن کو ماؤف کر دیا ہے، لیکن پھر بھی تمہارے دل میں اپنی بچی کی کسک تو کسکتی ہوگی۔ چلو چھوڑو میں کیا غمناک باتیں شروع کر دیتا ہوں۔ لو یہ پانی پیو۔ اللہ نے چاہا تو بہتر ہی ہوگا۔"

عرشیہ نے وہ پانی لے لیا جو بوتل سے گلاس میں انڈیل دیا گیا تھا، اس نے گلاس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور پھر اس کے منہ سے بسم اللہ نکلا، لیکن جیسے ہی اس کے منہ سے بسم اللہ نکلا اور اس نے گلاس کو اپنے ہونٹوں تک لے جانے کی کوشش کی اچانک ایک ہلکا سا دھماکا ہوا اور گلاس ریزہ ریزہ ہو گیا، پانی نیچے گر پڑا۔ تھوڑا سا پانی عرشیہ کے کپڑوں پر بھی گرا تھا۔

شاہنواز بری طرح چونک پڑا اور اس کے منہ سے نکلا۔ "ارے یہ کیا ہوا؟"

عرشیہ بھی حیران رہ گئی تھی، اس نے خوفزدہ سے لہجے میں کہا۔ "کچھ بھی نہیں، میں نے گلاس مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا، وہ گرا بھی نہیں میرے ہاتھوں سے، بس میں نے بسم اللہ کہا ایک دم گلاس ریزہ ریزہ ہو گیا اور پانی......" عرشیہ نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور دفعتاً اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔

اس کے ہاتھوں پر باریک باریک ننھے ننھے کیڑے رینگ رہے تھے۔ سیاہ اور سفید رنگ کے انتہائی بدنما کیڑے عرشیہ کے حلق سے مسلسل چیخیں نکلنے لگیں۔ ایک لمحے تک تو چوہدری شاہنواز کچھ نہ سمجھ سکا لیکن پھر اس نے بھی عرشیہ کے ہاتھوں پر رینگتے ہوئے کیڑوں کو دیکھا۔ پانی عرشیہ کے لباس پر بھی پڑا تھا اور زمین پر بھی اور اب صاف نظر آ رہا تھا کہ ننھے ننھے باریک بالوں جیسے پتلے اور منحوس شکل کے کیڑے زمین پر بھی رینگ رہے ہیں۔

عرشیہ کی دہشت بھری چیخوں سے پورا کمرہ گونج رہا تھا وہ تو شکر تھا کہ دروازہ بند تھا، ورنہ آوازیں باہر جاتیں۔ شاہنواز گھسیٹ کر عرشیہ کو باتھ روم میں لے گیا۔ اس نے اس کے ہاتھ دھلائیے، لباس صاف کیا، کیڑے صاف ہو گئے تھے، بیسن اور غسلخانے کے فرش پر بہتے ہوئے نالی میں چلے گئے تھے۔

”خود کو سنبھالو عرشیہ! لباس تبدیل کر کے باہر آؤ، میں کمرے سے باہر جا رہا ہوں اور خبردار اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ٹھیک ہو جاؤ بالکل، کوئی ایسی بات نہیں ہے۔“

”آپ آپ یہ پانی مجھے پلا رہے تھے۔ یہ پانی آپ مجھے پلا رہے تھے۔“ عرشیہ کو ابکائیاں آنے لگیں۔

”اللہ کا شکر ہے تم نے پانی پیا نہیں، عرشیہ لباس تبدیل کر کے باہر آؤ۔“ چوہدری شاہنواز کو خود بھی چکر آ رہے تھے۔ یہ کیا قصہ ہے، یہ کیا قصہ ہے؟ وہ باہر آ گیا اور راہداری کے ایک ستون سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد عرشیہ بھی باہر آ گئی، اس کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ ”چوہدری صاحب، آپ یہ پانی کہاں سے لائے، کیا آپ کو پتہ تھا کہ اس میں اتنے سارے کیڑے موجود ہیں؟ چوہدری صاحب! آپ مجھے یہ پانی کیوں پلا رہے تھے؟“

چوہدری شاہنواز پھٹی پھٹی آنکھوں سے عرشیہ کو دیکھتا رہا۔ اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، عرشیہ سسکنے لگی اور بولی۔ ”ایک طرف تو آپ مجھ سے اتنی محبت کا اظہار کرتے ہیں کہ میں شرمندہ ہو جاتی ہوں۔ آپ یقین کریں مجھے بالکل یاد نہیں آتا کہ میں نے اپنا ماضی کہاں گزارا ہے۔ میں کون ہوں، میں نے تو چوہدری صاحب بس آپ پر بھروسہ کر لیا ہے۔ میں انکل حارث کے پاس بہت خوش تھی، وہ مجھے اپنی سگی بیٹیوں کی مانند چاہتے تھے، حالانکہ انہوں نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں ان کی اولاد نہیں ہوں۔ اگر وہ مجھ سے یہ بات نہ کہتے چوہدری صاحب تو میں اپنے آپ کو ان کی بیٹی سمجھتی رہتی۔ پھر چوہدری صاحب آپ اس انداز میں میرے سامنے آئے، انکل حارث نے بھی اس بات کی تصدیق کی کہ میں آپ کی بیوی ہوں، چوہدری صاحب آپ نے آج تک میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے، مجھے بیوی کہنے کے باوجود آپ نے بھی میرے ذہن پر بوجھ نہیں ڈالا، میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں چوہدری صاحب کہ یہ کیا چیز تھی جس میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔“

”عرشیہ! یقین کر لو کہ میں اس پانی سے اتنا ہی لاعلم ہوں جتنی تم، لیکن ایک بات کا تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس حقیقت کو معلوم کر کے رہوں گا اور تمہیں تفصیل بتاؤں گا۔ خدا کا شکر ہے کہ پانی تمہارے حلق میں نہیں اترا۔“

”ہائے میں تو مر جاتی، اتنے سارے کیڑے میرے جسم میں اتر جاتے۔“

”اللہ کا شکر ہے تم نے بسم اللہ کہہ کر یہ پانی اپنے ہونٹوں تک لے جانا چاہا تھا۔ سارا الٹا ہو گیا۔ اللہ کے نام نے اس غلاظت کو تمہارے سینے تک نہ پہنچنے دیا۔ واہ قربان ذات باری کے، لیکن یہ جو کچھ ہے اس کی تفصیل میں معلوم کر کے رہوں گا۔ تم بالکل ہو کر آرام سے وقت گزارو، بعض اوقات انسان کے گناہ سر چڑھ کر بولتے ہیں، میں برا آدمی تھا عرشیہ! نہ جانے کتنوں کا دل دکھایا ہوگا میں نے جس کی مجھے یہ سزا ملی، خیر میں تم سے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ اس پانی کی حقیقت معلوم کر کے رہوں گا۔“

چوہدری شاہنواز نے عرشیہ کو سمجھا بجھا کر اس کے کمرے میں بھیجا اور خود ایک تنہا جگہ آ بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن میں جوار بھاٹے اٹھ رہے تھے۔ سبحان گلی میں اس نے لوگوں کی بابا ادریس کے بارے میں بڑی بڑی باتیں سنی تھیں، لیکن بابا ادریس سے ملاقات بعد اس کا ذہن بدل گیا تھا اور پھر بابا ادریس نے جو کچھ اس سے کہا تھا وہ بھی قابل غور انہوں نے کہا تھا کہ دشمن وار کرتا ہے، تو کیا پانی کا یہ کھیل بھی راج گندل ہی کی طرف ہے، مگر پانی دیا تو بابا ادریس نے ہے۔“ شاہنواز بڑے گہرے انداز میں سوچ رہا تھا کے بعد اس نے اپنے مشیر خاص حمید خاں کو بلا لیا۔ حمید خاں اس کے پاس پہنچ گیا، شناس بھی تھا چوہدری شاہنواز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا بات ہے سر جی! کوئی مشکل ہے؟ آپ کا چہرہ بتا رہا ہے۔“

”ہاں حمید خاں! اس وقت میں شدید الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔“

”خیر تو ہے چوہدری صاحب! اپنے غلام کو نہیں بتائیں گے کہ کیا الجھن ہے۔“

”یار تیرے علاوہ دل کی بات اور کسی سے کر سکتا ہوں؟“

”مہربانی ہے چوہدری صاحب کی کہ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں، آپ حکم کریں جی کیا بات ہے؟“

جواب میں چوہدری شاہنواز نے اسے پوری تفصیل بتا دی، حمید خاں کی پیشانی پر ں پڑ گئیں۔

”یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے چوہدری صاحب! کیا سچ مچ بابا صاحب کا ایمان

ڈانواں ڈول ہو گیا۔"

"حالانکہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ یہ ان کے دشمن کی کارروائی بھی ہو سکتی ہے۔"

"وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہو سر جی، پر آپ ایک بات بتائیں لوگ جو بابا ادریس کی شکایت کر رہے ہیں اور کھل کر کہتے ہیں کہ بابا صاحب کا رویہ بالکل بدل گیا ہے، وہ لوگوں کو پانی میں تھوک کر دے دیتے ہیں یا ان کے ساتھ ایسا رویہ رکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتا ہے تو آپ مجھے یہ بتایئے کہ اس میں ان کے دشمن کا کیا کام ہے اور پھر بابا صاحب اتنے نکمے کیسے ہو گئے کہ اپنے دشمن کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے۔"

"حمید خاں میں سوچ رہا ہوں کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے ہمیں سچائی معلوم ہو سکے۔"

"چوہدری صاحب ویسے تو اللہ والے بڑے احترام کے قابل ہوتے ہیں۔ ان کے خلاف کچھ کرتے ہوئے بندے کا دل بھی ڈرتا ہے پر اب یہ وار تو ہم پر براہ راست ہو چکا ہے، اگر بیگم صاحبہ وہ پانی پی لیتیں تو ان کا کیا ہوتا۔"

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ عرشیہ کا بھی وہی حشر ہوتا جو شاہینہ کا ہوا ہے۔"

"اللہ نہ کرے چوہدری صاحب! پھر آپ بولو۔"

"حمید خاں اب یہ کام بڑا ضروری ہو گیا ہے، کوئی ایسی ترکیب کرتے ہیں جس سے اصلیت کا پتہ چل سکے۔"

"پہلے تو بابا ادریس کے گھر کی تلاشی لے لی جائے۔ ابھی تو ان کے بیوی بچے بھی وہاں نہیں ہیں اور اس کے بعد اگر شبہے کی کوئی بات ہو تو ان کو پکڑ کر لے آیا جائے اور پھر چوہدری صاحب آپ حمید خاں کو تو جانتے ہی ہو، بابا صاحب اپنے منہ سے سب کچھ اگل دیں گے۔"

"نہیں حمید خاں، ان کے ساتھ گستاخی بھرا کوئی سلوک ہم لوگ کر ہی نہیں سکتے، لیکن اصلیت معلوم ہونی چاہیے۔"

"تو پھر چوہدری صاحب ایک کام کرتے ہیں۔" حمید خاں انہیں ایک اور تجویز پیش کرنے لگا اور چوہدری صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں یہ کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے صاحب جی، میں تیاریاں کیے لیتا ہوں اور پھر چلتے ہیں سجان کلی۔"

"ٹھیک ہے۔" چوہدری شاہنواز نے جواب دیا۔

راج گندل اپنے منحوس ارادوں میں کافی حد تک کامیاب ہو چکا تھا، بابا ادریس بن کر اس نے بابا ادریس کی ساکھ کو کافی نقصان پہنچایا تھا اور مسلسل ان کوششوں میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح کوئی اس تک پہنچے اور وہ اسے نقصان پہنچائے، پھر اس دن وہ بیٹھا ہوا اس مجسمے کے سامنے جو بھوانی دیوی کا مجسمہ تھا اور جسے اس نے بڑے احترام کے ساتھ بابا ادریس کے گھر کے ایک آخری کمرے میں سجا رکھا تھا اور وہاں کے ماحول کو مکمل طور پر پراسرار بنایا ہوا تھا کہ منکاری کی آواز سنائی دی اور وہ چونک پڑا۔ اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو منکاری اپنے منحوس وجود کے ساتھ موجود تھا۔

"جے گرو مہاراج، جے بھوانی۔" راج گندل نے عقیدت سے کہا۔

"جے جے کار ہی مت کرتا رہا کر۔ کچھ اپنے بیروں سے بھی صورت حال معلوم کرتا رہا کر، تو کیسا کالے دھرم والا ہے، دیکھ کالے دھرم میں کتنی ہی بڑی شکتی کیوں نہ حاصل ہو جائے یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ دشمن کیا کر رہا ہے، کہاں ہے، کم از کم تیرے بیر، بھوانی کے بیر تجھے ہر اس چیز کے بارے میں بتائیں گے جو تیرے لیے اچھی نہ ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں منکاری مہاراج! آپ نے جس طرح میری سہائتا کی ہے میں جیون بھر نہیں بھول سکتا، میں تو صرف یہ سوچتا ہوں کہ اب جب اس سنسار سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے تو میں آپ کو گرو دچھنا کیا دے سکوں گا۔"

"بار بار یہ بات مت کہا کر، سنسار سے میرا تعلق نہ ہوتا باؤلے تو مجھے کیا غرض پڑی تھی کہ تیرے پاس چکر لگاتا رہتا۔ ارے پاگل سنسار سے میرا پورا تعلق ہے اور جہاں تک بات ہے تو بھی گرو دچھنا کے لیے تیار رہنا۔"

"میں ڈر جاتا ہوں منکاری مہاراج، آپ نہ جانے مجھ سے کیا مانگ بیٹھیں۔"

"بس بس، زیادہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، اچھا سن وہ آ رہا ہے۔"

"کون مہاراج؟" راج گندل نے حیرانی سے پوچھا۔

"ادریس علی۔" منکاری نے جواب دیا۔

راج گندل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "ادریس علی وہ کہاں سے آ رہا ہے مہاراج؟"

"جہاں وہ رہتا ہے۔ اسے خبر مل گئی ہے کہ اس کے گھر میں اس کی حیثیت سے کوئی موجود ہے۔" منکاری نے انکشاف کیا۔

راج گندل منہ پھاڑ کر منکاری کو دیکھنے لگا پھر وہ تھوک نگل کر بولا۔ "تو پھر اب کیا ہو

"لاٹھی لے کر دروازے کے باہر کھڑا ہو جانا اور اسے للکار کر کہنا کہ یہ گھر تیرا ہے اور تو یہاں سے نہیں نکلے گا۔" منکاری نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اس سے کیا ہوگا گرو مہاراج!"

"مجھے حیرت ہے کہ تو خود کو کالی کا داس کہتا رہا ہے اور اپنی بڑی تعریفیں کرتا رہا ہے۔ پر اس لمحے بات بالکل گدھوں والی کر رہا ہے۔"

"میں سچ مچ عقل کھو بیٹھا ہوں مہاراج!"

"باؤلے اگر میں تجھے آ کر اس کے واپس آنے کی خبر نہ دیتا اور وہ آ جاتا تو تو کیا کرتا۔"

"اسے للکارتا اور کیا کرتا۔"

"اس سے کیا ہوتا۔"

"بس مقابلہ ہوتا اس سے۔"

"غلط ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ پہلے اسے اچھی طرح ذلیل کر اب تک جو تو نے کیا ہے وہ بہت اچھا کیا ہے۔ آس پاس کے لوگ اب اس سے نفرت کرنے لگے ہیں۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ وہ اصل ادریس علی تھا ہی نہیں بلکہ اس کے بھیس میں تو تھا تو اس کے خلاف ساری نفرت ختم ہو جاتی۔"

"ہاں مہاراج وہ تو ہے۔ پر آپ میری سہائتا کریں مجھے بتائیں کہ اب میں کیا کروں۔"

"بس اپنا بوریا بستر سنبھال کر یہاں سے نکل لے۔ کوئی بھی استھان بنا لے سب سے ہٹ کر، وہ یہاں آئے گا، لوگوں کو اس ردو بدل کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔ پھر تماشا ہوگا۔ وہ کہے گا کہ وہ، وہ نہیں ہے اور لوگ ہنسیں گے۔ اسے ذلیل کریں گے۔ اس کا دل دکھے گا۔ کوئی یقین کرنے والی بات ہے کہ وہ وہاں رہتا ہے اور اب کہتا ہے کہ وہ، وہ نہیں ہے۔"

"بات آہستہ آہستہ راج گندل کی سمجھ میں آ رہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔

"یہ پہلا وار ہوگا اس پر، اس کے بعد وار ہی وار۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے۔ کیا سمجھا۔" منکاری نے کہا۔

"سمجھ گیا گرو مہاراج، جئے منکاری مہاراج۔" راج گندل نے خوش ہو کر کہا۔

☆

منکاری کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے "بس، صرف منکاری کی جئے جئے کار مت کیا کر، اپنی بدھی سے بھی کوئی کام لے، کیا ... میں تجھے ایک اور منتر بتاتا ہوں اسے پڑھ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے ... بھوانی ماتا کا بت اندر موجود ہے، یہ منتر پڑھنے کے بعد وہ بت کچھ سمے کے لیے ... سے اوجھل ہو جائے گا۔ خاص طور سے ادریس علی اسے نہیں دیکھ سکے گا اور جب ... کے رہنے والے ادریس علی کی کھوج کریں گے، تب وہ بت ان کی آنکھوں کے ... نے آ جائے گا۔ اس سے جانتا ہے کیا فائدہ ہوگا، لوگ کھل کر یہ بات کہیں گے کہ ... علی نے اپنا دھرم بدل لیا ہے۔ سنسار کے سامنے وہ مسلمان ہے پر اپنے گھر میں ... کی پوجا کرتا ہے چوپٹ ہو کر رہ جائے گا ادریس علی۔ جب وہ بالکل بے بس ہو جائے ... تو سامنے آ کر اس کا خوب مذاق اڑاتا اور کہنا کہ دیکھ تیرا مقابلہ اب صرف راج گندل سے نہیں ہے بلکہ راج گندل کے گرو منکاری سے بھی ہے۔"

"منکاری مہاراج آپ یقین کر لو، سنسار میں کبھی کسی کو گرو نہیں مانتا تھا پر منکاری ... راج تم نے مجھے جیون میں اتنا کچھ دیا ہے کہ تمہیں تو گرو ماننا ہی پڑے گا۔"

"خالی گرو مت ماننا گرو دچھنا کے لیے بھی تیار رہنا۔" منکاری نے کہا اور شیطانی ... ہنستا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

جب بھی منکاری یہ الفاظ کہتا تھا راج گندل کے دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت ... ہو جاتی تھی، وہ سوچتا تھا کہ ایک ایسا انسان جو سنسار سے جا چکا ہے اور اس کی گندی ... سنسار میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ گرو دچھنا کے طور پر آخر کیا مانگے گا۔ کیا چاہے گا۔ بس ... اسے پریشان کر دیتی تھی کہ منکاری اگر کوئی ایسی چیز مانگ بیٹھا جو اس کے بس کی نہ ... کیا ہوگا۔ کیا وہ منکاری کو گرو دچھنا دے سکے گا۔

منکاری جو منتر اسے بتا کر گیا تھا بھوانی دیوی کے بت کے پاس بیٹھ کر اس نے وہ

منتر پڑھا اور اسے بھوانی دیوی کے بت پر پھونک دیا۔

ایک ہلکا سا دھواں فضا میں پھیلنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد بھوانی دیوی کا بت دھوئیں میں چھپ گیا، منکاری نے آج تک جو کچھ اسے بتایا تھا اس پر عمل کرنے میں راج گندل کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی اور ناکامی بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہر طور اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنا وہ قیمتی سامان لیا جو اس کے گندے امور میں کام آتا تھا اور پھر وہ وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا، اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ اس کے یہاں سے نکلنے سے پہلے کہیں ادریس یہاں نہ پہنچ جائے۔ بہرحال جونہی سورج چھپا وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے نکل آیا اور کافی دور تک چلا گیا، لیکن پھر اسے خیال آیا کہ ادریس علی کی درگت کم از کم وہ اپنی آنکھوں سے تو دیکھے چنانچہ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر وہ درخت جس کے نیچے بیٹھ کر ادریس علی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کا گھر سامنے ہی ہوتا تھا اس کا مسکن بن گیا۔ وہ آہستہ آہستہ درخت پر چڑھا اپنا سامان اس نے ایک شاخ پر لٹکایا اور خود ایک ایسی جگہ منتخب کر کے بیٹھ گیا جہاں وہ کافی وقت گزار سکتا تھا۔

❀ ❀ ❀

بابا ادریس سبحان گلی پہنچ گئے ان کو بڑے غم کا احساس تھا۔ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ امتیاز احمد حاجی صاحب کی باتیں یاد آتیں تو دل ڈوبنے لگتا تھا۔

بہرحال سبحان گلی پہنچنے کے بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے گھر کا دروازہ انہیں کھلا ہوا ملا تھا۔ گھر میں داخل ہو کر آواز دی۔ ”کوئی ہے یہاں، کون ہے؟“

لیکن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ ان کی آواز گھر میں گونج کر رہ گئی چونکہ رات ہو چکی تھی اس لیے آس پاس بھی کوئی نہیں تھا اور گھر کی بھی صحیح شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔

بہرحال انہوں نے گھر میں روشنیاں جلائیں اور پھر جب یہ بد رونق گھر ان کے سامنے آیا تو وہ دنگ رہ گئے، ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”الٰہی میرے جانے کے بعد اس گھر میں خاموشی سناٹا ضرور ہو سکتا تھا، لیکن یہ دیواروں کا زنگ اور یہ بدبو، خدا کی پناہ۔“

وہ گھر کے ایک ایک کمرے کو دیکھنے لگے اور ان تمام کمروں میں انہوں نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ان کا کلیجہ ہول گیا۔ سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا جگہ جگہ غلاظتوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابل یقین اور ناقابل فہم تھا۔ اس کمرے میں بھی پہنچے جہاں بھوانی کا بت نصب تھا، لیکن نگاہوں سے اوجھل کر دیا گیا تھا، ہاں اگر

رے کے درمیان سے گزرتے تو شاید چھپے ہوئے بت سے ٹکرا کر اس کے بارے میں سوچتے، لیکن بس دروازے سے جھانکنے کے بعد ہی وہ واپس آ گئے تھے۔

پورے گھر کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی، اس گھر میں تو ت بھی نہیں کی جا سکتی تھی جب تک کہ اس کی مکمل طور سے صفائی نہ ہو جائے۔ لیکن ں آنے کے بعد طبیعت پر جو ایک دم بوجھ سا پڑا تھا اس نے نڈھال کر دیا تھا۔ گھر میں سو سکے باہر نکلے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر ایک جگہ منتخب کر کے لیٹ گئے۔ پھر انہیں وہ ت یاد آیا جس کے نیچے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اس درخت سے بھی انہیں بے بت تھی۔ وہاں پہنچے اور درخت کے نیچے لیٹ گئے دل میں نہ جانے کیا کیا احساسات خیالات تھے، رہ رہ کے حاجی حیدر کا رویہ اور ان کے داماد امتیاز احمد کی باتیں یاد آ رہی ں۔ آدھی رات کو انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی چوری چوری درخت سے نیچے اتر رہا ہے پھر وہ جو کوئی بھی تھا، بری طرح بھاگا۔

بابا ادریس اسے دیکھتے ہی رہ گئے تھے کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ پھر آنکھیں بند کر لیٹ گئے اور اس کے بعد آنکھ لگ گئی تھی۔

سورج کی روشنی نے انہیں جگایا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ نماز کا وقت تو گزر چکا تھا، ے دکھی سے انداز میں انہوں نے قضا نماز پڑھی اور اس کے بعد گھر کی جانب بڑھ ۔ سامنے سے ایک شخص گزر رہا تھا، شناسا تھا انہوں نے اسے آواز دی۔ ”شرافت خاں اِدھر آؤ۔“

شرافت خان ان کے ان معتقدوں میں سے تھا جو ان کے حکم پر سب کچھ کرنے کو رہتے تھے، لیکن شرافت خاں اپنی جگہ کھڑے ہو کر انہیں دیکھتا رہا پھر کسی قدر ناگواری ے انداز میں آگے بڑھا اور ان کے قریب پہنچ گیا۔

”ہاں بابا کیا بات ہے؟“

”شرافت خاں! ناراض ہو مجھ سے کسی بات پر؟“

”آپ چھوڑیئے ان باتوں کو بتایئے کیا بات ہے؟“

”شرافت خاں میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”تو پوچھیے نا دیر کیوں کر رہے ہیں؟“

”بھائی تم لوگوں کا رویہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہے؟“

”دیکھیے بابا ادریس میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ آپ نے ایسے وقت میں

میرے بیٹے کا روحانی علاج کیا تھا جب سارے ڈاکٹر اسے جواب دے چکے تھے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تمہیں یاد ہے، چلو اسی حوالے سے مجھے بتا دو کہ بات کیا ہے؟"

"آپ کمال کرتے ہیں، آپ نے جس طرح اپنا چولا بدلا ہے وہ ہم میں سے کسی کو پسند نہیں ہے، ہم تو آپ سے آنکھیں بند کر کے محبت کرتے تھے آپ نے اپنا رنگ بدل لیا۔"

"اچھا یہ بتاؤ کیا میرے ہاتھوں سے یہاں کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہے؟"

"اچھا سوال ہے، آپ جو لوگوں کو محبت اور ہمدردی سے دیکھتے تھے اور ان کا علاج کرتے تھے اب آپ ان کے ساتھ جو سلوک کرتے ہیں وہ آپ کو یاد ہے؟"

"کیا، ہم کافی عرصے سے یہاں رہتے ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے تم نے ہمیں آخری بار کب دیکھا تھا؟"

"کل۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے جاؤ...... جاؤ۔" بابا ادریس نے کہا اور پھر وہ دوبارہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔

دن کی روشنی میں گھر کی حالت رات سے بھی زیادہ بدتر منظر پیش کر رہی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کیا کریں، یہاں تو ایسا لگتا تھا جیسے کوئی ان کے ساتھ گھر کی صفائی کے لیے بھی تیار نہیں ہو گا۔ باہر نکل کر کسی سے کچھ کہتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور بابا ادریس یہ سوچ کر باہر لپکے کہ شاید کوئی ہمدرد آ گیا ہے۔ دروازہ کھولا تو باہر ایک قیمتی گاڑی کھڑی ہوتی نظر آئی۔ ساتھ ہی چوہدری شاہنواز اور حمید خاں بھی تھے۔

انہوں نے دونوں کو پہچان لیا اور پرتپاک لہجے میں بولے۔ "آخاہ، چوہدری شاہنواز! آیئے آیئے اس وقت مجھے کسی ہمدرد کی اشد ضرورت ہے۔"

"ضرور آؤں گا بابا صاحب۔ ضرور آؤں گا۔ یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آخر آپ اپنے عقیدت مندوں کی ہمدردیاں کھو بیٹھے اور بابا آپ کو ہمدردی کی اشد ضرورت ہے۔" چوہدری شاہنواز طنزیہ جملے کہتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے چوہدری صاحب کہ آپ بھی۔"

"سبحان اللہ، آپ کا گھر تو واقعی کالے علم کا گڑھ معلوم ہو رہا ہے، پہلے میں نے اس

انا غور نہیں کیا تھا آپ نے حربے ہی ایسے استعمال کیے تھے۔"

"کتنے پہلے کی بات کر رہے ہیں چوہدری صاحب، آیئے بیٹھیے۔"

"یہ غلاظت خانہ بیٹھنے کے لیے ہے کیا؟"

"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں دراصل......"

"سو دوست سو دشمن، آپ کے کسی مخالف نے آپ کے خلاف کارروائی کی ہے۔" چوہدری شاہنواز نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"سو فیصد یہی میں کہنا چاہتا تھا۔"

"اور آپ نے آج تک اس گھر کی صفائی نہیں کی اور اپنے دشمن کی نشانیاں قائم رکھیں۔ حمید خاں جاؤ پورے گھر کی تلاشی لو، یہ آخر بابا نے ہم لوگوں کو سمجھ کیا رکھا ہے۔

بات اصل میں یہ ہے بابا ادریس کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان سے اس وقت تک کوئی غرض نہیں ہوتی جب تک کہ کوئی خاص ہی مسئلہ درپیش نہ ہو، لیکن جب عقیدت کا بت ٹوٹتا ہے تو اندر سے خون کھول اٹھتا ہے، میں نے ہمیشہ آپ کے ساتھ عقیدت کا برتاؤ کیا، آپ سے آپ کی ضرورتیں پوچھتا رہا جن سے آپ انکار کرتے رہے۔ جبکہ میں دل و جان سے آپ کے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ رہتا تھا پھر آپ نے مجھ پر وار کیوں کیا ہے؟"

"تمہارا ہرکارہ ہمارے گھر کی تلاشی لے لے اور واپس آ جائے تو باہر چل کر اس بارے میں بات کریں گے۔"

اسی وقت حمید خاں کی آواز ابھری۔ "چوہدری صاحب ذرا یہاں تشریف لایئے۔"

اس آواز پر چوہدری شاہنواز اور بابا ادریس دونوں چونک پڑے تھے اور پھر وہ اس طرف بڑھ گئے جہاں سے آواز آئی تھی۔

یہ وہی کمرہ تھا جس میں بھوانی دیوی کا بت نصب تھا اور منکاری نے چالاکی سے اسے غائب کر دیا تھا لیکن اس وقت شاید منکاری ہی کی کارروائی تھی کہ اس نے اس بت کو ظاہر کر دیا تھا۔ چوہدری شاہنواز اور بابا ادریس دونوں اس بت کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔

"خدائے لازوال کی قسم، ہمیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم یہ یہاں کہاں سے آ گیا؟"

"بہت خوب، واہ بابا صاحب! کتنے بدنصیب ہیں آپ، ساری زندگی راہ خدا میں نیکیاں کرتے کرتے گزاری، آخر کار شیطان آپ پر غالب آ ہی گیا، مگر آخر آپ کو ہوا کیا،

وہ کون سی تڑپ تھی، وہ کون سی رنگینی تھی جس نے آپ کا مزاج بدل دیا۔ ارے بابا صاحب! دولت کی ضرورت تھی تو کون ایسا تھا جو آپ پر اپنا سب کچھ لٹانے کو تیار نہ ہوتا۔“

بابا ادریس کچھ نہیں بولے تھے وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھوانی دیوی کے اس بت کو دیکھ رہے تھے، پھر ان کے منہ سے بڑبڑاہٹ نکلی۔ ”رات کو یہ ہمیں کیوں نظر نہ آیا؟“

”اداکاری بھی اچھی خاصی کرنے لگے ہیں آپ۔“

”آؤ چوہدری شاہنواز ہم سے ہمارا صبر نہ چھینو، رب العالمین کا حکم ہے کہ بدترین حالات میں ہی صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ خداوند قدوس ہمیں اس امتحان کی توفیق عطا فرمائے۔ آیئے چوہدری شاہنواز باہر چل کر باتیں کریں گے، آیئے۔“

چوہدری شاہنواز اور حمید خاں اس گھر میں پھیلی ہوئی بدبو سے خود بری طرح پریشان ہو رہے تھے۔ چنانچہ وہ باہر نکل آئے اور بابا ادریس انہیں لے کر درخت کے پاس پہنچ گئے۔

”بیٹھنے کو کیسے کہیں کوئی جگہ نہیں ہے ہمارے پاس۔“

”میں خاک نشینی جانتا ہوں بابا صاحب، یہ زمین ہی ہمارا اول اور آخر ہے، میں اس پر بیٹھنے سے گریز نہیں کرتا۔“ چوہدری شاہنواز نے کہا اور زمین پر بیٹھ گیا۔

”جزاک اللہ...... ہم کسی گہری سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔“

”میں ان تمام باتوں سے پہلے آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، آپ نے عرشیہ کے لیے جو پانی مجھے دیا تھا اس میں کیڑے کہاں سے بھر گئے تھے اور اگر عرشیہ وہ پانی پی لیتی تو اس پر کیا ردعمل ہوتا۔“

”عزیزم! صاحب اختیار ہو، ہماری باتیں سن لو یا پھر ہمیں قتل کر دو بس اب برداشت کی حد ہوتی جا رہی ہے۔ ہماری باتیں سن لو تو زیادہ بہتر ہو گا۔ کون سے پانی کی بات کر رہے ہو؟“

”حمید خاں صبر کا امتحان یہ دے رہے ہیں یا ہم سے یہ امتحان لے رہے ہیں۔ بابا صاحب اگر آپ ہماری باتوں کا صحیح جواب دینا پسند کریں تو ہم آپ کے پاس کچھ دیر ٹھہریں ورنہ اجازت دیجیے، میں نہیں چاہتا کہ مجھ سے آپ کی شان میں کوئی گستاخی ہو جائے۔“

”خدارا تم بھی ایک لمحے کے لیے صبر کر لو، ہمیں بولنے کی اجازت دے دو، ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔“

”کیا بولنا چاہتے ہیں آپ؟“

”ہم نے تمہیں کوئی پانی نہیں دیا بلکہ ہم بتائیں چوہدری شاہنواز کہ ہمارے اور اس کالے جادوگر کے درمیان تنازع تمہارے ہی گھر کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔“

”مطلب؟“

”خاصے عرصے پہلے کی بات ہے کہ تمہارا ایک ملازم جس کا نام غالباً رفیق تھا ہمارے پاس آیا اور ہمیں اطلاع دی کہ بیگم شاہنواز یعنی محترمہ شاہینہ ہم سے کسی مسئلے میں ملنا چاہتی ہیں، ہمارے آپ سے اچھے تعلقات تھے چوہدری شاہنواز۔ محترمہ کی دعوت پر ہم ان کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے تنہائی میں ہم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے دوسری شادی کر لی ہے اور آپ کی دوسری بیگم آپ پر حاوی ہیں۔ ہم آپ کی دوسری بیگم کو ہلاک کر دیں یا ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کریں جس کی بنا پر وہ آپ کی زندگی سے الگ ہو جائیں۔ ہم نے کہا بی بی! اس دنیا میں ہم اس لیے نہیں آئے کہ کسی کو کوئی نقصان پہنچائیں۔ بلکہ ہم تو خلق خدا کی بہتری کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہیں، ہم انہیں انکار کر کے واپس پلٹے تو راستے میں ہم پر حملہ کرایا گیا اور ہم بال بال بچے، یہاں آ گئے۔ ہمیں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ آپ ہم سے کوئی استفسار نہ کریں، ہم شاہینہ کی برائی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس میں بھی کسی کو نقصان پہنچانے کا پہلو نکل سکتا تھا۔ چنانچہ آپ سے بچنے کے لیے ہم اپنی بیوی بچوں سمیت سسرال چلے گئے اور پھر وہاں کچھ ایسا دل لگا کہ ہم نے وہیں کی بود و باش اختیار کر لی۔ ہمارا سبحان گلی آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا، لیکن چند دن پہلے ہم پر کچھ عجیب انکشافات ہوئے۔ سبحان گلی کے دو افراد حاجی حیدر اور ان کا داماد امتیاز ہم سے اتفاقیہ طور پر ملے اور ان کی بے رخی نے ہمیں عجیب و غریب مخمصے میں ڈال دیا۔ ہمیں ان کی زبانی پتہ چلا کہ ہم سبحان گلی ہی میں اپنے گھر میں رہتے ہیں اور وہاں لوگوں کو نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس طرح کے عمل کر رہے ہیں کہ لوگ ہم سے برگشتہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، بڑی غمناک اطلاع تھی یہ ہمارے لیے۔ ہم نے ماضی پر غور کیا کہ یہ قصہ کیا ہے تو ہمیں ایک شخص یاد آیا جس کا نام غالباً راج گندل تھا، یہ ہمارے پاس آیا تھا اور ہم پر کچھ اپنے کالے علم کے وار کیے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری حفاظت فرمائی۔ پھر اس کے بعد ہم یہاں سے چلے گئے تھے۔ بس اس اطلاع پر کل رات کو یہاں واپس آئے ہیں کہ ہمارے گھر میں کوئی ہمارا ہم شکل رہتا ہے۔ یہ تھی پوری کہانی۔“

”اچھی کہانی ہے بابا ادریس، جب انسان شیطنت کے راستوں پر نکل پڑتا ہے تو اس کا دماغ بھی بڑی تیزی سے کام کرتا ہے، اب آپ یہ بتائیے میں آپ کے ساتھ کیا

سلوک کروں؟"

"کہا نا عزیزی ہمیں ہلاک کر دو، ایسی زندگی سے موت زیادہ بہتر ہے۔"

"ہونا تو یہی چاہیے بابا صاحب، بہرحال ٹھیک ہے یہ کام کوئی نہ کوئی ضرور کرے گا، میں کیوں کروں۔ چلو حمید خاں، کہیں میرا دماغ ہی نہ گھوم جائے، جو کچھ ہم نے بابا کے گھر میں دیکھ لیا ہے وہ بہت ہے کافی ہے چلو۔" چوہدری شاہنواز اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

بابا ادریس اسے دیکھتے رہے، آخری الفاظ انہوں نے کہے کہ ٹھیک ہے چوہدری شاہنواز اللہ تعالیٰ اگر ہم سے امتحان لے رہا ہے تو ہم امتحان ضرور دیں گے۔ اگر سرخرو ہوئے تو ایک بار تمہاری خدمت میں حاضری دے کر تم سے درخواست کریں گے کہ ہماری باتوں پر یقین کر کے ہمیں معاف کر دینا۔

چوہدری شاہنواز اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر روانہ ہو گئی، بابا ادریس خاموش نگاہوں سے دور تک جاتی ہوئی کار کو دیکھتے رہے تھے۔ پھر انہوں نے گہری سانس لی اور آہستہ سے بولے۔ "تو یہ بات طے ہوئی راج گندل کہ تو نے میرے پیچھے میری شکل میں آ کر میرے گھر میں بود و باش اختیار کی، یہاں تو نے اپنی شیطانی غلاظتوں کے انبار لگائے اور لوگوں کو میری حیثیت سے نقصانات پہنچائے جس کی وجہ سے بستی والے مجھ سے ناراض ہو گئے، منصوبہ تو تیرا شاندار تھا لیکن بہرحال۔ ارے ہاں...... یہ عالی جاہ کو کیا ہو گیا۔ وہ ہمیشہ ہر جگہ میرے مفادات کی نگرانی کرتا تھا اور میرے کچھ کہے بغیر ہر بات پر نگاہ رکھتا تھا۔ عالی جاہ کہاں ہو تم؟ میں اس وقت واقعی تمہاری مدد کی ضرورت محسوس کر رہا ہوں، جہاں بھی ہو عالی جاہ کم از کم مجھ سے رابطہ قائم کرو، کہاں چلے گئے۔"

پھر وہ اپنے گھر کی جانب بڑھ گئے۔ اب ان کے انداز میں ایک عجیب سی سختی پائی جاتی تھی اور چہرے پر کچھ کرختگی سی نمودار ہو چکی تھی۔ گھر میں داخل ہو کر وہ گھر کی چھت پر بنے ہوئے ایک چھوٹے سے اسٹور میں پہنچے جس کی طرف راج گندل نے توجہ نہیں دی تھی۔ یہاں سے انہوں نے ایک بڑا ہتھوڑا ایک پرات اور ایک پھاوڑا اٹھایا۔ جب وہ اس گھر میں رہا کرتے تھے تو گھر کی چھوٹی موٹی مرمت خود ہی کر لیا کرتے تھے، یہ چیزیں اس وقت سے یہاں پڑی ہوئی تھیں۔

وہ سب سے پہلے اس کمرے میں داخل ہوئے جہاں اب بھی نیم تاریک ماحول تھا، منکاری نے بھوانی کے بت کو ایک بار پھر دھند میں لپیٹ دیا تھا، وہ تو صرف کچھ لمحوں کے

لیے اس نے چوہدری شاہنواز کو بت دکھانے کے لیے اسے ظاہر کیا تھا، لیکن بہرحال بت وہیں نصب تھا۔ بابا ادریس نے ہتھوڑا سنبھالا اور اس کے ساتھ ہی انہیں گہری گہری آہوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی آنے والے متوقع خطرے سے خوفزدہ ہو اور ڈوبتی ہوئی سانسیں لے رہا ہو۔

بابا ادریس نے دونوں ہاتھوں سے ہتھوڑے کا ہتھا پکڑا اور پھر اندازے سے ایک بھرپور ضرب تاریکی میں لپٹے ہوئے اس بت پر لگائی۔ ٹھن کی آواز پیدا ہوئی اور ہتھوڑا اس سے اچٹ گیا۔ بابا ادریس کے اندر ایک جوش ایک دیوانگی سی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اللہ اکبر کہہ کر پوری قوت سے بت پر ضرب لگائی اور ہتھوڑا بت میں داخل ہو گیا۔ اس کے بعد بابا ادریس کے پورے بدن میں بجلیاں بھر گئی تھیں۔ بت ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ٹکڑے بھی تاریکی سے باہر نکل آئے، بابا ادریس علی نے ایک گھنٹے تک رکے بغیر اس بت پر ضربیں لگائیں اور تھوڑی دیر کے بعد زمین نمایاں ہو گئی۔ بت ریزہ ریزہ ہو گیا تھا پھر اس کے ملبے کو پھاوڑے اور پرات کی مدد سے کافی دور جا کر پھینکا۔ لوگ بابا ادریس کو کام کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے، اس سے پہلے یہ ہوتا تھا کہ بابا ادریس اگر گھر سے نکل کر کوئی چیز اٹھانے کے لیے بھی جھکتے تھے تو کوئی عقیدت مند دوڑ پڑتا تھا اور بابا ادریس کو کوئی کام نہیں کرنے دیتا تھا لیکن اس بار لوگ دور کھڑے دیکھ رہے تھے۔

تقریباً آٹھ یا نو گھنٹے تک ایک لمحہ رکے بغیر بھوکے پیاسے بابا ادریس گھر کی صفائی میں مصروف رہے۔ غلاظت کا ایک ایک ذرہ انہوں نے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر گھر کی دھلائی کرنے لگے۔

عشاء کی نماز تک انہوں نے پورے گھر کو غلاظت سے صاف کر دیا تھا۔ دن بھر پانی کا ایک قطرہ پیا تھا نہ خوراک پیٹ میں گئی تھی لیکن ان کے اندر ایک جنون پل رہا تھا۔

انہوں نے غسل کیا، غسل کرنے کے بعد وہ جائے نماز بچھا کر دالان میں بیٹھ گئے اور انہوں نے تلاوت کلام پاک شروع کی۔ تلاوت کلام پاک کا آغاز ہوتے ہی گہری گہری تکلیف دہ سانسیں ابھریں اور اس کے بعد ہلکی ہلکی کراہوں میں تبدیل ہو گئیں۔ پھر جو منظر نگاہوں کے سامنے آیا وہ ناقابل یقین تھا۔

ایک تیز سیٹی کی سی آواز پیدا ہوتی تھی، بالکل اس طرح جیسے انجن سے اسٹیم نکلتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ کوئی ایک فٹ لمبا انسانی وجود جو بظاہر انسان محسوس ہوتا تھا لیکن انتہائی مضحکہ خیز اور مکروہ شکل کا مالک تھا، زمین کے کسی سوراخ سے

نکل کر دروازے کی جانب بھاگتا، دروازے سے ٹکراتا اور اس کے بعد باہر نکل جاتا۔

بابا ادریس مسلسل اپنا عمل جاری رکھے ہوئے تھے گھر سے وہ غلاظتیں باہر نکل رہی تھیں جنہوں نے یہاں بسیرا کر رکھا تھا۔ تقریباً آدھی رات تک یہ عمل جاری رہا اور اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ اس طرح کم از کم یہ گھر راج گندل کی کالی بلاؤں سے پاک ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بابا ادریس نے پانی پیا اور وہیں دالان میں دراز ہو گئے، رات کا بقیہ حصہ بھی گزر گیا اور بابا ادریس فجر کی نماز پڑھ کر پھر کوئی وظیفہ کرنے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے گھر کے دوسرے امور میں دلچسپی لی اور سوچنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے۔

پھر وہ گھر سے نکل کر درخت کے پاس پہنچے اور یہاں انہوں نے زمین پر بیٹھ کر کسی وظیفے کا ورد شروع کیا اور درخت کے گرد ایک حصار قائم کر دیا۔

انہیں گزری ہوئی رات کے وہ لمحات یاد آ گئے تھے جب کوئی درخت سے اتر کر بھاگا تھا۔ اب یہ بات ان کے علم میں آ گئی تھی کہ راج گندل نے ان سے دشمنی نکالی تھی۔ بہرحال وہ وظیفہ پڑھتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد درختوں کی شاخوں سے بے چین آوازیں ابھرنے لگیں، یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی تکلیف کا شکار ہو۔ بابا ادریس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، انہوں نے نگاہیں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ درخت کی پتیوں سے مدھم مدھم روشنیاں پھوٹ رہی تھیں، ان روشنیوں میں ایک تپش تھی اور فضا میں ایک ناقابل برداشت حدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ بابا ادریس نے درود پاک پڑھا اور اپنے سینے پر پھونکیں مارنے کے بعد اوپر کی طرف رخ کر کے بولے۔ "راج گندل نیچے اتر آؤ۔"

چند لمحے انتظار کرنا پڑا، اس کے بعد راج گندل درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے، نیچے اترتے ہی اس نے درخت سے دور بھاگنے کے لیے چھلانگ لگائی لیکن جو حصار بابا ادریس نے قائم کیا تھا اس سے ٹکرا کر بری طرح نیچے گرا۔ بابا ادریس درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔

راج گندل بار بار چاروں طرف سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسے لگ رہا تھا جیسے درخت کے چاروں طرف ایک مضبوط اور ناقابل عبور دیوار کھڑی ہو، وہ شدید بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا اور حصار کے ساتھ ہی کمر لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر خوف کے آثار تھے۔

بابا ادریس نے کہا۔ "راج گندل! میں تمہیں باہر جانے کی اجازت بھی دے سکتا ہوں، لیکن اس سے پہلے مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

راج گندل نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر بھی خشونت کے آثار پھیل گئے، وہ اپنے خوف کو زائل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے بعد بابا ادریس کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا بات ہے میاں جی، بولو کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"راج گندل! یہ سب کچھ کیا کر رہے ہو، تم نے مجھ سے کیوں بیر باندھ لیا ہے، میں نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"سنا ہے آپ لوگ جھوٹ نہیں بولتے ہو، پھر آپ یہ جھوٹ کیوں بول رہے ہو، آپ نے تو میرا سب کچھ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"نہیں راج گندل یہ صرف تمہارا خیال ہے، میں نے تمہارے خلاف ابھی تک کچھ نہیں کیا۔"

"ارے میاں جی! نقصان تو آپ نے ہمیں ایسا پہنچایا کہ ہماری پنتھ ہی بگاڑ دی، ہم کالی دیوی کے داس تھے، مہا سابلی کے چرنوں میں رہتے تھے، تم نے ہم سے ان کے چرن چھین لیے۔"

"ایک مسلمان عورت کے خلاف تم نے اپنے ناپاک عمل کیے تو تمہارا کیا خیال تھا ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض نہیں تھا کہ میں تمہیں تمہاری گندی حرکتوں سے روکوں۔"

"سنسار میں تم جیسے اور ہم جیسے ہزاروں ہیں ادریس جی، اب یہ تو ٹھیک نہیں ہے کہ دونوں ہی ایک دوسرے کا کچھ نہ کچھ بگاڑتے رہیں، تم اپنی چال چلتے ہمیں اپنی چال چلنے دیتے۔"

"تم ایک مسلمان بچی سے اپنے جادوئی عمل کے ذریعے برائیوں کا آغاز کرانا چاہتے تھے، کیا اس کی حفاظت میرا فرض نہیں تھا۔"

"ارے ہم نے تو بہت سوں سے ان کا دھرم چھینا ہے، کہاں روک لیا آپ نے ہمیں۔ ہم مہا شکتی حاصل کرنے کے لیے اپنی کارروائیاں کر رہے تھے، تمہارے پاس جو کچھ تھا تم اسے استعمال کرتے رہتے۔"

"ایک مسلمان بچی اور عورت کو میں تمہارے جادو کا شکار نہیں ہونے دے سکتا تھا اور اگر تم نے میرے ہی گھر میں بود و باش اختیار کر کے میرے خلاف کام شروع کر دیا۔"

"ہم نے تو بہت کچھ کیا ہے میاں جی! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہمیں روک لو گے تو چلو

روکو۔ یہ جو تم نے کر دیا ہے یہ الگ چیز ہے مگر ہم اس کا توڑ بھی نکال لیں گے۔ ہم نے اس درخت پر اس لیے استھان کیا تھا کہ یہاں سے ہم تمہارا تماشا دیکھیں اور دیکھ لیا ہم نے تمہارا تماشا، ہم جان بوجھ کر تمہارے گھر میں رہے اور تمہاری شکل میں تمہارے چیلوں کو مدد دیتے رہے، پر اصل میں ہم نے ان کا سارا کریا کرم کر کے رکھ دیا تھا اور اب وہ تم سے گھن کھاتے ہیں۔"

"بہت مختصر وقت کے لیے راج گندل! انہیں جلد ہی ساری اصلیت معلوم ہو جائے گی۔"

"تو ٹھیک ہے میاں جی، ایسا کرو، یہ حصار ہٹاؤ ہم تم سے مقابلہ کریں گے۔"

"راج گندل! تم میرے قیدی بن گئے ہو، نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اس حصار سے۔"

"بس...... یہی بہادری ہے تمہاری میاں جی! چھوڑ دو ہمیں۔ دھوکے سے قبضے میں کر لیا ہے۔ ہم تو تمہیں ایسا ایسا کھیل دکھائیں گے کہ تم بھی کیا یاد کرو گے۔ گیان دھیان والے ہو تو دشمن کو دھوکے سے قید کر کے سینہ نہ پھلاؤ، ہمیں یہاں سے جانے دو پھر دیکھو ہمارا تماشا کہ ہم کیا کیا کھیل دکھاتے ہیں تمہیں؟"

بابا ادریس کچھ سوچنے لگے پھر بولے۔ "اچھی بات ہے جاؤ، ختم کر دیا ہم نے یہ حصار، اس دروازے سے باہر نکل جاؤ۔" ادریس علی نے آگے بڑھ کر ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھا اور اس دائرے کا ایک حصہ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور راج گندل سے بولے۔ "جاؤ نکل جاؤ یہاں سے۔"

"سامان اٹھا لائیں اپنا اگر اجازت دو تو، ویسے پیڑ میں آگ لگا کر تم نے سچ مچ بڑا کمال دکھایا ہے، چڑھ جائیں پیڑ پر؟"

"جاؤ چڑھ جاؤ۔" بابا ادریس نے کہا اور راج گندل درخت پر چڑھ گیا پھر وہ ایک پوٹلی لے کر نیچے آیا اور جہاں سے حصار توڑا گیا تھا وہیں سے باہر نکل گیا۔

باہر نکلنے کے بعد اس نے قہقہے لگانا شروع کر دیئے تھے۔

ادریس علی مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔ "واہ راج گندل بڑے مہا شکتی مان بنتے ہو، میری قید میں مجھ سے رعایتیں مانگ رہے تھے اور اب جب میری قید سے باہر نکل گئے ہو تو یہ فخریہ قہقہے لگا رہے ہو۔"

"تمہارے دھرم اور کالے جادو میں فرق یہی ہے بابا جی، ہمارے ہاں شکتی مان وہ ہے جو مہا بدھی رکھتا ہو، تم جذباتی لوگ ہوتے ہو، ہماری چتاؤنی سویکار کر کے تم نے ہمیں آزادی دے دی، یہ نہیں سوچا کہ ہمارے پاس تمہاری سب سے قیمتی چیز ہے۔"

"میرے پاس تو بھائی کوئی قیمتی چیز تھی ہی نہیں وہ تمہارے پاس کہاں سے پہنچ گئی۔"

"دکھاتے ہیں تمہیں ذرا دیکھو۔" راج گندل نے کہا اور اپنے سامان کی پوٹلی سے وہ بوتل نکال لی جس میں عالی جاہ قید تھا۔ اس نے وہ بوتل بابا ادریس کے سامنے کر دی۔

بابا ادریس نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگے اور اس کے بعد وہ ایک دم اچھل پڑے۔ "یہ...... یہ...... یہ کیا ہے؟"

"تمہارا متر عالی جاہ، بس یہی دکھانا تھا تمہیں۔" راج گندل نے کہا اور اس کے بعد اس نے برق رفتاری سے ایک طرف چھلانگ لگا دی اور کچھ ہی چھلانگیں مارنے کے بعد وہ کسی چھلاوے کی طرح نگاہوں سے اوجھل ہو گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بابا ادریس کو مضطرب کر گیا تھا۔

عالی جاہ راج گندل کا قیدی ہے۔ وہ کسی بوتل میں بند ہے، یہ کیسے ہو گیا۔ انہیں یاد آنے لگا کہ عالی جاہ تو خود ہی لمحہ لمحہ ان کی خبر گیری کرتا رہتا تھا۔ ہر اچھے برے وقت میں ان کا مددگار اور ساتھی ہوتا تھا وہ منع کرتے تھے لیکن عالی جاہ اپنی کوششوں سے باز نہیں آتا تھا اور ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرتا رہتا تھا۔ ایک طویل عرصے سے وہ غائب تھا اور طلب کے باوجود نہیں آیا تھا۔ شاید وہ انہی کی وجہ سے راج گندل کی قید میں پہنچ گیا۔ مگر کیسے ایک ناپاک جادوگر نے آخر کون سا عمل کیا کہ ایک مسلمان جن اس کے قبضے میں پہنچ گیا۔ یہ بات ناقابل فہم تھی اور بابا ادریس بری طرح الجھ کر رہ گئے تھے۔

پھر وہ درخت کے نیچے سے اٹھ کر اپنے گھر میں واپس آ گئے، بڑی الجھنوں کا شکار ہو گئے تھے۔ انہیں راج گندل کی کارروائیوں سے تکلیفیں تو پہنچی تھیں کہ ان سے عقیدت رکھنے والے اور ان سے محبت کرنے والے ان سے نفرت کرنے لگے تھے اور دور ہو گئے تھے لیکن یہ جو کچھ ہوا تھا وہ بہت ہی عجیب اور انوکھا تھا، وہ پریشانی سے سوچنے لگے کہ عالی جاہ کے لیے انہیں کچھ کرنا چاہیے، وہ ان کا دوست بھی تھا اور محسن بھی۔ بہت سے معاملات میں اس نے بے غرض مدد کی تھی، اس وقت سب سے بڑا فرض یہی تھا کہ وہ عالی جاہ کو اس کے قبضے میں سے آزاد کرائیں، بہت غور و خوض کیا انہوں نے اور پھر کچھ بے اختیار سے ہو گئے اور بہت سے فیصلے کرنے لگے۔

آخری فیصلہ انہوں نے یہ کیا تھا کہ عالی جاہ کو اس قید سے رہائی دلانے کے لیے جو کچھ کریں، اس کے لیے یہ گھر مناسب نہیں تھا کیونکہ اول تو یہاں کا ماحول کچھ غیر مناسب تھا، دوسرے یہاں راج گندل اور لوگوں کی مداخلت کا بھی خدشہ تھا چنانچہ انہوں

نے کچھ انتظامات کیے اور اس کے بعد گھر کے دروازے کو تالا لگا کر وہاں سے چل پڑے،
کسی ایسے ویرانے میں جا کر وہ چلہ کشی کرنا چاہتے تھے جہاں انہیں کسی کی مداخلت
کا اندیشہ نہ ہو، اس چلہ کشی سے وہ ایک بار پھر عالی جاہ سے رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے پہلے
بھی ایسا کوئی چلہ انہوں نے نہیں کیا تھا لیکن اب صرف عالی جاہ کے لیے ایسا کرنے جا
رہے تھے۔ آخر کار انہوں نے ایک دور دراز کا علاقہ منتخب کیا، یہاں بھی ایک گھنے اور
چھاؤں دار درخت کے نیچے بیٹھ کر انہوں نے اپنے گرد حصار قائم کیا اور اس کے بعد اس
چلے کا آغاز کر دیا جس کے ذریعے عالی جاہ باقاعدگی سے ان کے قابو میں آ سکتا تھا۔ یہ
ایک امتحان بھی تھا کہ ایک جن جو ایک کالے علم کے ماہر کے قبضے میں ہے ان کے قبضے میں
آ سکتا ہے یا نہیں۔

❀ ❀ ❀

ادھر راج گندل وہاں سے فرار ہو کر ایک ویران جگہ آ گیا تھا۔ یہ تجربہ بھی اس کے
لیے انوکھا تھا کہ عالی جاہ کو قبضے میں کرنے کے باوجود بابا ادریس اب بھی کچھ طاقتوں کا
مالک ہے، اسے زیادہ علم نہیں تھا لیکن اس نے اپنے گرو کے ذریعے معلومات حاصل کرنے
کا فیصلہ کیا اور پھر کچھ دیر کے بعد اس نے منکاری کو آواز دی۔

"جے منکاری مہاراج، جے بھوانی دیوی، آپ کے چرن چھونا چاہتا ہوں مہاراج!
کیا آپ میرے پاس آ سکتے ہیں۔"

دوسرے لمحے منکاری اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ "پاگل ہے تو میں تجھ سے
دور ہی کب رہتا ہوں۔" منکاری کی آواز ابھری۔

"اگر یہ بات ہے مہاراج تو پھر جو کچھ مجھ پر بیتی ہے آپ کو اس کا پتہ ہوگا۔"

"نہیں میں نے غور نہیں کیا، کیا ہوا، کیا بات ہے؟"

جواب میں راج گندل نے منکاری کو پوری تفصیل بتائی پھر بولا۔ "ایک بات آپ کو
بتانا ضروری سمجھتا ہوں مہاراج کہ اس کا جن میرے پاس ہے، اس کے بارے میں، میں
نے اسے بتا بھی دیا۔ وہ بڑا تلملایا۔ پر اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لگتا ہے اس کے پاس۔"

منکاری سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔ "ہاں، تھوڑا بہت تو مجھے معلوم ہے، ان
مسلمانوں کے پاس اور بھی علم ہوتے ہیں سوچنے دے مجھے اب کے کیا کیا جائے، اچھا پھر
دیکھتے ہیں ادھر چل کر کہ وہ وہاں کیا کر رہا ہے؟"

"منکاری مہاراج جب اس نے پیڑ کے چاروں طرف لکیر بنا دی اور میں اس لکیر

سے باہر نہیں نکل سکا تو سچ کہہ رہا ہوں مجھے ڈر لگا، پہلے سوچا کہ کہیں اس کے گیان کے
آگے بھوانی دیوی کا داس بے بس نہ ہو جائے۔ سو مہاراج اب آپ کا سہارا لے کر ادھر جا
رہا ہوں چونکہ یہ بات میں جانتا ہوں کہ آپ صرف آتما ہیں، آتما کو قید رکھنا مشکل کام
ہے۔"

"ارے جا میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، چل دیکھتا ہوں میں اس کے پاس کون کون
سے گیان ہیں۔" منکاری نے کہا۔

راج گندل نے ایک عام سے آدمی کا روپ اختیار کیا اور دونوں سفر کرتے ہوئے
آخر کار وہاں پہنچ گئے جہاں بابا ادریس کا گھر تھا۔ گھر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا تھا،
منکاری نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کہیں گیا ہوا ہے وہ آ چل کر کہیں بیٹھتے ہیں۔"

"اس پیڑ کے نیچے نہیں مہاراج، آپ یہ سمجھ لو وہ پیڑ اس کا اپنا ہے، وہ وہیں بیٹھ کر
پڑھتا رہتا تھا۔"

"ٹھیک ہے وہاں سے ہٹ کر بیٹھ جاتے ہیں۔"

ایک اور جگہ منتخب کر لی گئی اور بارہ گھنٹے تک یہاں پہرہ دیا جاتا رہا لیکن بابا ادریس
کا کوئی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

"کیا وہ گھر چھوڑ کر بھاگ گیا؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"میں دیکھ کر آتا ہوں۔" منکاری نے کہا اور اس کے بعد وہ گھر کے دروازے پر پہنچ
گیا، تالا کھولنا اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں تھا، لیکن جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا ایک
تیز گرم ہوا کا بھپکا دروازے سے باہر نکلا اور منکاری گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے
اشارے سے راج گندل کو اپنے پاس بلایا، دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"ذرا اندر جا کر دیکھ کیا ہوا ہے۔ کیا گھر میں آگ لگ گئی ہے، شعلے تو نظر نہیں آ رہے۔"

"میں دیکھتا ہوں مہاراج۔" راج گندل بولا اور اس کے بعد جیسے ہی اس نے
دروازے کے دوسری جانب قدم رکھا اس کے حلق سے چیخ نکل گئی اور وہ گھبرا کر باہر آ گیا۔

"اندر تو مہاراج بھٹی لگی ہوئی ہے، ایسا لگ رہا ہے جیسے اندر آگ سلگ رہی ہے۔"

منکاری نے ایک لمحے تک سوچا پھر بولا۔ "آ جا پیچھے آ جا۔ یہ دروازہ بند کر دے۔"

راج گندل نے بمشکل تمام دروازہ بند کیا۔ منکاری نے تالا واپس دروازے کی کنڈی
میں ڈال دیا اور بولا۔ "نہیں اب یہ تیرے اور میرے قابل جگہ نہیں رہی ہے۔ پہلے جب تو

یہاں رہتا تھا تو تو نے گھر میں بھوانی دیوی کا بت سجا رکھا تھا اور اس کے علاوہ اس گھر کے کونوں کھدروں میں بیروں کیلیں گاڑھ رکھی تھیں وہ سارے بیر ان کیلوں سے نکل بھاگے کیونکہ اس نے یہاں اپنے دھرم کی کارروائی کی تھی اور اب یہ پورا گھر اس کے دھرم کی لپیٹ میں ہے، ہمارا اس میں گزر نہیں ہو سکتا۔''

''لگ رہا ہے مہاراج، اندر تو کوئی بھٹی دہک رہی ہے، ارے دیا دیا، ایسا لگا جیسے کہ تندور میں گر پڑے ہوں۔''

''پیچھے ہٹ جا، وہ اور بھی بندوبست کر کے گیا ہو گا۔ پر گیا کہاں؟ آ اسے تلاش کرتے ہیں۔''

بہت دیر تک وہ لوگ قرب و جوار کا جائزہ لیتے رہے۔ سبحان گلی کے نواحی علاقوں کا بھی اندازہ لگایا گیا لیکن بابا ادریس کا کہیں پتہ نہیں چلا تھا۔

''پتہ نہیں اس کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا پر ہم سے بچ کر کہاں جائے گا وہ، اگر دھرم داس ہے تو ہم بھی بھوانی کے داس ہیں۔ میرے من میں ہزاروں باتیں آتی ہیں ہم نے اس کے خلاف یہاں نفرت پھیلا دی تھی، اس نے یہاں آنے کے بعد ہو سکتا ہے اپنے بچاؤ کے لیے کارروائی کی ہو۔ میں ساری باتوں کا پتہ لگا لوں گا، مگر اب تجھے ایک کام کرنا ہے، اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھانا ہے۔''

''مہاراج! میں تو آپ کے ہر اشارے پر چل رہا ہوں۔ جب آپ ہیں تو مجھے کس بات کی چنتا ہے۔'' راج گندل نے منکاری کو مکھن لگاتے ہوئے کہا۔

منکاری مسکرانے لگا پھر بولا۔ ''چل تو ایک بار پھر اس کی شکل میں آ جا، اب تو یہ کام تیرے لیے مشکل نہیں رہا ہے۔''

''مہاراج کی دیا ہے۔'' راج گندل نے کہا اور اس کے بعد ایک بار پھر اس نے بابا ادریس کا روپ دھار لیا تھا۔

منکاری نے اسے دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ ''تو بھی سسرے پورا نوٹنکی باز ہے، اب جو میں تجھے بتا رہا ہوں وہ کر۔''

منکاری، راج گندل کے کان میں آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا اور راج گندل نے خوشی سے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ ''جے منکاری مہاراج۔''

❀ ❀ ❀

شکن پہلوان کی دنیا ہی لٹ چکی تھی۔ جتنا برا اس کے ساتھ ہوا تھا اتنا شاید ہی کسی

کے ساتھ ہوا ہو۔ ایک معمولی سی غلطی نے پورا گھر اجاڑ کر رکھ دیا تھا، دونوں میاں بیوی نیم [...] گئے تھے، وہ دولت بھی خاک میں مل گئی تھی جو بہو بیٹے کی زندگی کے عوض حاصل [...] ہوئی تھی۔

شکن پہلوان بس سبحان گلی کی گلیوں میں مارا مارا پھرتا تھا، اس دن بھی وہ اس طرف آیا تھا جدھر بابا ادریس کا گھر تھا، وہ سامنے سے گزر رہا تھا کہ بابا ادریس دور سے آتا نظر آ گیا۔ جب بھی شکن پہلوان بابا ادریس کو دیکھتا تھا اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا، اس وقت بھی وہ زور زور سے بابا ادریس کو گالیاں دینے لگا۔

آس پاس کے کچھ لوگ قریب آ گئے تھے، انہوں نے شکن پہلوان کو سمجھایا۔ ''جو ہونا تھا ہو گیا، اب گالیاں دینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ کتنی عزت کرتے تھے ہم ان کی، پر اللہ [...] کسی سے کچھ چھینتا ہے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے، شیطان کی مثال سامنے ہے۔''

اس دوران راج گندل جو بابا ادریس کے بھیس میں تھا، قریب پہنچ گیا۔ اس نے شکن کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اس پاگل کو ادھر آنے سے روکا کر، ورنہ کسی دن میں اسے وہ سزا دوں گا کہ یہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔''

''اس سے بڑی سزا اور آپ کیا دیں گے بابا صاحب! آپ کو اب بابا کہنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔ بابا تو احترام کا لفظ تھا۔'' ایک پڑوسی نے کہا۔

''ارے تو بابا نہیں کہے گا مجھے تو کیا بگڑ جائے گا میرا، پاگل ہو گئے ہو تم سب کے سب۔ حرکتیں خود کرو اور گالیاں دو دوسروں کو، لے جاؤ اسے ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔''

''ابے کیا کرے گا تو میرا؟ ہیں...... بہو بیٹا تو چھین ہی لیا ہے اب اور کیا چھینے گا مجھ سے، آ سامنے آ۔'' شکن پہلوان کے منہ سے ہائے کی آواز نکلی اس کے کندھے کی ہڈی [...]ٹ گئی تھی۔ وہ زمین پر تڑپنے لگا۔

راج گندل نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''اور کون مرد ہے جو سامنے آئے۔''

''پہلے آپ کی یہ قوتیں ایمانی ہوا کرتی تھیں بابا ادریس! مگر اب آپ شیطان بن چکے ہیں۔ ارے دیکھو اسے کیا ہو گیا ہے؟''

''کس نے کہا ہے مجھے شیطان؟'' راج گندل نے کہا اور اس کے بعد اس نے آگے [...] کر اس آدمی کے منہ پر ہاتھ مارا۔ اس کا جبڑا ٹوٹ گیا تھا۔ ایک ہنگامہ ہو گیا۔

لوگ بری طرح بپھر گئے تھے۔ راج گندل بابا ادریس کے روپ میں بڑبڑاتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا، لوگ شکن پہلوان اور دوسرے آدمی کو اٹھا کر ہسپتال لے گئے تھے اور

جب پتہ چلا کہ شکن کا کندھا ٹوٹ گیا ہے اور دوسرے کا جبڑا تو لوگوں میں اور اشتعال پھیل گیا۔

مراد بیگ جو دوسرے آدمی کا دور کا رشتے دار تھا لاٹھی لے کر آگے آیا اور بولا ''چا بھائیو! اس مرتد کو اب گھر سے نکالنا ہوگا، چلو۔''

چار پانچ افراد اس کے ساتھ ہو گئے۔ راج گندل گھر کے آس پاس ہی موجود تھا او منکاری کے ساتھ مل کر قہقہے لگا رہا تھا۔ منکاری کا وجود کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ صرف راج گندل ہی اسے اس کے اصل روپ میں دیکھ سکتا تھا۔

''ہے راج گندل! تیرے دشمن آ رہے ہیں۔''

''میرے نہیں، ادریس علی کے۔'' راج گندل نے قہقہہ لگا کر کہا۔

''چل اب میں انہیں ٹھیک کرتا ہوں۔'' اور ان لوگوں کے قریب آنے سے پہلے ہی منکاری نے ان کی لاٹھیاں چھین کر انہیں پر برسانی شروع کر دیں، کئی لوگوں کے سر کھل گئے اور بہت سوں کے ہاتھ پیروں میں چوٹ آئی۔ انہیں بھاگتے ہی بن پڑی تھی۔ مگر اب سبحان گلی کے لاتعداد گھر ادریس علی کے دشمن بن گئے تھے۔ مراد بیگ نے لوگوں کو تیار کیا اور اس کے بعد لوگ ہتھوڑے کدالیں وغیرہ لے کر جمع ہو گئے اور انہوں نے بابا ادریس کے گھر پر حملہ کر دیا۔ ساری دیواریں توڑ ڈالیں۔ پورے گھر کو تہس نہس کر دیا اور اس کے بعد مٹی کا تیل چھڑک کر پورے گھر کو آگ لگا دی، بابا ادریس کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے، وہ تو بس اپنی چلہ کشی میں مصروف تھے۔

راج گندل اور منکاری نے اب ان کے خلاف ایک ایسا محاذ بنا دیا تھا جو ان کے تصور سے بھی باہر تھا۔ ان کا گھر جل کر خاکستر ہو گیا۔ پورا گھر تصویر عبرت بن گیا اور راج گندل اور منکاری خوش خوش وہاں سے قہقہے لگاتے ہوئے چل پڑے۔

''وہ تو نہ جانے کہاں جا چھپا ہے، چلو اب جب سامنے آئے گا تو دیکھا جائے گا۔''

''بڑا کام ہوا ہے منکاری مہاراج۔''

''تو بتا تیرے من کو شانتی ملی یا نہیں؟''

''شانتی تو ملی ہے مہاراج! ایک دشمن کو ہم نے اس کے گھر سے محروم کر دیا پر ابھی اس کی حالت دیکھنا ہوگی، مہاراج، ایک اور دشمن ہے میرا، جسے مجھے سنبھالنا ہے۔''

''کون؟'' منکاری نے پوچھا۔

''چوہدری شاہنواز، آپ کو پتہ ہے کہ اس نے میرے ڈیرے کو ختم کر دیا تھا اور

ہرے وہ متر مار ڈالے تھے جو ہمیشہ میرے چرنوں میں جیون بتاتے رہے تھے۔ مہاراج! مجھے ان کی موت کا بھی دکھ ہے اور اپنے ڈیرے کی تباہی کا بھی۔''

''ہوں اسے بھی دیکھ لیتے ہیں چنتا کس بات کی۔ ارے تیرا گرو جب تیرے ساتھ ہے تو سمجھ لے تیری وجے ہی وجے ہے، کیا سمجھا؟''

''جانتا ہوں منکاری مہاراج، تو پھر اب حکم کرو کیا کیا جائے؟''

''تو ایک بات بتا، پہلے چوہدری شاہنواز کو دیکھنا ہے یا پھر اپنے پہلے نمبر کے دشمن کو تلاش کرنا ہے۔''

راج گندل سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔ ''مہاراج جب تک ادریس علی خود ہمارے سامنے نہیں آتا اس سمے تک ذرا ہم چوہدری شاہنواز کی خبر لے لیتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' منکاری نے کہا پھر بولا۔ ''تھوڑا انتظار کر لے ذرا دیکھ لے ہو سکتا ہے ادریس علی کہیں آس پاس ہی ہو، میں اس کی بے بسی کا تماشا دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''سب سے اچھی جگہ وہ پیڑ ہی ہے مہاراج جہاں اب بابا ادریس کی کچھ نہیں چلے گی۔'' راج گندل نے کہا اور وہ دونوں پیڑ کے نیچے فروکش ہو گئے۔

بابا ادریس کا مکان خاکستر کر کے آس پاس کے لوگ مطمئن ہو گئے تھے۔ راج گندل اور منکاری درخت کے نیچے بیٹھ کر صورت حال کا جائزہ لیتے رہے۔

❀ ❀ ❀

چوہدری شاہنواز بابا ادریس کے پاس سے واپس چل پڑا تھا، لیکن جو کچھ وہاں پیش آیا تھا اس نے شاہنواز کے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں، بابا ادریس سے پہلے بھی ملا تھا اور انہوں نے اسی طرح کی باتیں کی تھیں جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مظلوم ہیں پہلے تو شاہنواز نے راج گندل کی بتائی ہوئی کہانی پر یقین کر لیا تھا جو اس نے بابا ادریس کی حیثیت سے راج گندل کے بارے میں سنائی تھی، لیکن پھر اس کے بعد جو کچھ پیش آیا تھا اس نے چوہدری شاہنواز کو بری طرح الجھا دیا تھا۔ حمید خاں کے ساتھ وہ جیپ میں واپس چل پڑا تھا، لیکن کچھ الجھا الجھا سا تھا، اس نے تھوڑی دیر کے بعد حمید خاں سے کہا۔ ''حمید خاں! میری عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، تم کیا کہتے ہو اس بارے میں؟''

''اگر میرے منہ سے کوئی گستاخانہ جملہ نکل جائے چوہدری صاحب تو وعدہ کریں کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے۔''

''ہم جانتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ گستاخی نہیں کر سکتے، ہم بری طرح الجھ گئے

ہیں۔"

"میں آپ سے ایک بات کہوں۔"

"ہاں ضرور۔"

"میرا دل نہیں مانتا کہ بابا ادریس جیسا فرشتہ صفت کوئی غلط قدم اٹھا سکتا ہے۔"

"ہوں گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ بابا ادریس کے گھر میں ہم نے جو کچھ دیکھا، فریب تھا۔"

"سر جی ایک بہت آسان ترکیب ہے۔"

"کیا بولو؟"

"بابا ادریس نے جو واقعات بتائے ہیں ان میں تھوڑی سی گنجائش نکلتی ہے ان کا کہنا ہے کہ وہ ایک طویل عرصے سے اپنی سسرال میں تھے۔"

"ہاں ایسا ہی کہا تھا انہوں نے؟"

"سیدھی سیدھی سی بات ہے کہ ان کے سسرال جا کر تحقیقات کی جا سکتی ہے۔" حمید خاں نے کہا۔

چوہدری شاہنواز اس کی صورت دیکھتے رہے، پھر بولے۔ "بات پتے کی ہے۔ ایسا کیا جا سکتا ہے، کیا تمہیں بابا ادریس کے سسرال کے بارے میں معلومات ہیں؟"

"نہیں اگر ہوتیں تو ہم پہلے ہی ادھر چل کر انہیں دیکھ لیتے، مگر بابا ادریس ہی نے نشاندہی کی ہے کہ سبحان گلی ہی میں رہنے والے بابا حیدر علی جب اس شہر میں گئے تھے جہاں بابا ادریس کی سسرال ہے تو بابا ادریس انہیں وہاں ملے تھے۔ حاجی حیدر کے ساتھ ان کا داماد بھی تھا، ہم سبحان گلی میں حاجی حیدر کو تلاش کر سکتے ہیں اور ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ بابا ادریس کی سسرال کہاں ہے؟"

"واہ حمید خاں! بھئی کبھی تو تم ذہانت میں اپنی مثال آپ بن جاتے ہو۔ جیپ واپس موڑو بہت اہم مسئلہ ہے اگر بابا ادریس واقعی ایک شیطان صفت جوگی کا شکار ہو گئے ہیں تو پھر ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" حمید خاں نے جیپ سبحان گلی کی جانب واپس موڑ دی تھی۔

☆

حمید خاں واپس سبحان گلی میں داخل ہو گیا۔ چھوٹی سی جگہ تھی، پہلے ہی آدمی سے حیدر علی کا پتہ پوچھا تو اس نے اس کے گھر کے سامنے لا کھڑا تھا۔ حیدر علی اور امتیاز سے ملاقات ہوئی۔ چوہدری شاہنواز نے بابا ادریس کے سسرال کے بارے میں پوچھا تو حیدر علی کا منہ بگڑ گیا۔

"ہاں معلوم ہے مجھے، ویسے بھی ادریس علی کا سالا فیض علی میرا جاننے والا ہے، گھر تو کبھی نہیں گیا اس کے، پر پتہ معلوم ہے۔"

"آپ مجھے ان کا پتہ لکھا سکتے ہیں؟"

"لکھ لو۔" حیدر علی نے کہا اور پتہ دہرا دیا اور وہ وہاں سے واپس چلے۔ حمید خاں نے راستے میں پوچھا کہ پہلے لکڑ موڑ چلیں یا براہ راست بابا ادریس کے سسرال چلا جائے کیونکہ فاصلہ بہت زیادہ ہے۔

شاہنواز نے کہا۔ "نہیں حمید خاں! ہم اپنا کام پورا کر کے ہی واپس چلیں گے۔ کم از کم ذہن تو صاف ہو گا، جتنا وقت گزرے گا دل میں الجھن ہی رہے گی۔"

"جو حکم سر۔" حمید خاں نے کہا اور اس کے بعد یہ سفر کئی گھنٹے میں طے کیا گیا۔ وہ فیض علی کے گھر پہنچ گئے، فیض علی کے لیے دونوں اجنبی تھے۔

چوہدری شاہنواز نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میرا نام شاہنواز ہے، ایک بات معلوم کرنی تھی آپ سے۔"

"جی آیئے ایسا لگتا ہے جیسے آپ کہیں دور سے آ رہے ہیں؟"

"ہاں ہم لوگ لکڑ موڑ رہتے ہیں۔"

"اوہو، چوہدری شاہنواز صاحب، ادریس بھائی سے آپ کا نام سنا تھا، آیئے آیئے۔"

فیض علی نے بڑی اچھی آؤ بھگت کی۔ چائے وغیرہ پینے کے بعد چوہدری شاہنواز

نے کہا۔ ''فیض صاحب، ادریس صاحب کہاں ہیں؟''

''وہ سجان گلی گئے ہوئے ہیں، خاصے دن ہو گئے ابھی تک نہیں پلٹے، میں سوچ رہا تھا کہ سجان گلی جا کر معلوم کروں کیونکہ وہ غیر ذمہ دار انسان نہیں ہیں اور پھر اپنی نوکری سے بھی چھٹی لے کر گئے ہیں اور چھٹی سے زیادہ دن گزر چکے ہیں۔''

''کیا وہ یہاں نوکری کرتے ہیں؟''

''جی ہاں، سجان گلی چھوڑ دی ہے انہوں نے، مجھے بتایا تھا کہ وہاں دل نہیں لگتا، کچھ الجھنیں درپیش ہیں۔''

''کتنا عرصہ ہو گیا سجان گلی چھوڑے ہوئے انہیں؟'' فیض علی نے حساب لگا کر تفصیل بتائی تو شاہنواز کو یاد آیا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ ادریس علی کو تلاش کرنے سجان گلی گیا تھا، اس نے کہا۔ ''اس وقت سے وہ یہیں رہتے ہیں۔''

''جی ہاں، میری بہن اور بچے تو ابھی تک یہیں ہیں۔ ان کا بھی یہاں دل لگ گیا ہے۔ تمام بچے سکول میں داخل ہیں ویسے ایک بات بتائیے بھائی صاحب خیریت سے تو ہیں نا؟''

''ہاں خیریت سے ہیں، میں بس معلومات حاصل کرنے آ گیا تھا، کچھ کام تھا ان سے۔ تو اس وقت سے وہ یہیں ملازمت کر رہے ہیں۔''

''جی۔''

''سجان گلی اپنے گھر واپس نہیں گئے۔''

''میں نے عرض کیا نا کہ چند روز ہوئے ہیں وہاں گئے ہوئے، ورنہ انہوں نے اس دوران ادھر کا رخ کرنا بھی چھوڑ دیا تھا، حالانکہ میں نے کئی بار کہا کہ ذرا گھر کی خبر گیری کر لیں۔ ویسے تو سجان گلی میں ان کی کافی عزت ہے، کوئی ان کے گھر کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن پھر بھی خبر گیری کرنا ضروری ہے، اس لیے میں کہتا تھا مگر وہ کبھی گئے نہیں۔''

''ہوں...... بہت شکریہ فیض صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں۔''

''میں ایک بار پھر آپ سے سوال کروں گا کہ آپ ان کے بارے میں یہ معلومات کیوں حاصل کر رہے تھے؟''

'میں نے عرض کیا نا میں بھی ان کے عقیدت مندوں میں سے ہوں، میں نے سنا تھا کہ وہ یہاں رہنے لگے ہیں، اس لیے پتہ لگا کر اس طرف آ گیا۔''

''اچھا اچھا، ہمارے لائق اور کوئی خدمت؟''

''نہیں بے حد شکریہ۔''

واپسی پر چوہدری شاہنواز نے کہا۔ ''ہم اسے اپنی غلطی تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہم بھی انسان ہیں، لیکن اس ذلیل جوگی نے پہلے بھی ہمیں بے وقوف بنایا تھا اور عرشیہ کے لیے ہم جو پانی لے کر گئے تھے وہ گندا ناپاک اور جادو کا پانی تھا۔ میں نے اس کا ڈیرہ تو تباہ کرا ہی دیا تھا، اب اسے بھی جہنم رسید کیے بغیر نہیں چھوڑوں گا کیونکہ اس نے بابا ادریس جیسے عظیم شخص کی توہین میرے ہاتھوں سے کرائی ہے۔''

حمید خاں نے کوئی جواب نہیں دیا، البتہ جب وہ کافی فاصلہ طے کر چکا تو اس نے پوچھا۔ ''کہاں چلنا ہے، لکڑ موڑ چلوں یا سجان گلی؟''

''نہیں لکڑ موڑ چلو، میں باقاعدہ پلاننگ کر کے کچھ کروں گا، سمجھتا کیا ہے خود کو مردود۔ اس کے علاوہ بابا ادریس سے بھی بھرپور تعاون کروں گا، تھوڑی بہت تیاریاں کرنا ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' حمید خاں نے کہا اور جیپ کا رخ لکڑ موڑ کی جانب موڑ دیا۔

چوہدری شاہنواز کو اب بابا ادریس کی باتوں پر پورا پورا یقین آ گیا تھا۔ بہرحال جو واقعات گزرے تھے اور خود اس پر جو کچھ بیت چکی تھی اس کے بعد چوہدری شاہنواز کے ذہن میں کچھ عجیب و غریب خیالات پیدا ہو گئے تھے۔ یہ جادو نگری کا کھیل اس کی سمجھ سے باہر تھا اور وہ اس پر پوری طرح غور کر کے ہی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ جو نقصان اٹھا چکا تھا وہی کافی تھے۔ راج گندل نے شاہینہ کی زندگی چھین لی تھی اور خود چوہدری شاہنواز کو اس کی بیٹی اور عرشیہ سے محروم کر دیا تھا۔

دو تین دن تک چوہدری شاہنواز منصوبہ بندی کرتا رہا۔ اس نے یہ بات طے کی کہ سجان گلی جا کر خود بابا ادریس سے بات کرے اور ان سے پوچھے کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔

حمید خاں نے کہا۔ ''اصل میں جن معاملات کا شکار وہ ہوئے ہیں ان کے بارے میں تمام صحیح فیصلہ وہی کر سکیں گے۔ ویسے سجان گلی میں ان کے خلاف کافی نفرت پیدا ہو چکی ہے۔ لوگوں کو اصل صورتحال سمجھانا بڑا مشکل کام ہو گا۔''

چوہدری شاہنواز نے پرخیال انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ سجان گلی چل پڑے تھے۔

راستے طے ہوئے اور آخر کار وہ سجان گلی پہنچ گئے، لیکن دور ہی سے انہوں نے وہ

منظر دیکھا جسے دیکھ کر ان کا دل ہل گیا تھا۔ بابا ادریس کا مکان راکھ کا ڈھیر ہو چکا تھا، کالی اینٹیں اور جلی ہوئی لکڑی کے شہتیر۔ بھاڑ سا کھلا ہوا دروازہ۔ حمید خاں کا پاؤں بے اختیار بریک پر جا پڑا تھا۔ وہ خود بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے جلے ہوئے گھر کو دیکھ رہا تھا۔

شاہنواز کے منہ سے نکلا۔ "بابا صاحب کو کوئی بدترین حادثہ پیش آ گیا ہے۔"

جیپ اور آگے بڑھی اور چوہدری شاہنواز افسوس بھری نگاہوں سے خاکستر مکان کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ "ذرا اندر جا کر دیکھو حمید خاں اندر کا کیا حال ہے؟"

حمید خاں اندر گیا اور کچھ دیر کے بعد واپس آ گیا۔ "ایک ایک چیز جل کر راکھ ہو چکی ہے۔"

"اگر بستی والوں نے بابا ادریس کو کوئی نقصان پہنچایا ہے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ انہیں ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔"

اس کے بعد شاہنواز نے جیپ بستی کی جانب مڑوا دی اور پھر بستی کے ایک چوک میں کھڑے ہو کر اس نے زور زور سے کہا۔ "بستی والو میرے پاس آؤ، میں تم سے بابا ادریس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

آس پاس کے لوگ چوہدری شاہنواز کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

"میرا نام شاہنواز ہے اور میں اس علاقے کا سب سے بڑا زمیندار ہوں۔ تم لوگ اگر یہ سمجھتے ہو کہ بابا ادریس کو نقصان پہنچا کر تم لوگ قانون کی گرفت سے دور رہ سکتے ہو تو بھول جاؤ اس بات کو۔ مجھے جواب دو بابا ادریس کہاں ہیں؟ کیا تم نے انہیں بھی اس مکان کے ساتھ جلا کر خاکستر کر دیا۔ خدا کی قسم تم سب پر قتل کے مقدمے درج کراؤں گا۔ ایک ایک کو جیل میں پہنچا دوں گا۔ یہ گھر کس نے جلایا ہے؟"

بستی والے کسی قدر خوفزدہ ہو گئے تھے۔

حیدر علی ہی اس وقت سامنے آئے تھے انہوں نے کہا۔ "گھر بستی والوں ہی نے جلایا ہے، ادریس علی کی حرکتیں نا قابل برداشت ہو چکی تھیں۔"

"اندھے ہو تم لوگ۔ عقل کے اندھے جس بزرگ نے زندگی بھر تمہاری بے لوث خدمت کی۔ تم نے اس کے خلاف یہ کارروائی کی ہے، یہ نہیں سوچا تم نے کہ وہ کسی سازش کا شکار بھی ہو سکتا ہے۔ تم دیکھنا میں تمہیں کیسی عبرت ناک سزا دلواتا ہوں۔ تم نے حقیقت معلوم کی نہیں اور اس نیک آدمی کو نقصان پہنچا دیا۔ اب میں تمہیں کیا بتاؤں تمہیں حقیقت قانون بتائے گا۔ حاجی حیدر صاحب آپ بزرگ ہیں، مجھے ان لوگوں کے نام بتائیے

جنہوں نے اس گھر کو آگ لگائی ہے۔"

مجمعے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ چوہدری شاہنواز شدید غصے کے عالم میں ان لوگوں کو برا بھلا کہتا رہا اور اس کے بعد اس نے حمید خاں سے واپس چلنے کے لیے کہا اور جیپ میں آ بیٹھا۔ جیپ اسٹارٹ ہو کر واپس چل پڑی تھی۔

سامنے درخت پر بسیرا کیے ہوئے دونوں شیطانوں نے بھی اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا۔ چوہدری شاہنواز کی بات سنی تھی۔ راج گندل نے منکاری سے کہا۔ "منکاری مہاراج! دیکھ رہے ہو چوہدری شاہنواز کو؟"

"ہاں اب اسی کی باری ہے، وہ ادریس تو دم دبا کر بھاگ گیا اور کسی کونے کھدرے میں جا چھپا ہے۔ پر یہ تو ہے نا ہمارے پاس۔ اب میں تجھے بتاتا ہوں کہ تجھے آگے کیا کرنا ہے۔"

"جئے منکاری مہاراج، جئے گرو مہاراج۔" راج گندل نے خوش ہو کر کہا۔

منکاری ہنسنے لگا پھر بولا۔ "بیٹا گرو مہاراج کو جب گرو دچھنا دینا پڑے گی تب تجھے نانی یاد آئے گی۔ ابھی تو خوب جئے جئے کار کر لے، خالی جئے جئے کار سے کام تھوڑی چلے گا۔"

"بھوانی دیوی مجھے ہمت دے کہ میں اپنے گرو مہاراج کو ان کی گرو دچھنا دے سکوں۔" راج گندل نے کہا اور پھر وہ دونوں خاموشی سے درخت سے نیچے اتر آئے اور اس طرف چل پڑے جدھر چوہدری شاہنواز کی جیپ گئی تھی۔

منکاری نے راج گندل کو آگے کا شیطانی منصوبہ بتا دیا تھا اور راج گندل اس منصوبے کو سن کر خوب ہنسا تھا اور اب وہ دونوں اسی پر عمل کرنے کے لیے آگے بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا تھا جو جاتا تو لکڑ موڑ کی طرف ہی تھا، لیکن بہت مختصر تھا۔

منکاری کے کہنے کے مطابق راج گندل نے ایک بار پھر بھیس بدلا اور بابا ادریس کی صورت میں آ گیا، لیکن منصوبے کے مطابق اس نے بوسیدہ لباس پہنا تھا جو جگہ جگہ سے سلا ہوا اور پھٹا ہوا تھا۔ چہرے، گردن اور بازوؤں پر اس نے ہلکے ہلکے زخموں کے نشانات بھی بنا لیے تھے۔ چہرے پر بڑی بے بسی اور اداسی لاد لی تھی۔

منکاری تو خیر نگاہوں سے اوجھل ہی رہتا تھا، لیکن جب ایک چوڑی سڑک پر چوہدری شاہنواز کی جیپ پہنچی تو حمید خاں نے سڑک کے کنارے اس لڑکھڑاتے ہوئے

وجود کو دیکھا جو بوجھل قدموں سے ان کی طرف پشت کیے آگے بڑھ رہا تھا۔ حمید خاں کا پاؤں بریک پر جا پڑا اور چوہدری شاہنواز جو گہرے رنج و غم میں ڈوبا ہوا تھا اور بابا ادریس ہی کے بارے میں غور کر رہا تھا چونک کر بولا۔ ''کیا ہوا حمید خاں؟''

''ادھر چوہدری جی ادھر دیکھیے۔'' اس نے اشارہ کیا اور چوہدری کی نگاہیں سڑک کے کنارے چلتے ہوئے اس شخص پر پڑیں اور ایک لمحے میں اس نے پہچان لیا کہ وہ بابا ادریس ہیں۔

''ارے یہ بابا صاحب ہیں، جلدی چلو، جلدی آگے بڑھو۔''

ایک لمحے کے اندر اندر جیپ جا کر راج گندل کے پاس رک گئی جو بابا ادریس کے روپ میں تھا۔

چوہدری شاہنواز جیپ سے نیچے اتر آیا۔ حمید خاں بھی نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے بابا ادریس کی صورت دیکھی۔ ان کے پھٹے ہوئے لباس اور بدن پر لگے ہوئے زخموں کو دیکھا اور ایک دم سمجھ گیا کہ بابا ادریس کی یہ حالت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ان کے مکان کو خاکستر کیا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر بابا ادریس کو سہارا دیا اور جلدی سے بولا۔

''ارے بابا صاحب آپ...... آپ اس حال میں۔''

بابا ادریس کے روپ میں راج گندل نے نگاہیں اٹھائیں اور پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''ہاں بس تقدیر کا لکھا تو سامنے آتا ہی ہے۔''

''خدا ان لوگوں کو غارت کرے جنہوں نے آپ کے ساتھ یہ بدسلوکی کی ہے۔''

''بس ٹھیک ہے بھائی تم بھی جاؤ، ہم آزمائش سے گزر رہے ہیں، ہمیں امتحان دینے دو۔''

''نہیں بابا صاحب، ایسے وقت میں آپ کا ساتھ کم از کم میں نہیں چھوڑ سکتا، میں آپ کا گھر دیکھ کر آیا ہوں...... آپ بے فکر رہیے اب میں ان لوگوں سے چن چن کر انتقام لوں گا جنہوں نے آپ کے ساتھ یہ بدسلوکی کی ہے۔''

''ارے بھائی کس کس سے بدلہ لو گے۔ بس ہم نے کہا نا تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔'' راج گندل نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''آیئے آپ میرے ساتھ چلیے۔'' چوہدری شاہنواز نے ہمدردی سے کہا۔

''کہاں بھائی کہاں لے جاؤ گے ہمیں؟''

''بابا صاحب آپ میرے گھر چلیے، میں آپ کا گھر دیکھ کر آیا ہوں، بستی والوں نے

...ے خاکستر کر دیا ہے، یقیناً آپ کا یہ حال بھی انہوں نے ہی بنایا ہوگا۔''

''ہاں بھٹک گئے ہیں راستے سے، مارا ہے ہمیں، کپڑے پھاڑ دیئے۔ چلو ٹھیک ہے، ...اس طرح ان کا دل مطمئن ہوتا ہے تو ہمیں کیا۔ کوئی کونہ کھدرا بسا لیں گے، زندگی کے ...چند سانس ہی تو گزارنے ہیں۔''

''آیئے آپ...... آیئے۔'' چوہدری نے حمید خاں کو اشارہ کیا اور حمید خاں بابا ادریس کو سہارا دے کر جیپ میں لے آیا۔

''دیکھو جب انسان کا مقدر خراب ہوتا ہے تو اس پر نحوستوں کے سائے ہو جاتے ہیں، ہم اس وقت نحوستوں کے سائے میں ہیں۔ ہمارے ساتھ کوئی ہمدردی کا سلوک نہ کرو۔ کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔''

''مجھے کتنا ہی نقصان پہنچ جائے بابا صاحب! میں آپ کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔''

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی، مجبور کر رہے ہو تو ٹھیک ہے۔''

''بابا صاحب، میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں لیکن قصور میرا بھی نہیں ہے، اس شیطان کے بچے نے چکر ہی ایسا چلایا تھا جس کا نام راج گندل ہے، میں دھوکا کھا گیا اور آپ کے ساتھ بدسلوکی کر بیٹھا، لیکن اب میں آپ کے بارے میں تصدیق کر چکا ہوں اور اس کے بعد دھوکا نہیں کھاؤں گا۔''

راج گندل نے اس طرح گردن جھکا دی جیسے تکلیف کا شکار ہو۔ حمید خاں اور چوہدری شاہنواز کے دل میں ہمدردیوں کا طوفان امڈ رہا تھا، بابا ادریس کی اس حالت پر وہ بہت دکھی تھے جبکہ بدمعاش راج گندل نے منکاری کے سازشی ذہن کے منصوبے کو تکمیل تک پہنچانا شروع کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ چوہدری شاہنواز لکڑ موڑ پہنچ گیا اور بڑے اہتمام کے ساتھ راج گندل کو اس نے اتارا اور پھر اندرونی حصے کی جانب لے چلا۔

راج گندل دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا، ایک بار پہلے بھی وہ اس حویلی میں آ چکا تھا ...اپنے کھیل کھیل کر گیا تھا۔ دوبارہ وہ اسی حویلی میں بدلے ہوئے بھیس میں داخل ہو رہا ...نیا کھیل کھیلنے کے لیے لیکن جب چوہدری شاہنواز اسے حویلی کے بہت بڑے ڈرائنگ ...روم میں لے کر پہنچا تو وہاں قرآنی آیات کے طغرے لگے ہوئے تھے۔ راج گندل کے ...سارے بدن میں بجلیاں سی کوند گئیں، اسے شدید اذیت کا احساس ہوا اور وہ زمین پر گر

"ارے حمید خاں دیکھو۔"

"نہیں نہیں مجھے کھلی ہوا میں لے چلو، میں مر جاؤں گا مجھے کھلی ہوا میں لے چلو۔" راج گندل نے کہا۔

"چلو بابا صاحب کی ہدایت کے مطابق عمل کرو۔" حمید خاں نے ملازموں کو اپنی مدد کے لیے بلایا اور وہ لوگ بابا ادریس یا راج گندل کو باہر حویلی کے کھلے حصے میں لے آئے جہاں درختوں اور پھولوں کی بہتات تھی۔ راج گندل زمین پر لیٹ گیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ یہ بڑا تلخ تجربہ تھا اس کے لیے۔ بھلا شیطان اپنی غلاظتوں سے نکل کر کلام الٰہی کی پاکیزہ چھاؤں میں کیسے جا سکتا تھا۔ اسے سب سے بڑا نقصان اسی سے پہنچ سکتا تھا۔ راج گندل نے کہا۔ "تمہارا بہت بہت شکریہ، مگر میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ میں اس وقت امتحان کی منزل میں ہوں۔ میرے جسم سے نحوستوں کے سائے لپٹے ہوئے ہیں۔ مجھے یہیں کسی درخت کے نیچے ڈالوا دو یہاں، میرے پاس تسبیح موجود ہے، کھانے پینے کے لیے جو کچھ بھی ہو یہیں دے دیا کرو۔ میں یہیں ٹھیک رہوں گا۔ دیکھو اگر تم مجھ سے ہمدردی رکھتے ہو اور میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو پھر مجھے یہیں اسی جگہ رہنے دو، تمہارا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا۔"

"نہیں بابا صاحب، احسان کی کوئی بات نہیں ہے، ہم آپ کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ یہاں خوش ہیں تو یہیں سہی، جاؤ حمید خاں بابا صاحب کے لیے یہیں سارے انتظامات کر دو۔"

کچھ فاصلے کے لیے راج گندل کو قرار مل گیا اس کے لیے یہاں چارپائی پانی کے برتن اور دوسری ضرورت کی چیزیں رکھ دی گئیں اور وہ چارپائی پر لمبا لمبا ہو کر لیٹ گیا۔

چوہدری شاہنواز نے اس کے زخموں کا جائزہ لینے کے لیے کہا تو اس نے عاجزی سے کہا۔ "نہیں چوہدری صاحب اگر میری مانیں تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں............ آپ ہمیں یہاں لے آئے۔ سہارا دے دیا بس اتنا کافی ہے، اگر آپ نے اس سے آگے کچھ کیا تو ہمیں دکھ پہنچ جائے گا۔"

"نہیں بابا صاحب! میں صرف آپ کی بہتری چاہتا ہوں۔"

"تو بس اتنا کافی ہے جتنا تم نے ہمارے لیے کر دیا، ہمیں کچھ وقت دے دو ہمارے یہ زخم بھی خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"بابا صاحب کچھ کپڑے وغیرہ تو تبدیل کر لیجیے۔"

"بس ایک بڑی چادر دے دو اور کچھ نہیں۔" راج گندل نے کہا اور چوہدری شاہنواز نے گردن ہلا دی۔ راج گندل پھر بولا۔ "سنو! چوہدری شاہنواز اس دوران ہمیں کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں چاہیے۔ اگر ممکن ہو سکے تو بس ہمیں تھوڑے سے پھل بھجوا دو، پانی تم نے رکھ ہی دیا ہے یہاں پر۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہ بھیجنا۔"

"جیسا آپ کا حکم۔" چوہدری شاہنواز نے کہا اور اس کے بعد واپس پلٹ پڑا۔

حمید خاں راستے میں بولا۔ "ٹھیک ہے چوہدری صاحب! یہ درویش لوگ ہوتے ہیں ان کے لیے دنیاوی چیزیں بالکل بے معنی ہوتی ہیں۔ انہیں علاج کی ضرورت ہے نہ دوا کی، یہ تو خود دوسروں کی دوا ہوتے ہیں، بھلا انہیں اپنے لیے دوا کی کیا ضرورت ہے بستی والوں نے بہت برا کیا ہے ان کے ساتھ۔"

"ہاں، میں صرف یہ سوچتا ہوں کہ بابا ادریس کے گھر والوں کو ان کے بارے میں نہیں معلوم، ان کا سالا فیض علی جس انداز میں ان کے بارے میں باتیں کر رہا تھا، اس سے تو یہی پتہ چلتا تھا کہ انہیں یہ تک نہیں معلوم کہ بابا ادریس کہاں ہیں، کیا خیال ہے تمہارا ہم انہیں گھر جلنے اور بابا ادریس کے اس حال میں یہاں آنے کی اطلاع دیں؟"

"میرا خیال ہے چوہدری صاحب ابھی اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کریں، ہمیں زیادہ آگے بڑھ کر کام نہیں کرنا چاہیے۔ اگر بابا ادریس خود ہی ہم سے اس بات کی بات کریں تو پھر ٹھیک ہے ورنہ انہیں ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، ہم ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔"

تھوڑی دیر کے بعد بابا ادریس کے لیے ہی عمدہ قسم کے پھل وغیرہ بھجوا دیئے گئے، چوہدری شاہنواز اپنی جانب سے بڑی عقیدت مندی کا ثبوت دے رہا تھا، لیکن ادھر مکاری راج گندل کے پاس بیٹھا ہنس رہا تھا۔ "کیسا رہا چیلے؟"

"گرو مہاراج کی جے۔"

"کرتا رہ جے جے کار، کرتا رہ بیٹا، گرو مہاراج کے ساتھ رہے گا تو اپنے سارے دشمنوں پر حاوی رہے گا۔"

"اس وقت تو میری جان نکل گئی تھی گرو مہاراج جب وہ مجھے اس بڑے کمرے میں لے گیا تھا جہاں ہمارے لیے موت موجود تھی۔"

"ہاں...... یہ تکلیف تجھے یہاں برداشت کرنی پڑے گی، وہ جو شبدھ بولتے ہیں ان مسلمانوں کے دھرم کی باتیں ہوتی ہیں اور وہ شبدھ ہمارے بدن پر کوڑوں کی طرح پڑتے

ہیں۔ یہ کوڑے تو تجھے برداشت کرنا ہوں گے۔ میں تو دور چلا جاتا ہوں جب وہ ایسی باتیں کرتے ہیں۔"

"افسوس میں ایسا نہیں کر سکتا لیکن...... میں نے ٹھیک کیا نا کہ یہاں پیڑوں کے نیچے آ گیا۔"

"ہاں کھلی ہوا، کھلا ماحول، چل اب تو پھل کھا میں اپنا کام کرتا ہوں۔"

"آپ بھی کوئی کام کرتے ہیں مہاراج؟"

"آتماؤں کی باتیں جاننے کی کوشش مت کر، بھسم ہو کر رہ جائے گا اگر ہماری ایک بات بھی تجھے معلوم ہو گئی۔"

راج گندل سہم کر خاموش ہو گیا تھا۔ اپنی چالاکی اور مکاری کے شیطانی مشوروں سے وہ کامیابی پر کامیابی حاصل کرتا جا رہا تھا۔ سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ بابا ادریس کا دست راست اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے عالی جاہ کو بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ اکثر اسے دیکھتا رہتا تھا۔

اس وقت بھی رات تھی اس نے شیشے کی بوتل نکال کر سامنے کر لی۔ عالی جاہ گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا۔ راج گندل نے کہا۔ "افسوس، ہم نے سنسار کے بارے میں بڑی باتیں معلوم کیں پر تمہاری مخلوق کا کوئی پتہ نہیں ہمیں۔ اس بوتل میں تم کب تک جیتے رہو گے اور یہ بھی نہیں معلوم ہمیں کہ تمہاری وہ شکتی کہاں گئی جس سے تم ادریس علی کو بچائے ہوئے تھے۔ کچھ بول سکتے ہو۔"

عالی جاہ خاموش بیٹھا رہا۔ تو راج گندل نے پھر کہا۔ "وہ تمہارا گرو کہاں گیا آخر۔ کیا کسی کھائی میں کود کر مر گیا یا سنسار سے منہ چھپا کر بیٹھ گیا ہے۔"

دور سے روشنی نظر آئی تو راج گندل نے بوتل دوبارہ اپنے لباس میں چھپا لی۔ عالی جاہ بڑی بے بسی کا وقت گزار رہا تھا۔ اول تو وہ قیدی تھا اور اپنوں کا شکار ہوا تھا۔ ان دونوں بے وقوفوں نے اسے اس بوتل میں قید کیا تھا اور خود انہیں بھی کچھ نہ ملا تھا۔ دوسرے اس وقت وہ ایک ناپاک وجود کے ساتھ تھا، جس سے کالے جادو کی بو آتی تھی اور اس بو نے اسے پاگل کر رکھا تھا۔ وہ بول سکتا تھا لیکن وہ اس ناپاک انسان کی کسی بات کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔

رات گزر گئی دوسری صبح ہوئی شاہنواز اس کے پاس آیا اور محبت سے بولا۔ "پوری کوٹھی حاضر ہے بابا صاحب! اس درخت کے نیچے آپ کو وقت گزارتے دیکھ کر مجھے

بڑی ہوتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد دھوپ نکل آئے گی اور یہاں حدت بڑھ جائے گی۔ ہم سب اندر ایئر کنڈیشن میں بیٹھے ہوں گے اور آپ یہاں، یہ تو آداب میزبانی نہ ہوئے۔"

راج گندل کم بخت کو اداکاری بہت اچھی آتی تھی، مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "تقدیر تقدیر کی بات ہے، ہمیں اپنی تقدیر کے مطابق رہنے دو، ایک فقیر اور ایک بادشاہ میں فرق تو ہوتا ہی ہے نا۔"

"بادشاہ تو آپ ہیں بابا ادریس یہ تو سب عارضی چیزیں ہیں جو ہمارے سامنے ہیں، بہرحال مجھے بتایئے میں آپ کے لیے کیا کروں، اگر آپ اجازت دیں تو آپ کا وہ گھر دوبارہ تعمیر کرا دوں۔ وہاں چار چوکیدار بھیج دوں جو پہرہ دیں، بستی والوں کو ٹھیک کر کے رکھ دوں ان کے خلاف کیس بھی کرا سکتا ہوں۔"

"وہ سب تمہاری مرضی ہے، تم جو کرنا چاہو ضرور کرو۔ لیکن ہمیں تھوڑے وقت کے لیے یہیں رہنے دو، بعد میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"

شاہنواز خاموش ہو گیا تھا، راج گندل یہاں بڑے آرام سے تھا۔ ابھی تک اس نے کسی کمینگی کا آغاز نہیں کیا تھا لیکن شام کو عرشیہ ٹہلتی ہوئی اس طرف آ گئی اور راج گندل کے پاس پہنچ گئی۔

چوہدری شاہنواز نے عرشیہ کو بتایا تھا کہ بابا ادریس پر کیا گزری ہے اور وہ انہیں یہاں لے آئے ہیں۔ چوہدری شاہنواز نے عرشیہ کو یہ بھی بتایا تھا کہ یہ فقیر منش لوگ عیش و آرام کے دلدادہ نہیں ہوتے۔ بہرحال عرشیہ کے دل میں بابا ادریس کی عقیدت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ جن کیفیتوں سے گزر رہی تھی ان کے لیے سکون چاہتی تھی۔ اس نے ایک عجیب و غریب عالم گزارا تھا۔ قبر کی گہرائیاں زندگی میں دیکھ لی تھیں اور وہاں ایک جادوگر کے زیر اثر بچی کو جنم دیا تھا، لیکن قدرت نے ماں اور اولاد کے درمیان جو رشتہ رکھا ہے، اس پر کوئی اثر انداز نہیں ہوتا، عرشیہ نے ایک دو بار یہ بات چوہدری شاہنواز کو بھی بتائی تھی کہ وہ خواب میں اپنی بچی کو دیکھتی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اس کی بچی بہت خوبصورت ہے، بڑی پیاری باتیں کرتی ہے۔ اس کے بال سنہرے ہیں اور چہرے کی رنگت اخروٹی ہے اس کی آنکھوں میں نیلے کنچے جڑے ہوئے ہیں اور اس کے ہونٹ گلابی رنگ کے ہیں اور مسکراہٹ بڑی دلکش ہے، اس نے چوہدری شاہنواز کو یہ بھی بتایا تھا کہ وہ ہنستی ہے تو پھول جھڑتے ہیں، تب چوہدری شاہنواز نے حسرت بھرے لہجے میں کہا تھا۔

"عرشیہ! تم خوش نصیب ہو کہ کم از کم تم اپنے خوابوں میں اپنی بچی کو دیکھ لیتی ہو، میں تو ان خوابوں سے بھی محروم ہوں، شاید ہی کبھی کسی باپ کے دل میں اولاد کے لیے ایسی خواہش پیدا ہوئی ہو گی۔ بہرحال کیا کہہ سکتے ہیں تقدیر کے کھیل ہیں۔"

عرشیہ اس وقت بھی راج گندل کے سامنے پہنچی تو بے اختیار ہو گئی۔ وہ راج گندل کے قدموں میں بیٹھ گئی اور بولی۔ "بابا ادریس! میں وہ بدنصیب ماں ہوں جس نے زندہ ہو کر بھی اپنی زندہ اولاد کا چہرہ نہیں دیکھا، آہ...... اگر کوئی مجھ سے یہ کہہ دیتا کہ وہ زندہ نہیں ہے تو شاید میں صبر کی منزل میں داخل ہو جاتی، لیکن کسی نے مجھ سے یہ نہیں کہا، اگر کوئی قربانی دے کر میں اپنی بچی کو دیکھ سکتی ہوں تو مجھے بتائیے کہ میں کیا قربانی دوں، میرا دل اسے دیکھنے کے لیے بہت تڑپتا ہے۔"

منکاری نے راج گندل کے کانوں میں کچھ کہا اور راج گندل جو آنکھیں بند کیے زمین کی طرف گردن جھکائے بیٹھا ہوا تھا، منکاری کی بات سنتا رہا۔

"پھر اس نے گردن اٹھا کر آنکھیں کھولیں اور عرشیہ کے چہرے کو دیکھتا ہوا پر جلال لہجے میں بولا۔ "میں تجھے بیگم صاحب نہیں کہوں گا، کیونکہ میرے سامنے تو ایک چھوٹی سی بچی کی مانند ہے، مجھے یہ بتا کہ اس وقت تو کیا اپنے شوہر کے کہنے پر آئی ہے؟"

"نہیں...... چوہدری صاحب تو کسی کام سے گئے ہوئے ہیں۔ حویلی میں کچھ لوگ ان سے ملنے آئے تھے، مجھ سے کہہ کر گئے تھے کہ بابا صاحب کا خیال رکھنا، حمید خاں ان کے ساتھ گیا ہے۔"

"ہوں......عرشیہ ہے نا تیرا نام؟"

"ہاں بابا، مجھ بدنصیب کا نام عرشیہ ہی ہے۔"

"سن عرشیہ، تو نے جس درد بھرے لہجے میں ہم سے یہ بات کہی ہے اس نے ہمیں بہت متاثر کیا ہے، پر بعض باتیں بڑی عجیب ہوتی ہیں، چوہدری شاہنواز تیرا خاوند ہے اور تیرے دین دھرم میں خاوند کو بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔"

"ہاں وہ مجازی خدا کہلاتا ہے۔" عرشیہ نے کہا۔

راج گندل تڑپ کر اکڑ گیا۔ اس کے بدن پر ایک درہ پڑا تھا، تاہم اس نے برداشت کرتے ہوئے کہا۔ "پر رشتے بہت عجیب ہوتے ہیں، کبھی کبھی ان رشتوں کو بنائے رکھنے کے لیے تھوڑی سی ایسی باتیں بھی کرنا پڑتی ہیں جو دل کے خلاف ہوں۔"

"میں سمجھی نہیں بابا۔"

"اگر میں تجھ سے کہوں کہ اپنے خاوند کے بتائے بغیر تو میرے پاس آ اور جو کچھ میں کہوں وہ کر تو کیا تو ایسا کر سکتی ہے؟"

"مگر کیوں؟"

"اپنی اولاد کے حصول کے لیے۔"

"ہاں، کوشش کی جا سکتی ہے۔"

"میں آپ کے پاؤں پکڑتی ہوں بابا مجھے میری بچی سے ملا دیجیے۔"

"کہا نا تجھ سے ایسا ہو سکتا ہے، مگر تجھے اپنے دل کے خلاف کچھ کام کرنا ہوں گے۔"

"میں کروں گی بابا، آپ جو حکم دیں گے میں سب کچھ کروں گی۔"

"اس وقت تو کھلم کھلا ہمارے پاس آئی ہے، پر آج رات بارہ بجے تو ہمارے پاس دوبارہ آ جانا، لیکن چوہدری کو بتائے بغیر اور بعد میں بھی تو اسے کچھ نہیں بتائے گی۔"

"بابا! چوہدری شاہنواز نے آپ کی بزرگی کے اتنے قصے سنائے ہیں مجھے کہ آپ کے نام سے کسی برائی کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں آ جاؤں گی بابا میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ آ جاؤں گی۔"

"ہوں ٹھیک ہے، ہم سے جو کچھ بن سکتا ہے تیرے لیے کریں گے۔"

اتفاق سے چوہدری شاہنواز اس رات لکڑ موڑ حویلی میں موجود نہیں تھا۔ زمینداری کے کچھ قصے تھے جو اسے نمٹانے تھے وہ اس سلسلے میں مصروف تھا۔

ٹھیک بارہ بجے عرشیہ درخت کے نیچے پہنچ گئی، راج گندل اس کا انتظار کر رہا تھا۔ عرشیہ اس کے سامنے دو زانو بیٹھ گئی۔

"میں آ گئی ہوں بابا۔"

"ہوں......تو اپنی بچی سے ملنا چاہتی ہے نا؟"

"ہاں بابا وہ میرے خوابوں میں آتی ہے۔"

"میں تجھے اس سے ملا دوں گا۔"

عرشیہ رونے لگی اس نے روتے ہوئے کہا۔ "بابا زبان سے یہی کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولوں گی۔"

"ہوں۔" راج گندل نے کہا پھر اس نے اپنے لباس سے ایک گلاس نکالا اور اس میں پانی ڈالا۔ عرشیہ دیکھ نہیں سکی تھی کہ اس نے پانی کے اس گلاس میں تھوک دیا ہے۔

گلاس لے کر عرشیہ کے سامنے آ گیا اور بولا۔ ''لے اسے عقیدت سے پی جا، پہلے بھی ایک بار ہم نے تیرے لیے پانی بھیجا تھا پر تو نے پتہ نہیں وہ پانی پیا یا نہیں پیا۔''

''بابا صاحب بڑی عجیب بات ہوئی تھی۔ میں نے گلاس ہونٹوں سے لگایا ہی تھا اور بسم اللہ پڑھی تھی کہ گلاس ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔'' عرشیہ نے یہ الفاظ کہے اور راج گندل کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکل گئی۔

''اب جو پانی ہم تجھے دے رہے ہیں اسے پیتے ہوئے کوئی چیز نہ پڑھنا بلکہ اپنے منہ سے کہنا کہ میری بیٹی مجھے مل جا، سمجھی، اب کوئی اور نام نہ لینا تو۔''

''جی بابا۔'' عرشیہ نے دونوں ہاتھوں سے گلاس پکڑا اور اسے منہ سے لگا کر غٹا غٹ پی گئی۔ راج گندل سہمی ہوئی سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اسے خوف تھا کہ عرشیہ پھر کوئی متبرک نام نہ لے دے، لیکن گلاس کا پانی اس کے معدے میں اتر گیا تو راج گندل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سمجھ لے بس اب تیرا کام بن گیا۔''

عرشیہ نے اپنے منہ سے کہنا چاہا کہ اللہ آپ کی زبان مبارک کرے لیکن نہ جانے کیوں اس کے منہ سے اللہ کا نام نہیں نکلا تھا اس نے اس پر غور نہیں کیا، راج گندل بہت دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور اسے تسلیاں دیتا رہا، عرشیہ کی طبیعت اندر سے کچھ متلا سی رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ''اب میں جانا چاہتی ہوں بابا۔''

''جا، آرام سے جا کر سو جا، آج رات تو اپنی بچی کو بہت قریب سے دیکھے گی، اس سے پہلے تو اسے خوابوں میں دیکھتی رہی ہے، مگر تو نے اس کی شکل صحیح طور پر دیکھی ہو گی، نہ تو نے اس کی آواز سنی ہو گی، لیکن آج تجھے وہ آواز بھی دے گی اور تیرے قریب بھی آئے گی۔''

عرشیہ خوشی سے کانپنے لگی تھی، بہر حال اس کے بعد وہ واپس چل پڑی اور راج گندل اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا، وہ چلی گئی تو اس نے آواز دی۔ ''منکاری مہاراج!''

''سمجھ رہا ہوں، سمجھ رہا ہوں، چنتا مت کر، تو نے اس سے جو کچھ کہا ہے وہ ہو جائے گا، تو بالکل چنتا مت کر۔''

''جئے منکاری مہاراج۔'' راج گندل نے عقیدت سے کہا۔

✿ ✿ ✿

عرشیہ خواب دیکھ رہی تھی۔ ایک خوبصورت عمارت تھی جس کے عقبی حصے میں ایک

بے حد خوبصورت باغ لگا ہوا تھا۔ اس باغ میں سنگ مرمر کا ایک حوض تھا، حوض کے کنارے سنگ مرمر کا ہی ایک سنگھاسن بنا ہوا تھا اور اس سنگھاسن پر ایک حسین مورت ایستادہ تھی۔ یہ ایک خوبصورت بچی تھی جس کے نقوش عرشیہ سے ملتے جلتے تھے۔ وہ سنگھاسن بیٹھی محبت بھری نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی، جہاں سے عرشیہ اس کی جانب بڑھ رہی تھی۔

عرشیہ کے سینے میں جذبات کا طوفان امڈ رہا تھا، حسین وجود اس کے بدن کا حصہ تھا، اس کے جگر کا ٹکڑا محبتیں پھوٹ رہی تھیں۔ عرشیہ کا دل چاہتا تھا کہ دوڑ کر اس حسین وجود سے لپٹ جائے جوں جوں وہ قدم آگے بڑھاتی جا رہی تھی اس کے دل کی کیفیت عجیب ہوتی جا رہی تھی، پھر دفعتاً ہی وہ خوبصورت بچی اپنی جگہ سے اٹھی، اس نے اپنے ننھے ننھے سفید ہاتھ پھیلائے اور اس کے منہ سے ایک آواز نکلی۔ ''ماما...... ماما...... ماما۔''

اس کے ساتھ ہی وہ کئی قدم آگے بڑھی اور عرشیہ بے اختیار ہو کر اس کی طرف لپکی، اس نے آگے بڑھ کر اس حسین وجود کو اپنے بازوؤں میں بھرنا چاہا لیکن اس کے دونوں ہاتھ خلا میں لہرا کر رہ گئے۔ تبھی اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔

''میری بچی، میری بچی...... آہ میری بچی......'' بستر پر نزدیک لیٹا ہوا چوہدری شاہنواز بری طرح اچھل پڑا۔ عرشیہ پر ایک جنون سا طاری تھا، وہ بستر سے اتر کر اِدھر اُدھر لپک رہی تھی، اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے منہ سے دل خراش چیخیں نکل رہی تھیں۔

''آ جا میرے سینے سے لگ جا، میری بچی، میں تجھے کوئی نام بھی نہیں دے سکی، کہاں گئی آ جا......''

''عرشیہ ہوش میں آؤ، ہوش میں آؤ۔'' اس نے عرشیہ کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا...... عرشیہ کی آنکھیں کھل گئیں۔

''کہاں گئی وہ، آہ کتنی خوبصورت تھی، آہ کتنی حسین تھی وہ کہاں گئی، میری بچی، وہ تو خوب بڑی ہو گئی ہے، وہ سنگ مرمر کے سفید تخت پر بیٹھی ہوئی، ارے کہاں ہے وہ...... بابا تھوڑی دیر اور بابا تھوڑی دیر اور......'' عرشیہ نے کہا اور دروازے کی جانب لپکی۔

چوہدری نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد عرشیہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی اور پھر وہ بے ہوش ہو گئی۔ چوہدری نے اسے اٹھا کر بستر پر لٹایا، وہ سخت پریشان تھا، عرشیہ کی یہ کیفیت اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ ادھر حمید خاں جو زیادہ دور نہیں ہوتا تھا چیخوں کی آوازیں سن کر دروازے پر آ گیا اور اس نے دروازہ بجایا۔

"چوہدری صاحب! سرجی خیریت...... خیریت تو ہے۔"

چوہدری نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ "ہاں خیریت ہے حمید خاں، عرشیہ شاید خواب میں ڈر گئی ہے، اب ٹھیک ہے تم آرام کرو۔"

حمید خاں چلا گیا۔ لیکن چوہدری سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ بہرحال عرشیہ نے کئی بار اس سے کہا تھا کہ وہ خواب میں اپنی بچی کو دیکھتی ہے، لیکن وہ اس سے مخاطب نہیں ہوتی۔ چوہدری خود بھی غمگین ہو جاتا تھا لیکن ظاہر ہے کچھ کرنا دونوں ہی کے بس سے باہر تھا۔ اس وقت عرشیہ کی جو کیفیت ہوئی تھی وہ ذرا مختلف تھی۔ عرشیہ کو ہوش میں لانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، جاگنے کے بعد ہو سکتا ہے اس پر وہی خوف مسلط ہو جائے لیکن دوسری صبح عرشیہ بہت نڈھال تھی۔ چوہدری شاہنواز نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔ "رات کو تمہاری کیفیت بہت خراب ہو گئی تھی۔ عرشیہ! خیریت تو تھی، کوئی خواب دیکھا تھا۔" عرشیہ نے نگاہیں اٹھا کر شاہنواز کو دیکھا اور بولی۔ "میں نے اسے دیکھا تھا شاہنواز، وہ وہ...... بہت خوبصورت تھی، وہ مجھے ماما...... ماما کہہ رہی تھی۔ چوہدری شاہنواز مجھے میری بچی لا دو، مجھے میری بچی لا دو، تمہیں تمہیں تمہیں......" عرشیہ خدا ا واسطہ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کی زبان اکڑ کر رہ گئی اور اس کے آگے کے الفاظ مبہم ہو گئے۔

چوہدری شاہنواز نے اس کا چہرہ بدلتے ہوئے دیکھا، دن کا وقت تھا، کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن وہ عرشیہ کے بدلتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ عرشیہ کی آنکھیں پھیلتی جا رہی تھیں، چہرہ سرخ ہو رہا تھا، اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل پا رہے تھے اور پھر چوہدری شاہنواز گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے عرشیہ کی زبان ہونٹوں سے نکلتے ہوئے دیکھی تھی، سرخ سرخ لمبی زبان، دوسرے لمحے یہ زبان باہر لٹکنے لگی۔ تقریباً 8 انچ باہر لٹک آئی تھی۔ عرشیہ کا چہرہ انتہائی بھیانک ہوتا جا رہا تھا، اس کے دانت نوکیلے ہو گئے تھے۔ چوہدری گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"عرشیہ، ہوش میں آؤ، یہ کیا لگا رکھا ہے تم نے۔"

دوسرے لمحے عرشیہ کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکلا اور چوہدری شاہنواز کے حواس جواب دے گئے، وہ زور سے چیخا "حمید خان حمید خان۔" اور دوسرے لمحے وہ گھبرا کر باہر بھاگ آیا تھا، حمید خان نے اسے گرتے گرتے سنبھالا۔

"سرجی کیا ہوا...... ہوش میں آیئے، کیا بات ہے؟"

"حمید خاں اندر...... ذرا اندر چل کر دیکھو۔" چوہدری شاہنواز نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"ک ک...... کیا بات ہے؟"

"آؤ تو سہی میرے ساتھ۔" شاہنواز نے حمید خان کا شانہ دبوچا اور اس کے بعد اسے دھکیلتا ہوا دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ دروازے کے اندر قدم رکھ کر اس نے عرشیہ کا چہرہ دیکھا، لیکن عرشیہ اس وقت پرسکون ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ بالکل نارمل تھا۔

"یہ حمید خان، یہ یہ......"

عرشیہ چونک کر کھڑی ہو گئی، اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے چوہدری شاہنواز کو دیکھا اور بولی۔ "کیا بات ہے؟"

چوہدری شاہنواز ایک دم چونکا۔ یہ سب کچھ اس کے لیے ناقابل یقین تھا کیونکہ اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ بالکل ہی الگ تھا اور اس نے ہوش و حواس کے عالم میں وہ سب کچھ دیکھا تھا۔

حمید خاں نے سوالیہ نگاہوں سے چوہدری شاہنواز کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "بتایئے چوہدری صاحب...... کیا ہوا، کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں حمید خاں کچھ نہیں...... تم جاؤ۔"

حمید خاں حیران حیران سا باہر نکل گیا تھا۔ مالک کا حکم تھا، کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔

چوہدری شاہنواز دور کھڑا عرشیہ کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "عرشیہ تمہیں کیا ہو گیا ہے آخر، کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں؟"

"کیا ہوا، مجھے تو کچھ نہیں معلوم، تم یقین کرو مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔" عرشیہ نے مظلوم لہجے میں کہا۔

یہ دن انتہائی برا گزرا تھا، اول تو رات کو عرشیہ کی جو کیفیت ہوئی تھی وہی شاہنواز کے لیے بڑی پریشان کن تھی، پھر یہ سب کچھ، وہ پورا دن شدید خوف کے عالم میں گزارتا رہا۔

پھر شام کو اس نے حمید خان سے دل کی بات کہہ دی۔ حمید خان ایک راز دار انسان تھا، اس سے کبھی کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوا تھا، جس سے چوہدری شاہنواز کو کوئی تکلیف پہنچی ہو۔

"حمید خاں! ایک نئی مصیبت سامنے آ گئی ہے۔"

"سرجی غلام کو بتایئے، غلام آپ پر جان دینے کو تیار ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ حمید خان رات کو عرشیہ نے ایک خواب دیکھا، اس خواب میں اس نے اپنی بچی کو دیکھا، وہ کہتی ہے کہ اس بچی نے اسے ماما ماما کہہ کر پکارا بھی تھا۔ حمید خان اس کے بعد صبح کو میں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔" چوہدری شاہنواز نے حمید خان کو ساری تفصیل بتائی۔

حمید خاں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔

"سر جی ایک بات کہوں اگر برا نہ مانیں تو۔" اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"ہاں حمید خاں کہو، کیا بات ہے؟"

"سر جی، کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے مجھے، میں ابھی کچھ نہیں کہوں گا، چھوٹا منہ بڑی بات ہو جائے گی، پر سر جی کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی وفادار غلام بھی بڑے کام کا نکل آتا ہے۔"

"کھل کر کہو حمید خاں اس وقت میری عقل میرا ساتھ نہیں دے رہی، جو کچھ کہنا ہے کھل کر کہو۔"

"سر جی کہوں گا نہیں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو۔"

"ابھی آتا ہوں۔" حمید خان نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

بچپن میں کبھی اس کی ماں نے اسے ایک بہت ہی خوبصورت چاندی میں بنا ہوا تعویذ دیا تھا، جس کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ اس میں پنج سورہ شریف ہے جو اس کے نانا نے اس کی ماں کو دیا تھا، ماں نے وہ پنج سورہ جو بہت ہی چھوٹا اور اس تعویذ کی شکل میں تھا، اپنے بیٹے کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ وہ پنج سورہ حمید خان نے ماں کی نشانی سمجھ کر اسے بڑی احتیاط سے رکھا تھا، اس وقت اسے وہ پنج سورہ ہی یاد آیا تھا۔ وہ پنج سورہ لے کر چوہدری شاہنواز کے پاس پہنچ گیا۔

"سر جی اسے گردن میں ڈال لیجیے اور قمیص کے نیچے چھپا کر رکھیے۔"

"ٹھیک ہے۔" چوہدری شاہنواز نے کہا اور تعویذ گلے میں ڈال لیا، پھر وہ حمید خان کے ساتھ کسی کام سے باہر نکل گیا اور اس کی واپسی رات کو تقریباً پونے بارہ بجے ہوئی تھی۔ عرشیہ اس وقت اپنے بیڈ روم میں سو رہی تھی۔ چوہدری شاہنواز اپنی خواب گاہ کی جانب بڑھا۔

حمید خان کے لیے اس نے اپنی خواب گاہ سے قریب ہی ایک کمرہ مخصوص کر دیا تھا کیونکہ حمید خان اس کی ہر مشکل میں حاضر رہتا تھا، اس لیے وہ حمید خان کو زیادہ دور نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اچانک ہی اس نے خواب گاہ کا دروازہ کھلتے ہوئے دیکھا۔ وہ ایک دم سائیڈ میں ہو گیا تھا۔ باہر نکلنے والی عرشیہ ہی تھی۔ حمید خان بھی ابھی تک اپنے کمرے میں داخل نہیں ہوا تھا۔ عرشیہ کا باہر نکلنا کوئی اہم بات نہیں تھی، لیکن جس طرح وہ کھوئے کھوئے انداز میں باہر نکلی تھی اس نے چوہدری شاہنواز کو چونکا دیا اور وہ اپنی جگہ دیوار سے چپک کر رہ گیا۔ حمید خان نے بھی یہی عمل کیا تھا مگر عرشیہ ان دونوں سے بے نیاز چہرہ سیدھا کیے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

چوہدری شاہنواز نے حمید خان کی طرف دیکھا اور حمید خان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا، عرشیہ جب کوئی پچاس قدم آگے نکل گئی تو حمید خان نے کہا۔ "صاحب جی آیئے مجھے لگ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر کچھ منکشف کرنا چاہتا ہے۔"

"مم...... مگر حمید خان......" چوہدری شاہنواز نے کہنا چاہا۔

حمید خان نے عاجزی سے ہاتھ جوڑ دیئے اور ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی وہ چوہدری شاہنواز کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔

چوہدری شاہنواز عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔ عرشیہ کئی راہ داریاں عبور کرنے کے بعد گھر کے بیرونی حصے میں نکل آئی اور پھر اس کا رخ اس جانب ہو گیا جدھر وہ درخت تھا جس کے نیچے چوہدری شاہنواز کی دانست میں بابا ادریس فروکش تھے، عرشیہ اسی جانب جا رہی تھی۔

حمید خان نے ایک طرف اشارہ کیا اور چوہدری شاہنواز کو لے کر ایک درخت کی آڑ میں پہنچ گیا۔ وہ درختوں کی آڑ لیتے ہوئے آخر کار اس درخت سے تھوڑے فاصلے پر پہنچ گئے جس کے نیچے راج گندل بیٹھا ہوا تھا۔ عرشیہ اس کے قریب پہنچی تو اس کی آواز سنائی دی۔ "جئے مہاراج، جئے بھوانی دیوی۔"

چوہدری شاہنواز کے ہوش اڑ گئے تھے۔

"جئے بھوانی دیوی کی نئی سیوک نئی داس، ہم تجھے بھوانی دیوی کے چرنوں میں سوئیکار کرتے ہیں۔ آخر کار بھوانی دیوی نے تیری اچھا پوری کر ہی دی۔ آ بھوانی دیوی کے سامنے بیٹھ جا۔" یہ الفاظ بابا ادریس کے منہ سے نکل رہے تھے اور چوہدری شاہنواز سکتے کی سی کیفیت میں تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

بابا ادریس کے روپ میں راج گندل نے اپنی جھولی سے ایک مجسمہ نکالا اور اسے سامنے رکھ دیا۔ عرشیہ نے دونوں ہاتھ جوڑے اور مجسمے کے سامنے سجدہ ریز ہوگئی۔

آہستہ آہستہ چوہدری شاہنواز کے اندر زندگی بے دار ہوئی اور اس کے پورے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ عرشیہ کی یہ حالت دیکھ کر اس کے خون میں کھولن پیدا ہو گئی تھی۔ پھر عرشیہ سیدھی ہوئی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ کھڑی ہو گئی، پھر عرشیہ نے بھوانی دیوی کے مجسمے کے سامنے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ دیوانہ وار رقص کرتی رہی۔ تقریباً پندرہ منٹ تک یہ رقص طوفانی انداز میں جاری رہا اور اس کے بعد وہ تھک کر پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مجسمے کو پرنام کیا۔

شاہنواز کی قوت برداشت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ حمید خان اس کے دونوں بازو پکڑے ہوئے تھا اور اسے بار بار سہارا دے رہا تھا اور اشارہ کر رہا تھا کہ وہ خاموش رہ کر صورت حال کا جائزہ لیتا رہے، لیکن شاہنواز دیوانہ ہوتا جا رہا تھا تب اس نے عرشیہ کی آواز سنی۔

''ہاں...... راج گندل مہاراج! میں نے اپنی بچی کو سپنے میں دیکھا تھا، وہ مجھے ماما ماما کہہ کر پکار رہی تھی۔''

''اور وہ سمے دور نہیں کہ وہ خود جیتی جاگتی تیرے سینے سے لپٹ جائے گی۔ بس تجھے بھوانی دیوی کے سات استھان پورے کرنا ہوں گے۔''

''میں تیار ہوں مہاراج، میں تیار ہوں۔''

''او کتے، او بے غیرت، او ذلیل انسان، اللہ تجھے غارت کرے۔ تو پھر بابا ادریس کے بھیس میں آ گیا۔'' چوہدری شاہنواز کی قوت برداشت جواب دے گئی اور وہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔

راج گندل نے منہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اچانک ہی اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ آزاد ہو گیا۔ ''چل تو بھی آ گیا، آ جا آ جا، تجھ سے بھی تو دو دو ہاتھ کرنے ہی تھے۔''

☆

اس نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور چوہدری شاہنواز کو یوں لگا جیسے اس کے اور راج گندل کے درمیان کوئی دیوار آ گئی ہو۔ وہ اس دیوار سے ٹکرایا تھا، راج گندل مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔ ''چوہدری شاہنواز، تو نے میرا مٹھ تباہ کیا تھا، میرے متروں کو مارا تھا۔ تیرا کیا خیال ہے تیرے لیے میرے من میں دیا آئے گی۔ میں تو تیرے پورے پریوار کو نشٹ کر دوں گا۔ ادریس تو کہیں دم دبا کر بھاگ گیا۔ اس نے مجھ سے ٹکر لی تھی اس لیے اسے اس کے سارے عقیدت مندوں میں بدنام کر دیا۔ سارے کے سارے اس سے نفرت کرنے لگے اور تو نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس کے اپنوں نے ہی اس کا گھر جلا کر بھسم کر ڈالا۔ میں نے اس سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ادریس، راج گندل کا راستہ مت کاٹ، میں تجھے تباہ و برباد کر دوں گا۔ پر نہیں مانا اور اب کسی چوہے کے بل میں جا چھپا ہے۔ بہت تیس مار خاں سمجھتا تھا اپنے آپ کو۔ سارے کھیل بگاڑ دیئے تم نے اس کے۔ راج گندل ہوں میں، پہلے میں مہا سابلی کے چرنوں میں رہتا تھا اور اس سے مجھے دور کرنا تیرا ہی کام تھا۔ تو نے میرا مٹھ جلا دیا، ڈیرہ تباہ کر دیا اور میرے دشمنوں میں شامل ہو گیا۔ سمے سمے کی بات ہوتی ہے۔ راج گندل مہا شکتی مان تو نہیں بن سکا پر اب اس کی شکتی نے نئے رنگ اختیار کیے ہیں۔ میرا دشمن نمبر ایک تو جا چھپا ہے مجھ سے کہیں بچ کر، لیکن تجھے بھی تو مزہ چکھانا تھا۔ تو دیکھ لے کیا ہو رہا ہے تیرے ساتھ تمہاری تیری یہ پتنی بھی گئی۔ پہلی کو میں نے ہی نشٹ بھشٹ کر دیا اور اب یہ بھی میرے چنگل میں ہے کیا سمجھا؟''

''اور تو میرے چنگل میں ہے راج گندل۔'' چوہدری شاہنواز نے دیوانہ وار کہا اور بسم اللہ کہہ کر راج گندل اور اپنے درمیان قائم دیوار سے ٹکر ماری پھر وہ دیوار سے گزرتا چلا گیا اور سیدھا راج گندل سے جا ٹکرایا۔ راج گندل کو شاید اپنی یہ جادوئی دیوار ٹوٹنے کا اندازہ نہیں تھا، وہ چوہدری شاہنواز کی ٹکر سے بری طرح اچھلا اور اپنے عقب میں موجود

درخت سے ٹکرایا۔ چوہدری شاہنواز پر دیوانگی طاری ہو رہی تھی، اس نے جھپٹ کر راج گندل کو پکڑ لیا اور راج گندل کے حلق سے دہشت ناک چیخیں نکلنے لگیں۔ چوہدری شاہنواز نے اس کے پیٹ میں ایک زوردار لات ماری اور راج گندل اچھل کر دور جا گرا۔

اچانک اس نے زمین پر تڑپنا شروع کر دیا۔ کچی زمین تھی۔ گرد و غبار کا طوفان فضا میں بلند ہو گیا۔ راج گندل کا بدن زمین سے رگڑ کھا کر گھوم رہا تھا اور فضا میں مٹی کی چادر بلند ہوتی جا رہی تھی۔ پھر زمین میں ایک گڑھا بن گیا اور راج گندل بالکل اس طرح آہستہ آہستہ اس گڑھے میں اترنے لگا جیسے کسی مشین سے زمین میں ڈرل کی جاتی ہے۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ سامنے کیے اور اس کے بعد ایک سرنگ سی بنتی چلی گئی جس میں وہ برق رفتاری سے آگے بڑھتا ہوا اس عمارت کی حد سے باہر نکل گیا

گرد و غبار کی چادر ختم ہوئی تو چوہدری شاہنواز اور حمید خاں نے اس گڑھے کو دیکھا اور ششدر رہ گئے۔ چوہدری شاہنواز نے گڑھے میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کی۔ وہ عرشیہ کی جانب مڑا جو اب زمین پر بیٹھ گئی تھی اور اس نے گھٹنوں میں سر چھپا لیا تھا۔ چوہدری شاہنواز بری طرح ہانپ رہا تھا۔ حمید خاں کی بھی بری حالت تھی۔ خوف و دہشت سے بھرپور یہ مناظر بھلا عام انسانی آنکھوں نے کہاں دیکھے ہوں گے۔ حمید خاں اس جادوگری کو تعجب اور خوف کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

آخر کار شاہنواز نے سنبھالا لیا اور آہستہ قدموں سے چلتا ہوا عرشیہ کے پاس پہنچا۔ پھر اس نے ڈرتے ڈرتے عرشیہ کے بازو پر ہاتھ رکھا اور اسے آواز دی۔ ''عرشیہ عرشیہ۔''

عرشیہ کو اس نے ہلکا سا جھنجھوڑا تو وہ ایک طرف لڑھک گئی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

چوہدری شاہنواز نے حمید خاں کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''حمید خاں یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔''

''سر جی اندر لے چلیں مالکن کو۔''

''آؤ میرے ساتھ میری مدد کرو۔'' چوہدری شاہنواز نے کہا۔

پھر وہ دونوں عرشیہ کو بیڈ روم میں لے آئے۔ کوٹھی کے دوسرے مکینوں کو اس صورت حال کا ذرا بھی علم نہیں ہوا۔ عرشیہ کو بستر پر لٹا دیا گیا وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ چوہدری شاہنواز اس کے پاس بیٹھ گیا۔

حمید خاں بولا۔ ''سر جی، میرے لیے کیا حکم ہے؟''

''کیوں حمید خاں، تھک گئے ہو ان واقعات سے؟'' چوہدری شاہنواز نے پژمردہ

میں کہا۔

''سر جی آپ کا غلام آپ کے لیے جان دے سکتا ہے۔ میں آپ کے حکم کے بغیر ئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔''

''بیٹھ جاؤ حمید خاں میرے دوست۔ اب تم میرے ملازم کہاں رہے۔ مجھ پر بپتا ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت اکیلا محسوس کر رہا ہوں۔'' اس کے اشارے پر حمید خاں جگہ بیٹھ گیا۔ چوہدری شاہنواز نے سر پکڑ لیا تھا اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا رونے لگا۔ حمید خاں تڑپ گیا تھا۔

''روئیے نہیں صاحب جی، ہر انسان پر آزمائش کا وقت آتا ہے، اس کمینے جادوگر کو نا پڑا۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا حمید خاں کیا کریں، بابا ادریس کہیں روپوش ہو گئے ہیں اور مینے کی بن آئی ہے۔ ایک بار پھر ہم بابا ادریس کے بھیس میں اس سے دھوکا کھا گئے اس نے ہم پر بھرپور وار کر ڈالا۔ وہ مجھ سے بھی انتقام لینا چاہتا ہے اور ایک شیطان ر کسی کا دشمن بن جائے تو ہم کیا کر سکتے ہیں، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ شاہینہ بے اپنی آگ میں جھلستی ہوئی دنیا سے چلی گئی۔ آہ جس طرح شاہینہ اس دنیا سے چلی گئی، طرح عرشیہ بھی چلی جائے گی، کیونکہ بہرحال وہ راج گندل کے گندے جادو کا شکار ہو ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں کہ وہ کیسی کیسی بھیانک شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی ن آٹھ آٹھ انچ باہر لٹک آتی ہے۔ چہرہ بھیانک ہو جاتا ہے۔ پچھلی رات یہی ہوا تھا۔ کچھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟''

''صاحب جی، بابا ادریس کا تو کوئی پتہ نہیں ہے، کیوں نہ ہم بابا سلامت علی کے ہی چلیں؟''

حمید خاں کی تجویز پر شاہنواز غور کرنے لگا پھر بولا۔ ''ہاں بابا سلامت شاید ہمارے جائیں۔ حمید خاں یہ کام تمہیں کرنا پڑے گا۔ تم صبح ہی بابا سلامت کی تلاش میں نکل انہیں ہر قیمت پر یہاں لے آؤ۔ میں تو عرشیہ کو چھوڑ نہیں سکتا۔ تمہیں اس بات کا علم ''

''جی میں جانتا ہوں، میں ابھی چلا جاتا ہوں۔'' حمید خاں نے کہا اور شاہنواز گردن بیٹھ گیا۔ وہ واقعی سخت پریشان ہو گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

راج گندل بمشکل تمام جان بچا کر بھاگا تھا، زیر زمین سرنگ بنا کر بھاگنے والا عمل اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ وہ زخمی ہو گیا تھا اور پھر سارے زخموں پر مٹی چپک گئی تھی۔ لیکن جہاں وہ زمین سے باہر نکلا وہاں کا ماحول غنیمت تھا۔ چوہدری شاہنواز کی حویلی سے کافی دور پہنچ کر وہ اپنی بنائی ہوئی سرنگ سے باہر نکلا تھا، اس کی حالت بری ہو رہی تھی، وہ اوپر نکلنے کے بعد اپنی آنکھوں اور منہ میں بھر جانے والی مٹی کو صاف کرنے لگا۔ تبھی اسے قہقہے کی آواز سنائی دی اور وہ اچھل پڑا۔ منکاری اس کے سامنے آ گیا۔ قہقہے کی آواز منکاری ہی کی تھی۔

''کیا بھبھوت مل رکھا ہے تو نے اپنے شریر پر، سچ مچ بھوت ہی لگ رہا ہے۔''

راج گندل نے آنکھوں سے مٹی صاف کرتے ہوئے آنکھیں کھولتے ہوئے کہا۔

''اور آپ ہنس رہے ہیں منکاری مہاراج؟''

''تو نے حلیہ ہی ایسا بنا رکھا ہے۔ کیسا ڈر کر بھاگا وہاں سے؟''

''منکاری مہاراج! میرے زخموں میں سخت تکلیف ہو رہی ہے، مٹی چپک گئی ہے۔''

''تو نے بھوانی ماتا کی شکتی کو ٹٹولا ہی نہیں۔''

''میں سمجھا نہیں مہاراج!''

''بتاتا ہوں۔'' منکاری نے کہا اور پھر اس نے زمین پر ایک مستطیل بنایا اور اس پر ہاتھ پھیر دیا۔ ایک چھوٹا سا حوض نمودار ہو گیا، جس میں پانی لہریں لے رہا تھا۔

''جا ڈوب مر اس چلو بھر پانی میں۔'' منکاری نے کہا اور پھر ہنسنے لگا۔

راج گندل اپنے زخموں میں اس قدر سوزش محسوس کر رہا تھا کہ اس نے سوچے سمجھے بغیر پانی میں چھلانگ لگا دی اور اپنے بدن سے مٹی چھڑانے لگا۔ منکاری ایک طرف جا بیٹھا تھا۔ راج گندل حوض سے باہر نکل آیا اور منکاری سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ کافی دیر گزر گئی۔ منکاری خاموش تھا۔

پھر راج گندل نے کہا۔ ''ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی منکاری مہاراج!''

''کیا؟''

''ادریس تو گیانی تھا اپنے گیان دھیان سے اس نے میرا مقابلہ کیا تھا اور مجھے اس کے سامنے سے ہٹنا پڑا تھا، مہاراج اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارا سارا گیان دھیان ان کے سامنے بے کار ہے۔''

منکاری کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ ''ہاں..... تو نے بچوں جیسی باتیں کی ہیں، تجھے خود

ہے کہ سنسار کے دو روپ ہیں، کالا سفید، اجالا اندھیرا، خوشبو بدبو، ایک روپ چندر ما تو دوسرا اماوس، چندر ما روشنی پھیلاتا ہے اور اماوس کی رات کالی ہوتی ہے۔ منش اس سنسار میں جو روپ لے کر آتا ہے وہ چندر ما کا ہے، کسی بچے کو تو نے کالی کا داس یا کالے علم والا دیکھا ہے۔ کبھی نہیں ہوتا ایسا۔ اس کے بعد منش کی بھاونائیں شروع ہوتی ہیں، واسنائیں شروع ہوتی ہیں، یہ بھاونائیں اور واسنائیں اس کے من کو نئے راستوں پر ڈالتی ہیں۔ ہر چیز کی ایک شکتی ہوتی ہے۔ ایک مان ہوتا ہے۔ کالی شکتی کا کھیل بھی کسی کا دیا ہوا ہے، ایک امتحان کے طور پر۔ سمجھ رہا ہے نا میری بات؟ ہم اس کمرے میں داخل نہیں ہو سکتے جہاں پوتر نام لکھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ اس بڑی شکتی کے نام ہیں جن سے ہم نے گردن موڑ لی ہے اور چھوٹی شکتی کے ساتھ چل رہے ہیں۔ ہم پتھر کی دیوار میں ٹکر ماریں گے تو سر پھٹے گا۔ ہمیں اپنی ہی جگہ سے گزرنا ہوتا ہے۔ تو نے ادریس کی بات کی ہے تو جان لے کہ سچ مچ اس کے پاس روشنی کی شکتی ہے۔ اس کا گیان چندر ما کا گیان ہے۔ ہم اس کا سامنا تھوڑی کر سکتے ہیں۔ ہم تو کالی رات کے مسافر ہیں۔ کالی شکتی والے اور تاریکی کتنی ہی گہری کیوں نہ ہو جب ایک دیا جل جاتا ہے تو تاریکی کو بھاگنا ہی پڑتا ہے۔ اس کے پاس ایک تعویذ تھا اور اسی تعویذ کی وجہ سے تجھے اس کے سامنے سے بھاگنا پڑا اور کالی شکتی اس پر قابو نہیں پا سکی۔ ارے ہاں پاگل! تو بھاگا ہے بالکل پاگلوں کی طرح، ذرا یہ تو دیکھ کہ بوتل تیرے پاس ہے یا نہیں۔''

''ہے مہاراج، اتنا میں جانتا ہوں کہ جب تک بوتل کا قیدی ہمارے قبضے میں ہے ہم جت رہے ہیں ورنہ مصیبت گلے پڑ جائے گی۔''

''چل اب کوئی صحیح جگہ پکڑ تیرے زخم کافی گہرے ہیں، خون نکلا جا رہا ہے۔'' منکاری نے کہا اور راج گندل کا چہرہ خوفناک ہو گیا۔

''اس نے مجھے زخمی کیا ہے چھوڑوں گا نہیں اسے، وہ حال بنا دوں گا اس کا کہ وہ بھی یاد کرے گا۔ مہاراج میں اس کی بیٹی کو مہا سالمی کی پجارن بنا دوں گا۔ ایسے چرکے لگاؤں گا اس کے دل پر کہ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔''

''چل چل جو کرنا ہے بعد میں کرنا، پہلے اپنے زخموں کو تو چاٹ باؤلے، بات بناتا ہے۔'' منکاری نے کہا اور راج گندل وہاں سے اٹھ کر آگے بڑھ گیا۔

❀ ❀ ❀

چوہدری شاہنواز کے برے دن اس کا تعاقب کر رہے تھے، سب کچھ بھول گیا تھا،

دولت جائیداد، شان و شوکت۔ بڑی حویلی شاہینہ کی موت کے بعد ویران ہو گئی تھی۔ ملازموں کا راج تھا وہاں۔ خود لکڑ موڑ والی حویلی میں بے کسی کا وقت گزار رہا تھا۔ عرشیہ کمرے میں بند تھی اور اس کی کیفیت بہتر نہیں ہوئی تھی، اس نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر خوب توڑ پھوڑ مچائی تھی۔ ڈیکوریشن پیس چکنا چور کر دیئے تھے۔ پردے پھاڑ دیئے تھے۔ شاہنواز کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی بھی خوفناک قدم اٹھا سکتی ہے۔ وہ اسے دوسرے کمرے میں لے آیا تھا۔ ملازم خوفزدہ ہو گئے تھے۔

حمید خاں، بابا سلامت کی تلاش میں گیا ہوا تھا، پچھلی بار بابا سلامت ہی نے مدد کی تھی، جس کی وجہ سے شاہینہ اس سحر سے آزاد ہو گئی تھی جو راج گندل نے اس پر پھونکا تھا، لیکن بعد میں شاہینہ زندہ نہیں بچ سکی تھی اور اس احساس نے چوہدری شاہنواز کو بڑا دل گرفتہ کر دیا تھا۔

پھر ایک اور روح فرسا خبر سننے کو ملی۔ حمید خاں واپس آ گیا تھا۔ اس نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔ ”بابا سلامت علی کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔“

چوہدری شاہنواز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے، پھر اس نے کہا۔ ”حمید خاں! بس تقدیر امتحان لے رہی ہے بلکہ امتحان کیا لے رہی ہے، سزا دے رہی ہے۔ یہ سزا تو بھگتنا ہی ہو گی۔“

”سرجی! عرشیہ بیگم صاحبہ کو کیوں نہ شہر کے ہسپتال میں داخل کرا دیا جائے۔“

”سوچا تو میں نے بھی ہے، مگر اس کی بیماری کا تجھے بھی علم ہے حمید خاں اور مجھے بھی۔ وہ بیماری نہیں ہے جادو ہے جس کا حل کسی دعا اور تعویذ میں ہی ہے۔“

”سرجی ایک بات کہوں؟“

”ہاں بول......“

”وہ پنج سورے والا تعویذ کیوں نہ ہم عرشیہ بی بی کی گردن میں ڈال دیں۔“

چوہدری شاہنواز کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔ ”ٹھیک کہتا ہے تو، آ جا میرے ساتھ۔“

حمید خاں، چوہدری شاہنواز کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو گیا جہاں عرشیہ بند تھی۔

عرشیہ ایک طرف سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ چہرہ جھکا ہوا تھا اس لیے نظر نہیں آ رہا تھا۔

چوہدری شاہنواز نے اسے آواز دی۔ ”عرشیہ۔“

عرشیہ نے گردن اٹھا دی۔ لیکن چوہدری شاہنواز کی جو کیفیت ہوئی وہ اپنی جگہ حمید

خاں کا بھی دم نکل گیا تھا۔ اس وقت عرشیہ کی آنکھیں کسی بھینس کی آنکھوں کی طرح بڑی بڑی ہو رہی تھیں، ہونٹ مڑے ہوئے تھے، دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ اس کے حلق سے ایک خوفناک غراہٹ نکلی اور اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔ ہاتھوں کے ناخن ایک ایک انچ لمبے تھے، چوہدری شاہنواز سکتے کے سے عالم میں کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اس نے گلے سے تعویذ اتارا اور اسے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ ”عرشیہ، عرشیہ اسے پہن لو۔“

جواب میں عرشیہ کی اس قدر بھیانک چیخ سنائی دی کہ کمرے کی دیواریں لرز گئیں۔ وہ اپنی جگہ سے اچھلی اور دروازے کی جانب بھاگی، حمید خاں کے سینے پر اس کی لات لگی اور حمید خاں کو یونہی محسوس ہوا جیسے اس کی پسلیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ عرشیہ دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔

”پکڑو حمید خاں پکڑو اسے۔“ چوہدری شاہنواز، عرشیہ کے پیچھے دوڑ پڑا، لیکن اس کے فرشتے بھی عرشیہ کو نہیں پکڑ سکے تھے۔ ملازمین یہ بھاگ دوڑ دیکھ رہے تھے انہوں نے شاید عرشیہ کا چہرہ بھی دیکھ لیا تھا اور وہ خوفزدہ ہو گئے تھے۔

”ارے پکڑو اسے۔“ چوہدری شاہنواز دھاڑا۔

عرشیہ بیرونی حصے میں نکل آئی۔ لیکن گیٹ کی طرف جانے کے بجائے وہ بغلی سمت بھاگی اور ایک پیڑ پر چڑھتی چلی گئی اور بلند و بالا پیڑ پر کافی بلندی پر جا بیٹھی۔ چوہدری شاہنواز پیڑ کے نیچے آ کھڑا ہوا تھا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ”عرشیہ! خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ نیچے آؤ عرشیہ نیچے آؤ۔“

عرشیہ کی غراہٹیں گونج رہی تھیں، لیکن وہ نیچے نہیں آئی۔

”حمید خاں! کیا کروں؟“ چوہدری شاہنواز سینہ ملتے ہوئے بولا۔

”صاحب جی اگر وہ پیڑ سے نیچے اتر گئیں تو ہم انہیں نہیں پکڑ سکیں گے، آپ ایک کام کریں۔“ حمید خاں بولا۔

”بتاؤ حمید خاں۔“

”پنج سورہ اس چھوٹی شاخ سے باندھ دیں، وہ نیچے نہیں اتریں گی، اس کی برکت سے وہ خوفزدہ ہوں گی کیونکہ ان پر شیطان مسلط ہے۔“

شاہنواز نے تعویذ درخت کے نچلے حصے میں نکلے ہوئے ایک حصہ سے باندھ دیا۔ عرشیہ کی غراہٹیں کبھی کبھی چیخوں کی شکل اختیار کر لیتی تھیں۔ پھر وہ لوگ وہاں سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ چوہدری شاہنواز نے پوچھا۔ ”کیا بات ہے تم سینہ کیوں مل رہے ہو بار

بار؟"

"صاحب جی ہم بہت بڑی مشکل میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ آپ یہ سمجھ لیجیے کہ عرشیہ بی بی اس وقت انسان ہیں ہی نہیں، باہر نکلتے ہوئے ان کی لات میرے سینے پر پڑی تھی۔ آپ یقین کریں مجھے یوں لگا تھا جیسے کسی نے پوری قوت سے ہتھوڑا میرے سینے پر دے مارا ہو۔ اتنا درد ہو رہا ہے صاحب جی کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتا۔"

"ہاں..... اندازہ ہو رہا ہے۔" شاہنواز نے ایک گہری سانس لے کر کہا، پھر کچھ دیر کے بعد بولا۔ "اب تو سارے ملازموں پر بھی یہ بات کھل گئی ہے۔"

"آپ یہاں اگر رکیں صاحب جی تو میں ذرا اندر جا کر دیکھوں۔" حمید خاں نے کہا۔

"جاؤ ذرا انہیں سمجھاؤ، اب ہمیں ان سب کو بھی اعتماد میں لینا ہوگا، جو بپتا پڑی ہے ہم اکیلے اسے نہیں سنبھال سکتے۔" شاہنواز نے کہا اور حمید خاں کراہتا ہوا اندر کی جانب چل پڑا۔

شاہنواز درخت سے کچھ فاصلے پر زمین پر جا بیٹھا، عجیب صورت حال ہو گئی تھی۔ عرشیہ کی آوازیں درخت سے سنائی دے رہی تھیں۔ تعویذ کی موجودگی میں وہ درخت سے نیچے نہیں اتر پا رہی تھی۔ حمید خاں کا مشورہ بالکل ٹھیک تھا، شاہنواز کو اندازہ تھا کہ اگر وہ درخت سے نیچے اتری تو نہ جانے کیا کیا کچھ کرے۔

تھوڑی دیر کے بعد حمید خاں چار پانچ ملازموں کے ساتھ آ گیا۔ چوہدری شاہنواز کو شرمندگی ہو رہی تھی۔ ملازمین نہ جانے کیا سوچ رہے ہوں، حمید خاں نے کہا۔ "صاحب جی یہ کوئی حل تو نہیں ہے کہ عرشیہ بیگم صاحب درخت پر چڑھی رہیں۔ تعویذ ہٹانا ہوگا۔ انہیں درخت سے اتارنا ہوگا اور پھر ہم انہیں اندر کمرے میں لے جائیں گے۔ اب جو بھی صورت حال ہو میں نے ان لوگوں کو سمجھا دیا، بتا دیا ہے میں نے انہیں کہ بیگم صاحب جی پر دورہ پڑا ہے، انہیں سنبھالنا ہے، یہ تو ڈرے ہوئے تھے۔"

شاہنواز نے غمزدہ انداز میں گردن ہلائی اور تعویذ درخت سے اتار لیا گیا۔ اسی وقت اوپر سے عرشیہ کی آواز سنائی دی۔ "شاہنواز یہ کیا ہو رہا ہے مجھے پیڑ پر کیوں چڑھا دیا گیا ہے۔ میں گر پڑوں گی مجھے ڈر لگ رہا ہے، مجھے نیچے اتاریئے۔" اس وقت عرشیہ کا لہجہ بالکل نارمل تھا۔

شاہنواز اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر بمشکل تمام عرشیہ کو نیچے اتارا گیا وہ سہمی ہوئی تھی،

رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی۔ "ہائے یہ مجھے کیا ہو گیا، ہائے میرے جسم میں بڑا درد ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں نہ جانے کب سے بیمار ہوں، کیا ہو رہا ہے مجھے، آہ میں درد سے مری جا رہی ہوں، چوہدری صاحب! مجھے بچایئے۔" وہ زار و قطار رونے لگی۔

چوہدری شاہنواز کا دل بری طرح دکھنے لگا۔ عرشیہ سے کچھ ایسی ہی محبت ہو گئی تھی۔ لیکن مجبور تھا، حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ کوئی بات ہی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ پھر چوہدری شاہنواز نے حمید خاں سے کہا۔ "حمید خاں! ہم زندگی کی سب سے بڑی مشکل کا شکار ہو گئے ہیں۔ مجھے اپنی بچی یاد آتی ہے، آہ میں تو اس کا صورت آشنا بھی نہیں ہوں۔ تم یوں کرو حمید خاں کہ باہر جاؤ اور کسی ایسی بزرگ شخصیت کو تلاش کرو جو میری مشکل کا حل بن جائے، اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنے بے شمار نیک بندے چھوڑے ہوئے ہیں، جن کے ذریعے وہ اپنے بندوں کی مشکلات حل کرتا ہے، حمید خاں میری مدد کرو، ایسی کسی شخصیت کو تلاش کرو۔"

حمید خاں نے مغموم انداز میں گردن جھکا دی تھی۔

❀ ❀ ❀

راج گندل کافی زخمی ہو گیا تھا، ان دنوں وہ شدید بخار میں پھنک رہا تھا، کسی ڈھنگ کی جگہ تو رہنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی۔ وہی ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات، وہی جنگل بیابان، کوئی گندا جوہڑ، جو اس کا مقدر بن چکا تھا۔ پتہ نہیں ماضی میں اچھا انسان رہ بھی چکا تھا یا نہیں، نہ جانے کب سے ان کالی برائیوں کا شکار ہوا تھا، منکاری اس سے زیادہ دور نہیں رہتا تھا بلکہ اس نے اس کا علاج بھی کیا تھا اور اس علاج سے ہی راج گندل کو تھوڑا بہت افاقہ ہوا تھا، وہ شدید بخار کے عالم میں کبھی کبھی بحرانی کیفیت کا شکار ہو جاتا تھا۔

"من چاہتا ہے مہاراج اس سنسار کو ہی بھسم کر ڈالوں۔ آپ یقین کر لیں کہ اپنے مٹھ میں دیوتاؤں کی طرح پوجا جاتا تھا، کچھ فاصلے پر مسلمانوں کا محلہ تھا، جلتے تھے، جھلتے تھے، سسرے مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا۔ اب مجھے بتایئے منکاری مہاراج میں کیا کروں، ہائے میری شکتی، میرا ساتھ نہیں دے سکی۔"

"دیوی کا اپمان مت کر مورکھ، دیوی دیوتا تو صرف سہارا دیتے ہیں، کرنا خود ہی سب کچھ پڑتا ہے۔"

"سب کچھ تو کر چکا ہوں مہاراج! اب آپ مجھے بتایئے میری قائم کی ہوئی دیوار کیسے ٹوٹ گئی؟"

"بتا تو چکا ہوں کہ اس کے گلے میں وہ چیز تھی جو سنسار کے ہر جادو کا توڑ ہوتی ہے۔"

"پھر ہماری شکتی کس کام کی؟"

"تو بھاڑ میں جا، جیون وار دے، سنسار اتنا ہی برا لگ رہا ہے تو چھوڑ دے اس سنسار کو۔"

"یہی تو نہیں کرنا چاہتا مہاراج!"

"جو کچھ کرنا ہے تجھے خود ہی کرنا ہے مورکھ! میری تو کسی سے دشمنی نہیں ہے ادریس نے مجھے تو نقصان نہیں پہنچایا اور اب اس معمولی سے انسان نے جس کے پاس اپنی کوئی شکتی نہیں ہے تیرا یہ حشر کر دیا ہے۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ ٹکڑے کر دوں اس کے، اس کا گوشت کھا جاؤں کچا۔"

جواب میں منکاری کا قہقہہ ابھرا تھا۔ "منش کا من تو بہت کچھ چاہتا ہے، مگر عقل ساتھ دے تو کرنا وہی ہوتا ہے جس سے کوئی نتیجہ نکلے۔"

"آپ نے ہر مشکل میں میری سہائتا کی ہے مہاراج، مجھے بتائیے اب میں کیا کروں۔"

"وہ تیری داسی بن چکی ہے۔ اس سمے ادریس تو تیرے سامنے ہے نہیں، لیکن چوہدری شاہنواز ضرور ادریس کو تلاش کرے گا اور وہ ایک بار پھر تیرے سامنے آئے گا، اس سمے تک چوہدری کی دھرم پتنی تو تیری غلام ہے، تو نے اپنا گند اس کے وجود میں اتار دیا ہے اور وہ ایک گندی آتما بن چکی ہے تو اسی سے کام لے۔ پر ایک بات تجھے تجربے کی بتاؤں ماما کا جادو اس سنسار میں سب سے بڑا جادو ہے۔ سنتان کی محبت ہر جادو کا توڑ ہے وہ عورت ویسے تو تیرے چرنوں میں ہے، پر ہے وہ پتی ورتا۔ پتی ورتا نہ ہوتی تو یاداشت کھو جانے کے باوجود پتی کے چرنوں میں نہ ہوتی، اس سے بھی بڑی شخصیت اس کی بیٹی کی ہے اب سمے ہے کہ اس کی بیٹی کو تو اپنے قبضے میں کر لے اور اس طرح چوہدری شاہنواز کی دھرم پتنی عرشیہ کو اپنے ہر کام کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ سن جو میں تجھے بتا رہا ہوں، تو سب سے پہلے اس بچی کو اپنے قبضے میں کر اور اسے بھوانی ماں کا داس بنا، سارے شبدھ پڑھا اسے، پر یہ مت کر ڈالیو کہ فوراً ہی اپنی گند اس کے وجود میں اتار دے، تو اس بچی کو فوراً ہی اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش مت کرنا، اپنا تھوکا اسے نہ پلانا ورنہ آسمان کا تھوکا خود تیرے منہ پر آ جائے گا وہ تجھ پر اپنے اندر کی پوترتا اگل دے گی اور تو اس میں

جل کر بھسم ہو جائے گا۔ سمجھا، اسے پریم سے اپنے پاس رکھنا۔ پریم دینا اسے تاکہ وہ تیری گرویدہ ہو جائے اور اس کے بعد تو اسے اپنے کام میں لانا۔ اس عورت کو اپنے پتی کے ساتھ رہنے دے، جو تماشا تو نے اس کے پتی کو دکھایا ہے وہ کافی ہے اور اگر وہ ٹھیک ہوتی ہے اور اس چیز سے باہر نکلتی ہے تو اسے نکل جانے دے، پر اس کے بعد تو اسے ماما کے جال میں پھانس۔ اس کی بچی کو اس کے سامنے لا اور اسے مجبور کر کہ وہ خود ہی چوہدری شاہنواز کا کریا کرم کر دے، بدلہ ہی لینا چاہتا ہے نا تو اس سے۔ تو بدلہ اس طرح لے کہ تیرا دشمن جیتا بھی رہے اور آدھی گردن کٹے ہوئے بکرے کی طرح تڑپتا بھی رہے، مزہ تو اسی میں آئے گا۔"

"کہتے تو ٹھیک ہو مہاراج، ذرا میرا تاپ اتر جائے اس کے بعد مجھے اس بچی کا پتہ بتاؤ۔"

"ہاں رے...... سارے کام میں ہی کروں، تو حرام خوری کرتا رہ جیسے منکاری تیرا باپ ہے۔"

"پتا سے بھی بڑھ گئے ہو منکاری مہاراج۔"

"بیٹا ہر چیز کی ایک قیمت ہوتی ہے، جب قیمت چکائے گا تب پتہ چلے گا، ابھی تو چھلانگیں لگا لے ہرن کی طرح سے۔"

"پتہ نہیں تم کیا مانگو گے منکاری مہاراج۔ پتہ نہیں میں دے بھی سکوں گا یا نہیں۔" راج گندل نے پریشانی سے کہا اور منکاری ہنسنے لگا۔

✿ ✿ ✿

بشیر بیگ اور تاجی بڑے آرام کی زندگی گزار رہے تھے، جو لوگ بشیر بیگ کو جانتے تھے وہ یہی کہتے تھے کہ بشیر بیگ کو کوئی خزانہ مل گیا ہے، یا پھر اس کے قبضے میں کوئی جن آ گیا ہے جس کے ذریعے وہ امیر ترین بن گیا ہے، مگر بشیر بیگ جانتا تھا کہ وہ جن نینا ہی ہے جو اس کی تقدیر بدلنے کا باعث بنی ہے، باقی ساری باتیں بہت سوچنے کے باوجود سمجھ میں نہیں آتی تھیں، البتہ پچھلے کچھ عرصے سے وہ پریشان ہو گیا تھا، کیونکہ نینا کی کیفیت بہتر نہیں تھی، ویسے تو تاجی نے کتنی ہی بار یہ بات بتائی تھی کہ کوئی پراسرار قوت نینا کے ساتھ رہتی ہے، راتوں کو وہ اس سے باتیں کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ہنستی مسکراتی ہے، وہ اسے "ماموں جان" کہتی ہے لیکن ماموں جان نامی کوئی چیز نظر بھی نہیں آتی۔ بشیر بیگ کو اس بات کا بھی یقین ہو گیا تھا کہ ہوسکتا ہے نینا کا ماموں کوئی جن ہو، لیکن پچھلے کچھ عرصے

سے نینا کی کیفیت خاصی خراب تھی، وہ مرجھا کر رہ گئی تھی اور روز بروز دبلی ہوتی جا رہی تھی۔ بشیر بیگ نے ہر ممکن کوشش کر لی کہ نینا کا دل اپنے ہاتھ میں لے، بارہا اس نے نینا سے پوچھا بھی تھا کہ بیٹا کیا بات ہے۔

''چاچا جی، ماما نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔''

''بیٹا، ماما چلا گیا مگر میں تو ہوں۔''

''تم ہو مگر ماما نہیں ہے، چاچا جی میرے ماما کو واپس لا دو۔''

بشیر بیگ اس بارے میں اسے کوئی جھوٹا دلاسہ بھی نہیں دے سکتا تھا، وہ خاموش ہو جاتا، یہاں تک کہ ایک دن رات کو نینا کوٹھی سے باہر نکل گئی، وہ روتی ہوئی ''ماما جی ماما جی'' کہتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔ اور بشیر بیگ یا تاجی کو اس کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔

ہاں جب صبح کو وہ جاگے تو نینا تلاش کے باوجود اس کوٹھی میں نہیں ملی تھی، بشیر بیگ کچھ ہونق سا ہو گیا اسے نینا سے محبت ہو گئی تھی، بہت عرصے سے ساتھ تھی اور پھر اس کے علاوہ وہ بشیر بیگ کی تقدیر بدلنے کا باعث بھی بنی تھی۔ سارا دن وہ لوگ نینا کو تلاش کرتے رہے، ہر شخص سے پوچھا لیکن نینا کا کہیں پتہ نہیں چل سکا تھا۔

''وہ کہاں گئی اماں تاجی؟''

''مولا ہی جانتا ہے بیٹا، پر سچی بات یہ ہے کہ ہمیں ویران کر گئی وہ۔ اس کی وجہ سے یہ سب کچھ ملا ہے۔ اب تو ایسا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ یہ سب کچھ واپس کر دو اور نینا کو لے لو تو ہم فوراً تیار ہو جائیں گے۔''

بشیر بیگ چپکے چپکے آنسو بہانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکا تھا۔

ادھر راج گندل صحت یاب ہو گیا تھا، زندگی میں پہلی بار مار کھائی تھی اور زخمی ہوا تھا۔ راج گندل، چوہدری شاہنواز سے انتقام کی آگ میں تڑپ رہا تھا اور یہ بدروح منکاری اس کی ہر طرح سے سرپرستی کر رہا تھا، اس نے راج گندل سے کہا۔ ''ٹھیک ہو کر بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے، کام کیوں نہیں شروع کرتا؟''

''آپ کی مدد کے بناء میں کیا کر سکتا ہوں منکاری مہاراج؟''

''تو بیٹھے بیٹھے سارے کام ہو جائیں گے۔ گھر سے باہر نکل، لڑکی بھی گھر سے باہر نکل آئی ہے۔''

''کیا مطلب ہے؟''

''سڑکوں پر ماری ماری پھر رہی ہے، اس سمے بھی وہ ایک فٹ پاتھ پر سو رہی ہے۔''

''ارے مہاراج! اس سے اچھا موقع تو اور کوئی نہیں آ سکتا، ہم کیوں نہ اسے حاصل کر لیں۔''

''حاصل کر لیں۔'' منکاری نے منہ ٹیڑھا کرتے ہوئے کہا۔ ''نواسی لگتی ہے نا تیری کہ نانا جی نانا جی کہتی ہوئی تجھ سے آ لپٹے گی، اس گھٹیا صورت میں جا کر اس سے ملے گا، ہم گئی تو جان دے دے گی، تیرے پاس نہیں آئے گی۔''

''تو پھر میں کیا کروں منکاری مہاراج؟''

''بتاتا ہوں بیٹا۔ اپنے رجسٹر کو کھولے رکھنا، جو کچھ تیرے ساتھ کر رہا ہوں اس کا پورا پورا حساب لوں گا تجھ سے۔''

''ڈراتے رہتے ہو، مانگ لو نا پہلے مجھ سے گرودچھنا، یا تو گرودچھنا دے دوں گا، ورنہ پھر گرو کہنا چھوڑ دوں گا۔''

''تیرے گرو کہنا چھوڑ دینے سے کیا ہوتا ہے جو کچھ تیرے ساتھ کر رہا ہوں کیا میں اسے چھوڑ دوں گا؟''

''مہاراج جب بھی آپ یہ شبدھ کہتے ہو میرا من کانپنے لگتا ہے، کیا گرودچھنا مانگو گے تم مجھ سے، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے بس تم مجھے دھمکیاں ہی دیتے رہتے ہو۔''

منکاری ہنسنے لگا تھا پھر اس نے کہا۔ ''اب تو میری بات سن، لڑکی کو اس نے پالا ہے جے تو نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے اور وہ بھی میری ترکیبوں سے، وہ ادریس علی کے حکم پر لڑکی کو بچائے بچائے پھر رہا تھا، تو نے ایک ہی کام کیا ہے اب تک کہ اسے اپنی چھائی ما چھپا کر رکھا ہے۔ جس سمے وہ تیرے ہاتھ سے نکل گیا سمجھ لے کہ تیرا جیون تیرے اتھ سے نکل جائے گا۔''

''سمجھتا ہوں مہاراج!''

''اور دیوی نے تجھے جو ادھیکار دیئے ہیں ان میں سب سے بڑا ادھیکار یہ ہے کہ تو اپنا چہرہ بدل سکتا ہے، کیا سمجھا؟''

''سو تو ہے مہاراج! سچی بات یہ ہے کہ شاہنواز کا کریا کرم میں نے چہرہ بدل کر کیا ہے، ورنہ وہ میرے قبضے میں نہ آتا۔''

''تو اب بھی چہرہ بدل لے تاکہ لڑکی تیرے قبضے میں آ جائے۔''

''وہ کیسے مہاراج؟''

''باؤلے، اسی کا روپ اختیار کر لے جو بوتل میں بند ہے، سمجھ لے تیرا کام بن گیا،

لڑکی تجھے "ماماجی ماماجی" کہے گی اور تو بن جائے گا اس کا ماما اور پھر منکاری کو کون پوچھے گا۔"

"مہاراج! میں یہ جانتا ہوں کہ اب آپ کے بنا ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتا۔" راج گندل نے کہا۔

منکاری ایک معنی خیز ہنسی ہنسنے لگا پھر بولا۔ "سو تو ہے اچھا چل اب اپنا روپ بدل لے تاکہ میں تجھے اس لڑکی کے پاس لے چلوں۔"

راج گندل! عالی جاہ کا روپ اختیار کرنے کی تیاریاں کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ عالی جاہ کے روپ میں تھا، منکاری اسے دیکھ کر خوب ہنسا اور بولا۔ "ایک اندر ایک باہر، چل آ۔" اور اس کے بعد دونوں چل پڑے۔

معصوم بچی ماماجی کو ڈھونڈتی ہوئی کہیں سے کہیں آ نکلی تھی، وہ واپسی کا راستہ بھی نہیں جانتی تھی، پھر جب بری طرح تھک گئی تو ایک فٹ پاتھ پر لیٹ کر سو گئی۔ کسی نے کوئی توجہ نہیں دی تھی اس پر، لیکن شیطان منکاری اس کی کھوج لگا آیا تھا اور راج گندل کو عالی جاہ کے روپ میں لے کر وہ سیدھا وہیں پہنچ گیا۔

راج گندل پھٹی پھٹی آنکھوں سے بچی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے نکلا۔ "آہ کاش یہ بچی مجھے اس وقت مل جاتی جب میں مہا سابلی کا داس تھا۔ اس سمے اگر یہ مجھے مل جاتی تو میں آج سنسار کا سب سے مہان شکتی مان ہوتا۔" منکاری نے اس کے سر پر ایک دھول لگاتے ہوئے کہا۔ "سسرے بھوانی، ماں کا اپمان کر رہا ہے۔ تیرے من میں اب بھی مہا سابلی اور کالی دیوی رچی ہوئی ہیں جبکہ بھوانی ماں نے تجھے اپنے چرنوں میں سویکار کر لیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا حرام خور تو اس وقت تو کتوں کی طرح مارا مارا پھر رہا ہوتا۔ بھیک ہی مانگنی پڑتی تجھے اس سنسار میں۔"

"شما چاہتا ہوں مہاراج! بس اس بچی کو دیکھ کر جذباتی ہو گیا ہوں۔"

"دیکھ سارے جذبات تیرے بھاڑ میں مل جائیں گے اگر کہیں ذرا بھی غلطی کر گیا۔"

"نن...... نہیں کروں گا مہاراج!"

"چل اس کا سر اپنی گود میں لے کر بیٹھ جا۔"

راج گندل نے لرزتے ہاتھوں سے بچی کا ریشمی بالوں والا سر پکڑا، اپنے زانو پر رکھا تو اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے سہمے ہوئے انداز میں اٹھ کر اپنے آپ کو چھونے والے کو دیکھا اور دوسرے لمحے اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ "ماماجی۔" یہ کہہ کر وہ راج

گندل سے لپٹ گئی تھی اور اس طرح بے اختیار ہو کر روئی تھی کہ راج گندل پریشانی سے منکاری کو دیکھنے لگا تھا۔

"آگے تو جان تیرا کام میں چلتا ہوں۔"

"مم...... مم...... مم...... مم۔"

"چپ کر مم مم کے بچے اسے سنبھال۔" منکاری نے کہا اور وہاں سے روپوش ہو گیا۔

بچی راج گندل کے سینے میں منہ چھپا کر بلک بلک کر روئے جا رہی تھی اور سسکیوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے ماماجی! میں تمہیں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ ماماجی مجھے چھوڑ کر نہ جایا کرو، میں مر جاؤں گی ماماجی۔"

"ہاں تو چل میرے ساتھ چل۔" راج گندل نے کہا اور بچی کو لے کر وہاں سے چلا۔

راستے میں منکاری پھر مل گیا۔ وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا، اس نے راج گندل کے کان میں کہا۔ "سسرے تیری تو بدھی ہی سو گئی ہے، سمے سے پہلے کوئی بات سوچنا تیرے بس میں نہیں رہا ہے چل ٹھیک ہے، تیری انگلی پکڑ کر تجھے چلانا ہی میرے بھاگ میں لکھا ہے تو یہی سہی۔ چل آ، لے کر کدھر جائے گا اس کو اب؟"

"ایں۔" راج گندل کے منہ سے نکل گیا۔

"چلتا جا وہ سامنے جو گھر نظر آ رہا ہے نا اس کے دروازے سے اندر داخل ہو جا، وہ گھر تیرے لیے ہے۔"

راج گندل بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا، لیکن بچی کی موجودگی کی وجہ سے وہ خاموش رہا، ہاں وہ گھر جس کی جانب منکاری نے اشارہ کیا تھا بہت خوبصورت تھا، چھوٹا سا تھا مگر یہاں ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود تھی، بچی نے اس نئے گھر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ماما جی یہ کون سی جگہ ہے؟"

"بیٹا، یہ ہمارا نیا گھر ہے، اب ہم یہاں رہا کریں گے۔"

"بہت اچھا ہے یہ ماماجی! پر ایک بات کہوں اب تم مجھے چھوڑ کر مت جانا، نہیں تو میں مر جاؤں گی ماماجی!"

راج گندل نے کوئی جواب نہیں دیا، بچی بے اختیار ہو کر اسے چومتی تھی کہ راج گندل پریشان ہو جاتا تھا۔ اس کے دل میں بے اختیار خواہش مچلنے لگتی تھی کہ وہ بھی بچی کی

محبت کا جواب اسی محبت سے دے، وہ عجیب سی کشمکش کا شکار ہونے لگا تھا۔

بچی کے ساتھ یہاں رہتے ہوئے اسے کئی دن گزر گئے۔ منکاری پورے کا پورا شیطان تھا۔ ایک دم سے دور ہو گیا تھا حالانکہ راج گندل نے کئی بار اسے آوازیں دی تھیں۔ مگر وہ نہیں آیا تھا، راج گندل بچی کے ساتھ گھر میں ہی رہتا تھا اور بچی کے سوالات کے جوابات بڑی مشکل سے دیتا تھا۔ بچی اس سے پوچھتی تھی۔ ''ماما جی! تم چلے کہاں گئے تھے، تم تو روز میرے پاس آتے تھے مجھ سے باتیں کرتے تھے، ماما جی یہ تو اچھی بات نہیں ہے، تم نے یہی کہا تھا کہ نینا میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔''

''ہاں وہ بس بیٹا، تھوڑا سا کام تھا چلا گیا تھا۔''

''نہیں ماما جی اب مت جانا۔'' راج گندل بڑا پریشان ہو گیا تھا۔ پہلی بار اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ بھی کسی انسان ہی کے گھر پیدا ہوا تھا۔ نہ جانے وہ کون سے عوامل تھے جس نے اس کے اندر شیطان جگایا تھا۔ اب یہ بچی اس کے دل میں گھر کرتی جا رہی تھی اور کتنی ہی بار اس کی سوچوں میں عجیب و غریب تبدیلیاں پیدا ہوئی تھیں، اس نے سوچا تھا کہ بھاڑ میں جائے یہ سب کچھ اسے بھوانی شکتی حاصل ہے، اس بھوانی شکتی کو استعمال کرتے ہوئے وہ اپنے لیے ایک گھر بنا لے گا اور اس گھر میں اس بچی کے ساتھ رہے گا۔ بچی نہ شاہنواز کو ملے گی نہ عرشیہ کو۔ یہ اتنی پیاری ہے کہ اسے اپنے من میں ہی بٹھائے رکھنے کو من چاہتا ہے، بیشتر اس نے یہ سوچا تھا۔ اس کے اندر پریشانیاں گھر کرتی چلی جا رہی تھیں، ابھی تک وہ اس اسلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، اس دن بھی اس نے بڑے غصے سے کہا۔ ''منکاری مہاراج، گرو مانا ہے۔ سارے جیون میں کبھی کسی کو گرو نہیں مانا خود اپنے آپ کو گرو سمجھا ہے اور اب میں نے تمہیں گرو مانا ہے تو تم نخرے کر رہے ہو۔ گرو دچھنا گرو دچھنا کرتے رہتے ہو۔ جو بھی گرو دچھنا مانگو گے دوں گا تمہیں مہاراج! پر اس طرح مجھے منجدھار میں تو نہ چھوڑو۔ یہ بچی میری جون ہی بدلے دے رہی ہے۔ سارا جیون کالے کرتوتوں میں گزارا ہے۔ اپنے آپ کو شکتی مان بنانے کے لیے نہ جانے کس کس کی گردن کاٹی ہے، پر اب تو میری ہی گردن کٹ رہی ہے مہاراج! بتاؤ تو سہی کہ میں کیا کروں، میرا تو من اب یہ چاہتا ہے کہ برائی کرنا چھوڑ دوں اور اس بچی کو اپنے کلیجے سے لپٹا کر جیون بتا دوں، یہ ایک نیا جیون ہو گا میرے لیے منکاری مہاراج! کہاں مر گئے ہو تم، مجھے مشورہ تو دے دو۔''

جواب میں منکاری کا قہقہہ اس کے کانوں میں ابھرا تھا۔ نینا اس وقت اندر کے

کمرے میں سو رہی تھی۔ منکاری کے قہقہے کی آواز سن کر راج گندل چونک پڑا اور اس نے نہلے لہجے میں کہا۔ ''تم سچ مچ آ گئے ہو یا مجھے دھوکا ہو رہا ہے۔''

''حرام خور اب تو مجھے بھی دھوکا سمجھنے لگا ہے۔''

''منکاری مہاراج! یہ تو گرو والی بات نہ ہوئی کہ تم مجھے اکیلا چھوڑ گئے۔''

''تیرا ستیاناس جائے، تو نے تو مجھے اپنا داس بنا کر رکھ لیا ہے، گرو اور داس میں کوئی ازنی ہی نہیں سمجھتا۔ اس طرح بات کر رہا ہے مجھ سے جیسے مجھے ہمیشہ تیرے چرنوں میں رہنا چاہیے۔''

''اصل میں تم میری پریشانی کو نہیں سمجھ رہے مہاراج، نجانے کیا ہو گیا ہے مجھے، لگتا زیوں ہے جیسے یہ میرا انت ہو، سنسار میں آج تک کوئی بات بن کر ہی نہیں دی، پتہ نہیں کیا ہوگا میرا اور کیا نہیں ہوگا۔''

''کیا موت آئی ہے اب تجھے؟''

''کوئی موت نہیں آئی، بس آگے کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا۔''

''کیسا فیصلہ؟''

''بچی میرے پاس آ گئی ہے اور میں اسے ماما ہی کی طرح پال رہا ہوں، یہ بتاؤ اب کروں کیا؟''

جواب میں منکاری قہقہے پر قہقہے لگانے لگا، پھر بولا۔ ''اچھا چیلا ہے بھائی میرا، ایک ایک قدم مجھ سے پوچھ کر چل رہا ہے، تیرے من میں اصل میں بچی کے لیے پریم آ گیا ہے جو تجھے پریشان کر رہا ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے مہاراج!''

''راج گندل! جیون میں کتنوں کو بدنام کیا ہے تو نے، کتنوں کو جیون سے مکتی دی ہے، کتنوں کو پریشان کیا ہے کچھ یاد ہے۔''

''بہت سوں کو مہاراج، یاد کرنے کو من ہی نہیں کرتا۔''

''اور اب تیرے من میں پیار کی جوت جاگ گئی ہے، پاگل کے بچے! جب منش کالے دھرم میں قدم رکھتا ہے تو سب سے پہلے کون سی قسم کھاتا ہے یاد ہے؟''

''ہاں مہاراج یاد ہے، وہ یہی کہتا ہے کہ تن من دھن سب ان کا ہے جو سنسار میں مہا سابلی کے داس ہیں۔ رحم نام کی کوئی چیز اگر من میں ہو تو مہا سابلی کا گیان نہیں ملتا، یہ سوگند کھائی جاتی ہے۔''

"اور اب تو اس سوگند سے منہ موڑ رہا ہے۔"

"میں منہ موڑ نہیں رہا مہاراج! میں تو بس آپ کا آشیرواد چاہتا ہوں۔"

"آشیرواد ہی آشیرواد ہے راج گندل! سنسار میں ہر منش کو جیون کے ساتھ ساتھ بڑی کٹھائیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، انہی کٹھائیوں کا نام جیون ہے اور جب وہ جیون تیاگ دیتا ہے تو سمجھ لے کہ پھر کچھ باقی نہیں رہتا۔"

"مگر میں تو مہاراج امر بننا چاہتا ہوں۔"

"چاہنے کو تو سنسار والے نجانے کیا کیا چاہتے ہیں، منکاری سے زیادہ خواہش مند ہو گا تو جیون کا، جس نے عین اس سمے جب اسے گیان دھیان سنگھاسن ملنے والا تھا جیون گنوا دیا۔ میرے من میں جانتا ہے سب سے بڑی اچھا کیا ہے۔ میرا من چاہتا ہے کہ ایک بار پھر سنسار میں منکاری کا راج ہو، بڑی بڑی طاقتیں منکاری کے چرنوں میں شیش جھکا دیں۔ پر تو نے دیکھا ایک ذرا سی بھول منش کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہے۔ چل چھوڑ اپنی بات، میری بات سن پاگل۔ رحم کو بالکل دل میں جگہ نہ دے کہ یہی تیرے جیون کا انت بن سکتا ہے۔ کیا سمجھا، تو کہتا تھا کہ تیرے جیون میں صرف دو بھاونائیں ہیں۔ ایک عالم ادریس کو ملیا میٹ کرنے کی اور دوسرا دشمن تو نے وہ بتایا تھا جس نے تیرا مٹھ تباہ کر دیا تھا، تیرے متروں کو ہلاک کر دیا تھا۔" "چوہدری شاہنواز۔"

"دونوں میرے من میں ناگ کی طرح پھن مارتے ہیں، یاد کرتا ہوں جب اپنے ان پریم کرنے والوں کو جو میرا نام لے کر صبح کو آنکھ کھولتے تھے اور میرا نام لیتے لیتے رات کو گہری نیند سو جاتے تھے، یہ دونوں ہی میرے دشمن ہیں۔"

"اور تو من میں رحم کو پال رہا ہے، دھت تیرے کی۔"

"مگر میں کیا کروں؟"

"دیکھ ایک بات تو تجھے بتاتا ہوں، چوہدری شاہنواز کے پیچھے لگا رہ، ادریس تجھے اسی کے پاس ملے گا۔ چوہدری شاہنواز کو اس سمے تک کوئی نقصان نہ پہنچا جب تک ادریس تیرے سامنے نہ آ جائے اور جب ادریس تیرے سامنے آ جائے تو سب سے پہلے اپنے دشمن نمبر دو کو ختم کر، جہاں تک بات رہی اس عورت کی اس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ چوہدری مرے گا تو وہ خود بخود مر جائے گی اور اس کے بعد میں تجھے بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا ہے بلکہ تو کیا کرے گا مجھے خود ہی کرنا ہو گا۔"

"مجھے بتاتے رہیں مہاراج! آپ کی ہر بات میرے من میں کیل کی طرح چبھتی

رہتی ہے۔"

"وہ لڑکی جسے تو پال رہا ہے ان لوگوں کے قبضے میں نہیں جانی چاہیے، کیا سمجھا؟ ہم اسے بھوانی دیوی کے چرنوں میں جھکا کر اپنا مرتبہ بڑھائیں گے۔ وہ دیوی ہو گی ایک دن اس سنسار میں بڑے بڑوں کے سر جھکا دینے والی۔ واہ کیا دماغ پایا ہے تم نے منکاری مہاراج، واہ۔" منکاری خود ہی اپنی تعریفیں کرنے لگا۔ راج گندل اسے دیکھ رہا تھا، منکاری کتنا خوش نظر آ رہا تھا۔ راج گندل کو اس کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"تو پھر اب میں کیا کروں مجھے بتائیں۔"

"بتاتا ہوں مرا کیوں جا رہا ہے۔ سب سے پہلے من سے پریم کی بیماری نکال دے۔ اس کے بعد سنسار میں جو کچھ کر سکتا ہے کر، بچی تجھے پیار سے ماما جی ماما جی کہتی ہے۔ جس وقت اس کے منہ سے تیرے لیے ماما جی کا لفظ نکلے دو تھپڑ لگا اس کے گالوں پر تاکہ اس کی آنکھوں میں خوف اتر آئے اور جب وہ تیرے سامنے رو رو کر آنسو بہائے تو تو اسے بے رحمی کی نگاہوں سے دیکھ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تیرے لیے یہ امتحان کی گھڑی ہے، جب اس امتحان سے گزر جائے گا تو آگے دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے سمجھا۔" منکاری نے کہا۔

راج گندل دہشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ کافی دیر تک وہ سوچ میں ڈوبا رہا پھر بولا۔ "لڑکی کو اس کے ماتا پتا کے سامنے لے جاؤں یا نہیں۔"

اس سوال پر منکاری خود بھی سوچتا رہا پھر بولا۔ "وہی کر جو میں نے کہا ہے۔"

"کیا......"

"اس عورت کا دھرم بدل۔ اگر وہ اپنا دھرم چھوڑ کر بھوانی پنتھ میں آ جائے تو یہ بھوانی کے لیے بھینٹ ہو گی۔ ویسے تو نے اسے کنتھ جل پلا تو دیا ہے۔"

"ہاں مہاراج۔ وہ بھوانی دیوی کے چرنوں میں جھک بھی گئی ہے۔"

"تو ایک اور کام کر......" منکاری نے شیطانی لہجے میں کہا اور راج گندل اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ منکاری شیطانی انداز میں مسکرا مسکرا کر اسے اپنا منصوبہ بتاتا رہا اور راج گندل فکر مندی سے سنتا رہا۔ منکاری نے اس کی شکل دیکھ کر کہا۔ "بوتھی بنی ہوئی ہے کیا، میری تجویز پسند نہیں آئی۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" راج گندل نے کہا۔

"پھر......"

"بس مجھے شاہنواز سے ڈر لگتا ہے۔ اس کے گلے میں جو تعویذ پڑا ہوا ہے وہ کچھ کرنے نہیں دیتا۔"

"اس کی بھی ترکیب ہے۔" منکاری نے کہا اور دوبارہ راج گندل سے کھسر پھسر کرنے لگا۔ شاید کوئی اور خوفناک منصوبہ بنا رہا تھا وہ۔

☆

منکاری دیر تک اسے کچھ سمجھاتا رہا اور اس کے بعد بولا۔ "دیکھ راج گندل، میں نے جھ پر بڑی محنت کی ہے۔ مگر مجھے یوں لگ رہا ہے کہ جب سے بچی تیرے پاس آئی ہے رے اندر کچھ تبدیلیاں رونما ہونے لگی ہیں۔ اس سے پہلے کیا کبھی تو نے کسی بچے کو نہیں یکھا؟"

"دیکھا ہے مہاراج۔ بلکہ بہت سے بچوں کو میرے ہاتھوں نقصان بھی پہنچ چکا ہے، ر اس ہتھیاری نے نہ جانے میرے من پر کیا اثر ڈال دیا ہے۔"

"میں یہ کہتا ہوں کہ دوسرے کام کرنے سے پہلے تو اپنے من سے اس بچی کا پریم کال۔ اگر تو ایسا نہ کر سکا تو سمجھ لے مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔"

"کروں گا مہاراج! آپ چنتا نہ کریں۔" راج گندل نے کہا۔

منکاری کے جانے کے بعد وہ دیر تک سوچتا رہا تھا۔ منکاری کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ ب کچھ بھسم ہو گیا تھا اس کا، شاہنواز اور بابا ادریس کے ہاتھوں۔ ان دونوں نے کیا کچھ ہیں چھین لیا تھا، کتنی بڑی حیثیت تھی اس کی، لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ ہا مٹی میں مل گئی تھی۔ اور یہ سب انہی دونوں کی وجہ سے ہوا تھا اور یہ بچی اس کے دشمن بر دو کی تھی۔ کیسے تڑپ رہے ہیں شاہنواز اور اس کی دھرم پتنی اپنی بچی کے لیے، ہا......

اج گندل نے ایک بار پھر اپنے عزم کو تازہ کیا جو کچھ اس سے چھن گیا تھا اس پر غور کیا ور اس کے بعد وہ منکاری کے منصوبے پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔

وہ بیٹھا ہوا تھا کہ بچی پیچھے سے آئی اور اس نے راج گندل کے گلے میں بانہیں ال دیں۔

"ماما جی ہمیں سیر کو لے جاؤ۔ بہت دن سے ہم نے سیر نہیں کی ہے۔"

راج گندل نے ان سفید سفید مکھن ملائی جیسے ہاتھوں کو دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ ہیں چوم لے۔ لیکن دوسرے لمحے منکاری کی نصیحتیں یاد آ گئیں، وہ پلٹا اور اس نے بچی کو

اس کے خوبصورت بالوں سے پکڑ کر سامنے کر لیا۔ ''سیر کی بچی، بہت دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا، چل ہٹ پیچھے۔'' یہ کہہ کر اس نے بچی کے پھول سے رخسار پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔

بچی کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار ابھر آئے۔ وہ گال پر ہاتھ رکھ کر پھٹی پھٹی آنکھوں سے راج گندل کو دیکھنے لگی۔ پھر اس نے گال سے ہاتھ ہٹائے اور دونوں ہاتھ آگے کر کے بولی۔ ''معاف کر دو ماما جی، آئندہ کبھی سیر کی بات نہیں کروں گی۔ ماما جی غلطی ہو گئی مجھ سے آپ ناراض مت ہو، اب کبھی میں آپ سے سیر کی باتیں نہیں کروں گی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

گال پر تھپڑ کے نشان سے انگلیاں ابھر آئی تھیں، وہ ایک ایک قدم پیچھے ہٹ رہی تھی، اس کی حیرانی، اس کا انداز راج گندل کو بہت عجیب لگ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اچانک ہی راج گندل کی آنکھوں سے بھی آنسو ابل پڑے۔ ''کیا کروں میں بھوانی دیوی! میں کیا کروں۔ میں عجیب مشکل میں پڑ گیا ہوں، میری سہائتا کر بھوانی دیوی، اس نے بھوانی دیوی کے مجسمے کو نکال کر سامنے رکھا اور اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر دو زانو ہو گیا۔ نہ جانے کب تک وہ اسی طرح بیٹھا ہوا بھوانی دیوی سے شما مانگتا رہا۔ اس کے چرنوں میں پرارتھنا کرتا رہا کہ اس کے من کو راج گندل کا من بنا دے، اس سے یہ مشکل ٹال دے۔ بہت دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ بچی کی کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ ''نینا۔''

بچی سامنے آ گئی، وہ اسے دیکھنے لگا۔ سفید گال پر انگلیوں کے نشانات اب بھی ابھرے ہوئے تھے۔ اس نے کہا۔ ''چل تیار ہو جا میں تجھے سیر کے لیے لے جا رہا ہوں۔''

''ماما جی۔''

''سن جو تجھ سے کہا ہے وہ کر، چل، آج تجھے کچھ لوگوں سے ملاتا ہوں۔'' اس نے کہا اور بچی نے گردن جھکا دی، وہ اس کے پاس سے ہٹ گئی تھی۔ راج گندل اپنے آپ کو بھرپور طریقے سے سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا پھر جب وہ باہر آئی تو وہ اسے لے کر چل پڑا، اس کی منزل اب شاہنواز کی کوٹھی تھی۔

❀ ❀ ❀

رات کا وقت تھا، شاہنواز ویسے ہی کچی نیند سوتا تھا جب سے عرشیہ کی حالت بگڑی

تھی، بڑے انوکھے تجربات ہو رہے تھے۔ اس وقت بھی وہ نیم غنودگی کی کیفیت میں تھا کہ اچانک ہی عرشیہ اسے اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی نظر آئی اور وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ عرشیہ کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی وہ بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی اور پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''شاہنواز تم جاگ رہے ہو؟''

''ہاں عرشیہ، خیریت تو ہے، طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟''

''شاہنواز میں ٹھیک نہیں ہوں، میں کیا کروں میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا، شاہنواز کبھی کبھی تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔''

شاہنواز اپنی جگہ سے اٹھا اور عرشیہ کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔ ''عرشیہ دل تو میرا بھی اب یہی چاہتا ہے، واقعی زندگی ہم پر کس قدر تنگ ہو گئی ہے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے بندوں کو بے بس چھوڑ دیتا ہے یہ ناقابل یقین سی بات ہے۔ عرشیہ! میں بڑا بے بس ہو گیا ہوں، میں تمہاری زندگی تمہاری خوشی چاہتا ہوں، لیکن کیا کروں۔''

''شاہنواز! میں اپنے آپ میں الجھ کر رہ گئی ہوں۔ کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پا رہی۔ میرے دل میں ایک خلش، ایک پیاس سی رچ گئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ میں اپنی بچی کے قریب رہنا چاہتی ہوں، کوئی ایسی ترکیب نہیں ہو سکتی کہ وہ میرے پاس آ جائے۔''

شاہنواز نے گردن جھکا لی اور نہ جانے کس سوچ میں گم ہو گیا۔ ذہن بری طرح چکرا رہا تھا۔ ایک غشی سی طاری ہو گئی تھی کچھ لمحوں کے لیے۔ اس نے گردن اٹھا کر عرشیہ کی طرف دیکھا لیکن یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ عرشیہ موجود نہیں ہے۔

اسے عرشیہ کے اپنے پاس سے اٹھنے کا احساس تک نہیں ہوا تھا، وہ چونک کر کھڑا ہو گیا اور اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر واش روم کی طرف دیکھا، لیکن کہیں کچھ نہیں تھا، البتہ باہر جانے والا دروازہ کھلا ہوا تھا، وہ حیران رہ گیا اور پھر تیزی سے دروازے کی جانب دوڑا۔ بہت فاصلے پر راہداری کے آخری سرے پر اسے عرشیہ راہداری سے دوسری طرف مڑتی ہوئی نظر آئی تھی۔ شاہنواز نے اسے آواز دینا چاہی لیکن برابر کے کمرے میں حمید خاں موجود تھا۔

وہ بلی کی طرح دبے قدموں آگے بڑھا اور عرشیہ کا تعاقب کرنے لگا۔ یہ اچانک ہی عرشیہ کو نہ جانے کیا سوجھی تھی، پھر وہ بیرونی حصے میں نکل آئی اور آخر کار درخت کے پاس پہنچ گئی، حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس درخت کے نیچے کوئی موجود تھا اور عرشیہ اسی کی

جانب جا رہی تھی۔ درخت کے آس پاس بالکل نیم تاریک ماحول تھا۔ شاہنواز چھپتا چھپاتا وہاں پہنچ گیا اور پھر اس نے ایک عجیب وغریب منظر دیکھا وہ شخص جو مدھم تاریکی میں چھپا ہوا تھا آگے بڑھا اور اس نے ایک چھوٹی بچی عرشیہ کے سامنے کر دی۔

''دیکھ یہ تیری بیٹی ہے، دیکھ اسے، میں چراغ جلاتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ آواز راج گندل ہی کی تھی۔ شاہنواز کے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگزیں ہو گیا۔ اس وقت وہ راج گندل کو بھول کر بچی کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ یہ اسی کی اولاد ہے، اس کے دل میں آرزو مچل رہی تھی کہ وہ دوڑ کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لے اور پھر وہ بے اختیار ہو گیا۔ برق رفتاری سے آگے بڑھا اور بچی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بچی کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔

راج گندل اس دوران چراغ روشن کر چکا تھا۔ اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

''سنو چوہدری شاہنواز! یہ تمہاری بچی ہے۔ دیکھ لو اسے دیکھ لو، پر ایک بات میں تمہیں بتائے دیتا ہوں، اس سے اگر تم نے کسی طرح کی کوئی حرکت کی تو میں اس بچی کی گردن تمہارے سامنے مروڑ کر پھینک دوں گا۔ تم دس قدم پیچھے ہٹ جاؤ اور تمہارے پاس جو لاگ ہے اسے پیچھے ہٹا لو اور استعمال مت کرو۔ دیکھو میرے پاس بھی شکتی ہے، تمہاری ذرا سی لغزش بچی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سنسار سے دور کر دے گی، جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ تمہیں کر کے دکھا دوں گا۔''

''نہیں راج گندل نہیں ایسا مت کرو۔ میں اسے جی بھر کر چوم لوں۔ پیار کر لوں میں اسے۔'' شاہنواز نے کہا اور بچی کو چومنے لگا۔ بچی گھبرا کر رونے لگی تھی۔ دونوں اس طرح بے اختیار ہوئے کہ دیکھنے والی آنکھ اپنے آنسو نہ روک سکے۔ راج گندل مزید کچھ قدم پیچھے ہٹ گیا تھا، وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھا۔ پھر چوہدری شاہنواز نے کہا۔ ''راج گندل! یہ بچی ہمیں دے دو، تم جس طرح کہو گے ہم تمہارا نقصان پورا کرنے کے لیے تیار ہیں، میں تمہارا مٹھ دوبارہ بنوا دوں گا، تمہیں لاکھوں روپے دوں گا، جو کچھ تم چاہو کر سکتے ہو۔''

جواب میں راج گندل ہنسنے لگا پھر اس نے کہا۔ ''یہ اچھا کیا تم نے چوہدری شاہنواز کہ میرے ڈولتے ہوئے من کو سہارا دے دیا۔ ارے بے وقوف تو کیا سمجھتا ہے، روپے پیسے کی چنتا ہے مجھے؟ میں ایسا مٹھ بنوا سکتا ہوں کہ سنسار میں اس جیسا کوئی دوسرا نہ ہو، پر تو میرے وہ متر مجھے لا کر دے سکتا ہے جنہیں تو نے ہلاک کرا دیا تھا۔''

''نہیں دے سکتا راج گندل! لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہے، اب تم مجھے معاف کر دو۔''

''کر سکتا ہوں، پر ہر چیز کی ایک دچھنا ہوتی ہے اور وہ دچھنا یہ ہے کہ تم دونوں اپنا دھرم بدل دو۔ بھوانی پنتھی میں آ جاؤ، سمجھے، میں تمہیں بتاؤں گا کہ دھرم کیسے چھوڑو گے تم اپنا۔''

دیکھ راج گندل ایسی بات مت کر۔''

''معاوضہ تو دینا ہی ہوتا ہے، وہ بابا ادریس تو کہیں چوہے کے بل میں جا گھسا ہے، اسے بھی تلاش کرنا ہے مجھے۔ تم دونوں نے مل کر ہی میرا ستیاناس کیا ہے۔ اسے تو میں نے دربدر کر دیا۔ اب تمہیں بھی میں اتنی آسانی سے تو نہیں چھوڑوں گا۔ دھرم بدلو اپنا تمہاری دھرم پتنی تو بھوانی پنتھ میں آ ہی چکی ہے، یہ بھوانی مندر میں جا کر رہے گی اور دیو داسی بن جائے گی اور دن رات بھوانی دیوی کی پوجا کرے گی۔''

''نہ کر ایسا راج گندل! سمجھوتہ کر لے مجھ سے، مذہب تو اپنا میں نہیں چھوڑ سکتا۔''

''تو سنتان چھوڑ دے، کیوں بچی بچی کی رٹ لگائے ہوئے ہے، میں اسے لے کر نکل جاؤں گا اور جانتا ہے پھر کیا کروں گا۔ میں اسے بھوانی دیوی کی پجارن بناؤں گا۔ سنسار میں یہ بہت بڑا مقام پائے گی۔ ارے ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا، بلا وجہ میں اس کے لیے دکھی ہوتا رہتا ہوں، جئے منکاری مہاراج! یہ نئی بات میرے من میں آئی ہے۔ تمہیں بھی پسند آئے گی، میں اسے بھوانی کی داسی بناؤں گا۔ دیوی بنا دوں گا، بھوانی مندر میں اس کی پوجا ہو گی، ارے ان سنسار باسیوں کو اور کیا چاہیے، ان کی اچھا پوری ہوتی ہے۔'' راج گندل جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا اور شاہنواز اس کی باتیں غور سے سن رہا تھا، لیکن وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ عرشیہ کے انداز میں تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ اس کی آنکھیں شیشے کی طرح چمک رہی ہیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ''آ جا میری بچی، میرے پاس آ جا۔ میں راج گندل کی مدد کروں گی، تجھے بھوانی کی پجارن بناؤں گی۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو عرشیہ؟''

''سچ کہہ رہی ہوں، پیچھے ہٹ جاؤ تم، تمہارے گلے میں جو تعویذ پڑا ہوا ہے وہ مجھے تکلیف دے رہا ہے پیچھے ہٹ جاؤ۔ لاؤ بچی کو میرے حوالے کر دو، یہ تمہاری بچی نہیں ہے، یہ میری بچی ہے، یہ بھوانی ماں کی پجارن ہے۔'' عرشیہ نے کہا۔

راج گندل کے حلق سے قہقہہ آزاد ہو گیا تھا۔ ''اب تو مان لے شاہنواز، میں نے

تیرے لیے ایک اور راستہ کھول دیا ہے، چلو بھوانی دیوی کے پجاری بن جاؤ۔"

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، جان ہی جائے گی نا میری، دے دوں گا جان، بہت جی چکا ہوں اس دنیا میں، بہت زیادہ جینا ضروری تو نہیں ہے، لیکن چل ٹھیک ہے، یہ لے جو تیرا من چاہے کر۔" یہ کہہ کر اس نے بچی کو چھوڑ دیا تو عرشیہ نے اسے لپک لیا۔ "میری بچی۔"

"تیرے سامنے ایک تجویز چھوڑے جا رہا ہوں شاہنواز، سوچ لینا غور کر لینا، اپنی دھرم پتنی سے بات کر لینا۔ اگر تم دونوں اپنا دھرم بدلنے پر تیار ہو جاؤ تو مجھے آواز دے لینا میں آ جاؤں گا۔"

"چل نینا بیٹا چل۔" لڑکی دوڑ کر راج گندل کے پاس پہنچ گئی تھی۔

عرشیہ نے دلدوز لہجے میں اسے آواز دی۔ "میری بچی آ جا میرے پاس۔"

"ماما جی، مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔" نینا نے کہا اور راج گندل ہنسنے لگا۔ پھر اس نے بچی کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھ گیا۔

چوہدری شاہنواز نے مزید کوئی مداخلت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، بس وہ سینے پر دونوں ہاتھ رکھے کھڑا تھا اور عرشیہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔

"میری بچی، آ جا میرے پاس۔" لیکن کچھ لمحوں کے بعد راج گندل بچی سمیت نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

❀ ❁ ❀

کوئی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ایک خبیث روح نے کچھ انسانوں سے زندگی کی خوشیاں چھین لی تھیں۔ عرشیہ بستر سے لگ گئی تھی۔ اس کے سرسبز و شاداب چہرے پر موت کی سی زردی کھنڈی رہتی تھی۔ شاہنواز اسے دیکھتا اور دل مسوس کر رہ جاتا۔

"شاہنواز مجھے کیا ہو گیا ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا عرشیہ۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"وہ ہماری ہی بچی تھی نا۔"

"ہاں۔ ہماری ہی تھی۔" شاہنواز کی آواز سسکی بن جاتی۔

"کتنی خوبصورت تھی وہ۔"

"بالکل تمہاری طرح۔" شاہنواز بولا۔

"پھر وہ ہمارے پاس کیوں نہیں رہتی۔"

"آ جائے گی۔ اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ شاہنواز۔"

"ہاں پوچھو۔"

"تم اگر اجازت دو تو میں بھوانی ماں کا برت رکھوں۔"

"کیا؟" شاہنواز اس دن بری طرح چونکا تھا۔

"وہ ہماری ضرور سہائتا کرے گی۔"

"کیا بکواس کر رہی ہو۔"

"جے بھوانی۔"

"تمہیں یاد ہے تم ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئی تھیں۔"

"نہیں۔" عرشیہ غرائی۔ اس کا چہرہ بدلنے لگا تھا۔ شاہنواز گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"عرشیہ ہوش میں آؤ۔"

"جے بھوانی۔" عرشیہ کے حلق سے نکلنے والی آواز اس قدر خوفناک تھی کہ کوئی سن لے تو دنگ رہ جائے، اس کی آنکھوں میں اب خون ہی خون چھلک رہا تھا ہونٹ اوپر مڑ گئے تھے، دانت لمبے ہو گئے تھے۔ وہ اس قدر خوفناک ہو گئی تھی کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ دفعتاً وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اس نے کمرے کے دروازے پر ایک زوردار لات ماری۔ اسے دیکھ کر اب شاہنواز کے ہاتھ پاؤں سن ہونے لگے تھے۔ عرشیہ بالکل گہرے سرخ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے خون کی بنی ہو اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ ہونٹ اسی طرح اوپر کو مڑے ہوئے تھے۔

"سمجھ رہا ہے نا تو خبردار کوئی فضول بات کی تو میں تجھے تباہ و برباد کر دوں گی۔"

شاہنواز بمشکل تمام وہاں سے اٹھ کر باہر بھاگ گیا۔ حمید خاں ان باتوں کو سن رہا تھا، شاہنواز کی یہ حالت دیکھ کر وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"مجھے اس وقت تک آپ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے سر جی جب تک آپ خود مجھے حکم نہ دیں، لیکن کیا کروں خون میں دوڑتا ہوا نمک اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ آپ سے آپ کا دکھ معلوم تو کروں۔"

"ہم ختم ہو گئے حمید خاں بالکل ختم ہو گئے، ذرا عرشیہ کی حالت دیکھو، کیا سے کیا ہو گئی ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔" شاہنواز کی آواز سسکیوں میں بدل گئی۔

حمید خاں تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سر جی اگر اجازت ہو تو ایک کام کریں۔"

"کیا؟"

"کسی مولوی صاحب کو بلا لیتے ہیں یہاں جو بیٹھ کر کلام پاک پڑھا کرے۔"

"ہاں تجویز تو اچھی ہے، اللہ کے کلام کی برکت سے ہوسکتا ہے کوئی بہتر صورت حال پیدا ہو۔"

دوسرے ہی دن بندوبست کر لیا گیا ایک مولوی صاحب آئے جو باہر بیٹھ کر کلام پاک پڑھنے لگے۔ عرشیہ کمرے میں محدود ہو گئی تھی۔ راج گندل کو گئے ہوئے غالباً پانچواں دن تھا اور اس کے بعد سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلا تھا۔ ایک دن جب حمید خاں اور شاہنواز کوٹھی کے بیرونی حصے میں بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے دروازے سے بابا ادریس کو انداز داخل ہوتے ہوئے دیکھا، شاہنواز کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔ "دیکھو اب یہ کمینہ کیا کرنے آیا ہے؟"

حمید خاں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "سر جی اگر حکم ہو تو اس کے سینے میں پورا ریوالور خالی کر دوں؟"

"نہیں حمید خاں ہم جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کا تمہیں اندازہ ہے اس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کون سی بات پر لینے کے دینے پڑ جائیں۔" حمید خاں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ بابا ادریس آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے ان دونوں کے سامنے پہنچ گئے اور شاہنواز دیوانہ وار کھڑا ہو گیا۔

"اب کیوں آیا ہے کتے...... تو نے ہمارا خانہ خراب کر دیا ہے، بول اب کیا چاہتا ہے؟"

"السلام علیکم۔" بابا ادریس کے منہ سے نکلا اور شاہنواز چونک پڑا۔

"تو سلام بھی کر سکتا ہے کیا ہو گیا تجھے؟"

"شاہنواز! یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتا ہوں، کیا ہو گیا ہے تمہیں، میں ادریس ہوں، پھر کوئی دھوکا ہوا ہے کیا۔"

"دھوکا تو تو اب دے رہا ہے ہمیں۔ کیا چاہتا ہے ہم تو تیرے ہاتھوں زندگی کے عذاب میں گرفتار ہو گئے ہیں۔"

"اگر وہ نابکار پھر تم تک پہنچا ہے اور اس نے تمہارے ساتھ کوئی تکلیف دہ عمل کیا ہے تو اپنے آپ کو سنبھالو میں ادریس ہی ہوں۔"

"بابا ادریس ہے تو۔" شاہنواز غصے سے دیوانہ ہو کر آگے بڑھا اور اس نے بابا

ادریس کا گریبان پکڑ لیا۔

بابا ادریس نے اسے نہیں روکا تھا، مسکرا کر کہا۔ "ہاں ادریس ہوں میں شاہنواز!"

"کلمہ پڑھ، کلمہ، پڑھ ذلیل انسان، چل اگر تو بابا ادریس ہے تو کلمہ پڑھ۔"

اور جواب میں بابا ادریس نے بڑے خشوع اور خضوع سے کلمہ طیبہ پڑھا اور شاہنواز دو قدم پیچھے ہٹ گیا، اس نے محسوس کیا کہ بابا ادریس کے چہرے پر نور موجود ہے۔ راج گندل بے شک بابا ادریس کے روپ میں کتنی ہی بار آیا تھا لیکن اس کے چہرے پر نور کا نام ونشان تک نہیں تھا۔

اس بات سے متاثر ہو کر وہ دوسرے لمحے ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اس نے ان کے پاؤں پکڑ لیے۔

"مر گئے ہم تو بابا ادریس! مر گئے ہم تو بابا! کہاں چلے گئے تھے۔ آپ نے ایک بدروح کو یہ اختیار کیسے دے دیا کہ وہ جب چاہے آپ کے روپ میں آ کر ہمیں پریشان کرے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم فکر مند نہ ہو، میں دیکھوں گا کہ اب کون تمہیں کیسے نقصان پہنچاتا ہے، حقیقت یہ ہے شاہنواز کہ مجھے مجبوراً روپوش ہونا پڑا تھا۔ بڑے مشکل مرحلوں سے گزرا ہوں۔ میری ذات کو کرچی کرچی کر دیا گیا ہے، میں بڑی مصیبتوں میں گرفتار رہا ہوں اس دوران لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے، عبادت الٰہی نے مجھے میرا کھویا ہوا مقام پھر سے واپس دلا دیا ہے۔ میں دراصل تھوڑی سی حماقتوں کا شکار ہو گیا تھا، تمہیں پوری تفصیل بتاتا ہوں۔"

شاہنواز کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اصل بابا ادریس واپس آ گئے ہیں۔ بابا ادریس اس کے ساتھ بیٹھ گئے انہوں نے کہا۔ "مختصر طور پر تمہیں پہلے بتا چکا ہوں شاہنواز کہ مرحومہ شاہینہ نے پہلے مجھے طلب کیا اور تمہارے خلاف عمل کرنے کے لیے اکسایا، پھر اس نابکار جوگی کو جسے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے کچھ لوگوں کے ایمان کو چھیننے کی ہدایت کی گئی تھی، میرے ہاتھوں سے کافی نقصان پہنچا اور وہ میرا دشمن بن گیا۔ اسے بھی بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے صرف یہ سوچ کر اپنا گھر چھوڑا تھا کہ جب تم میرے پاس آؤ گے تو میں شاہینہ کے بارے میں تمہیں کیا بتا سکوں گا۔ سسرال میں جا کر رہا اور میرے پیچھے اس شخص نے یہاں میرے خلاف نفرت کا زہر اگلنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو میرے بھیس میں آ کر طرح طرح کے نقصانات پہنچائے

اور وہ مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ پھر میں یہاں آیا اور میرے اس سے دو دو ہاتھ ہوئے وہ کچھ ایسی پراسرار قوتوں کا مالک بن چکا ہے جو اس کی اپنی نہیں ہیں۔ کوئی اور ہے جو اس کی بھرپور مدد کر رہا ہے تو پھر مجھے روپوش ہونا پڑا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست اور اس کے حضور گڑگڑاتا رہا۔ آخر کار مجھے مدد کی بشارت دے دی گئی اور اب میں تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ اب تم مجھے بتاؤ صورت حال کیا کیا ہوئی۔“

شاہنواز نے رو رو کر ساری تفصیل بابا ادریس کے گوش گزار کر دی، بابا ادریس سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔ ”عرشیہ کہاں ہے؟“

”اندر کمرے میں ہے، آپ اس کی حالت دیکھیں تو آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ جائیں گے۔“

”کوئی فکر مت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے آنسو خشک کر دے گا آؤ۔“ بابا ادریس چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں داخل ہو گئے، جہاں عرشیہ ایک پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

اس وقت اس کا چہرہ معتدل ہی تھا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر بابا ادریس کو دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی تغیر نمودار نہیں ہوا۔ وہ سپاٹ نظروں سے انہیں دیکھتی رہی۔

”عرشیہ بیٹی۔“ بابا ادریس نے نرم لہجے میں اسے آواز دی۔

عرشیہ اچھل پڑی اس نے دہشت زدہ نظروں سے بابا ادریس کو دیکھا اور پھر اس قدر پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھی کہ خود بابا ادریس بھی حیران رہ گئے تھے۔ عرشیہ نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔

”لینا...... پکڑنا۔“ شاہنواز کے منہ سے ہیجانی انداز میں نکلا اور اس نے عرشیہ کے پیچھے دوڑ لگانے کی کوشش کی لیکن بابا ادریس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا۔

”نہیں وہ کہیں نہیں جائے گی آؤ۔“ وہ پرسکون لہجے میں بولے اور شاہنواز کو ساتھ لیے باہر نکل آئے۔

عرشیہ سامنے راہداری میں دوڑی چلی جا رہی تھی۔ بابا ادریس نے اسے دیکھ کر ہاتھ اٹھایا اور یوں لگا جیسے عرشیہ کسی چیز سے ٹکرا کر رکی ہو۔ وہ کچھ لمحے اس طرح دونوں ہاتھ آگے کر کے زور لگاتی رہی پھر اس نے رخ بدل لیا اور پلٹ کر دوسری طرف بھاگی۔ لیکن یہاں بھی اس کے ساتھ ایسا ہی عمل ہوا تھا۔

پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگی اور پھر اس کے حلق سے غراہٹیں نکلنے لگیں۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا اور وہ نظر نہ آنے والی دیواروں سے ٹکریں مارنے لگی۔

بابا ادریس اس جگہ جا کر رک گئے تھے جہاں تک عرشیہ کی رسائی تھی۔ عرشیہ رک گئی اور بابا ادریس کو گھورنے لگی۔

”عرشیہ بیٹی!“ بابا ادریس نے نرم لہجے میں کہا۔

”مجھے جانے دے، مجھے جانے دے، جانے دے مجھے، میں بھوانی کے چرنوں میں جانا چاہتی ہوں۔“

”عرشیہ بیٹی!“ بابا ادریس نے پھر کہا اور عرشیہ کے منہ سے غلیظ گالیوں کا طوفان امڈ پڑا، وہ ادریس علی کا نام لے لے کر گندی گالیاں بک رہی تھی۔

شاہنواز کو پہلی بار غصہ آیا اور وہ دیوانگی کے عالم میں آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”آواز بند کر کتیا، میں تیرے ٹکڑے کر دوں گا، تو حد سے آگے بڑھ گئی ہے۔“ بابا ادریس نے پھر شاہنواز کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔ ”شاہنواز وہ عرشیہ نہیں بول رہی تم خاموش ہو جاؤ۔“

عرشیہ اپنے عمل میں مصروف رہی۔ قرب و جوار میں ملازم دبکے ہوئے یہ ساری کارروائی دیکھ رہے تھے۔ کچھ لمحے اسی انداز میں گزر گئے پھر عرشیہ نڈھال ہونے لگی پہلے وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور اس کے بعد آہستہ آہستہ اس کا سر جھکنے لگا اور پھر وہ زمین پر نیم دراز ہو گئی۔

”اٹھاؤ اسے اندر لے چلو۔“ بابا ادریس نے کہا اور اس کے اشارے پر شاہنواز نے جھک کر عرشیہ کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا اور اسے لے کر اپنی خوابگاہ کی جانب بڑھ گیا۔

بابا ادریس پیچھے پیچھے آ رہے تھے پھر وہ بھی خوابگاہ میں داخل ہو گئے انہوں نے کہا۔

”ساری صورت حال سمجھ میں آ گئی ہے شاہنواز! اللہ پر بھروسہ رکھو ہمیں عرشیہ بیٹی کو رسیوں سے باندھنا پڑے گا۔ تم فکر مند نہ ہو، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ ٹھیک ہو جائے گی۔“

شاہنواز کی آنکھیں آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھیں، اس نے کہا۔ ”اگر یہ ٹھیک نہ ہو سکی بابا صاحب تو پھر اسے زندگی سے دور کر دینا ہی مناسب ہو گا۔ یہ کام میں اپنے ہاتھوں سے کروں گا۔“

بابا ادریس نے چونک کر شاہنواز کو دیکھا پھر کہا۔ ”کیا تم پر بھی راج گندل اثر انداز

ہونے لگا؟"

"میں تھک گیا ہوں بابا صاحب، میں تھک گیا ہوں۔"

"لیکن تھکن کا اظہار ایسے الفاظ میں تو نہ کرو جن سے رعونت ٹپکتی ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حق عطا کیا ہے کہ تم عرشیہ کی زندگی چھین لو؟ یہ کام تو اللہ کا ہی ہے، تم کیوں گناہ کے مرتکب ہوتے ہو، یہ ٹھیک ہو جائے گی، بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ تمہارے سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔ صبر سے کام لو اور انتظار کرو...... اسے اس طرح باندھنا ہے کہ اسے تکلیف بھی نہ ہو۔ اصل میں، میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ نابکار اسے کہیں روپوش کر دے۔"

"لیکن ہوش میں تو آئے گی یہ۔"

"ہاں میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ فرار نہ ہو سکے۔" بابا ادریس نے کہا۔

عرشیہ کو اسی بیڈ روم میں ریشم کی ایسی رسیوں سے پلنگ کے ساتھ باندھ دیا گیا جو بدن کو زخمی نہ کریں اور مضبوط بھی ہوں۔ عرشیہ کے چہرے پر اس وقت ایک معصومیت پھیلی ہوئی تھی اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کچھ دیر پہلے اس کا چہرہ اس قدر بھیانک ہو گا۔

بابا ادریس نے کہا۔ "میں چلتا ہوں، تم فکر نہ کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس بار وہ شیطان مجھ پر قابو نہیں پا سکے گا۔ اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ ہے مجھے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں بابا ادریس، خدا کے لیے آپ یہیں رہیے، میں بہت خوفزدہ ہوں مجھے ڈھارس رہے گی۔"

"میں یہیں ہوں لیکن تمہارے سامنے نہیں آ سکوں گا۔ میرے اپنے کام کے لیے میری روپوشی ضروری ہے۔"

"مجھے حکم دیجیے میں آپ کے لیے کوئی بندوبست کروں؟"

"نہیں شاہنواز! بس مجھے جانے کی اجازت دے دو۔" بابا ادریس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔ شاہنواز نے ایک قدم بڑھایا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "نہ آؤ میرے پیچھے، تمہارا احسان ہو گا۔"

شاہنواز رک گیا اور پھر بابا ادریس باہر نکل کر نہ جانے کہاں گم ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد شاہنواز باہر آیا تھا۔ وہ راہداری عبور کر کے آگے بڑھا تو اس نے عمارت کے بیرونی حصے میں گھر کے ملازموں کو جمع دیکھا۔ حمید خاں ان کے پاس کھڑا ہوا ان سے باتیں کر رہا تھا، شاہنواز کو دیکھ کر ملازم منتشر ہو گئے اور گردن جھکا کر اپنے کاموں میں مصروف ہو

گئے۔ حمید خاں، شاہنواز کے پاس آ گیا تھا۔

"خیریت تو تھی کیا ہو رہا تھا؟"

"سر جی ذرا سی الجھن پیش آ گئی تھی۔ مگر میں نے انہیں سمجھا لیا ہے۔"

"کیوں مسئلہ کیا تھا؟"

"سب کے سب ڈر گئے ہیں۔ انہیں کوٹھی میں سائے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں وہ یہاں سے بھاگ جانے کی بات کر رہے ہیں۔"

"پھر تم نے کیا کیا؟"

"سمجھا بجھا دیا ہے اور یہ بات کہی ہے کہ عرشیہ بیگم صاحبہ پر سایہ ہو گیا ہے، لیکن علاج ہو رہا ہے ان کا، ٹھیک ہو جائیں گی کسی اور کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"ہوں، دیکھو حمید خاں کیا ہوتا ہے، بابا ادریس واپس آ گئے ہیں اور لگتا ہے اس بار پہلے سے زیادہ طاقتور ہو کر آئے ہیں، خدا کرے ہماری مشکل حل ہو جائے، انہوں نے اطمینان تو دلایا ہے۔"

حمید خاں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔

❀ ❀ ❀

راج گندل بیٹھا عجیب سی نگاہوں سے دور کھلونوں سے کھیلتی ہوئی نینا کو دیکھ رہا تھا۔ اتنی پیاری اور اتنی معصوم لگ رہی تھی وہ کہ راج گندل کی پلکیں نہیں جھپک رہی تھیں۔ خوبصورت آنکھوں سے اس نے گردن اٹھا کر راج گندل کو دیکھا اور ہنس پڑی۔ "ماما کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ بولی۔

راج گندل نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی اور ایک بار پھر اس نے اپنے بازو راج گندل کی گردن میں ڈال دیئے۔ "ماما جی، پیارے پیارے ماما جی۔"

راج گندل پھر بھی کچھ نہ بولا تو وہ کہنے لگی۔ "ماما جی تم مجھ سے ناراض کیوں ہو جاتے ہو، میں تو کوئی ایسا کام بھی نہیں کرتی جو تمہیں برا لگے۔ تم جو کہتے ہو مان لیتی ہوں میں۔"

"ہاں میں کب کہہ رہا ہوں کہ تو میری بات نہیں مانتی۔" راج گندل نے چونک کر کہا۔

"تو پھر تم چپ چپ کیوں رہتے ہو؟"

"اس لیے نینا کہ یہ خاموشی میری تقدیر بن گئی ہے۔"
نینا معصوم سپاٹ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ان الفاظ کا مفہوم بچی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا، لیکن عقب سے منکاری کی آواز سنائی دی۔
"اب بھاگ کو رو رہا ہے، جب ساری کہانیاں ختم کر بیٹھا۔"
"ارے منکاری مہاراج! وہ...... وہ پاس موجود ہے۔"
تیرا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا ہے، کیا اسے میری آواز سنائی دے گی؟" منکاری غصیلے لہجے میں بولا۔
اسی وقت بچی بولی۔ "مجھ سے کچھ کہہ رہے ہو ماما جی۔ میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی۔"
"نہیں، میں تجھ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ اور کھلونے چاہییں ہیں تجھے؟"
"نہیں، ماما جی وہ بھی بہت ہیں۔ میں کھیلتی کہاں ہوں۔"
"یہی کہہ رہا ہوں میں تجھ سے جا کھیل، میں ذرا کام سے باہر جا رہا ہوں۔" راج گندل نے کہا اور بچی کو وہیں حیران چھوڑ کر باہر نکل آیا۔
"منکاری مہاراج!" وہ منکاری سے مخاطب ہوا۔
"کبھی کبھی تو تیرے اوپر اتنا غصہ آنے لگتا ہے مجھے کہ من چاہتا ہے کہ لات مار کر چلا جاؤں، پر یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی، گرو دچھنا بھی تو لینی ہے مجھے، وہ تو میں نہیں چھوڑ سکتا۔"
"لے لیں مہاراج، آپ گرو دچھنا لے لیں، کیا چاہیے آپ کو گرو دچھنا میں۔"
"ایسے نہیں بہت زیادہ دیالومت بن، ہے کیا تیرے پاس کنگلے جو تو مجھے دے گا۔"
"تو پھر دھمکیاں کیوں دیتے رہتے ہو گرو دچھنا کی۔"
"وہ آ گیا ہے، سمجھا، آ گیا وہ...... اور اس بار لگ رہا ہے جیسے بڑی جان لے کر آیا ہے۔"
"کون؟" راج گندل نے حیران لہجے میں کہا۔
"ادریس آ گیا ہے۔"
"مہاراج! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"
"ارے راج گندل، تیرا انتخاب میں نے غلط کیا۔ تو میرے مطلب کا ہے نہیں۔ کیا کیا کراؤں تجھ سے۔ مجھے تو یوں لگنے لگا ہے جیسے سارے کام میرے ہی بھاگ میں لکھے

ہیں اور تو کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہے۔"
"وہ کہاں ہے مہاراج؟"
"شاہنواز کی کوٹھی میں سمجھا اور اس بار مجھے بہت تگڑا لگ رہا ہے۔"
"وہ کتنا ہی تگڑا ہو مہاراج! آپ ایک بات سن لیجیے اس بار میں اسے مار ڈالوں گا، چاہے اس کے لیے مجھے اپنا جیون ہی کیوں نہ دینا پڑے۔"
"ہونہہ...... اپنا جیون، تیرا جیون اب اپنا ہے کہاں۔ مجھے تو غصہ اس بات پر آ رہا ہے کہ تو اپنے دشمن کی بیٹی کے سامنے چوہے کا بچہ کیوں بن کر رہ جاتا ہے۔"
"اس لیے منکاری مہاراج کہ وہ دشمن کی بیٹی ہے دشمن نہیں ہے۔"
"اور یہ بھی تجھے یاد نہیں رہا کہ وہ تجھے تیرے اصل روپ میں پیار نہیں کرتی بلکہ جس روپ میں تو اس کے سامنے آیا ہے، بس اسی روپ کو پیار کرتی ہے اور تو اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھا ہے۔"
"کسی بھی روپ میں پیار کرتی ہو مہاراج! آج میں محسوس کرتا ہو کہ اس سنسار میں کچھ نہیں دیکھا میں نے، بڑی بڑی حسین شکلیں میرے پاس آئیں، تو بس جادو ٹونے کر کے ان کے کام پورے کر دیتا، میرے جیون میں ایسا کوئی آیا ہی نہیں جو مجھے پریم کی نگاہوں سے دیکھتا اور میں اسے پریم کرتا۔"
"ایک کام کر راج گندل، جا شاہنواز کی حویلی میں چلا جا۔ بابا ادریس کے سامنے جا کھڑا ہو پھر جو تیرے ساتھ ہو گا وہی تیرا انت ہے۔"
"ٹھیک ہے مہاراج میں ایسا ہی کرتا ہوں۔" راج گندل نے کہا۔
"راج گندل تو مجھ پر اکڑ رہا ہے جانتا ہے میں تیرا کیا حشر کروں گا؟"
"نہیں مہاراج...... آپ پر میں کیا اکڑ سکتا ہوں۔ گرو مہاراج ہیں آپ میرے اور من سے مانتا ہوں، پر آپ مجھے اتنی آ گیا ضرور دے دیں کہ اس بچی کو میں اپنے ہاتھوں سے کوئی نقصان نہ پہنچاؤں۔ یہ مجھے ماما جی کہتی ہے تو میرے شریر میں نہ جانے کیا ہونے لگتا ہے۔"
"پھر تو مجھے چاہیے کہ میں اس بچی ہی کی گردن مروڑ دوں، رہے بانس نہ بجے بانسری۔"
"نہیں مہاراج! آپ ایسا بالکل نہ کریں۔"
منکاری نے غصیلی نگاہوں سے راج گندل کو دیکھا اور بولا۔

"اچھا، اب تو مجھے بتائے گا کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں؟"

"گرو مہاراج ہیں آپ میرے۔ میں بھلا آپ کو کوئی بات کیسے بتا سکتا ہوں۔ پر مہاراج! آپ خود سوچیے اگر ہم نے اسے ختم کر دیا تو پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا، سوائے اس کے کہ ہم اس عورت اور ادریس کو ختم کر دیں۔ آپ ہی نے تو مجھے بتایا تھا گرو مہاراج کہ کسی کا جیون چھین لینے سے بدلے کی بھاؤنا پوری نہیں ہو جاتی، بدلہ تو یہ ہے کہ کسی کو تھوڑا تھوڑا کر کے مارا جائے۔"

"میں نے کہا تھا؟" منکاری نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مہاراج مجھے تو ساری سیکھ آپ نے ہی دی ہے، میں بھلا اتنی گہرائی میں کیسے سوچ سکتا ہوں۔"

یوں لگا جیسے راج گندل کے الفاظ نے منکاری کو متاثر کیا ہو، وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ "ٹھیک ہے، اسے ٹھیک کرتے ہیں، پر تو یہ بات اچھی طرح دل میں سوچ لے کہ ہر قیمت پر اسے بھوانی دیوی کی داسی بنانا ہے، بھوانی دیوی کی داسی بن کر یہ سنسار میں اس کا نام اونچا کرے گی۔"

"وہی تو میں کہہ رہا تھا مہاراج! آپ نے پہلے بھی یہی کہا تھا پر بلاوجہ آپ اس کی جان کے دشمن بن گئے۔"

"میں دشمن نہیں بن گیا پاپی بلکہ تو جو اس کا ماما بن بیٹھا ہے، یہ مجھے اچھا نہیں لگا۔"

"نہیں مہاراج ماما نہیں بنا ہوں میں اس کا، یہ تو آپ کو پتہ ہے کہ یہ کسی اور روپ میں مجھے سویکار نہیں کرتی، اب آپ دیکھیں ہم نے کس طرح بابا ادریس اور شاہنواز کو انگلیوں پر نچا رکھا ہے، آپ کو مزہ نہیں آتا مہاراج اس بات پر......" راج گندل نے آخر کسی نہ کسی طرح منکاری کو ٹھنڈا کر ہی لیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت اس کے دل میں کچھ اور ہی تھا، البتہ منکاری نے اس سے کہا۔ "تو پھر سب سے پہلا کام ہم یہ کرتے ہیں کہ اسے شدھ کریں۔"

"میں سمجھا نہیں مہاراج۔"

"باؤلے اس کے منہ سے وہ کہلوائیں جو اسے بھوانی دیوی کا پہلا سبق دے۔"

"ٹھیک ہے مہاراج، یہ بالکل ٹھیک ہے۔"

"میں آؤں گا تیرے پاس، بس تو تیاریاں کر لینا۔" منکاری نے کہا اور اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا۔

راج گندل سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر بچی بیٹھی ہوئی ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی اور راج گندل کو یہ خوبصورت آنکھیں ہی مار ڈالتی تھیں وہ بہت دیر تک سر پکڑے بیٹھا رہا، پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"سابلی، مہا سابلی، کالی ماتا، تم لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑ کر مجھے کس نرکھ میں جھونک دیا، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بھوانی دیوی کا داس بن کر مجھے نقصان ہی نقصان ہوا اور یہ نقصان اس وجہ سے ہوا کہ تم نے میرے اوپر سے اپنا سایہ سمیٹ لیا، اگر میں مہا شکتی مان بننے کی کوشش نہ کرتا تو شاید مجھ پر یہ مصیبتوں کے پہاڑ نہ ٹوٹتے۔ پر جو ہونا تھا وہ ہو گیا۔ تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور اب بھوانی بھی میری سہائتا نہیں کرتی، دوسری طرف یہ بری آتما ہے جو نجانے اس سنسار میں کیوں بھٹک رہی ہے۔ آتماؤں کے بارے میں تو یہ سنا ہے کہ اگر سنسار میں ان کے من میں کوئی پیاس رہ جاتی ہے تو اس پیاس کو بجھانے کے لیے وہ بھٹکتی پھرتی ہیں، یہ کیسی آتما ہے کہ اس کے من میں کوئی پیاس نہیں۔ پھر بھی یہ بھٹک رہی ہے۔ آخر یہ چاہتی کیا ہے؟ اس نے سب سے زیادہ میرا ناک میں دم یہ کہہ کر کر رکھا ہے کہ وہ مجھ سے گرو دچھنا لے گی۔ میرے پاس کیا رکھا ہے بھوانی کہ میں اسے دوں۔ ارے میں تو خود سنسار میں لاچار رہ گیا ہوں اب کوئی مقصد ہی نہیں ہے میرا۔ مگر نہیں مقصد ہے، مانتا ہوں کہ میں نے تجھ سے ٹکر لی ادریس! مگر جس طرح تم دونوں نے مل کر مجھ سے میرا سارا اثاثہ چھین لیا اس کے بعد جیون میں اس کے سوا اور کچھ نہیں رہ جاتا کہ میں تم سے تمہارا سب کچھ چھین لوں۔ ادریس تجھے تو میں نے ٹھیک کر ہی دیا ہے، شاہنواز کو بھی میں ٹھکانے لگائے بغیر چھوڑوں گا نہیں۔ اس نے میرا سب کچھ چھین لیا ہے۔" راج گندل بڑبڑاتا رہا اس کی ذہنی کیفیت کافی خراب ہو گئی تھی، پھر اس نے گھوم کر بچی کو دیکھا اور بولا۔ "کیا مجھے گھورے جا رہی ہے، ڈائن جا اندر جا۔ کیوں مر رہی ہے یہاں، میرے من کو شانت ہونے دے۔"

بچی نے سہمی ہوئی نگاہوں سے راج گندل کو دیکھا پھر گردن جھکا کر آہستہ آہستہ قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ اس کے ہلتے ہوئے بدن سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ سسکیاں لیتی ہوئی جا رہی ہے۔

راج گندل اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔ نجانے کتنی دیر تک وہ کرب کا شکار رہا، پھر اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔

"ٹھیک ہی تو کہتے ہیں منکاری مہاراج۔ دشمن کی بیٹی ہے یہ، سارا کھیل اسی کی وجہ

سے بگڑا ہے۔ اگر اس سے یہ مجھے حاصل ہو جاتی تو سب کچھ میرے قبضے میں ہوتا۔ میں اس کے ساتھ کیوں بھلائی کروں۔ بھوانی دیوی مجھے شکتی دے کہ میں وہ سب کچھ کر سکوں جو میں کرنا چاہتا ہوں۔"

منکاری دوسرے دن اس وقت آیا تھا جب راج گندل کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔ اس نے معمول کے مطابق منکاری کا سواگت کیا۔

"جئے منکاری مہاراج!"

منکاری اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ "لگتا ہے بدھی ٹھکانے آ گئی ہے۔"

"کیوں مہاراج؟"

"بس جب تیرے من میں کوئی بری بات ہوتی ہے تو تیرے چہرے پر آ جاتی ہے، اس سے ذرا قابو میں نظر آ رہا ہے۔"

"آپ مجھ سے اتنے واقف ہو گئے منکاری مہاراج!"

"تجھ سے تو اتنا واقف ہونا ہے مجھے کہ سنسار میں کبھی کوئی مجھ میں اور تجھ میں فرق نہ محسوس کر سکے۔" منکاری نے کہا۔

راج گندل اس کی صورت دیکھنے لگا پھر بولا۔ "میں سمجھا نہیں مہاراج۔"

جواب میں منکاری نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "بڑا سمجھدار بنتا ہے نا تو کیسی ہے تیری بھانجی؟"

"جہنم میں جائے وہ۔ میں نے اپنے جیون میں جو کچھ کیا ہے اب اس سے پیچھے کیوں ہٹوں، کوئی بھانجی وانجی نہیں ہے میری۔"

"اب میرا من چاہتا ہے کہ تجھ سے کہوں کہ جئے راج گندل مہاراج۔" منکاری نے کہا اور پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "کہاں ہے وہ، کیا کر رہی ہے؟"

"بیٹھی ہے اندر۔"

"چل اندر ہی چلتے ہیں۔" منکاری نے کہا اور اس کے بعد راج گندل کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ وہ خود تو راج گندل کے علاوہ کسی کو نظر نہیں آتا تھا۔ بچی نے راج گندل کو دیکھا تو مسکرا دی۔ "ماما جی۔"

راج گندل نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور بولا۔ "کیا کر رہی ہے تو، کبھی کچھ لکھا پڑھا ہے جیون میں؟"

"نہیں ماما جی! وہ چاچا کہتا تھا کہ مجھے سکول میں داخل کرائے گا، وہ سکول میں داخل

رہا ہی چاہتا تھا کہ تم چلے گئے۔ بس میرا دل تمہیں تلاش کرنے لگا اور میں تمہارے پاس آ گئی۔"

"تیرا دل مجھے تلاش کرنے لگا۔" راج گندل نے کہا۔

منکاری نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر گھونسا دیا اور اس کے کان میں بولا۔ "پھرا لو بن رہا ہے تو۔"

راج گندل ایک دم سنبھل گیا پھر بولا۔ "اچھا تو ایک کام کر، تھوڑا سا پڑھ، جو کچھ بھی میں کہہ رہا ہوں وہ اپنے منہ سے کہہ، چل آ ادھر بیٹھ جا۔"

بچی راج گندل کی ہدایت کے مطابق اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ تب راج گندل نے اسے وہ شبدھ سکھائے جو بچی کو ادا کرنے تھے، اس نے سنجیدگی سے راج گندل کی طرف دیکھا اور بولی۔ "پڑھوں ماما جی۔"

"ہاں پڑھ۔" بچی نے مؤدبانہ انداز میں گردن جھکائی اور بسم اللہ پڑھی۔

راج گندل کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ نیچے الٹ گیا۔ ساتھ ہی اس نے منکاری کی چیخ بھی سنی تھی جو دروازے سے نکل کر بھاگ گیا تھا۔ بچی ایک دم نروس ہو گئی۔ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھی اور راج گندل کے قریب پہنچ گئی۔

"کیا ہوا ماما جی، کیا ہو گیا؟"

"کتے کی بچی، جو میں نے تجھ سے کہا وہ نہیں کہا تو نے، یہ کیا کہنے لگی۔"

"ماما جی ہر کام بسم اللہ پڑھ کر کرنا چاہیے۔" بچی نے کہا اور راج گندل کا منہ ایک بار پھر زمین سے جا ٹکرایا۔

"تیرا ستیاناس، میں کہتا ہوں جو شبدھ میں نے کہے ہیں تجھ سے وہ کہہ۔"

"ماما جی کہہ تو رہی ہوں، اماں تا جی نے تو یہی کہا تھا کہ جو بھی کام شروع کرو، بسم اللہ کہہ کر کرو۔"

"مر جائے تو، مر جائے تو۔" راج گندل نے کہا اور خود بھی کمرے سے نکل بھاگا، بچی حیران نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی، پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ماما جی، کیوں ناراض ہو گئے، ماما جی میری بات سنو۔" وہ آہستہ آہستہ راج گندل کو پکارتی ہوئی دروازے سے باہر نکل آئی۔

"منہ بند رکھیو، ورنہ زبان نکال لوں گا تیری۔" راج گندل جو اپنے منہ پر پڑنے والی تین ضربوں سے بری طرح زخمی ہو گیا تھا اپنے جبڑے سہلاتا ہوا بولا۔

"ماما جی میں نے تو کچھ نہیں کہا ہے۔"

"بھٹی میں جھونک دے اسے منہ بند رکھیو اس کا۔ خوب سر چڑھایا ہے تو نے اسے۔" راج گندل کے کانوں میں منکاری کی آواز گونجی۔

"لو میں نے کیا کیا ہے مہاراج؟"

"ماما جی کس سے بات کر رہے ہو؟"

"تو اندر جا چل اندر۔" راج گندل نے ڈپٹ کر کہا۔ تو بچی منہ بسورتی ہوئی اندر چلی گئی۔

منکاری خود ایک طرف سہما سا کھڑا تھا۔ اس نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔ "کھیل کافی بگڑا ہوا ہے راج گندل! کھیل کافی بگڑا ہوا ہے۔ ہم آسانی سے اس پر قابو نہیں پا سکتے۔"

راج گندل اپنے جبڑے سہلاتا رہا پھر بولا۔ "کیا یہ بھی ادریس کی کوشش ہے منکاری مہاراج۔"

"نہیں یہ دوسرا کھیل ہے۔ مسلمان گھروں میں جب بچے پیدا ہوتے ہیں تو ان کے کانوں میں ان کے دھرم کے بول ڈالے جاتے ہیں۔ وہ بول ان کی آتما میں اتر جاتے ہیں اور جیون کی آخری سانس تک ان کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"پر مسلمان دھرم کے لوگ بھی کائر ہوتے ہیں، پاپ کرتے ہیں، ساری برائیاں کرتے ہیں وہ کیوں؟"

"سمے کا سایہ پڑتا ہے ان پر۔ وہ سارے بول بھول جاتے ہیں۔ پر ان کا اصل ایک ہی ہوتا ہے جبکہ اس بچی کا من ابھی کورا ہے اس نے سمے کی دھول نہیں چاٹی۔"

"اب کیا کریں مہاراج۔"

"سوچنا پڑے گا۔ بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔" منکاری نے کہا پھر بولا۔ "اب تو یہ بچی مجھے دے دے۔"

☆

منکاری کے الفاظ پر راج گندل بری طرح چونک پڑا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے چہرے کے کئی رنگ بدلے تھے۔ منکاری کی نگاہیں اس وقت اس کے چہرے پر نہیں تھیں۔ راج گندل نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں منکاری مہاراج آپ تو آتما ہیں۔ آپ کا اپنا تو کوئی ٹھکانہ نہیں ہے۔ پھر آپ اسے کہاں لے جائیں گے اور کیا کریں گے؟"

"وہ میں جانوں اور میرا کام۔ میری بات غور سے سن لے۔ یہ سارا کام آسان نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے ادریس اس پر اپنا سایہ ڈال رہا ہو۔ ہوسکتا ہے اس نے اپنا کام چالو کر دیا ہو۔ وہ نئے ہتھیاروں کے ساتھ میدان میں آیا ہے۔ اس سے نئے ہتھیاروں کے ساتھ ہی مقابلہ کرنا پڑے گا...... تو مارا جائے گا راج گندل! سوچ اپنے بارے میں، کس پھیر میں پڑ رہا ہے تو۔ ہوسکتا ہے بچی کے لیے تیرے من میں جو پریم جاگا ہے یہ بھی ادریس کے کاموں کا ایک حصہ ہو۔ وہ تجھے اس طرح گھیرنا چاہتا ہو۔"

راج گندل نے ایک جھرجھری سی لی اور بولا۔ "تو اب میں کیا کروں مہاراج؟"

"دیکھ میرے غصے کو آواز نہ دے۔ بار بار مجھ سے یہ سوال کرتا ہے جو میں کہتا ہوں وہ نہیں کرتا۔"

"بس اتنی سی بات کرتا ہوں مہاراج کہ وہ مر جائے گی۔ میرے پاس بھی وہ کسی اور کی شکل دیکھ کر جیتی ہے۔ آپ اسے کہاں لے جائیں گے، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ آپ اس کے جیون کا انت ہی کر دیں۔"

"کرنا پڑا تو ضرور کریں گے۔ تیری طرح میرے من میں اتنی دیا نہیں ہے کہ اپنا جیون دے کر دوسروں کا جیون بچاتا پھروں کیا سمجھا، سوچ لے، سوچنے کے لیے سمے ہے تیرے پاس۔"

"نہیں مہاراج سوچنا سمجھنا کیا دو ہی باتیں ہیں۔ بھوانی کا داس بن چکا ہوں۔ من

میں جو منو کامنائیں ہوتی ہیں منش ان سے دور کبھی نہیں ہو پاتا۔ ہاں مجبوری الگ چیز ہے، مجبوری راستہ روک دے تو روک دے، ورنہ من کہاں مانتا ہے؟"

"ایک اور ترکیب ہو سکتی ہے اگر تو چاہے۔"

"جی مہاراج!"

"راج گندل دیکھ تیرے دو ہی دشمن ہیں جنہوں نے تجھ سے تیرا بھوش چھین لیا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے اب اس سنسار میں تیرے لیے۔ اگر اپنے دشمنوں کو سنسار سے مٹانا چاہتا ہے تو ان سے لڑنا پڑے گا تجھے۔ کمزور پڑا تو مار کھا جائے گا۔ منکاری کا کیا ہے تیرے جیسے کسی منش پر سایہ ڈال دوں تو وہ میرے چرن چاٹے گا۔"

"میں جانتا ہوں مہاراج!"

"جانتا ہے بوجھتا ہے پھر بھی میری باتوں سے منہ موڑتا ہے۔"

"نہیں مہاراج ایسا بالکل نہیں ہے، میں تو بس بچی کے بارے میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر ہم اسے بھوانی دیوی کی داسی بنانا چاہتے ہیں اور اسے دیوی کا روپ دینا چاہتے ہیں تو اس کا جیون تو ضروری ہے نا۔"

"اسی لیے میں نے یہ نئی ترکیب سوچی ہے۔"

"بتایئے مہاراج۔"

"تو مجھے اپنے شریر میں جگہ دے دے۔" منکاری نے کہا۔ راج گندل نہ سمجھنے والی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ "کیا کہا آپ نے مہاراج؟"

"میں نے کہا کہ مجھے اپنے شریر میں جگہ دے دے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے مہاراج۔ مجھے ذرا کھل کر بتایئے۔" راج گندل نے کہا۔

"تو جانتا ہے کہ میں صرف آتما ہوں اور آتمائیں کب بھٹکتی ہیں۔ جب ان کے من میں کوئی بات چھپی رہ جاتی ہے۔ جیون میں وہ نہیں ہو پاتا جو وہ چاہتے ہیں تو آتمائیں بھٹکتی پھرتی ہیں اور ان کی سب سے بڑی اچھا ہوتی ہے کہ وہ اپنی منو کامنائیں پوری کر لیں۔ آتماؤں کے ہاتھ نہیں ہوتے وہ سنسار میں ہوا کی طرح چلتی ہیں۔ ہاں اگر کسی آسمان کو شریر مل جائے تو پھر اسے ہاتھ پاؤں بھی مل جاتے ہیں۔ شریر تیرا، شکتی میری۔ پھر دیکھتے ہیں شاہنواز اور ادریس کیسے بچتے ہیں۔"

"مہاراج یہ ہو سکتا ہے کیا کہ آپ کی آتما میرے شریر میں داخل ہو جائے؟"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"اور میرا کیا ہوگا؟" راج گندل نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

"ایک شریر دو آتمائیں۔ یوں سمجھ لے جیسے کسی گھر میں کرائے دار آ گیا۔ ایک تالے کی دو چابیاں، تو تو ہی رہے گا، بس تیرے شریر میں میری آتما ایک کرائے دار کی حیثیت سے رہے گی۔ تو جب چاہے گا اپنے شریر کو اپنی خوشی سے استعمال کر سکے گا اور میں تجھ سے اپنے تالے کی چابی لے لوں گا۔ جہاں میں چاہوں گا وہاں میں تیرے شریر کو استعمال کروں گا۔ راج گندل اسی طرح میری آتما اور تیرا شریر مل کر ادریس اور شاہنواز کو ختم کر سکیں گے۔ تو ہر معاملے میں مجھ سے پوچھتا ہے نا کہ میں اب کیا کروں مہاراج، تو سمجھ لے کہ پھر تیرے شریر کے اندر میں وہ کروں گا جو تیری ضرورت ہو گی۔"

راج گندل بڑے اچھنبے میں پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "یہ میرے جیون کا بڑا انوکھا تجربہ ہو گا مہاراج! اچھا ایک بات بتایئے جب آپ کی آتما میرے شریر میں داخل ہو سکتی تھی تو آپ نے پہلے ایسی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"نہیں رے، اب جبکہ تو یہ بات کہتا ہے کہ بچی مر جائے گی اور اس کے ساتھ میں وہ سلوک نہ کر پاؤں گا جو تو کرتا ہے تو پھر یہ ضروری ہے اور ویسے بھی آتماؤں کا کھیل ذرا الگ ہوتا ہے۔ جب تک تو اپنے من سے نہ چاہے کہ میں تیرے شریر میں کرائے دار کی حیثیت سے اندر آ جاؤں تو میں نہیں آ سکتا۔ یہ بات اسی سے ہو سکتی ہے جب تو ساری باتیں سمجھ کر من سے یہ بات چاہے کہ میری آتما تیرے شریر میں داخل ہو جائے، ایک شریر دو آتمائیں، بڑا دلچسپ کھیل ہو گا۔"

"تو ٹھیک ہے مہاراج میں تیار ہوں۔" راج گندل نے کہا۔

منکاری ہنسنے لگا، پھر بولا۔ "یہ بھی تیرے اور میرے دونوں کے جیون کا ایک نیا تجربہ ہو گا۔ مجھے وشواش ہے کہ اس طرح ہم دونوں مل کر اپنے سارے دشمنوں کا صفایا کر سکیں گے اور پھر تو جس مہان شکتی کے لیے تڑپتا رہا ہے وہ بھی تجھے حاصل ہو جائے گی۔ میں نے تجھے بتایا ہے کہ ایک تالے کی دو چابیاں، جب تو یہ چابی لگائے گا تو تیرا شریر تیری خواہشوں کے مطابق آزاد ہو جائے گا اور جب میں کسی کام کو من سے چاہوں گا تو پھر تیرا شریر میرے اشاروں پر کام کرے گا۔ بول کیا من سے اس بات کو مانتا ہے۔"

"ہاں مہاراج، ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" راج گندل نے جواب دیا۔

منکاری نے کہا۔ "تب پھر آ جا بھوانی کے مندر چلتے ہیں، وہیں پر یہ کام ہو گا بھوانی ماں کے چرنوں میں۔"

راج گندل تیار ہو گیا۔ اس طرح اس نے اپنی خواہش کے مطابق بچی کا تحفظ بھی کر لیا تھا۔ اگر وہ اور منکاری ایک ہوں گے تو بچی بھی محفوظ رہے گی۔

غرضیکہ وہ منکاری کے ساتھ لمبے راستے طے کر کے ایک ویران سے علاقے میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک ٹوٹا پھوٹا مندر بنا ہوا تھا جو دیکھنے ہی سے بھیانک نظر آتا تھا۔ منکاری اس مندر میں داخل ہو گیا۔ بھوانی کا خوفناک مجسمہ وہاں موجود تھا۔ منکاری ہاتھ جوڑ کر اس مجسمے کے سامنے جھک گیا۔ پھر وہ دیر تک ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بدبداتا رہا تھا۔ غالباً کوئی منتر پڑھ رہا تھا۔ منتر پڑھنے کے بعد اس نے راج گندل پر ایک پھونک ماری نجانے کیوں راج گندل کے دل و دماغ پر اس وقت ایک خوف کی سی کیفیت طاری تھی۔ وہ منکاری کی تمام کارروائیاں دیکھ رہا تھا۔

پھر منکاری نے اس سے کہا۔ ”بھوانی دیوی کے چرنوں میں لیٹ جا۔ دونوں پاؤں کے انگوٹھے ایک دوسرے سے ملا لے۔ دونوں ہاتھ سیدھے کر کے ان کے انگوٹھے ایک دوسرے سے ملا لے اور آنکھیں بند کر لے۔“

راج گندل منکاری کی ہدایت پر عمل کرنے لگا اور زمین پر سیدھا لیٹ کر اس نے وہی کیا جو منکاری نے کہا تھا۔ منکاری آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پیروں کے پاس آ کھڑا ہوا۔ اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور منتر پڑھنے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ جسم جو راج گندل کو نظر آتا تھا ایک کالے کثیف دھوئیں میں تبدیل ہو گیا۔ اس دھوئیں سے بڑی بدبو اٹھ رہی تھی۔ ایسی خوفناک بدبو کہ انسانی دماغ پھٹ جائے۔ راج گندل خود بھی کالی غلاظتوں کا مالک تھا، لیکن یہ بدبو ایسی تھی کہ اسے بھی دن میں تارے نظر آ گئے۔ رفتہ رفتہ منکاری کا وجود کم ہونے لگا، سیاہ رنگ کا کالا دھواں راج گندل کی ناک سے اندر اترنے لگا اور راج گندل کو اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے تڑپ کر کروٹ بدلنے کی کوشش کی لیکن اس وقت اس کا پورا بدن مفلوج تھا۔ منکاری نے اسے پوری طرح اپنے جال میں جکڑ لیا تھا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد یہ دھواں ختم ہو گیا اور راج گندل کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا وزن بڑھ گیا ہو۔ تبھی منکاری کی چہکتی ہوئی آواز ابھری۔

”کام ختم ہو گیا، اب تو دیکھ تماشا راج گندل، اب ادریس کو منکاری کی شکتی کا سامنا کرنا ہو گا۔ اب تو بتا تجھے کوئی پریشانی تو نہیں ہو رہی۔“

”ٹھیک ہوں مہاراج، پہلے مجھے بھاری بھاری سا لگ رہا تھا۔“

”ٹھیک ہی رہے گا بلکہ زیادہ ٹھیک رہے گا۔“

”ایک بات بتائیں مہاراج۔“

”ہاں، بول۔“

”بچی کا میرے بنا کیا ہو گا۔“

”ارے پاگل، وہ جیسی ہے ویسی رہے گی۔ میں تیرے شریر میں ضرور آ گیا ہوں، مگر تیری شکل صورت وہی ہے۔ آ تجھے تجربہ کرا دوں اور پھر میں نے تجھ سے ایک بات اور کہی تھی یاد ہے؟“

”کون سی بات مہاراج!“

”میں نے کہا تھا نا کہ تجھے اپنے جیون کا سب سے انوکھا تجربہ ہو گا کہ میں تیرے شریر میں ہوں پر تو آدھا میں ہوں اور آدھا تو۔ تو جب چاہے مجھ سے کہہ سکتا ہے کہ منکاری مہاراج میں کچھ کرنا چاہتا ہوں، تھوڑی دیر کے لیے تم میرے شریر میں سو جاؤ تو میں شانت ہو جاؤں گا اور تو اپنے من کا کام کر سکتا ہے اور جب ہم دونوں ایک ساتھ ہوں گے تو جیسے اب میں اور تو باتیں کر رہے ہیں ایسے ہی بات کرتے رہیں گے اور جب میں کچھ کرنا چاہوں گا تو تیری مرضی ہو گی کہ تو جاگے یا سو جائے، کیا سمجھا، چل آ اس کا تجربہ بھی کر لے۔“ منکاری نے کہا۔

پھر وہ بچی کے پاس پہنچ گئے جو بڑے پیارے انداز میں ایک جگہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ منکاری نے راج گندل کی آواز میں کہا۔ ”نینا۔“

جس پیار سے منکاری بولا تھا بچی خوشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”ماما جی۔“ اس نے کہا اور دوڑتی ہوئی آئی اور راج گندل کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔

”کیا کر رہی تھی ری تو؟“

”ماما جی آپ مجھ سے ناراض کیوں ہو جاتے ہو؟“

”بس پاگل اس لیے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں تو وہ نہیں کرتی۔“

”ماما جی، ہر سبق بسم اللہ کر پڑھنا چاہیے۔“

”پھر وہی۔“ منکاری نے اپنے بدن کی اذیت سے بچنے کی کوشش کی لیکن جو ضرب اس پر پڑی تھی اس سے بھلا کیسے منحرف ہو سکتا تھا۔ اس نے بچی کے دونوں ہاتھ گلے سے نکال کر انہیں جھٹکا اور بولا۔ ”بس یہی شبدھ نہ کہا کر، میرا مطلب ہے......“

”میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔“ بچی نے معصومیت سے کہا۔

”اچھا اب آرام سے بیٹھ، میں ذرا کام سے جا رہا ہوں، گھر میں ہی رہنا، سب

کھانے پینے کی چیزیں موجود ہیں کھاتی پیتی رہنا، میں چلتا ہوں۔''

منکاری اس خوف سے وہاں سے باہر نکل آیا کہ کہیں بچی پھر بسم اللہ نہ کہہ دے۔ باہر نکل کر وہ گڑبڑاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''ارے دیا رے دیا، اس نے تو ہماری ناک میں رسی ڈال دی۔ تیرا کیا حال ہے راج گندل؟''

''ابھی تو شریر میں جلن ہو رہی ہے مہاراج!''

''نا راج گندل نا، یہ بچی ہمارے من کا بہت بڑا روگ بن جائے گی۔ اب تو چنتا ہونے لگی ہے کہ ہم اسے بھوانی دیوی کے چرنوں میں جھکا بھی سکیں گے یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھوانی دیوی کے چرنوں میں جھک کر بھی یہ وہی بول بولے جو بولتی ہے اور ہم پر بھوانی دیوی کا شراپ پڑ جائے۔''

راج گندل کے منہ سے کچھ نہیں نکلا تھا، تھوڑی دیر کے بعد منکاری نے پوچھا۔ ''چل اب، چلتے ہیں یہاں سے۔ اپنے کام شروع کریں۔'' اور پھر راج گندل، منکاری کا بوجھ اپنے وجود پر لادے گھر سے باہر نکل آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ساری زندگی جادو منتروں کے پھیر میں رہا تھا، پر جیون میں پہلی بار ایک انوکھے تجربے سے دو چار ہو رہا تھا۔ اسے خود پر اختیار نہیں رہتا تھا، ابھی تک منکاری ہی اس پر حاوی رہا تھا۔ اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کے قدم ریلوے اسٹیشن کی جانب کیوں اٹھ رہے ہیں۔ بس وہ اپنے وجود کا تماشا بنا ہوا تھا۔

جب وہ ریل میں بیٹھا تب بھی اس کے اندر بے چینی کی ایک لہر بے دار ہوئی تھی مگر منکاری نے شاید اس کا منہ بھی بند کر دیا تھا کہ وہ کوئی سوال نہ کر سکے۔ ریل چل پڑی۔ آدھا دن سفر میں گزرا۔

اس وقت شام کا جھٹپٹا طاری تھا کہ ریل ایک اسٹیشن پر رکی کوئی چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ روشنیاں جل اٹھی تھیں، حالانکہ فضا میں ابھی خاصی حد تک اجالا تھا۔ راج گندل منکاری کے زیر اثر اس اسٹیشن پر اتر آیا۔ پورے راستے کوئی بات نہیں ہوئی تھی، منکاری نے اس کا منہ بند کر رکھا تھا، لیکن ریلوے اسٹیشن پر اترنے کے بعد اچانک ہی راج گندل کو یوں لگا جیسے اس کی زبان آزاد ہو گئی ہو۔

''یہ...... یہ کون سی جگہ ہے منکاری مہاراج؟''

''تیجا پور، نام سنا ہے اس کا کبھی؟''

''ہاں سنا ہے پر ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''آ جا چیلے۔ گرو سے سوال مل کر، آ جا۔'' منکاری اس طرح آگے بڑھا جیسے ان راستوں سے پوری طرح واقف ہو اور پھر وہ ایک پرانی حویلی کے پاس جا کر رک گیا۔ حویلی کے دروازے پر چارپائی بچھی ہوئی تھی اور ایک آدمی اس پر بیٹھا ہوا تھا۔

''سیا رام مہاراج سے ملنا ہے ہمیں، بھیا جی اطلاع دے دو کہ رگھبیر آیا ہے۔''

''جی مہاراج!'' چارپائی پر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا اور اٹھ کر حویلی کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ ایک بھاری بدن کے آدمی کے ساتھ باہر آ گیا۔ منکاری نے رخ بدلا تھا اور جب اس کا چہرہ سامنے آیا تو وہ بالکل اجنبی چہرہ تھا۔ راج گندل خیال کی آنکھوں سے اپنے اس چہرے کو دیکھ رہا تھا، بالکل ہی بدلا ہوا چہرہ تھا آنے والے نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''ارے رگھبیر مہاراج، ہم تو سپنوں میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ آپ اس طرح ہمارے گھر پدھاریں گے، آیئے آیئے۔''

منکاری ہنستا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا، یہ انوکھا کھیل راج گندل کی سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا۔ بھاری بدن کا آدمی منکاری کو لیے ہوئے اندر داخل ہو گیا۔ حویلی اچھی خاصی بڑی تھی، لیکن یوں لگتا تھا جیسے گھر کے مکین مالی طور پر خاصے الجھے ہوئے ہوں۔ ڈیوڑھی میں بھی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ منکاری کو بیٹھنے کی پیشکش کی گئی۔ منکاری نے کہا۔ ''کہو سیا رام کیسے ہو؟''

''بس مہاراج، کیا بتائیں آپ کو جیون بیت رہا ہے۔''

''ارے کیوں، تمہیں تو بڑی دولت ملی تھی اس سسرے منکاری کے مرنے کے بعد۔''

''کہاں مہاراج! دھوکا کیا سب نے ہم سے۔ ایک پھوٹی کوڑی نہ دی۔''

''پھر تو سیا رام، بڑا گھاٹا ہو گیا تمہیں، تم نے تو بڑی محنت سے منکاری کو زہر دیا تھا۔''

''رگھبیر مہاراج! ہم اکیلے تو نہیں تھے، سون وتی بھی تو شریک تھی۔''

''ارے بھیا تم نے منکاری سے اس کا جیون بھی چھین لیا اور تمہیں ملا بھی کچھ نہیں۔''

''میں نے اس کا جیون نہیں چھینا تھا مہاراج۔''

''ہاں ہاں، جس کے لیے بھی تم نے یہ کام کیا، پر برا کیا، خیر چھوڑو، بال بچے کیسے ہیں؟''

"کہاں ہیں، سارے کے سارے الگ الگ ہو گئے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ جب منش پر برا سمے آتا ہے تو اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے، سب کو جیون بھر عیش کراتا رہا اور جب مجھ پر پڑی تو اکیلا رہ گیا۔"

"اچھا، اس کا مطلب ہے اب تم اس حویلی میں اکیلے ہی رہتے ہو۔"

"ہاں دھوما بے چارہ، پرانا ملازم ہے۔ میں فاقے کرتا ہوں تو وہ بھی فاقے کرتا ہے۔"

"ارے، بڑا افسوس ہوا، پر دیکھو نا سیا رام جو کچھ منش کرتا ہے اسے اس کا بھوگ تو بھوگنا ہی ہوتا ہے۔"

"بھوگ تو رہا ہوں مہاراج، کیا بتاؤں آپ کو؟"

"کہاں...... ایسے کہاں، برائی کا بدلہ اتنا آسان ہو جائے تو ہر منش برائی کرنے سے پہلے سوچنا بھی چھوڑ دے۔ تم نے جس طرح بے چارے منکاری کا جیون لیا، میرے خیال میں تو اس طرح تمہارا جیون بھی جانا چاہیے۔"

"مم...... مہاراج...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"ہاں یہی کہہ رہا ہوں، تم نے غور سے نہیں دیکھا مجھے، ذرا دیکھو تو سہی۔" منکاری نے یہ کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے اور پھر جب اس کے ہاتھ چہرے کے سامنے سے ہٹے تو وہ اپنی اصل شکل میں تھا۔ وہ شکل جو صرف راج گندل ہی دیکھ سکتا تھا، اس کی موت کے بعد اور کسی کو وہ شکل کبھی نظر نہیں آئی تھی لیکن اس وقت جو شخص سامنے کھڑا تھا وہ دہشت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ "آپ۔"

جواب میں منکاری ہنس پڑا، پھر بولا۔ "ہاں سیا رام! ہم نے کہا نا، آنا تو تھا تمہارے پاس...... سو دیکھ لو آ گئے۔"

"مم...... مہاراج، مم...... میں......" سیا رام دروازے کی جانب دیکھنے لگا جیسے دروازے کی طرف دوڑ لگانے کا ارادہ رکھتا ہو۔

منکاری کے حلق سے ایک مکروہ قہقہہ نکلا۔ "نا سیا رام نا، بھاگ نہ سکو گے۔ یہ سمے تو آنا تھا ایک نہ ایک دن۔ تم سوچ رہے ہو گے کہ منکاری تو مر چکا ہے اب وہ کہاں آئے گا، پر دیکھ لو کھڑے ہیں تمہارے سامنے۔"

"شما کر دیں مجھے منکاری مہاراج، مجھے شما کر دیں۔"

"کر دیں گے جب نرکھ میں ہماری آتمائیں ملیں گی تو میں تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔

پر یہ ہو نہیں سکتا کہ منکاری اس سنسار سے چلا جائے اور تم ملکندے مارو، کیا سمجھے؟"

"مہاراج دیکھیں تو سہی ایک بار، میں آپ کو ہر جرمانہ دینے کو تیار ہوں۔"

"ارے واہ، کیا مزیدار باتیں کر رہے ہو بھیا۔ تمہارے پاس رکھا کیا ہے جو ہمیں جرمانے دو گے۔ چلو جرمانے میں جیون دے دو اپنا، اے یہ دیکھو۔" منکاری نے ہاتھ اوپر کیا اور اس کے ہاتھ میں ایک پیالہ آ گیا۔

راج گندل خاموش تماشائی بنا ہوا تھا، حالانکہ منکاری اس کی زبان سے بول رہا تھا، اس کی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، لیکن وہ اس وقت ایک خاموش تماشائی کی حیثیت رکھتا تھا، وہ پیالہ جو منکاری کے ہاتھ میں آیا تھا نیچے ہوا اور اس میں گہرے سبز رنگ کی کوئی چیز نظر آئی جیسے کسی جڑی بوٹی کو پیسا گیا ہو۔ سیا رام تھر تھر کانپ رہا تھا، اس کی آنکھیں بار بار بند ہونے لگتی تھیں۔

"بے ہوش ہوئے تو تمہارے پیٹ میں چاقو بھونک دیں گے، اس لیے سیدھے کھڑے رہو، لو یہ دیکھو، یہ کیا ہے، وہی امرت جل ہے نا جو تم نے ہمیں پلایا تھا۔" منکاری نے کہا اور پیالہ آگے بڑھا دیا۔

سیا رام نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور تھر تھر کانپنے لگا۔ "شما کر دیں منکاری مہاراج!"

"لو پکڑو دونوں ہاتھوں سے اور پی جاؤ اسے۔"

"شما کر دیں منکاری مہاراج، مم...... میں، میں مر جاؤں گا۔"

"مرنا تو تمہیں ویسے بھی ہے، پر دیکھو ایک صلاح دیتے ہیں تمہیں، یہ پیالہ پی لو۔ ایسے ہی مر جاؤ گے جیسے ہم مر گئے تھے۔ اگر تم نے یہ نہ پیا تو پہلے ہم تمہاری ایک آنکھ نکال لیں گے۔ دوسری اس لیے نہیں نکالیں گے کہ دوسری سے تم دیکھتے رہو۔ پھر تمہارے اوپر مٹی کا تیل ڈالیں گے اور اس کے بعد دکھا دیں گے ماچس۔ دروازہ بند کر لیں گے تاکہ وہ تمہارا پالتو کتا اندر نہ آ جائے، بولو کون سی موت پسند ہے۔ یہ پیالہ پی رہے ہو یا پھر دوسری، اے یہ دیکھو۔" منکاری نے کہا اور اس بار اس کے ہاتھ میں مٹی کے تیل کا ایک برتن آ گیا تھا۔ اس نے اس کی ڈاٹ کھولی اور مٹی کے تیل کی بو فضا میں پھیل گئی۔

سیا رام کے چہرے پر شدید دہشت نظر آنے لگی۔ اسے اپنی موت آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کی سوگند منکاری مہاراج! میں نردوش ہوں، سارا کام سون وتی کا تھا۔"

"سیا رام! آتماؤں کے سامنے جھوٹ بولتے ہو، آتما زبان کی کہاں سنتی ہے، وہ تو

من میں جھانکتی ہے۔ دیر کر رہے ہو بلا وجہ یہ لو۔" منکاری آگے بڑھا اور اس نے مٹی کے تیل کی بوتل سیا رام کے سر پر انڈیل دی۔

"مم...... شما کر دو مہاراج شما کر دو۔" سیا رام مٹی کے تیل میں بھیگ گیا تھا، وہ پیچھے ہٹتا ہٹتا دیوار سے جا لگا۔

منکاری نے ماچس نکال لی۔ "آخری لمحہ ہے، تمہیں موقع دے رہے ہیں، یہ زہر پی لو یا پھر جیتے جی جل مرو۔" منکاری نے ایک بار پھر زہر کا برتن سیا رام کی طرف بڑھایا اور سیا رام نے کانپتے ہاتھوں سے وہ برتن پکڑ لیا۔ منکاری ہنس پڑا اور بولا۔ "ہاں یہ ہوئی نا بات، ہمیں بھی یہی پسند ہے، تو نے بھی اسی طرح ہمیں زہر پلا کر اس سنسار سے دور کیا تھا۔ کیوں ہے نا؟"

سیا رام کا پورا بدن کپکپا رہا تھا۔ زہر کا پیالہ اس کے ہاتھوں میں تھا اور وہ حسرت بھری نگاہوں سے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔

"پی جا، پی جا، دیر مت کر۔ ورنہ مجھے پتہ ہے کہ تیرا پورا بدن مٹی کے تیل سے بھیگا ہوا ہے، ماچس کی ایک تیلی جلے گی اور اس کے بعد، چل جلدی کر، ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

سیا رام نے حسرت بھری نگاہوں سے ایک بار پھر ماحول کو دیکھا اور اس کے بعد زہر کا پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ اس کا منہ بنا ہوا تھا، لیکن سامنے منکاری ایک درندے کی طرح کھڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس نے زہر اپنے حلق سے نیچے اتار لیا اور اس کے بعد پیالہ اس کے ہاتھوں سے گر پڑا۔ آہستہ آہستہ اس کا بدن کپکپانے لگا تھا اور آنکھیں چڑھتی جا رہی تھیں۔

منکاری کے حلق سے پھر ایک قہقہہ آزاد ہو گیا اور اس نے ماچس کی تیلی جلا کر سیا رام کی طرف اچھال دی۔ "جیتے جی چتا جلا دی تیری ہم نے سیا رام، دیکھا تو نے سنسار میں بہت سے کام ایسے ہوتے ہیں جو اس طرح نہیں کیے جاتے جیسے تو نے کیے، تو نے سون وتی کے کہنے سے ہمیں سنسار سے دور کر دیا، مگر اب تو اپنے سنسار سے جانے کا تماشا دیکھ۔"

آگ نے پورے بدن کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سیا رام زمین پر گر کر تڑپنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔

منکاری کے حلق سے ایک قہقہہ نکلا اور اس نے راج گندل سے کہا۔ "چل راج

گندل! اب ذرا اس سون وتی کو بھی دیکھ لیں۔"

راج گندل خاموشی سے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔ خود بھی اس نے نہ جانے کیا کیا کھیل کھیلے تھے، مگر نجانے کیوں اب اس کے اندر ایک ڈھیلا پن پیدا ہو گیا تھا، لیکن بدن پر منکاری کا قبضہ تھا۔ کچھ کرنا چاہتا تب بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ خاموشی سے منکاری کے ساتھ چل پڑا۔ منکاری شاید دنیا سے جانے کے بعد دنیا کی چیزوں سے زیادہ محبت کرنے لگا تھا۔ ایک بار پھر اس نے ریل کا سفر طے کیا اور راج گندل کے بدن پر قبضہ جمائے ہوئے اس سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

راستے میں کئی بار اس نے راج گندل سے باتیں کی تھیں اور سفر جاری رہا تھا۔ پھر راج گڑھی کا اسٹیشن آ گیا اور منکاری اٹھ کھڑا ہوا۔ اس وقت رات ہو گئی تھی۔ راج گڑھی کے ریلوے پلیٹ فارم پر کوئی رش نہیں تھا۔ ہر طرف ایک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ راج گندل کے جسم میں منکاری اسٹیشن سے باہر نکلا اور پھر ایک تانگے والے کے قریب پہنچ گیا۔ "مہارانی سون وتی دوار جانا ہے بھیا، لے چلو گے۔"

"آیئے مہاراج، مہارانی جی کے مہمان ہیں تو ہمارے بھی مہمان ہیں۔" تانگے والے نے کہا اور بڑے احترام سے اسے تانگے میں بٹھایا۔

پھر تانگہ ٹخ ٹخ کر کے چل پڑا، لیکن راج گندل محسوس کر رہا تھا کہ تانگے کا گھوڑا بار بار بھڑک رہا ہے، غالباً ایک بدروح کو اپنے اوپر لدے دیکھ کر خوفزدہ ہو رہا تھا لیکن یہ بھی عجیب کھیل تھا، ایک بدروح تھی اور ایک جیتا جاگتا انسان۔ ایک جان دو قالب۔

تانگہ سفر کرتا رہا، راج گندل کا تو یہ بھی دل نہیں چاہا کہ سون وتی کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ منکاری جو کچھ کرتا پھر رہا تھا وہ راج گندل کے تصور سے باہر کی چیز تھی۔ اسے اس بات کا بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس کا شریر حاصل کرنے کے بعد منکاری اس طرح اپنی من مانی کرتا پھرے گا۔ سون وتی کی حویلی سرخ پتھروں سے بنی ہوئی تھی اور بڑی عالیشان تھی، منکاری نے کہا۔ "اب اندر جانا ہے ہمیں، ذرا دیکھ تماشا......" وہ گیٹ پر پہنچ گیا گیٹ پر دو مستعد پہرے دار موجود تھے۔ "بھیا رانی جی کے مہمان ہیں اندر جانے دو گے۔" دونوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن منکاری نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور بولا۔

"نہ...... کوئی سوال نہ کرو گے، بس راستہ چھوڑ دو۔"

دونوں نے سر جھکا کر راستہ چھوڑ دیا تھا۔ ان کی آنکھوں سے پتہ چلتا تھا کہ منکاری نے ان پر سحر کر دیا ہے، وہ اندر داخل ہو گیا۔

''عیش کر رہی ہے سسری، منکاری سے دھوکا کر کے عیش کر رہی ہے۔ ارے راج گندل بڑی سیوک تھی یہ ہماری اور وہ سسرا سیا رام، وہ اس کا خزانچی تھا۔ اس کی دولت کا پہرے دار اور ہم نے اس کے لیے جو کچھ کیا تھا وہ بہت بڑی بات تھی۔ ہم سے کہتی تھی کہ منکاری سو جیون ملے تو تجھ پر وار دوں گی، تو نے میری لاج رکھی ہے، بھیا ہم نے اس کی لاج رکھی اور اس نے ہماری ارتھی نکال دی، ہیں...... ہے اس سنسار میں کوئی بھروسے کے قابل، سیا رام سے مل کر اس نے ہمیں زہر دیا اور ہم مر گئے۔''

''مگر منکاری مہاراج......''

''ارے چھوڑ اگر مگر یہی کہے گا نا کہ ہم نے تجھے کوئی اور کہانی سنائی تھی۔ کہانیاں تو صرف کہانیاں ہوتی ہیں راج گندل! پتہ نہیں اس سنسار میں اور جانے کتنی ایسی ہی کہانیاں ہوں گی جیسے منکاری اپنی کہانی بتائے گا۔ دیکھ کیسی سندر حویلی ہے۔ پر وہ جو جھاڑ نظر آ رہے ہیں نا ابھی ہم ان میں چھپیں گے کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد ان دونوں کو ہوش آ جائے گا اور وہ تلاش کرتے پھریں گے تجھے۔ کیا سمجھا؟''

''ہوش آ جائے گا؟''

''تو اور کیا، ارے بھائی سنسار کی کہانی نجانے کیا کچھ ہے، ہر بات کو جاننے کے پھیر میں مت پڑا کر۔''

پھر اس جھاڑ میں ان لوگوں نے اپنا مسکن بنایا۔ حویلی واقعی ایک پروقار حویلی تھی۔ راج گندل وہاں آنے جانے والوں کو دیکھتا رہا۔ کئی گاڑیاں آئی تھیں اور پھر واپس چلی گئی تھیں۔ پتہ نہیں سون وتی کیا چیز تھی؟ منکاری تو اس کے ساتھ موجود ہی تھا کہنے لگا۔ ''رانی ہے یہاں کی۔ پتی مر گیا عیش کر رہی ہے۔ پتی کی موت کے بعد اس کے مخالفوں نے اسے دھرتی چٹانے کی کوشش شروع کر دی تھی پر یہ منکاری ہی تھا جس نے اس کے دشمنوں کو ایک ایک کر کے چتا میں جلوا دیا اور اس نے اپنا راز چھپانے کے لیے سیا رام کے ذریعے منکاری ہی کو مروانے کی کوشش کی۔ یہ الگ بات ہے کہ منکاری خود بہت سے کھیل کھیلتا رہا ہے۔ آ جا سمے ہو گیا ہے۔ ذرا دیکھیں تو مہارانی جی کو، ویسے تو بڑی سندر ہیں، حالانکہ عمر اچھی خاصی ہو گئی ہے، وہ دھوا ہیں پر کیا شان شوکت ہے۔''

راج گندل اپنے جسم کو بچانے کے لیے سرگرداں تھا۔ منکاری تو آتما تھا۔ راج گندل کے بدن کو کچھ ہو جاتا۔ کوئی زخم پڑ جاتا تو منکاری تو اس کا بدن چھوڑ بھاگتا، مصیبت راج گندل کو بھگتنا پڑتی۔ چنانچہ وہ اپنے آپ کو چھپائے چھپائے آخر کار اس حویلی کے اس

دروازے پر پہنچ گیا، جس پر دو دربان کھڑے ہوئے تھے۔

''لے سسری نے ہر جگہ گن مین کھڑے کر رکھے ہیں، پر ان کی گنوں سے پانی ہی نکلے گا منکاری کے سامنے۔''

راج گندل اس وقت خوف کا شکار تھا۔ منکاری دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور وہ دونوں سیدھے ہو گئے۔

''کون ہو تم؟'' ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

''مہارانی جی کے مہمان ہیں۔''

''وہ اس سمے تمہیں نہیں ملیں گی، جاؤ کل صبح آنا۔''

''ارے بھیا جانا تو ہمیں اسی سمے ہے۔''

''میں کہتا ہوں پیچھے ہٹو۔''

''آگے بڑھنے کی کہو، پیچھے ہٹنے کی بات نہ کرو۔ یہ کیا لیے پھر رہے ہو ہاتھ میں ٹونگے، پانی نکلتا ہے ان سے تو......'' اور راج گندل نے دیکھا کہ ان دونوں کی بندوقوں سے پانی بہہ رہا ہے۔

وہ دونوں ششدر رہ گئے اور پھر اسی طرح ساکت ہو گئے جیسے بڑے گیٹ کے چوکیدار ہوئے تھے۔ منکاری ہنسنے لگا اور اس کے بعد دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

انتہائی وسیع و عریض کمرہ تھا جس کے بیچوں بیچ ایک زرنگار چھپرکھٹ پڑا ہوا تھا اور اس چھپرکھٹ پر تقریباً پینتیس چھتیس سالہ عورت شب خوابی کے لباس میں نیم دراز تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر ہی اس نے چونک کر ادھر دیکھا تھا اور پھر راج گندل کو دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے غالباً اسی گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا جو چوکیداروں کو بلانے کے لیے تھی لیکن منکاری نے راج گندل کے روپ میں ہاتھ اٹھایا اور بولا۔ ''نہیں سون وتی یہ گھنٹی نہیں بجے گی، کوئی نہیں آئے گا اس سمے ہماری آواز تو پہچان، روپ بدل گیا ہے پر آواز نہیں بدلی، غور کر۔''

''کک...... کون ہو تم؟ آخر کون ہو؟''

''منکاری، تیرے ہمیشہ ہمیشہ کام آنے والا منکاری، جسے تو نے سمے سے پہلے سنسار سے باہر بھیج دیا۔''

سون وتی کی خوبصورت آنکھیں خوف اور حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ ''تت...... تم...... تم یہاں کیوں آئے ہو؟''

"تیرے پران لینے سندری، ارے ہم اس سنسار سے چلے گئے، تیرا پتی بھی چلا گیا تو یہاں کیا جھک مار رہی ہے، ہیں...... تو کیا جھک مار رہی ہے۔"

"دیکھو منکاری، مم...... میں میں......"

"سیا رام سسرے کی چتا جلا آئے ہیں ہم اور اب تو بھی اپنی چتا خود تیار کر لے۔ اس چھپر کھٹ میں آگ لگ جائے اور تو اسی میں جل کر بھسم ہو جائے تو کیسی رہے گی؟"

منکاری کے ان الفاظ پر سون وتی نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن پھر اس طرح جھٹکے سے بستر پر گر پڑی جیسے کسی نے اسے دھکا دے دیا ہو۔ منکاری پھر اسی مکروہ انداز میں ہنسنے لگا۔ "ہاں، واہ...... ایک کھیل یاد آیا۔ ہتھوڑی اور کیل کا کھیل۔ دیکھ سون وتی بڑا سندر مکھڑا ہے تیرا اور تیرا ماتھا تو ایسا لگتا ہے جیسے چاند چمک رہا ہو۔ اس کے بیچ میں اگر یہ کیل ٹھک جائے تو کیسی لگے۔" منکاری نے ہاتھ اوپر کیے اور ایک ہتھوڑی اور ایک لمبی سی کیل اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

"اس کیل کی نوک تیرے ماتھے کے بیچوں بیچ رکھ کر ایک ہی چوٹ لگائیں گے اور کیل تیری کھوپڑی میں گھس جائے گی۔"

راج گندل کا پورا بدن کانپ کر رہ گیا تھا لیکن وہ بدن اس کا تھا کہاں۔ منکاری کے قبضے میں تھا اس کا بدن اور منکاری نے وہی کیا۔ سون وتی کے ماتھے پر وہ لمبی کیل رکھ کر ایک ضرب لگائی گئی اور سون وتی کی بھیانک چیخ فضا میں دیر تک گونجتی رہی۔ وہ بری طرح تڑپ رہی تھی، منکاری یہ ضرب لگا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

سون وتی کے تڑپنے کا تماشا وہ دیر تک دیکھتا رہا۔ سون وتی چھپر کھٹ سے نیچے گر پڑی تھی۔

منکاری نے کہا۔ "چلو کچھ دوسروں کے لیے بھی چھوڑیں۔ اس کی چتا دوسرے ہی جلا لیں گے۔"

راج گندل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ منکاری اپنے ہی کھیل کھیلتا پھر رہا تھا۔ سیا رام اور سون وتی ہی نہیں، پنڈت ہریش چند، رام مکرجی اور ایک اور شخص منکاری کے انتقام کا شکار ہوا اور راج گندل نڈھال ہو گیا اس نے کہا۔ "منکاری مہاراج! گرو جی مہاراج، کچھ سمے آرام کرنا چاہتا ہوں میں، میرا شریر دکھ کر رہ گیا ہے۔"

"تو کر لے، کون منع کرتا ہے تجھے؟"

"میں اپنے شریر کو آپ سے آزاد کرنا چاہتا ہوں۔"

"لے...... کون سی بڑی بات ہے، چل تو بھی آرام کر لے۔ ہم بھی آرام کیسے لیتے ہیں۔ میرا کام ختم ہو گیا ہے۔

اب اس کے بعد تیرے کام کا آغاز ہو گا۔ ہم ذرا چل کر دیکھیں گے ادریس کو، اتنی دیر ان لوگوں کو بھی آرام کرنے دے۔" منکاری، راج گندل کے بدن سے باہر نکل گیا اور راج گندل کو یوں لگا جیسے اس کا بدن بالکل ہلکا ہو گیا ہو، لیکن اس دوران جو کچھ ہوا تھا اس نے راج گندل کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شاہنواز اور ادریس نے اس کا خانہ خراب کر کے رکھ دیا تھا اور لاکھ کوشش کے باوجود وہ اپنے دل سے بدلے کی آگ نہیں نکال سکا تھا، لیکن ان دنوں منکاری جو کچھ کرتا پھرا تھا اس نے راج گندل کو بہت پریشان کر دیا تھا۔ منکاری کے جانے کے بعد وہ نجانے کیسی کیسی سوچوں کا شکار رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ دوسری طرف نینا تھی کہ اس پر جان نچھاور کرتی تھی۔ "ماما جی ماما جی" کہہ کر اس نے راج گندل کو بالکل ہی نڈھال کر دیا تھا۔

منکاری سے نجات پانے کے بعد جب اسے موقع ملا تو اس نے نینا کے ساتھ کافی وقت گزارا۔ نینا اس کی صورت دیکھتی رہتی تھی، اب وہ کافی سمجھدار ہو گئی تھی۔ اس دن بھی اس نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔ "ماما جی، تمہیں کیا ہو گیا ہے، پہلے تو تم مجھ سے صرف پیار اور محبت کی باتیں کرتے تھے۔ اب تم مجھ سے ناراض بہت رہنے لگے ہو۔"

راج گندل کو کوئی جواب نہیں سوجھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ "نہیں نینا، بس تھوڑا سے اور بتا لے بیٹا اس کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔" یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد وہ بڑی گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔

شاہنواز اور ادریس کے لیے اس کے دل میں مسلسل نفرت تھی اور وہ انہیں بدترین نقصان پہنچانا چاہتا تھا لیکن اس بچی نے اس کے ہوش و حواس چھین لیے تھے اور پھر منکاری کی مداخلت۔ بستر پر لیٹ کر بہت دیر تک وہ سوچتا رہا تھا کہ منکاری اس کی ذات پر زیادہ ہی مسلط ہو گیا ہے۔ بھوانی دیوی کے پجاری کی حیثیت سے منکاری کو گرو تسلیم کرنا ایک الگ عمل تھا، لیکن منکاری اس طرح اس پر چھا جائے یہ خطرناک بات تھی۔ بہرحال منکاری واپس نہیں آیا تھا۔ وہ نینا سے بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور بچی اس کے دل پر اپنا قبضہ جماتی رہی۔ پھر رات کو وہ آرام کرنے لیٹ گیا۔

دوسری صبح جب جاگا تو منکاری اس کے اندر موجود تھا۔ راج گندل کو ایک لمحے کے

انداز اندر یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس کا وجود منکاری کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

"ہاں رے راج گندل آرام کر لیا تو نے، چل اب ذرا ان لوگوں کو بھی دیکھ لیتے ہیں، میرا کام تو ختم ہو گیا ہے، پر تو بھی کیا یاد کرے گا کہ تیرا کام کر دوں۔"

"منکاری مہاراج۔" راج گندل نے بوجھل لہجے میں کہا۔

"ہاں بول۔"

"آپ اسے صرف میرا ہی کام سمجھتے ہو، میں نے تو اپنا شریر آپ کو دے کر آپ کے ہر کام کو اپنا ہی کام سمجھا ہے۔"

"دیکھ راج گندل! میں یہ سنسار چھوڑ چکا ہوں۔ میں صرف ایک ہوا ہوں جو فضاؤں میں بھٹک رہی ہے۔ میرے من میں کچھ ہے جو میں اوش تجھے بتا دوں گا۔ پر مجھ سے زیادہ الٹے سیدھے سوالات مت کیا کر۔ آ اب تیرے کام سے نکلتے ہیں۔"

راج گندل خاموش ہو گیا۔ آخر کار منکاری لکڑ موڑ پہنچ گیا۔ یہاں کی صورت حال میں کوئی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ منکاری نے مسکراتے ہوئے راج گندل سے کہا۔ "ہم وہی جگہ اپنے لیے بنا لیتے ہیں جو ہم نے پہلے استعمال کی تھی۔ یہاں سے ذرا صورت حال کا جائزہ لینے میں آسانی رہتی ہے۔" راج گندل ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا، منکاری نے کہا۔ "یہاں کچھ مزے لیتے ہیں۔"

راج گندل نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

❀ ❀ ❀

حقیقت یہی تھی کہ چوہدری شاہنواز ان دنوں اپنی زندگی کے مشکل ترین دور سے گزر رہا تھا۔ اس نے اپنی فطرت میں تبدیلی پیدا کر کے نقصان ہی اٹھایا تھا۔ پہلے کسی چیز کی پروا ہی نہیں تھی، آزاد زندگی گزارتا تھا جو چیز پسند آئی حاصل کر لی لیکن اب عرشیہ کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کچھ نہیں رہا تھا، بابا ادریس اس پر بے حد مہربان تھے۔ اتنے دن کی گمشدگی کے بعد آئے تھے لیکن چوہدری شاہنواز محسوس کر رہا تھا کہ ان کی عبادت گزاری میں اضافہ ہو گیا ہے اور وہ راتوں کو جاگتے رہتے ہیں پھر ایک دن انہوں نے کہا۔ "اگر اجازت دو شاہنواز تو کچھ وقت کے لیے اپنے گھر ہو آؤں۔ بڑا مشکل مرحلہ ہے میرے سامنے۔ میں ان سے مل کر واپس آ جاتا ہوں، البتہ تم ایک کام کرو، یہ جو تمہارے لان پر درختوں کا ایک جھنڈ ہے بے شک لان کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ان درختوں کو جڑ سے اکھڑوا دو۔" یہ وہی درخت تھے جہاں راج گندل نے

اپنا مسکن بنایا تھا اور عرشیہ کو انہی درختوں کے نیچے اس نے بھوانی کی مورتی کی پوجا کرنے کے لیے مجبور کیا تھا۔

چوہدری شاہنواز نے کہا۔ "بے شک لان خراب ہو جائے گا لیکن میں زندگی کی جس مشکل سے گزر رہا ہوں اس کے تحت میں یہ کام آپ کی ہدایت کے مطابق ضرور کر دوں گا۔"

بابا ادریس اپنے گھر چلے گئے اور چوہدری شاہنواز نے مزدور بلا کر درختوں کے آس پاس کی زمین صاف کرانا شروع کر دی اور اس کے بعد درختوں کی کٹائی شروع کرا دی۔ اس دن دوپہر کا وقت تھا اور مزدور ان درختوں کے آس پاس کی جڑیں کھود رہے تھے کہ درخت کی جڑ میں انہیں پتھر کی ایک چوڑی سل نظر آئی۔

پتھر کی اس سل کو کدالوں سے توڑا گیا تو اس کے نیچے لوہے کا ایک ڈھکن برآمد ہوا۔ مزدور بے چارے یہ ڈھکن دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے تھے۔ بہر حال ڈھکن بمشکل تمام ہٹایا گیا تو اس کے نیچے تقریباً چار فٹ گہرا گڑھا نمودار ہوا۔ اس گہرے گڑھے میں بھوانی دیوی کی ایک بڑی مورتی پڑی ہوئی تھی جو کالے رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی تھی۔

شاہنواز اس وقت وہیں موجود تھا جیسے ہی شاہنواز نے اس مورتی کو دیکھا مورتی سے دھواں نکلنے لگا۔ عجیب و غریب سفید رنگ کا دھواں۔ شاہنواز گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ دھواں بلند ہو کر ایک انسانی ہیولے کی شکل اختیار کر گیا اور پھر وہ ہیولا انسانوں ہی کی طرح چلتا ہوا وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ مزدوروں نے بھی یہ منظر دیکھا تھا اور بری طرح خوفزدہ ہو گئے تھے۔ وہ کام کرنے سے گریز کرنے لگے۔ ایک مزدور نے کہا۔ "صاحب جی یہ تو کوئی آسیب زدہ جگہ ہے......"

ابھی مزدور نے اتنا کہا ہی تھا کہ دفعتاً ہی مزدور کو کسی نے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ مزدور کے کافی چوٹ آئی تھی اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ بمشکل تمام اسے ہوش میں لایا گیا تو وہ زور زور سے چیخنے لگا۔ اس نے کہا کہ اب وہ کام نہیں کرے گا اور اس کے بعد سارے مزدور وہاں سے چلے گئے۔

شاہنواز بری طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ پھر اسی رات عرشیہ پر دوبارہ دورہ پڑا۔ شاہنواز نے اس کی حالت دیکھی اور اس کا دل لرز کر رہ گیا۔

عرشیہ کی زبان تقریباً چھ انچ باہر لٹک آئی تھی اور آنکھوں کے ڈھیلے خوفناک انداز میں پھٹے ہوئے تھے اور گہرے سرخ ہو رہے تھے۔ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے اور اس

کے حلق سے بھیڑیوں جیسی غراہٹ نکل رہی تھی۔ پھر وہ ایک ٹانگ پر کھڑی ہوگئی اور بہت دیر تک اسی طرح کھڑی رہی۔ پھر اس کی زبان بند ہوگئی اور ڈھیلے واپس اپنی جگہ اندر آ گئے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے زمین پر آ پڑی تھی۔ شاہنواز نے حمید خاں کو بھی آواز نہیں دی تھی۔ وہ خود ہی سب کچھ بھگت رہا تھا۔ عرشیہ جب زمین پر گری تو وہ پھرتی سے آگے بڑھا اور اس نے عرشیہ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن جب اس نے عرشیہ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے سرکانا چاہا تو اسے نہ سرکا سکا۔ وہ اتنی وزنی ہوگئی تھی کہ شاہنواز کی کوئی کوشش اسے اس کی جگہ سے نہ ہلا سکی۔

یہ انتہائی خوفزدہ کرنے والی صورت حال تھی۔ شاہنواز کا دل چاہا کہ اسی وقت وہ یہاں سے روانہ ہو جائے اور جس طرح بھی بن پڑے بابا ادریس کو ان کے گھر سے بلا کر لے آئے، لیکن عرشیہ کو اس حالت میں چھوڑنا بھی ممکن نہیں تھا۔ شدید کشمکش میں گرفتار تھا مزدور بھاگ چکے تھے۔ ہر مسئلے میں ناکامی ہو رہی تھی۔

پھر قسمت نے یاوری کی، بابا ادریس خود ہی واپس آ گئے تھے۔ ان کے آ جانے سے شاہنواز کو بڑی ڈھارس ہوگئی۔ حمید خاں نے بابا ادریس کو باہر کی صورت حال بتا دی تھی۔ پھر بابا ادریس، عرشیہ کے پاس پہنچ گئے۔ عرشیہ کا چہرہ ستا گیا تھا۔ رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا تھا۔ آنکھیں یرقان زدہ معلوم ہوتی تھیں حالانکہ اس کے چہرے کی شگفتگی اور تازگی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی، لیکن اب اس پر ویرانی ہی ویرانی تھی۔ اس نے بابا ادریس کو سلام بھی نہیں کیا۔

بابا ادریس نے کہا۔ ''کیسی ہو عرشیہ بیٹی، سلام نہیں کیا تم نے ہمیں؟'' عرشیہ نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ تبدیل ہونے لگا تھا بابا ادریس نے کہا۔ ''بیٹھ جاؤ عرشیہ، آرام سے باتیں کریں گے۔'' لیکن عرشیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے کی ایک دیوار کے پاس پہنچ گئی اور پھر اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ''چلے جاؤ یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''اوہو، تو تم کسی اور رنگ میں بول رہی ہو۔ چلو پھر آج تمہارے حمایتیوں کو بھی دیکھ لیں۔'' بابا ادریس نے کہا اور اس کے بعد وہ کچھ پڑھنے لگے۔

ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ کر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک ماری اور دفعتاً ہی ایک ہولناک آواز کے ساتھ دروازے پر لات پڑی اور راج گندل اندر گھس آیا۔ عرشیہ نے بھی ایک چیخ ماری اور آگے بڑھ کر راج گندل کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ اس

کا چہرہ تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ گہرے سرخ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے مکمل خون کی بنی ہوئی ہو۔ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں، ہونٹ اسی طرح اوپر کو مڑے ہوئے تھے۔ بابا ادریس نے کہا۔ ''راج گندل! تو نے اپنی جیسی ساری کوششیں کر لیں اور ان میں ناکام رہا، کیا چاہتا ہے آخر؟''

''راج گندل اکیلا نہیں ہے ادریس! ہمارا نام منکاری ہے، راج گندل کے گرو ہیں اور بھوانی دیوی کے داس۔''

''اچھا تو اب چیلا گرو کو بھی لے آیا ہے گرو جی چاہتے کیا ہو؟''

''تم لوگ اپنا دھرم بدل لو، بھوانی دیوی کے داس بن جاؤ۔''

''اچھا...... اور اگر میں تجھ سے کہوں کہ تو دفع ہو جا اور جہنم میں جا جہاں تیرا اصل بسیرا ہے تو کیسا رہے گا؟''

''بتاتا ہوں کیسا رہے گا۔'' راج گندل کے بدن میں منکاری نے کہا اور پھر دفعتاً اس نے ایک مٹھی کو بند کر کے سر کے قریب کر لیا۔

اس کی آنکھیں ہولناک انداز میں چمک رہی تھیں، پھر اس نے مٹھی کھولی اور حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکالی۔ اس کے ساتھ ہی بے شمار سانپ فضا میں اڑتے ہوئے ان لوگوں کی طرف دوڑ پڑے لیکن بابا ادریس نے آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور یوں لگا جیسے ان کے ہاتھوں کی انگلیوں سے سفید رنگ کا ایک دھواں سا خارج ہو رہا ہے اور چند ہی لمحوں کے اندر اندر وہ سانپ غائب ہو گئے۔

راج گندل نے دوسرا وار کیا اور دیواروں سے کالے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پرندے باہر نکل پڑے۔ وہ فضا میں چکر لگانے لگے اور پھر انہوں نے حمید خاں اور شاہنواز کے بدن پر کئی جگہ چونچیں ماریں لیکن کچھ ہی لمحوں کے بعد پٹ پٹ کی آوازوں کے ساتھ وہ پرندے ختم ہو کر زمین پر گرنے لگے۔

راج گندل اب بے حد بھیانک نظر آنے لگا تھا، شاید اس کے روپ میں منکاری نمایاں ہو رہا تھا، کچھ ہی لمحوں کے بعد بابا ادریس نے اپنے ہاتھ دوبارہ فضا میں بلند کیے اور دوسرے لمحے لمبی لمبی پتلی چمکدار زنجیریں جو کسی عجیب سی دھات کی بنی ہوئی تھیں راج گندل کے چاروں طرف لپٹ گئیں۔ راج گندل اذیت سے تڑپنے لگا۔ وہ بری طرح اچھل اچھل کر ان زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کر رہا تھا اور زنجیریں ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گرتی جا رہی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی کچھ ایسی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں جیسے مکھیاں بھنبھنا رہی

ہوں۔

راج گندل نے تمام زنجیریں توڑ دیں اور اس کے بعد ایک قہقہہ لگایا۔ ''بس میاں جی، بس......لو اب سنبھالو۔'' یہ کہہ کر اس نے ایک بار پیچھے ہٹ کر اپنی مٹھیاں بند کیں اور اس بار جب مٹھیاں کھولیں تو چمگادڑ جیسے بہت سے جانور بابا ادریس کی جانب لپکے۔

ایک قیامت سی آ گئی تھی، باریک باریک آوازیں فضا میں بلند ہونے لگی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہزاروں روحیں مل کر بین کر رہی ہوں۔ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔

وہ منظر اتنا ہی بھیانک تھا۔ گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چمگادڑوں کے پنجوں سے گر رہے تھے اور وہ انہیں کھانے کے لیے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہی تھیں۔ وہ گوشت کو اپنی چونچوں میں پکڑتیں اور اس کے ساتھ خود ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گرنے لگتیں۔ اس کے بعد بابا ادریس نے اپنی ایک انگلی ہونٹوں سے لگائی اور اسے سیدھا کیا اور اس کے بعد راج گندل کی طرف دیکھا۔ ''ہاں بھئی گرو چیلے اور کچھ......؟''

''ہاں اور کچھ......'' راج گندل کے منہ سے مکاری کی آواز ابھری اور اس کے بعد اس نے جیب سے ایک دھار دار سا آلہ نکالا اور اسے اپنی ران میں بھونک لیا، خون کے قطرے زمین پر گرے اور اس میں سے ایک بہت بڑا چہرہ نمودار ہوا۔

یہ بڑا خوفناک چہرہ تھا اس کے بعد وہ زمین پر بلند ہوتا چلا گیا۔ انسانوں سے ملتا جلتا ایک وجود باہر آ گیا۔ جس کا قد ڈھائی تین فٹ سے زیادہ نہیں تھا لیکن اس کا پھیلاؤ بے پناہ تھا۔ باہر آ کر اس نے اپنا سر راج گندل کے سامنے جھکا دیا۔ راج گندل نے جلدی سے اپنی ٹانگ سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا جسے دیکھ کر اس ہولناک شکل والے بونے نے اپنی زبان باہر نکال دی۔ راج گندل نے وہ ٹکڑا اس کی زبان پر رکھ دیا۔ گوشت کا مزہ پاتے ہی وہ اسے چپ چپ کر کے چبانے لگا اور پھر اتنی زور کی چیخ ماری کہ وہاں موجود لوگوں کے دل دہل گئے۔

''جا گوشت لگ گیا تیرے منہ کو، اب کھا لے ان سسروں کو، چبا کر پھینک دے انہیں۔''

''ہاں آؤ ہمیں چبا لو آ جاؤ۔'' بابا ادریس نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور خونخوار شکل کا بونا ان کی طرف بڑھنے لگا۔

بابا ادریس نہایت سکون سے کھڑے ہوئے تھے۔ بونا ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اپنی ایک انگلی اس کی پیشانی سے لگا دی اور ایک بار پھر قیامت آ گئی۔

بونا زمین پر لوٹ رہا تھا۔ وہ قلابازیاں کھا رہا تھا اور بری طرح دیواروں سے ٹکریں مار رہا تھا، ٹکریں مارتے مارتے وہ راج گندل کے بدن سے ٹکرایا اور راج گندل نے اسے زور سے لات ماری۔ بونا گر پڑا تھا اس کے بعد وہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین پر سیدھا لیٹ گیا۔ اس کا بدن کسی گیند کی طرح زمین پر پھول پچک رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا بدن پچکنا شروع ہو گیا اور اس کے بعد زمین پر وہ صرف ایک کاغذ کی شکل میں رہ گیا۔ پھر یہ تصویر بھی مٹ گئی۔

''ہاں بھئی ہاں اور کچھ۔''

''بس اور کچھ نہیں، ابھی کچھ نہیں، دیکھوں گا تجھے بعد میں۔''

''دیکھ لینا تمہیں ہر وقت اجازت ہے، اب صورت حال دوسری ہو گئی ہے۔''

اس کے بعد راج گندل دروازے سے نکل بھاگا۔ بابا ادریس کو پہلی بار ہنستے ہوئے دیکھا گیا تھا، پھر انہوں نے حمید خاں سے کہا۔ ''ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے حمید خاں ایک برتن میں پانی لے آؤ۔''

حمید خاں لرزتی ٹانگوں سے باہر گیا اور اس کے بعد پانی لے آیا۔ بابا ادریس کچھ پڑھنے لگے تھے۔ کچھ دیر وہ پڑھتے رہے اور اس کے بعد انہوں نے وہ پانی عرشیہ کے سر پر ڈال دیا۔ عرشیہ نے ایک لمحے کے لیے آنکھیں پھاڑی تھیں۔ اس کے بعد اس کا پورا بدن پتوں کی طرح لرزنے لگا اور وہ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

راج گندل کے بدن سے خون کے جو قطرے ٹپکے تھے وہ خودبخود زمین سے غائب ہوتے چلے گئے تھے اور اب دور تک اس کا پتہ نہیں تھا۔

☆

یہ مناظر اس قدر ہولناک تھے کہ جس نے بھی انہیں دیکھا وہ خوف سے تھر تھر کانپتا رہا۔ راج گندل بری طرح شکست کھا کر بھاگ چکا تھا۔ عرشیہ زمین پر بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ شاہنواز آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا اور حمید خاں سکتے کے عالم میں دیوار سے ٹکا ہوا تھا۔ منکاری کے بارے میں انہیں کوئی اندازہ نہیں تھا، لیکن راج گندل نے جو کچھ کیا تھا وہ انتہائی ہولناک تھا۔

دفعتاً ہی عرشیہ کے بدن میں جنبش ہوئی اور دوسرے لمحے اس نے الٹی کی، پھر اسے الٹیوں پر الٹیاں ہونے لگیں اور اس کے منہ سے جو کچھ برآمد ہوا اس نے شاہنواز اور حمید خاں کو خاص طور سے دہشت زدہ کر دیا۔ شاہنواز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اس نے غمزدہ آواز میں کہا۔ ''اس کمبخت راج گندل نے شاہینہ کے ساتھ بھی یہی عمل کیا تھا، شاہینہ کے منہ اور ناک سے بھی اسی طرح کے کیڑے نمودار ہوئے تھے اور بابا صاحب اس کے بعد وہ جانبر نہیں ہو سکی تھی۔''

''اللہ تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ کرو شاہنواز۔ عرشیہ کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں ہو سکے گا۔ میں تمہیں مکمل اطمینان دلاتا ہوں۔ چلو اسے اٹھا کر اندر لے چلو۔'' شاہنواز اور حمید خاں بابا ادریس کی ہدایات پر عمل کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد عرشیہ کی حالت بہتر ہو گئی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بے شک وہ جس کیفیت کا شکار تھی، اس کی وجہ سے اس پر شدید نقاہت طاری ہو جانی چاہیے تھی، لیکن ایک دم ہی اس کے چہرے پر رونق نظر آئی تھی جو ان لوگوں کے لیے حیران کن تھی۔ بابا ادریس مسلسل پانی پر کچھ پڑھ کر اس کے چھینٹے عرشیہ پر مار رہے تھے۔

پھر عرشیہ بہت بہتر حالت میں نظر آئی اور اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی خواہش ظاہر کی تو شاہنواز نے سہارا دے کر اسے بٹھا دیا۔ بابا ادریس نے کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری اور عرشیہ نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی۔ بابا ادریس بولے۔ ''بیٹی عرشیہ! کلمہ طیبہ پڑھو۔''

عرشیہ نے آہستہ آہستہ ہونٹ ہلائے۔ پہلے مدھم اور پھر زور سے اس نے کلمہ شریف پڑھا۔ حمید خاں اور شاہنواز کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے۔

بابا ادریس نے مسکرا کر کہا۔ ''اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ہم سب پر۔ لو بھئی شاہنواز، عرشیہ پر سے تو راج گندل فنا ہو گیا۔ تمہیں مبارک ہو۔''

شاہنواز بے اختیار ہو کر بابا ادریس سے لپٹ گیا تھا۔ ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمارے لیے فرشتہ رحمت بنایا ہے بابا صاحب! آپ نہیں تھے تو ہم اپنے آپ کو لاوارث محسوس کر رہے تھے۔''

''خداوند عالم نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔ تم نے یہ نہیں دیکھا کہ اس مردود نے سبحان گلی میں میرے لیے کیا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ میرا گھر بار بھی تباہ کر دیا گیا۔ اب کیا منہ لے کر سبحان گلی جاؤں گا۔''

''میں آپ کے گھر کو از سر نو تعمیر کراؤں گا بابا صاحب، لیکن آپ چلے کہاں گئے تھے؟''

''بس اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے گیا تھا۔ اس کا احسان ہے اس نے مجھے مایوس نہیں کیا، لیکن ایک نئی بات میرے علم میں آئی ہے۔ راج گندل تنہا نہیں تھا، کوئی اور قوت اس پر حاوی ہے۔ خیر پتہ چل جائے گا۔''

عرشیہ بہتر ہو گئی تھی۔ ادریس نے کہا تھا کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا وہ یہاں سے واپس نہیں جائیں گے۔

''وہ آسانی سے ہار نہیں مانے گا، لیکن اللہ مالک ہے، اب عرشیہ کو تنہا نہیں چھوڑنا ہے۔''

''آپ مطمئن رہیں، میں ہر لمحہ اس کے ساتھ رہوں گا۔''

''اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جن ناپاک قوتوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا وہ تو فنا ہو گئی ہیں۔ باقی آگے اللہ مالک ہے۔''

❀ ❀ ❀

زخم تو راج گندل ہی کو آیا تھا کیونکہ بدن اس کا تھا اور منکاری نے بڑی بے دردی سے اپنے بیر کو اس کا گوشت کھلا دیا تھا۔ راج گندل کو شدید بخار چڑھ گیا تھا۔ منکاری نے کہا۔ ''مرا کیوں جاتا ہے، ٹھیک کر دیتا ہوں تیرا یہ زخم۔'' یہ کہہ کر منکاری نے فضا میں ہاتھ بلند کیے اور گوشت کا ٹکڑا اس کے ہاتھوں میں آ گیا۔ یہ ٹکڑا اس نے راج گندل کے بدن

میں چپکایا اور اس پر ہاتھ پھیر دیا۔ راج گندل کی تکلیف ایک دم رفع ہوگئی تھی۔

اس نے کہا۔ ''جئے منکاری مہاراج!''

''بکواس مت کر، ہمیں شکست ہوئی ہے، لگتا ہے جن دنوں وہ بڈھا غائب رہا ان دنوں اس نے اپنے گیان میں اضافہ کر لیا ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہوگئی ہم سے کہ ہم دوسرے چکروں میں پڑ گئے اور اس پر دھیان نہیں رکھا۔ اس چیز نے ہمیں نقصان پہنچا دیا۔ اب اندازہ یہ ہوا کہ اس بڈھے کو منتروں سے نہیں مارا جا سکتا۔ ہمارے داؤ کچے نہیں تھے پر اس نے سب کا توڑ کر لیا۔ نہیں راج گندل! اب اس بڈھے کو منتروں سے نہیں مارا جا سکتا۔ تجھے اس کی ہتھیا کرنا ہوگی، خون کرنا ہوگا اس کا۔''

''مم...... مجھے مہاراج۔''

''ہاں تجھے...... یہ میری مجبوری ہے، میں اسے چھوڑوں گا نہیں، پر یہ شریر میرا نہیں تیرا ہے، اس سے تجھے ہی کام کرنا ہوگا۔''

''کیسے مہاراج؟''

''سوچنے دے مجھے، میں اس سے بہت غم زدہ ہوں۔ سنسار تو میں نے چھوڑ دیا تھا۔ چھوڑ کیا دیا تھا بلکہ مجھ سے چھین لیا گیا تھا اور اس کے بعد میرے گیان دھیان میرے کام آتے رہے، مگر یہ پہلا نقصان ہوا ہے میرا۔ سن اب ہمیں اس بچی کو استعمال کرنا ہوگا۔

راج گندل ایک دم چونک پڑا اس نے کہا۔ ''کیسے مہاراج؟''

''اب ہم جو کچھ کریں گے اس بچی کے نام پر کریں گے اور چالاکی سے کریں گے۔ شاہنواز اور ادریس کو بچی کے نام پر بلائیں گے اور ان کے سامنے بچی کو ختم کر دیں گے، میں اسے چھوڑوں گا نہیں راج گندل، یہ کام تجھے کرنا ہوگا۔''

''بب...... بچی کو بھی مارنا ہوگا۔''

''ہاں مارنا ہوگا، کیا سمجھا؟''

''دیکھیں مہاراج! آپ جس طرح کہیں گے میں کروں گا۔ اگر آپ کہیں گے کہ ادریس پر چاقو لے کر پل پڑوں تو میں پل پڑوں گا، اسے دھوکا دے کر مار دوں گا آپ کے سامنے، پر بچی کو میں نہیں مار سکتا۔''

''ہوں سوچنے دے مجھے۔ مارنا ہوگا اس پاپی کو، کیسے ماریں گے، یہ میں تجھے سوچ کر بتاؤں گا سمجھا۔''

راج گندل خاموش ہوگیا تھا اور منکاری بھی خاموش ہوگیا تھا۔ راج گندل نے اپنے

ذہن میں منکاری کو ٹٹولا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس وقت منکاری اس کے وجود پر حاوی نہیں ہے، اس کا بدن اسی طرح ہلکا ہلکا تھا جس طرح منکاری کے اس کے اپنے وجود سے غائب ہو جانے کے بعد ہوتا تھا۔ بڑی عجیب و غریب کیفیت ہوگئی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب کیا کیا جائے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بابا ادریس علی نے منکاری کے ساتھ یا خود اس کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، وہ ناقابل معافی تھا اور اسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن راج گندل کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی شکست نینا کی شکل میں محسوس ہوتی تھی۔ نینا اس کے وجود پر اس طرح حاوی ہوگئی تھی کہ اس کا انداز فکر ہی بدل گیا تھا۔ بچی جب بھی اس کی نگاہوں کے سامنے آتی وہ بالکل ہی تبدیل ہو جاتا تھا۔ کوئی مرے یا جئے بچی کو ضرور زندہ رہنا چاہیے۔ چاہے اس کے لیے کچھ بھی کرنا پڑے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور بچی کے پاس پہنچ گیا۔ نینا کے اندر کچھ ایسا پیار تھا کہ وہ بے خود ہو جاتا تھا۔

''نینا......'' اس نے بچی کو پکارا اور وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف لپکی اور اس کی گردن میں جھول گئی۔

''ماما جی؟''

''تو مجھ سے بہت پیار کرتی ہے؟''

''جی بابا جی......''

''اگر میں تجھے مار دوں تو......''

''تو بھی میں تمہیں پیار کروں گی۔''

''مرنے کے بعد بھی......''

''ہاں ماما جی۔''

''تو جانتی ہے مرنا کیا ہوتا ہے۔''

''نہیں......'' بچی نے معصومیت سے کہا اور راج گندل نے رخ بدل لیا۔ اس سے اس معصوم بچی کی صورت نہیں دیکھی جا رہی تھی۔ راج گندل نے پھر کہا۔ ''اچھا ایک بات بتا نینا۔ تو اپنے ماں باپ کے بارے میں کیا جانتی ہے۔''

''ماں...... باپ......''

''اس دن تو نے ایک عورت کو دیکھا تھا، جس کے پاس میں تجھے لے گیا تھا۔''

''ہاں۔''

"وہ تجھے کیسی لگی تھی۔"

"بہت اچھی ماما جی...... میرا دل کئی بار چاہا کہ میں دوبارہ اس کے پاس جاؤں۔"

"اس دن تو میرے ساتھ کیوں چلی آئی۔"

"تم میرے ماما جو ہو۔"

راج گندل نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔

❀ ❀ ❀

چوہدری شاہنواز نے بابا ادریس کو باقی دنوں کی تفصیل بھی بتائی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ راج گندل بچی کو لے کر عرشیہ کے سامنے آیا تھا اور عرشیہ بے خود ہو گئی تھی لیکن بچی اسے "ماما جی ماما جی" کہتی ہوئی اس کے ساتھ چلی گئی تھی۔

بابا ادریس نے یہ سن کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اس سلسلے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا پائے تھے۔ راج گندل ان کے سامنے اپنی اصل شکل میں ہی آیا تھا اور ویسے بھی بابا ادریس نے کبھی عالی جاہ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ عالی جاہ ایک ہوا کی صورت میں ان کے سامنے آتا تھا اور اپنی خدمات سرانجام دے کر واپس چلا جاتا تھا، لیکن بابا ادریس اس بات سے اچھی طرح واقف ہو گئے تھے کہ راج گندل نے کوئی انوکھا کھیل کھیلا ہے۔ اس کی شخصیت بابا ادریس کے لیے معمہ بنی ہوئی تھی۔

عرشیہ کی حالت اب بہت بہتر ہو گئی تھی اور بابا ادریس اسے اپنی نگرانی میں پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے تھے۔ عرشیہ اب مکمل طور پر اپنی بیٹی کو شناخت کر چکی تھی اور اس کے حسرت بھرے الفاظ بابا ادریس کو بھی آبدیدہ کر دیتے تھے۔ وہ کہتی تھی۔

"آہ میں کیسی ماں ہوں، میں اسے کوئی نام بھی نہیں دے سکی۔ کتنی بدنصیب ہوں۔ کاش میں اسے اس کے نام سے پکار سکتی، بابا صاحب مجھے اس کے لیے کوئی پیارا سا نام بتائیے۔"

"جب وہ تمہارے پاس پہنچ جائے گی نا عرشیہ بیٹی! تو ہم اس کا کوئی پیارا سا نام بھی رکھ لیں گے۔"

"وہ میرے پاس آ تو جائے گی نا؟"

"ان شاء اللہ، اللہ کی ذات سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

"کتنی بڑی ہوئی ہے وہ، اس نے تو ایک دن بھی میری آغوش میں نہیں گزارا۔ اب اتنی بڑی بچی کو اگر میں اپنی گود میں لوں گی بابا صاحب تو کیسا لگے گا۔"

"اولاد، اولاد ہی ہوتی ہے۔ تم اگر اسے جوانی میں بھی اپنی آغوش میں لو گی تو تمہیں ایسا ہی لگے گا جیسے ایک دن کی بچی ہے۔"

عرشیہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ گردن جھکا لیتی تھی۔ بابا ادریس نے شاہنواز سے کہا۔ "شاہنواز! میں ایک عمل شروع کرنا چاہتا ہوں۔ یہ عمل اس وقت تک کے لیے ہے جب تک راج گندل یہاں ہمارے پاس نہ آ جائے۔" اور پھر بابا ادریس نے ایک چلہ شروع کر دیا تھا۔ ادھر منکاری پہلی بار کافی دنوں کے لیے راج گندل کے پاس سے غائب ہوا تھا۔ راج گندل نے اسے آوازیں بھی دی تھیں لیکن منکاری نہیں آیا تھا۔ البتہ اس دن اچانک ہی راج گندل کو اپنے جسم میں بھاری پن کا احساس ہوا اور اس نے فوراً ہی آواز دی۔

"گرو مہاراج!"

"ہاں، میں ہوں۔"

"گرو مہاراج! آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

"آخری انتظامات کرنے۔"

"آخری انتظامات، وہ کیا؟"

"راج گندل تو تو بالکل ہی نکما ہو کر رہ گیا ہے اور ایسا ہوتا ہے جب گیدڑ کے دن پورے ہوتے ہیں تو وہ شہر کی طرف دوڑ لگا دیتا ہے۔ تیرے بھی دن پورے ہو چکے ہیں۔ بھلا کالے جادو کا کوئی ماہر اس طرح تو کسی کے پریم جال میں نہیں پھنس جاتا۔"

"یہ پریم جال نہیں ہے مہاراج۔ بس وہ سوئی ہوئی آرزوئیں ہیں جو ہر منش کے من میں ہوتی ہیں۔ پر سنسار کا جادو نجانے کس کس سے کیا کیا چھین لیتا ہے۔"

"دیکھ میں ان دنوں بڑی بھاگ دوڑ کرتا رہا ہوں، بہت کچھ کیا ہے میں نے۔ پر کوئی کام کی بات نظر نہیں آئی۔ اب صرف ایک ہی کام باقی رہ جاتا ہے۔"

"وہ کیا مہاراج؟"

"بچی کو اس کے ماتا پتا اور اس بڈھے کے سامنے ختم کر کے ان کے شریر میں ایسا غم اتار دیا جائے جو ان کی جان ہی لے لے۔"

"کیا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا؟"

"نہیں، بالکل نہیں۔"

"مہاراج! میں اس سلسلے میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔" راج گندل نے

فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

منکاری کی ہنسی کی آواز سنائی دی۔ ''تو کچھ بھی نہیں کر سکے گا پاپی! اب صرف وہ ہو گا جو میں چاہوں گا، کیا سمجھا؟''

''مہاراج! میں آپ کے سامنے سر نہیں اٹھانا چاہتا، پر مجھے مجبور نہ کریں۔''

''پاگل ہے تو پاگل ہے، سن تو پوچھتا تھا نا مجھ سے کہ میری گرو دچھنا کیا ہو گی۔ میں نے گرو دچھنا لے لی ہے تجھ سے، کیا سمجھا؟''

''مہاراج میں آپ کو سب کچھ دینے کے لیے تیار ہوں، پر بس اس بچی کو معاف کر دیجیے۔''

''اب تیرے معافی تلافی کرنے سے کچھ نہیں ہو گا۔ بول کیا کہتا ہے گرو دچھنا کے بارے میں؟''

''میں کیا کہوں گا۔''

''تیرا یہ شریر میں نے لے لیا ہے تجھ سے، یہی مجھے چاہیے تھا اور یہی میری گرو دچھنا ہے۔''

''کیا؟'' راج گندل چونک پڑا۔

''ہاں شروع سے یہی بات میرے من میں تھی اور میں نے جو کچھ کیا آج تک اسی مقصد کے لیے کیا ہے۔''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟'' راج گندل نے حیرت سے کہا۔ منکاری حلق پھاڑ کر ہنس پڑا۔ ''ہاں رے جو کچھ کہہ رہا ہوں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تجھے پتہ ہے کہ میرے ساتھ کیا نا انصافی ہوئی ہے، پاپیوں نے مجھ سے میرا جیون چھین لیا۔ میری ساری منو کامنائیں ادھوری رہ گئیں۔ آتما عمل تو کر سکتی ہے پر اس کے ہاتھ پاؤں نہیں ہوتے۔ اسے ہاتھ پاؤں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں جو کچھ کرتا رہا ہوں وہ عمل کے ذریعے کرتا رہا ہوں، لیکن جب تو مجھے ملا راج گندل تو میں نے سوچا کہ تیرا شریر میرا ہونا چاہیے۔ میں اب تیرے شریر پر قبضہ کر چکا ہوں۔ یہ شریر میرا ہے۔ میں جب چاہوں گا تجھے نشٹ کر دوں گا کیا سمجھا؟''

''مم...... مہاراج، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' راج گندل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

منکاری پھر ہنس پڑا۔ ''بہت چالاک ہے رے تو، بھوانی کا داس بنوایا میں نے تجھے۔

میں بتاؤں تجھے، میں بھوانی کا داس نہیں ہوں، میرا اپنا کال کنٹھ ہے، کیا سمجھا، میرا اپنا کال کنٹھ ہے۔''

راج گندل کا کلیجہ خون ہو رہا تھا۔ اس کے اعضا اس کے اعصاب ابھی تک اپنے ہی تھے، لیکن منکاری جو کچھ کہہ رہا تھا وہ کر کے دکھا سکتا تھا۔ اس بات کا اندازہ راج گندل کو ہو گیا تھا۔ وہ بڑا دکھی ہو گیا، منکاری نے کہا۔ ''اور چونکہ اس ادریس نے منکاری سے مقابلہ کر کے اسے ہلکا کر دیا۔ اس لیے اب منکاری اسے بتائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ تیرا شریر میرے پاس ہے جب تک میں چاہوں گا تو اس شریر میں رہے گا، اس کے بعد میں تجھے نکال باہر کروں گا۔ سمجھ لیا، یہی میری گرو دچھنا ہے، اب اس بارے میں بات مت کرنا۔''

راج گندل گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

منکاری نے کہا۔ ''آ ذرا چلیں، دیکھیں اس سسرے کو کہ وہ کیا کر رہا ہے، چلے گا وہاں میرے ساتھ یا تجھے یہیں چھوڑ دوں۔''

''نہیں مہاراج آپ نے مجھ سے گرو دچھنا لے لی ہے، کم از کم اپنے چیلے کو جیتا تو رہنے دیں۔'' راج گندل نے کہا۔

منکاری ہنسنے لگا پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے۔''

راج گندل کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔ ماضی کی ایک ایک بات اسے یاد آ رہی تھی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ منکاری نے اس کا بدن ہی اس سے چھین لیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے سارے وجود پر مسلط ہوا تھا، اس نے وہ کچھ کر ڈالا ہے جس کا راج گندل کو کبھی شبہ تک نہیں ہو سکا تھا۔ وہ پوری طرح منکاری کے جال میں پھنس چکا تھا۔ مہا شکتی مان بننے چلے تھے راج گندل مہاراج، اپنا سب کچھ کھو بیٹھے بس اب انت ہی سمجھو۔

''میں اپنی اصل صورت تو لے سکتا ہوں مہاراج!''

''کیوں؟'' منکاری نے سوال کیا۔

''بس اپنا منحوس چہرہ دیکھے برسوں بیت گئے۔''

''اب کوئی چیز تیری کہاں ہے راج گندل۔''

''میرے گرو تو میرے ہیں۔ آپ نے گرو دچھنا میں میرا شریر لیا۔ میں نے کچھ کہا۔ میں نے غور کیا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ میرے شریر پر مجھ سے بڑے شکتی مان کا قبضہ ہے، میرے گرو کا قبضہ ہے۔ گرو جی! اگر میں اپنے آپ کو آپ کا

سب سے وفادار چیلا ثابت کر دوں تو آپ کا پریم تو حاصل کر سکتا ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ میں سنسار کا ناکام ترین انسان ہوں۔ سارا جیون نہ جانے کیا کیا کرتا رہا پر کچھ نہ پا سکا، کم از کم مجھے یہ خوشی تو ہو گی کہ شریر بے شک میرا ہے مگر اس پر بڑے شکتی مان کا قبضہ ہے۔“

راج گندل نے بہترین وار کیا تھا۔ اس کے الفاظ سے منکاری متاثر ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔”جو کچھ میں کروں اس پر ایک لفظ نہیں کہنا ہے تجھے۔“

”گرو کی یہ بات میرا مان سمان ہو گی۔“

”ٹھیک ہے، شکل یہی رہنے دے۔ ہمیں آخری کھیل کھیلنا ہے۔ تو سوچ، ادریس ہو گا، عرشیہ بھی ہو گی، چوہدری بھی ہو گا اور سب کی آنکھوں کے سامنے ان کے ارمانوں کی چتا جلے گی، بچی ان کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرے گی، پھر چاہے وہ منکاری کے پیچھے پیچھے پھریں اس کا کھیل تو ختم ہو گیا ہو گا۔ اس سے بڑا انتقام ہم ان سے اور کیا لیں گے اور اس کے بعد منکاری ایسے ایسے کھیل کھیلے گا کہ سنسار والے بھی یاد رکھیں گے۔ بڑی تپسیا کی ہے میں نے، بڑے گیان حاصل کیے ہیں اور جب ان کے استعمال کا سمے آیا تو مجھ سے میرا شریر ہی چھن گیا۔ ارے واہ، سب ملیا میٹ ہو گیا۔ نجانے کہاں کہاں مارا پھرا ہے منکاری۔ نہ جانے کیا کیا کچھ کیا ہے اس نے اور اب میری منو کامنا پوری ہوئی ہے۔ راج گندل تم کان دبا کر اپنے شریر میں پڑے رہنا جس دن گردن اٹھائی سمجھ لے جیتے جی ماٹی میں دبا دوں گا۔ میں نے تجھے بتا دیا ہے کہ میرا اکال کنٹھ الگ ہے اور میں اس اکال کنٹھ کا پردھان ہوں، نہ مجھے مہا سابلی کا مان چاہیے نہ کسی اور کا۔ میں تو اپنا اکال کنٹھ الگ بناؤں گا اور تو دیکھ لینا اتنے چیلے ہوں گے میرے کہ سنسار میں کسی کنٹھ کے اتنے چیلے نہیں ہوں گے۔“

”پر حیرت کی بات یہ ہے مہاراج کہ آپ بھوانی کے پجاری بھی نہیں ہیں۔“

جواب میں راج گندل کے حلق سے منکاری کا قہقہہ ابلا تھا۔”میں کیا ہوں یہ تجھے بتاؤں گا بعد میں۔ پہلے ذرا ہم ان سسروں کو دیکھ لیں۔ آ چلتے ہیں۔“ منکاری نے کہا اور اس کے بعد وہ راج گندل کو لے کر چل پڑا۔

راج گندل کے دل سے آنسو نکل رہے تھے۔ بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا۔ جب وہ سوچتا تھا کہ گروہ کیا مانگ سکتا ہے، اچھا گرو ہے، گر کی باتیں بتاتا ہے جو مانگے میں دے دوں گا۔ مگر منکاری تو بڑا سیانا نکلا اس نے راج گندل سے اس کا سنسار ہی مانگ لیا۔ پہلے

ہی کیا کچھ نہ کھویا تھا اب تو سب کچھ ہی کھو گیا تھا۔ سوچتا تو دل سے آنسو نکلنے لگتے لیکن یہ خوف بھی رہتا تھا کہ منکاری اس کے اپنے وجود میں موجود ہے، کہیں اس کے دماغ کی باتیں سمجھ نہ لے کیونکہ پہلے بھی اس نے جو کچھ سوچا تھا وہ منکاری کے علم میں آ گیا تھا۔

اب سب کچھ کھو چکا تھا۔ ایک جیون بھی کھو جائے تو کون سا بڑا گھاٹا ہو جائے گا، جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ اس نے دل میں سوچا تھا اور غور کر رہا تھا کہ منکاری اس کے دل کی باتیں سمجھ پا رہا ہے یا نہیں لیکن منکاری کے انداز میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جو اس طرف توجہ دلا دے۔ بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ منکاری اسے لے کر چل پڑا تھا اور اس کا رخ لکڑ موڑ حویلی کی طرف تھا۔ یہاں تک کہ وہ حویلی پہنچ گیا اور حویلی میں داخل ہونے کے بعد اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اس نے بابا ادریس کو آسن جمائے ہوئے دیکھا تو قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

”لو یہ بابا تپسیا کر رہا ہے۔ ارے دیکھو اس کے پاس تو عرشیہ اور شاہنواز بھی موجود ہیں۔ آؤ اچھا ہوا تینوں ایک ساتھ ہی مل گئے۔“

منکاری اپنے مقبوضہ جسم کے ساتھ آگے بڑھا اور ان تینوں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ ایک دم محتاط ہو گئے۔ بابا ادریس نے سینے پر پھونک ماری۔ پاس بیٹھی ہوئی عرشیہ اور شاہنواز پر دم کیا اور راج گندل کو دیکھنے لگے۔

منکاری، راج گندل کے جسم میں آہستہ آہستہ آگے چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ تب اس نے کہا۔”نہ میاں جی نہ، کوئی وار نہیں کرو گے۔ ڈرو گے نہیں ہم سے، بالکل نہیں ڈرو گے تم سے سودا کرنے آئے ہیں۔“

بابا ادریس غور سے راج گندل کو دیکھ رہے تھے، پھر انہوں نے کہا۔”راج گندل! تم اکیلے نہیں ہو، اس وقت تمہارے ساتھ تمہارا مددگار کوئی اور بھی ہے۔“

”ارے واہ میاں جی! تم تو ہمیں حیران کر دیتے ہو۔ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ راج گندل اکیلا نہیں ہے۔“

”مجھے جیسے بھی پتہ چلا اسے چھوڑو مگر تم اپنے بارے میں بتاؤ۔“

”ہاں ہاں ضرور بتائیں گے، تم نے ہمیں حیران کر دیا ہے، کیا سمجھے، منکاری ہے ہمارا نام۔ راج گندل سے پریم ہو گیا ہے ہمیں، اس کے شریر کے ساجھے دار بن گئے ہیں۔ ہم دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ راج گندل کو تم نے بہت دن سے پریشان کر رکھا تھا، مجبوراً اس نے ہمیں گرو بنایا اور ہم نے اس کے لیے اچھے راستے تلاش کر لیے، یہ ہے

ہماری کہانی کیا سمجھے؟"

"مجھے اندازہ تھا تم بھی کالا علم کرتے ہو۔"

"ارے ہم کیا کرتے ہیں ادریس مہاراج اسے جانے دو۔ سودا کرنے آئے ہیں تم سے ایک۔ وہ بچی جوان دونوں کی اولاد ہے ہمارے قبضے میں ہے اور تم نے دیکھ لیا ہے کہ ہم اسے آسانی سے اپنے قابو میں رکھے ہوئے ہیں اور اس میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ادریس مہاراج! یہ بتاؤ کہ تم اس کے بدلے میں ہمیں کیا دو گے۔ اگر ہم لڑکی تمہارے حوالے کر دیں تو۔"

بابا ادریس نے غور سے دیکھا اور بولے۔ "کیا لو گے اس کے بدلے میں تم؟"

"وچن دے دو کہ جو مانگیں گے سو دے دو گے۔"

"ناپاک جوگی! میں تجھے وچن دوں گا۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ لڑکی کو تو زیادہ عرصے اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے۔ میں تجھے جلا کر راکھ کر دوں گا۔ بس تھوڑا سا انتظار اور کر لے جب تیرے پورے بدن سے شعلے ابھریں۔ جب تیرا سارا وجود راکھ بننے لگے تو لڑکی کو میرے حوالے کر کے اپنی زندگی کی بھیک مانگ لینا، ہوسکتا ہے میں تجھے زندگی کی بھیک دے دوں، سمجھا۔"

جواب میں منکاری کے حلق سے بھیانک قہقہہ نکلا اور بولا۔ "سو بات مانی نہیں تم نے میاں جی! اور اچھا ہی کیا وچن دے دیتے تو جانتے ہو ہم کیا کہتے تم سے۔ ہم یہ کہتے کہ ہمارے دھرم میں آ جاؤ۔ بچی ہم تمہیں دے دیتے اور اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہوتی۔ بس ہم تم سے تمہارا دھرم چھین لیتے اور تمہیں اپنا چیلا بنا کر تم سے سارے کام لیتے۔"

"دفع ہو جا تو یہاں سے، ورنہ میں ابھی تجھے مزہ چکھا دوں گا۔"

"نہ نہ گھر آئے مہمان ہیں تمہارے۔" مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ اب ہم جو کریں گے اس کے لیے ہم تمہیں بتائیں گے۔ یہاں ایک جگہ ہے اس کا نام ہے کالی کھاڑی، کالی کھاڑی دو پہاڑیوں کے بیچ میں ہے۔ ہم کالی کھاڑی میں تم تینوں کا سواگت کریں گے۔ وہاں تم ہمیں جلا کر بھسم کر دینا یا پھر ہم تمہیں ایک ایسا کھیل دکھائیں گے جسے تم جیون بھر یاد رکھو گے، کیا سمجھے؟"

"بچی کہاں ہے؟"

"ہمارے پاس ہے، ابھی تک تو ہم بڑی حفاظت کر رہے تھے اس کی اور اب بھی

ریں گے اس سے تک جب تک تم ہار نہیں مان لو گے یا پھر ہم ہار نہیں مان لیں گے، لے ہیں۔"

راج گندل نے حسرت بھری نگاہوں سے پلٹ کر ان تینوں کو دیکھا۔ پھر اچانک ہی ن نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈالا اور وہ بوتل نکال کر بابا ادریس کی طرف اچھال دی جس ں عالی جاہ قید تھا۔ یہ کام اس نے انتہائی خطرہ مول لے کر کیا تھا۔ بہرحال اپنا کام کر ھایا تھا یہ سوچ کر کہ بعد میں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ کم از کم عالی جاہ کو بابا ادریس ے قبضے میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ وہ جس طرح پہلے اس سے کام لیتے رہے ہیں اس طرح ب بھی کوئی ایسا عمل کر لیں جس سے بچی کی زندگی بچ سکے۔ راج گندل کے دل میں محبت نے بسیرا کر لیا تھا اور محبت کی کہانیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔

منکاری وہاں سے واپس پلٹ آیا تھا راج گندل جانتا تھا کہ منکاری کے دل میں کیا ہے۔ البتہ اس بات پر اسے ذرا سی حیرانی تھی کہ منکاری نے کالی کھاڑی جیسی جگہ کا انتخاب کیوں کیا ہے۔ کالی کھاڑی ایک انتہائی خوفناک علاقہ تھا۔ شہر سے دور ایک پہاڑی علاقہ جس کے اطراف عموماً سنسان پڑے رہا کرتے تھے۔ بہرحال منکاری ایک آوارہ روح تھا، اس کے لیے کون سا کام مشکل تھا۔ یہ راج گندل کی خوش قسمتی تھی یا پھر کسی اور کی کہ منکاری کے دماغ سے عالی جاہ کا خیال نکل گیا تھا۔ ویسے بھی اب تک جتنے بھی مرحلے در پیش ہوئے تھے، منکاری نے کبھی اس بوتل کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا جو راج گندل کے لباس میں پوشیدہ تھی، سوائے ایک بار کے جب راج گندل زمین میں گھس کر بھاگا تھا اور اس نے بابا ادریس سے جان بچائی تھی۔ اس کے بعد سے ایک بار بھی منکاری نے عالی جاہ کے بارے میں سوال نہیں کیا تھا۔

راج گندل بہت وقت تک اسی سوچ میں ڈوبا رہا کہ جو عمل اس نے کیا ہے منکاری اس سے واقف ہے یا نہیں لیکن منکاری کی خاموشی نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ منکاری غالباً اس سوچ میں گم تھا کہ اب دیکھیں اس کے اور بابا ادریس کے درمیان معرکہ آرائی کیسی رہتی ہے۔ راج گندل کو جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ منکاری نے بوتل والے کھیل کے بارے میں نہ دیکھا ہے نہ سوچا ہے تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس نے کہا۔ "منکاری مہاراج! چیلا ہوں آپ کا۔ من سے آپ کو گرو مانا ہے، اس لیے ہمت بھی بڑھ گئی ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو کالی کھاڑی بلایا ہے، وہاں بلانے کی وجہ بتائیں گے۔"

"ہاں رے پاپی تجھے نہیں بتاؤں گا تو اور کس کو بتاؤں گا۔ وہاں ہماری اس دشمنی کا

انت ہو جائے گا۔ میں تجھے پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ان کی منو کامنا یہ بچی ہے اور بابا ادریس نے مجھے للکار دیا ہے۔ میں اپنے اکال کنٹھ سے کھنڈوت کروں گا اور دیکھوں گا کہ بابا ادریس میں کتنی جان ہے کیا سمجھا۔ جئے اکال کھنڈی، تیری ہی جے جے کار ہے۔“

منکاری کی آواز بھیانک شکل اختیار کر گئی اور راج گندل سوچنے لگا کہ کچھ نہ کیا اس جیون میں، ٹھیک ہے، برائی جب تک برائی رہی۔ برائی کرتا رہا پر اس کا کھیل بدل دوں گا، کیا فائدہ دوسرے کی غلامی میں رہنے کا۔

❀ ❀ ❀

ادھر بابا ادریس، راج گندل کی اس حرکت پر دنگ رہ گیا، اس بوتل کو انہوں نے صاف پہچان لیا تھا جس میں عالی جاہ قید تھا۔ عالی جاہ کی اور اپنی کہانی انہوں نے اپنے آپ تک ہی محدود رکھی تھی۔ کبھی کسی کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اپنے اس عمل پر ہمیشہ شرمندہ رہے تھے جو عالی جاہ کے سلسلے میں انہوں نے کر ڈالا تھا اور ہمیشہ اس غم کا شکار رہے تھے کہ ان کا بہترین دوست ان کی حماقت کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوا۔ بہت دکھی تھے وہ اس بات پر...... لیکن اس وقت راج گندل جو عمل کر کے گیا تھا اس پر وہ شدید حیران تھے۔ بوتل کو انہوں نے پہچان لیا تھا، لیکن اسے شاہنواز سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے چنانچہ جلدی سے آگے بڑھے اور وہ بوتل انہوں نے اٹھا کر اپنے لباس میں پوشیدہ کر لی۔ شاہنواز بھی چونکہ راج گندل کے اس عمل کو دیکھ چکا تھا اس نے سوالیہ نگاہوں سے بابا ادریس کو دیکھا تو انہوں نے کہا۔ ”ہاں، یہ ایک عمل ہے جو ہمارے حق میں ہی جا سکتا ہے۔ ابھی اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں کر سکوں گا۔“ شاہنواز تو دل سے بابا صاحب کا عقیدت مند تھا۔ اس کے بعد اس نے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔

تنہائی ملتے ہی بابا ادریس ایک سنسان جگہ پہنچے اور انہوں نے بوتل نکال کر سامنے رکھ لی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ عالی جاہ کے چہرے پر مسرت کے آثار ہیں۔ انہوں نے کہا۔ ”عالی جاہ یہ تم ہی ہو یا راج گندل کی کوئی اور شرارت ہے؟“

”نہیں بابا صاحب یہ میں ہی ہوں اور آپ مجھے میری اصل شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ میں اتنا ہی بے بس ہو چکا ہوں کہ اب اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتا۔“

”آؤ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس منحوس جوگی نے تمہارا ہی روپ دھارا ہوا تھا۔“

”یہ ایک لمبی کہانی ہے جو میں آپ کو اطمینان سے سناؤں گا، مجھے اس بوتل سے آزادی دلایئے۔“

”کیا میں اس کو توڑ دوں؟“

”نہیں آپ اگر اسے زور سے زمین پر ماریں گے اور دھماکا ہوگا تو میں فنا ہو جاؤں گا۔ آپ اسے توڑیں گے تو میں شدید زخمی ہو جاؤں گا۔ بظاہر اس بوتل سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے سوائے ایک ذریعے کے۔“

”مجھے بتاؤ عالی جاہ باقی تو تمام باتیں بعد میں ہوں گی۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔“

”حضور انور، میں آگ کی تخلیق ہوں۔ آتش زادہ ہوں۔ اس بوتل کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیجیے گا، شیشہ پگھل جائے گا اور میں آزاد ہو جاؤں گا، اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔“

بابا ادریس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انہوں نے کہا۔ ”عالی جاہ! اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ گیا تو؟“

”نہیں میں اس کا ذمے دار ہوں، آپ براہ کرم میری آزادی کے لیے صرف یہی عمل کیجیے۔“

”اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے۔ مجبوراً مجھے یہی سب کچھ کرنا ہوگا۔“

شاہنواز، بابا ادریس کے کسی بھی عمل کے بارے میں وضاحتیں طلب نہیں کرتا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ بابا ادریس جو کچھ کریں گے بہتری کے لیے ہی کریں گے۔ چنانچہ اس بھٹی کی تیاری کے لیے بھی اس نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ بس بابا ادریس کی طلب کے مطابق حمید خاں کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ جو کچھ وہ چاہتے ہیں وہ کر دیا جائے۔

ایک دور دراز اور سنسان گوشے میں شدت کی آگ دہکا دی گئی۔ پتھروں کے کوئلے سلگے تو دور دور تک تپش پھیل گئی اور جب یہ آگ اپنی آخری حدت تک پہنچ گئی تو بابا ادریس نے اللہ کا نام لے کر وہ بوتل اس آگ میں ڈال دی اور آنکھیں بند کر لیں۔ ان کا پورا بدن پسینے میں نہایا ہوا تھا اور آگ کی حدت دور دور تک پھیل رہی تھی۔ وہ آنکھیں کھول کر یہ نہ دیکھ سکے کہ بوتل کس طرح پگھل رہی ہے۔ ہاں جب انہیں عالی جاہ کی آواز اپنے عقب سے سنائی دی تو مسرت کی ایک لہر ان کے سارے وجود میں دوڑ گئی۔ عالی جاہ نے کہا تھا۔

”بابا صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں آزاد ہو گیا۔“

بابا ادریس نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہیں سجدہ ریز ہو گئے۔ بہت دیر تک وہ سجدے میں پڑے آنسو بہاتے رہے تھے۔ پھر جب وہ بہتر حالت میں آئے تو انہوں نے

افسوس سے کہا۔ ''عالی جاہ! ہم تمہارے کسی کام نہ آسکے ہمیں اس کا افسوس ہے۔''

''یہ سب کچھ میری تقدیر کا حصہ تھا۔''

''بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آرہیں، آخر تم......''

عالی جاہ نے پوری تفصیل بابا ادریس کو بتائی اور بابا ادریس کف افسوس ملنے لگے پھر بولے۔ ''بس ان سسر داماد کی حماقت نے ان شیطانوں کو کامیاب کیا ورنہ یہ غلیظ لوگ کیا بگاڑ سکتے تھے۔ راج گندل نے تمہارے سلسلے میں کیا کیا ہے۔''

''اصل میں پہلا مستحسن عمل اس گورکن نے کیا تھا جس نے بچی کے کان میں اذان دے دی تھی۔ لوگ سوچتے ہوں گے کہ دنیا سے ناواقف نومولود کسی چیز کو کیا جانے۔ لیکن مالک کائنات نے انسان کو کب اور کیا دیا ہے یہ وہ نہیں جانتا۔ وہ اذان، وہ پہلی شناخت ہوتی ہے جو انسان جانتا ہے اور یہی شناخت اس کا آخر ہوتی ہے۔ یہی شناخت بچی کے کام آئی۔''

''سبحان اللہ، حقیقت یہ ہے عالی جاہ کہ معبود کریم نے کوئی بھی عمل مقصد سے خالی نہیں رکھا ہے، بچی کے سلسلے میں تم کیا بتا رہے تھے۔''

''یہی بابا صاحب کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے اسے اپنی نگاہوں میں رکھا اور ہر اس جگہ اس کے لیے آسانیاں فراہم کرتا رہا۔ جہاں اس کی پرورش ہوئی، میں اسے کسی نہ کسی طرح اس جگہ سے منتقل کر دیتا تھا جہاں راج گندل پہنچ جاتا۔ راج گندل تو خیر جو کچھ تھا لیکن ایک بھٹکتی ہوئی روح اس کی مدد پر آمادہ ہوگئی۔ اس کا نام منکاری تھا۔ وہ آوارہ روح اپنی مطلب براری کے لیے راج گندل کے ساتھ مل کر کام کرنے لگی اور راج گندل کو دہری قوتیں حاصل ہوگئیں۔ یہاں تک کہ اسی روح کے ایماء پر راج گندل نے مجھ پر قبضہ جمانے کے لیے چال چلی اور کامیاب ہوگیا۔ بچی سے میں ہر جگہ ملتا رہا اور وہ مجھے ماما جی، ماما جی کہہ کر پکارتی رہی۔ جب میں راج گندل کا قیدی بن گیا تو راج گندل نے اپنی ناپاک قوتوں کا سہارا لے کر میری صورت اختیار کی اور بچی اس سے مانوس ہوگئی، لیکن قدرت کے کچھ عمل ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی عقل سے باہر ہوتے ہیں۔ ساری زندگی شیطانی اور ناپاک کام میں گزارنے والا راج گندل کم بخت مٹی ہی کا بنا ہوا تھا اور مٹی کا پیار اپنا رنگ لایا۔ وہ بچی سے محبت کرنے لگا اور اس کی شیطانی فطرت میں گداز پیدا ہونے لگا، جبکہ منکاری آپ سے شکست کھا کر ذاتی انتقام پر آمادہ ہوگیا۔ اس نے بچی کو ہلاک کرنا چاہا لیکن راج گندل نے اس سے تعاون نہیں کیا۔ راج گندل کے جسم پر اب منکاری کا قبضہ ہے اور راج گندل دہری شخصیت کا مالک بن چکا ہے۔ منکاری کے دل میں برائی آئی ہوئی ہے وہ آپ اور شاہنواز کو شکست دینے کے لیے بچی کو ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔ اسی لیے اس نے آپ کو کالی کھاڑی آنے کی دعوت دی ہے۔ وہ وہاں ضرور کوئی ناپاک عمل کرے گا لیکن راج گندل بچی کی موت نہیں چاہتا اور اسی لیے اس نے بڑا خطرہ مول لے کر مجھے آپ کی تحویل میں دے دیا، یعنی بوتل ادھر پھینک دی۔ یہ اس کے دل کے گداز کی کہانی ہے۔ اس نے سوچا کہ آپ کو مکمل طور پر کام کرنے کی آزادی دے دے۔''

''سبحان اللہ...... سبحان اللہ...... حقیقت یہ ہے کہ مالک کائنات جب کوئی عمل کرنا چاہتا ہے تو پتہ نہیں کسے کیا کیا بنا دیتا ہے۔ اب یہ بتاؤ عالی جاہ ہمیں کیا کرنا ہے؟''

''آپ چوہدری شاہنواز کے ساتھ کالی کھاڑی جائیے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔''

بابا ادریس مسکرا دیئے تھے۔

❀ ❀ ❀

کالی کھاڑی ان علاقوں کا سب سے بھیانک علاقہ تھا، بدصورت اور بدنما پہاڑیاں جگہ جگہ سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ انہی میں ایک درے جیسی جگہ تھی جو کالی کھاڑی کہلاتی تھی۔ اوپر ایک بھیانک اور بدنما پہاڑ کی چوٹی تھی۔ یہیں منکاری نے ان لوگوں کو بلایا تھا۔

چوہدری شاہنواز نے بابا صاحب سے پوچھا تھا۔ ''محترم! کیا عرشیہ کو وہاں لے جانا ضروری ہے، ظاہر ہے اس ناپاک شخص نے وہاں کوئی غلط ہی عمل کرنا ہوگا جس کے لیے اس نے ہمیں دعوت دی ہے۔''

''تم نہیں سمجھتے شاہنواز کہ ماں کیا درجہ رکھتی ہے۔ بس اتنا سمجھو کہ عرشیہ کا وہاں جانا ضروری ہے۔''

''جو حکم۔'' شاہنواز نے گردن جھکا دی تھی اور پھر وہ کالی کھاڑی چل پڑے تھے۔

حمید خاں ضد کر کے ساتھ ہوگیا تھا اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ ''بات اصل میں یہ ہے چوہدری صاحب کہ میں نے زندگی آپ ہی کے ساتھ گزاری ہے۔ خدانخواستہ آپ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچ گیا تو میں جیتا رہ کر کیا جھک ماروں گا۔ میں اپنا انجام بھی آپ کے ساتھ ہی چاہتا ہوں، خدا کے لیے مجھے نہ روکیے ورنہ میں مایوس ہو جاؤں گا۔''

اتنی ضد کی تھی حمید خاں نے کہ شاہنواز کو خاموش ہونا پڑا۔

بابا ادریس نے بھی کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

کالی کھاڑی تک حمید خاں ہی نے گاڑی چلائی تھی۔ ایک عجیب سا احساس سب کے دلوں میں جاگزیں تھا۔

ادھر راج گندل نے وہ رات جس کی صبح ان لوگوں کو کالی کھاڑی جانا تھا بڑے کرب کے عالم میں گزاری تھی۔ بچی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔ وہ سوچتا تھا کہ مہاشکتی حاصل کرنے کے لیے اس کھیل کا آغاز اسی نے کیا تھا اور اب وہ اس بچی کی زندگی بچانے کے لیے مایوسیوں کا شکار تھا۔

دوسری صبح منکاری نے اس سے کہا۔ ”تیار ہو جا، تجھے اپنی اصلی شکل ہی میں چلنا ہے۔“

”آپ دیکھ لیجیے گرو مہاراج، بچی تیار ہو جائے گی۔“

”پھر وہی بات کی تو نے، چل تو خاموشی اختیار کر۔ خبردار میرے بیچ میں بولا۔ اپنی اصل شکل میں چل۔“

راج گندل اب کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا، بچی نے اسے دیکھا تو دہشت سے ایک طرف سمٹ گئی۔

”کون ہو تم، یہاں کیوں گھس آئے؟“ وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

”کون کی بچی، چل میرے ساتھ۔“ منکاری نے راج گندل کے ہاتھ کو استعمال کرتے ہوئے بچی کے منہ پر کئی تھپڑ لگائے اور وہ سہم کر رونے لگی۔ اس نے اس کے خوبصورت بال پکڑے اور اسے گھسیٹ کر باہر لے آیا۔ پھر اس کے بعد کالی کھاڑی کی جانب سفر کا آغاز ہو گیا۔ فاصلے مختلف طریقوں سے طے کیے گئے اور اس وقت سورج خاصی بلندی پر پہنچ چکا تھا جب انہوں نے ان چار افراد کو دیکھا۔

منکاری نے راج گندل کو آواز دی۔ ”آ گئے ہیں سسرے اپنی موت کو ساتھ لے کر۔ آ میں تجھے دکھاتا ہوں کہ منکاری کیا چیز ہے۔ چل اس کے ہاتھ باندھ دے۔“

راج گندل تو خیر کیا کرتا منکاری نے خود ہی راج گندل کے ہاتھوں سے بچی کے نازک ہاتھ پشت پر باندھ دیئے۔ وہ اب سکتے کے سے عالم میں تھی۔ خوف نے اسے تقریباً مفلوج کر دیا تھا اور وہ منکاری کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑی پر پہنچ گئے۔ بچی کو اس عالم میں دیکھ کر عرشیہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

”میری بچی! میری زندگی!“ اس نے آگے بڑھنا چاہا لیکن بابا ادریس نے اسے

روک دیا۔ ”عرشیہ بیٹی ہم نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا بے اختیار ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس لکیر سے باہر نہ نکلو جو ہم نے تمہارے گرد قائم کی ہے۔“

”ارے واہ بابا جی، یہ جادو منتروں کے بیچ میں بیٹھ کر بہادری کرنے کو تم اچھا سمجھتے ہو، ذرا کھلے میدان میں آؤ۔“

”میں آ رہا ہوں راج گندل اور منکاری۔“ بابا ادریس نے کہا اور منکاری پہلی بار حیران ہوا۔ ”ہم نے تمہیں اپنا نام بتایا تھا، ہاں ہاں بتایا ہوگا، اچھا اب یہ بتاؤ ارادہ کیا ہے؟“

”ارادہ تو تم اپنا بتاؤ منکاری، کیا چاہتے ہو؟“

”دیکھو، یہ راج گندل جو ہے نا اس کا شریر اب ہمارے قبضے میں ہے۔ ہم اسے تو اپنے راستے سے ہٹا ہی دیں گے۔ اس کا شریر اب ہمارے پاس رہے گا۔ ہم اپنا اکال کنٹھ الگ بنا رہے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اس سے تم چار منش ہمارے سامنے ہو، سب سے پہلے تم ہمارے اکال پنتھی بن جاؤ، اے یہ دیکھو۔“ منکاری نے دونوں ہاتھ اوپر کیے اور ایک بڑا سا پیالہ اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس نے پیالہ زمین پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس میں سے ایک ایک گھونٹ پانی چاروں پی لو۔ ہمارے اکال کنٹھ میں آ جاؤ گے اور ہمارے پنتھی بن جاؤ گے۔ سب کچھ معاف کر دیں گے ہم۔ اگر تم چاہو گے تو بچی بھی تمہیں دے دیں گے پر جو کچھ کرو گے من سے کرو گے، کیا سمجھے؟“ بابا ادریس نے اس پیالے کی طرف دیکھا اور ایک لمحے کے اندر پیالے میں آگ بھڑک اٹھی، لمحوں کے اندر پانی سوکھ گیا۔ بابا ادریس نے کہا۔ ”ہاں منکاری، لاؤ کون سا پانی پلا رہے ہو؟“

منکاری کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اس نے کہا۔ ”کھیل کھیل رہے ہو ہمارے ساتھ اے یہ لو۔“ یہ کہہ کر منکاری نے عین اسی جگہ تھوکا جہاں وہ پیالہ رکھا تھا۔ ایک تڑاخے کی آواز ہوئی۔ پیالہ غائب ہو گیا لیکن زمین کے سوراخ سے ایک اژدھے کا سر نمودار ہوا۔ اس کی ہفت شاخی زبان جو کوئی دو فٹ لمبی تھی آگے بڑھی اور اس نے اس زبان سے بابا ادریس کو چھونا چاہا۔

بابا ادریس نے ہاتھ بڑھا کر وہ زبان پکڑ لی اور اژدھا اپنی زبان چھڑانے کے لیے زور لگانے لگا، لیکن زبان بابا ادریس کی مٹھی میں تھی۔

منکاری تیزی سے آگے بڑھا اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ڈنڈا اژدھے کے سر پر مارا۔ اژدھا واپس اسی راستے سے اندر گھس گیا، لیکن اس کی زبان ٹوٹ کر بابا ادریس کے ہاتھ

میں رہ گئی۔ دیکھنے والوں پر غشی طاری ہو رہی تھی۔ یہ خوفناک منظر ناقابل یقین تھا۔

منکاری نے گردن اٹھائی ہی تھی کہ بابا ادریس نے وہ زبان اس کے منہ پر پھینک ماری اور منکاری کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔

"تیرا ستیاناس، ستیاناس تیرا......" وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے مسل رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ شدید اذیت میں ہو۔ اس کے چہرے پر جگہ جگہ زخم پھوٹنے لگے تھے۔ تب اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے اور کوئی سیاہ کمبل جیسی چیز آ کر اس کے وجود سے لپٹ گئی۔ اس نے دو تین چکر لگائے اور اس کے بعد ایک نئے بھیانک روپ میں نمودار ہو گیا۔

اب یہ راج گندل کا چہرہ نہیں تھا بلکہ ایک خوفناک عفریت کا چہرہ تھا۔ اس نے زوردار چیخ، ماری اور اس کے لمبے لمبے دانت باہر نکل آئے۔ بچی سہمے ہوئے انداز میں چیخ پڑی تھی۔ اس نے بھرپور قوت کے ساتھ بابا ادریس پر چھلانگ لگائی، لیکن بابا ادریس نے جھکائی دے کر اس کی چھلانگ ناکارہ بنا دی اور اپنا ایک ہاتھ بلند کیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک ٹیڑھی سی لکڑی آ گئی۔ انہوں نے وہ لکڑی منکاری کے ماری تو منکاری کا ایک بازو اپنی جگہ سے اکھڑ گیا۔

ایک بار پھر اس نے ایک دہشت ناک چیخ ماری تھی اور اس کے بعد وہ بچی کی جانب لپکا۔ اس نے بچی کو ہاتھ میں اٹھا لیا تھا۔ اس کے فوراً بعد اس نے اپنا سر جھکایا اور زمین پر بیٹھتا چلا گیا۔ دوبارہ اپنی جگہ سے اٹھا تو ایک بار وہ راج گندل کے بدن میں تھا اور اس کے دونوں ہاتھ موجود تھے جبکہ مصنوعی بدن کا ٹوٹا ہوا ہاتھ تھوڑے فاصلے پر پڑا ہوا تھا اور جہاں سے وہ اکھڑا تھا اس جگہ سے غلیظ خون بہہ رہا تھا۔

منکاری نے کہا۔ "ٹھیک ہے، پوری تیاری کر کے آیا ہے ادریس! لے کھیل ہی ختم کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے بچی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اس کے بعد اس نے پہاڑی کی بلند چوٹی سے بچی کو نیچے کی جانب اچھال دیا۔

عرشیہ، حمید خاں اور چوہدری شاہنواز شدت غم سے چیخ پڑے تھے۔ قریب تھا کہ وہ حصار سے باہر نکل جاتے لیکن ایک اور عجیب منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ بچی جو پہاڑی سے نیچے گر رہی تھی اور فضا میں قلابازیاں کھا رہی تھی۔ اچانک ہی ایک جگہ ساکت ہو گئی۔ کوئی بیس سیکنڈ تک وہ ساکت رہی اور اس کے بعد واپس فضا میں بلند ہونے لگی۔

"اللہ اکبر...... اللہ اکبر۔" بابا ادریس کے منہ سے نکلا اور ان کا چہرہ خوشی اور مسرت سے چمکنے لگا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ یہ عالی جاہ ہے جس نے بچی کو درمیان سے پکڑ لیا ہے۔ بچی نیم غشی کی سی کیفیت کا شکار ہو چکی تھی وہ پہاڑ کی چوٹی پر آئی اور اس کے بعد اس حصار کے اندر پہنچ گئی جو بابا ادریس نے قائم کیا تھا۔ عرشیہ جو نیم دیوانوں کے سے انداز میں یہ سارے منظر دیکھ رہی تھی، بچی کی جانب لپکی اور اس نے بچی کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ بچی نے آنکھیں بند کر کے گردن ڈال دی تھی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔

ادھر منکاری حیرت سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا، اپنے اس عمل کو بھی ناکام دیکھ کر اسے تعجب ہوا تھا، دفعتاً اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ "راج گندل! وہ جو تیرے پاس ایک بوتل تھی وہ کہاں گئی۔ اس میں تو، ارے وہ بوتل کہاں گئی؟" یہ کہہ کر وہ خود ہی اپنے لباس کو ٹٹولنے لگا لیکن ایک اور منظر سامنے آیا۔ اس کے اپنے منہ سے ایک بھیانک قہقہہ آزاد ہوا تھا۔

"وہ بوتل میں نے بابا جی کو دے دی منکاری، میں نے سوچا کہ تو اس بچی کی جان لینے پر تل گیا ہے۔ اب وہ جن ہی اسے بچا سکتا ہے جس کا روپ میں نے دھارن کیا ہوا تھا، سو میں نے وہ بوتل بابا جی کو دے دی اور یہ بڑا اچھا کام کیا میں نے۔"

"راج گندل! میں نے تجھے بتایا تھا کہ میں جب چاہوں تجھے اپنے اندر سے نکال کر پھینک سکتا ہوں، پھر تو صرف آتما ہو گا اور میں شریر۔"

"اس کے لیے میں نے تیاریاں کر لی تھیں منکاری! میں مہا شکتی مان بننا چاہتا تھا، لیکن اس لالچ کی وجہ سے اپنا سب کچھ کھو بیٹھا۔ پھر نجانے کہاں سے میرے من میں پریم کا پودا اگا اور میں نے وہ کیا جو میں نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ میں اسے بچانے میں کامیاب ہو گیا اور جہاں تک بات میرے شریر کی ہے تو منکاری تو نے بھی غلطی کی، یہ دیکھ میں نہ اپنا رہا نہ تیرا، جئے مہا سابلی۔" یہ کہہ کر راج گندل نے کھاڑی میں چھلانگ لگا دی۔

ایک طویل چیخ فضا میں بلند ہونے لگی اور کچھ ہی لمحوں کے بعد راج گندل کا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو کر کھاڑی کی ایک چٹان پر پڑا ہوا نظر آنے لگا۔ سب سے پہلے بابا ادریس نے جھانک کر اسے دیکھا۔ پھر چوہدری شاہنواز، حمید خاں اور عرشیہ بھی آگے آ گئے۔ اب کھاڑی میں مکمل اور مسلسل خاموشی طاری تھی۔ بابا ادریس ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھتے رہے۔ پھر انہوں نے ان پر پھونک ماری اور اس کے بعد بولے۔ "چلو انجام بخیر۔"

حمید خاں کے منہ سے سب سے پہلے خوشی کی آواز نکلی تھی۔ چوہدری شاہنواز نے سب سے پہلے بچی کے ہاتھ کھولے اور پھر اسے کندھے سے لگا کر عرشیہ کا ہاتھ پکڑا اور لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔ ''عرشیہ مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری بچی تمہیں دے دی۔''

اس کے بعد وہ واپس چل پڑے تھے۔

ارواح خبیثہ کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، کیا چیز ہے؟ بچی بالکل ٹھیک ہے۔ عرشیہ کو اپنی ماں اور شاہنواز کو اپنا باپ تسلیم کرتی ہے، لیکن عالی جاہ کی محبت اس سے برقرار رہے اور یہ لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ رات کی تنہائیوں میں جب آسمان پر چاند نکلا ہوتا ہے تو حویلی کے صحن میں بچی بیٹھ کر جس سے باتیں کرتی ہے، وہ عالی جاہ ہے۔ ان لمحات میں ماں باپ میں سے کوئی ان دونوں کے درمیان مداخلت نہیں کرتا۔

ختم شد